سلسلۂ انجمن ترقی اردو نمبر (۸۴)

خطبات گارساں دتاسی

یعنی

پروفیسر موصوف کے سالانہ افتتاحی لکچر هندوستانی زبان

از ۱۸۵۰ع تا ۱۸۶۹ع

مترجمہ و شایع کردہ

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

سنہ ۱۹۳۵ع

فہرستِ مضامین

تصانیف (۱۹ - ۲۲) - ۱۸۵۱ میں مطابع کی حالت (۲۲) - چند قابل ذکر مطبوعہ کتابیں (۲۲ - ۲۴) - صاحب خطبات کا طریقۂ تعلیم و سبیل تذکرہ (۲۴) - تاریخ شیر شاہ (۲۴ - ۲۶) - پریم ساگر' اس کا ماخذ' ترجمہ' اس میں سری کرشن کی سیرت و تعلیمات' عیسیٰ کی سیرت و تعلیمات کی صدائے بازگشت' تبلیغ عیسائیت' سینٹ ٹہامس دکھنی میں وعظ کرتا تہا (۲۷ - ۲۸) —

چوتھا خطبہ ۲۹ تا ۴۴

ہندوستانی بول چال سے گزر کر ادب کے حدود میں داخل ہو رہی ھے؛ مطابع و اخبارات کی ترقی مختلف شہروں میں (۲۹ - ۳۵) - ہندوستانی تصانیف و تالیفات' رومن کیتھلک اور پراٹسٹنٹ فرقوں کی مطبوعات (۳۵ - ۳۶) - بعض ہندوستانی جو عیسائی ھو گئے' رام چندر اور ایک سکھ شہزادہ (۳۶) - ہندوستانی مطبوعات کی تعداد' ہندی' اردو کتب' شرح راماین' نجات المومنین' حاتم طائی منظوم' ہندی لغت مرتبۂ تعشق (۳۷ - ۳۸) - اردو مطبوعات' قصۂ منصور' مجموعہ مثنوی' حکایت نصیحت آمیز' نظم نادر' گلستان سرور' ترجمۂ مقامات حریری' قصۂ دھرم سنگھ' شرح مثنوی بوعلی قلندر' بہارستان سخن' میزان عقبی' "پنجاب میں ایک سال" کا ترجمہ (۳۸ - ۴۰) - مطبوعہ جغرافیہ نقشے (۴۰ - ۴۱) - ہندوستانی انتخابات مرتبہ شکسپیر جو مصنف پڑھاتا تہا' اس کی بجائے طوطا کہانی اور باغ و بہار داخل نصاب ہوے' ان کتابوں کا طرز تحریر (۴۱) - طوطا کہانی اور باغ و بہار کے ترجمے (۴۱ - ۴۲) - باغ و بہار کا ایک اقتباس' خلاصہ' اس کتاب کی خصوصیات (۴۲ - ۴۴) —

پانچواں خطبہ ۴۵ تا ۱۸۰

ہندوستانی زبان کی اصل و ماخذ؛ سنسکرت پراکرت' بہاشا (۴۴-۴۵) اسلامی فتوحات سے بہاکا میں تغیر (۴۶) - دہری ھند اسلامی زبان یعنی اردو اور دکھنی (۴۷) - ہندوستانی کی تفریق (یعنی اردو اور ھندی) کی وجہ (۴۸) - اردو کے ھندو مصنفوں اور مولفوں نے اسلامی طرز اور

تخیلات کو اخذ و جذب کیا (۴۸) - ہندی نظمیں ' اردو دکھنی کے مقابلے میں پر زور ہیں - سنسکرت اور فارسی کو بے دخل کر کے مشہور ہندوستانی تصانیف نے ہندوستانی زبانوں کی ایک حالت قایم کر دی (۴۸ - ۴۹) - سر سید کا ایک اقتباس دربارۂ تاریخ زبان اردو (۴۹ - ۵۱) - ولی سے قبل کے شعرا کی زبان (۵۱) حاتم کا ایک اقتباس دربارۂ احتیار زبان (۵۱) - سر سید کے بیان پر تنقید اور اس کا موازنہ میر امن کے بیان سے (۵۲) - مسعود بن سلمان سعدی حسرو اور نوری کی ریختہ گوئی (۵۲ - ۵۳) - دکھن میں ریختہ کے اشعار بزبان دکھنی ' وہاں کے چند نامور شعرا کے نام (۵۳ - ۵۴ - شمالی ہند میں ولی کی تقلید سے شاعری کا آغاز (۵۴) - مصنف کو اردو زبان کی تاریخ کا شوق کیوں کر پیدا ہوا اور اس نے اپنی تاریخ کیوں کر لکھی (۵۴ - ۵۵) - تذکروں کی فراہمی (۵۵) ایرانی اور ہندوستانی تذکرہ نگاری کی حالت (۵۵ - ۵۶) - ہندوستانی تذکروں کے دو نمونے ' ذکر حاتم و ذکر ابوالحسن تانا شاہ از گلشن ہند (۵۹-۶۵) - اردو اور دکھنی کا مقابلہ (۶۵) - ہندی شعرا کے تذکرے یعنی کب مالا (۶۶) - بھگت مالا (۶۶-۶۸) - بھگت چرتر؛ راگ کلپا درم (۶۸-۷۰) سجان چرتر ' کوی چرتر (۷۰) - اردو تذکرہ؛ نکات الشعرا؛ (۷۱ - ۷۵ ' تذکرۂ قائم ' تذکرۂ گردیزی (۷۵ - ۷۶) - مخزن نکات (۷۶ - ۷۸) - مسرت افزا (۷۸) - تذکرۂ شورش (۷۹) - تذکرۂ گلزار ابراہیم (۸۰) - تذکرۂ مصحفی (۸۱ - ۸۲) - تذکرۂ لطف (۸۳) - مجموعۂ انتخاب (۸۳) مجموعۂ نغز (۸۵) - عمدۂ منتخبہ (۸۶) - طبقات سخن (۸۸) - تذکرۂ جہاں (۸۹) - عیار الشعرا (۹۱) - گلشن بیخار (۹۲) - گلشن بے خزاں (۹۳) - گلدستۂ نازنیناں (۹۳) - تذکرۂ ناصر لکھنوی (۹۴) - گلستان سخن نامہ تین تذکرے مولفات صابر' جوش' مبتلا (۹۴) " انتخاب دواوین شعرا مشہور زبان اردو کا " مولفہ صہبائی (۹۴) - صحف ابراہیم (۹۵ سراپا سخن (۹۶) - طبقات الشعرا (تذکرۂ شعرائے ہند) (۹۶) - اردو منتخبات : - تین مجموعے اور ان کی حالت (۹۷) ؛ گلدستۂ ثنا (۹۸) - مجموعۂ واسوخت (۹۸) - ہندوستانی شعرا کے ان تذکروں ذکر جن کے نام تذکروں میں مصنف کو ملے ہیں : - کوی پرکاش : وار

هندو القاب شری ؛ دیو' کال اور روسی قوموں میں ان القاب کی مماثلت (۱۲۱) - درباری شعرا کے خطابات (۱۲۱) - هندو فارسی تخلص استعمال کرتے هیں (۱۲۲) - بعض هندو شاعر جو مسلمان هو گئے هیں ؛ مسلمان هونا بمقابلہ هندو رهنے کے ترقی کرتا هے - (۱۲۲) هندو مسلمان جو عیسائی هو گئے هیں ' ان کی تبدیل اسما کی نوعیت (۱۲۳) - شعرا جو اپنا مذهب تبدیل کر کے مسلمان هو گئے (۱۲۳) یورپی عیسائی جو اردو کے شاعر هیں (۱۲۳ - ۱۲۶) - ایک حبشی جو اردو کا شاعر تھا (۱۲۶) - هندی کے شعرا مذهبی تفریقوں کے لحاظ سے؛ سنی ' شیعہ (۱۲۷) - وهابی (۱۲۸) - بادشاہ شاعر (۱۲۹) - شاعر عورتیں (۱۲۹ - ۱۳۱) - هندو مسلمان شاعروں کی تقسیم بلحاظ زمانہ ؛ گیارهویں صدی : مسعود سعد ۱۲ ویں صدی : چند اور پیپا - ۱۳ ویں صدی : سعدی ' بچھو باورا ۱۴ ویں صدی : خسرو ' نوری(۱۳۲) ان کے سوا اور شعرا جن کی تصانیف موجود هیں (۱۳۲ - ۱۳۳) ۱۵ ویں صدی کبیر ' گوپال داس' دهرم داس ' نانک ' بھگو داس ' لالچ (۱۳۳) ۱۶ ویں صدی : سکھ دیو ' نابھا جی ' رلبھا ' دادو ' بہاری (۱۳۳ - ۱۳۴) ابوالفضل' افضل ' محمد قلی قطب شاہ ' عبداللہ قطب شاہ (۱۳۴)- ۱۷ ویں صدی : سورداس ' تلسی داس' کیشو داس (۱۳۵) - حاتم ' آزاد ' جواں (۱۳۵)- ولی' احمد گجراتی' تانا شاہ ' شاهی' مرزا ابوالقاسم' ابن نشاطی ' غواصی ' محقق' رستمی (۱۳۵ - ۱۳۶) - ۱۸ ویں صدی کے هندو مصنفین گنپتی ' بیر بهان ' رام چرن ' شیو ناراین (۱۳۶) - اردو شعرا : سودا' میر ' حسن (۱۳۶) - جرأت ' آرزو ' درد ' یقین' نداں ' امجد دهلوی ' امین الدین بنارسی ' عاشق (۱۳۶) - دکھنی شعرا : حیدر ' ابجدی ' سراج- ۱۹ ویں صدی : هندی مصنفین :- بھگت ور' دلها رام ' چتر داس (۱۳۷) - اردو گو : - مومن ' نصیر ' آتش ' مول چند ' ممنون (۱۳۷ - ۱۳۸) - دکھنی : کمال ' عبدالحق (۱۳۸) - شاعروں کی تقسیم بلحاظ تذکرہ نگاری (۱۳۸) - تصنیفات جن کا ذکر تذکروں میں هے :- اصناف سخن . غزل ' مثنوی و دیگر اصناف - (۱۳۹ - ۱۴۰) - اردو اور هندی شاعری کے موضوعات عشق (۱۴۰ - ۱۴۱) - اردو کی بحریں (۱۴۱) - تدوین کلام (۱۴۱) - حسن ازلی اور حسن مخلوق میں کد مذ (۱۴۲) - چلند نظموں کا ذکر

جن کا ترجمہ مصنف نے کیا (۱۴۳) - ان نظموں پر رائے - غزلوں میں صنعت ابہام
کا عیب (۱۴۳) - شہرت دیوان ولی : مقبولیت سودا ' میر' درد ' جرأت ' یقین
(۱۴۳) - آتش ' ذوق ' نظیر کے دیوان (۱۴۴) - فردیات (۱۴۴) - نوحہ '
عیدی ' معما ' مقطعات ' نعت سہ لکرہ ' واسوخت ' رثلیاث (۱۴۵) - نسبتیں
(۱۴۶) چوپای ' دوھا ' گن (۱۴۶) - مکری (۱۴۷) - کوک شاستر (۱۴۷)
مثنویاں ' خمسے ' ھفتے (۱۴۷)- فارسی قصوں کے اردو ترجموں کی نوعیت (۱۴۸)-
آرائش محفل : یوسف زلیخا ' لیلیٰ مجنوں کے مختلف ترجمے (۱۴۹) - بہرام گور
اور قصہ سکندر کے مختلف نسخے (۱۵۰) - قصۂ حاتم ' داستان امیر حمزہ ' قصۂ
حنیف ' تاریخ ھرمزد (۱۵۱ - شکنتلا کے ترجمے (۱۵۲)- پدماوت کے ترجمے (۱۵۳) -
کرشن کی تاریخ ' رامائن (۱۵۴) - کامروپ ' گل بکاولی (۱۵۵) - ھیر رانجھا '
سسی پنو ' پھول بن (۱۵۶) - گل و صنوبر' چہار درویش ' گور بزم ارتھم (۱۵۷)-
بیتال پچیسی' سنگھا سن بتیسی' طوطا کہانی' جاور نامہ' قصۂ بلند اختر (۱۵۸) -
اخوان شاہ ' چندر بدن مہیار ' دلارام و دلربا ' پری رخ و ماہ سیما ' فسانۂ
عجائب اور اس قسم کے قصوں کے ترجمے اور خلاصے جو مصنف نے کیے (۱۵۹)- نظم کی بعض
اور قسمیں ' بارہ ماسہ ' پھول چرتر (۱۶۰) - مسلمانوں میں نظم کی ایک خاص
قسم مثلاً کشف الاسرار ' منطق الطیر ' اخوان الصفا (۱۶۱) - پنچ تنتر (۱۶۲) -
ناٹک ' یوسف زلیخا ' محرم کے تعزیے ' ھولی' ھنومان کا ناٹک (۱۶۲ - ۱۶۳) -
انشا ' فیض ' خالق ' نظام الدین (پونے والے) ' چرنجی لال ' یوسف دکھنی اور
ھوکرن کی انشائیں (۱۶۳) - لسانیات کی کتابیں : مفتاح اللغت ' مصدر الفاضل '
لغت اردو ' مصدر فیوض اردو ترجمہ میزان فارسی ' مظہر نحو' ایک اور اردو لغت '
لغت السعید ' اردو لغت مطبوعہ آگرہ ' تالیفات صہبائی ' بھاشا پنگل (۱۶۴) -
انگریزی صرف و نحو پر ھندوستانی کتابیں (۱۶۴) - تاریخ : چند ' چترا پرکاش '
تاریخ گوالیار ' ' راج ولاس ' ھمیر راسا ' ھری چندر لیلا ' سورج پرکاش منظوم
حالات راجا مارواڑ (۱۶۵)- گرب چنتا منی ' تاریخ میواڑ ' رشابھا چرتر ' ہنس کلی '
کلپا درم ' پوتھی محمد شاہ (۱۶۶) - اردو تاریخی کتابیں : آثار الصنادید ' تاریخ
آگرہ - علی نامہ ' واقعات کورکھا ' نظم پر سومنا تھ پٹن ' حکومت بنگال ' تاریخ
خاندان سندھیا (۱۶۶ - ۱۶۷) - خود نوشت سوانح : تیمور ' بابر ' اکبر اور
جہانگیر کے توزکوں کے ترجمے : پتمبر داس ' موھن لال ' علی حسین وغیرہ کے

خود نوشتہ سوانح (١٦٧) - سفرنامے : سفر نامہ یوسف خاں لکھنوی ' سفر نامہ
لندن کریم الدین خاں نیز اس کا ترجمہ از مصنف (١٦٨) - مذہبی فلسفہ :
مہا دیو چوتر ' شولیلا مرتم ' گورا منگل وغیرہ ' نیز مسلمانوں کے مذہبی فلسفہ کی
کتابیں (١٦٨) - مذہبی قانون (١٦٩) - سائنس و دیگر علوم و فنون (١٦٩) -
سنگ تراشی اور طبی نباتات پر کتابیں ' فن شاہین و باز ' فن بیطاری ' موتیوں کا
وزن و قیمت ' شطرنج بازی ' تعبیر خواب ' طباخی وغیرہ پر کتابیں (١٦٩ - ١٧٠) -
مشرقی زبانوں کے ترکے ہندوستانی میں ویدوں ' شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین
کے تراجم قرآن ' ایک اور ترجمۂ قرآن ' منظوم تفسیر از اشرف (١٧٠ - ١٧١) -
ترجمۂ مہنا ستوترا ' ترجمۂ بیگو ونس ' ترجمۂ رامایین وغیرہ (١٧١) - تامل '
بنگالی اور مرہٹی کے ترجمے (١٧٢) - عربی کتابوں کے ترجمے : ابوالفدا ' ابن خلکان '
اخوان الصفا ' مشکوۃ شریف ' ادب القاضی کے ترجمے ؛ مقامات حریری کا ترجمہ
نیز اس کا ترجمہ از مصنف ؛ الف لیلہ کے ترجمے از حسن علی خاں ' شمس الدین احمد
(مدراس) ' نسیم ' وغیرہ (١٧٢ - ١٧٣) - ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی
کے تراجم جغرافیہ ابوالفدا ' تاریخ مغلاں رشید الدین ' تاریخ ابن
خلدون وغیرہ - فارسی کے ترجمے : تراجم گلستاں ' ترجمۂ بوستان
سعدی از مغل ' منظوم ترجمۂ خلاصۂ شاہنامہ از منشی ' شاہ نامے کے
دو نثری ترجمے ' ترجمۂ قصہ سہراب ' ترجمۂ مثنوی شریف ' تراجم پندنامۂ عطار '
پندنامۂ سعدی ' منطق الطیر ' حسن و عشق ' بہار دانش ' تاریخ کشمیر (١٧٣) -
ترجمۂ تاریخ طبری (١٧٣) - تراجم کتب ہندی وغیرہ : سنسکرت ترجمہ ست
سئی ' ارمنی ترجمۂ باغ و بہار ' فارسی ترجمہ راگ درشن (١٧٣) -
تراجم کتب اردو قصۂ دھرم سانگھہ اور سراج پور کی کہانی کے فارسی
ترجمے (١٧٥) - کتب انگریزی و فرانسیسی کے اردو ترجمے : - ترجمۂ
تاریخ فلوری ' ترجمۂ صرف و نحو عربی مؤلفہ دی ساسی (١٧٥) '
مغربی زبانوں کے فواید (١٧٥ - ١٧٦) - مذہبی کتب ؛ قرآن پاک کا
الہ آبادی اڈیشن (١٧٦) - ترجمۂ انگلیکن لٹرجی (١٧٧) - سنگی
مطابع کا فایدہ (١٧٧ - ١٧٨) - چند مطابع کی تاریخ اور ان کی
مطبوعات (١٧٨) - ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کا کارنامۂ لیتھوگرافی
(١٧٩) - اخبارات و رسایل کا آغاز اور ان کی ترقی (١٧٩ - ١٨٠) -

چھٹا خطبہ ۱۸۱ تا ۱۹۶

خطبہ کا موضوع :- ھندوستانی ادب کی تحریک ترقی (۱۸۱) - صوبجات مغربی و شمالی کے چھاپہ خانے اور اخبار (۱۸۲) - اخبار جو بند ھوگئے (۱۸۲ - ۱۸۳) - صوبجات شمالی و مغربی کے شہروں میں چھاپہ خانوں کی تعداد (۱۸۳) - نئے اخبار ' نورالاخبار ' بدھی پرکاش (۱۸۳) - آفتاب ھند ' نقم الاخبار (۱۸۴) - صادق الاخبار ' نور مشرقی ' نور مغربی ' سرکاری اخبار گوالیار (۱۸۵) - شعاع شمس ' چشمۂ فیض (۱۸۶) - صوبجات مغربی و شمالی کی ادبی ' تاریخی ' فلسفیانہ کتابیں :- چراغ حقیقت ' تذکرۃ التمکین ' عجائب روزگار ' مخزن قدرت ' خیالات الصانعی (۱۸۷) - ترجمۂ قوانین منو ' ترجمۂ قدوری ' بھوت نہنگ مصنفۂ رام چندر (۱۸۷) - اخلاقی ناول : سندھی کیدھی ' پنچارا (۱۸۸) - ترجمۂ تاریخ کشمیر ' تاریخ فقہاے اسلام ' سفرنامۂ یورپ ' سیاحت فرماں رواے اندور (۱۸۸) - تصانیف صہبائی : حدیقۃ البلاغت ' قواعد اردو (۱۸۸) - ۱۸۵۳ - ۵۲ ع کی چند مطبوعات : ترجمۂ کرشن بالپن ' ترجمۂ لیلی مجنوں ' سفینۂ طراوت ' شرح قصائد سودا ' دیوان درد ' راماین ' خلاصۂ انوار سہیلی (۱۸۹) - ایک انگریز حاکم کی حقارت آمیز راے دربارۂ باغ و بہار ' گل بکاؤلی ' اخلاق جلالی ' زبدۃ الخیال پریم ساگر ' سبھا بلاس ' راج نتی (۱۸۹ - ۱۹۰) - انگریزی کتابوں کے ھندوستانی ترجمے اور ان کی حیثیت ' مترجمین ' مذھبی کتابوں کے ھندو مترجمین ' حکومت کا مقصد ان تراجم سے وغیرہ (۱۹۱ - ۱۹۶) —

ساتواں خطبہ ۱۹۷ تا ۲۱۳

تمہید : معزولی واجد علی شاہ (۱۹۷ - ۱۹۸) - موضوع خطبہ : ھندوستان کی ادبی تحریک بذریعۂ ھندوستانی (۱۹۸) - ھندوستانی کی اصل اور اس سے مراد اور اس کے مرکز (۱۹۹) - ھندوستانی کا رسم خط (۱۹۹ - ۲۰۱) ممالک مغربی و شمالی اور پنجاب میں مطابع و رسایل کی تعداد (۲۰۱) - اخبار کوہ نور (۲۰۱) اخبار و رسایل کی اشاعت (۲۰۲) مطابع کی مطبوعات کی تعداد (۲۰۲) - دھلی میں شایع شدہ کتابیں ' ان کی اشاعت کا مقصد (۲۰۳ - ۲۰۴) - تذکرۂ گلستان سخن (۲۰۴) - گیان چالیسی '

هندوستانی کتابیں (۲۵۶) - رومن رسم خط پر بحث (۲۵۶ - ۲۵۸) - انگریزی حکومت کے هندوستانی ادب پر کیا اثرات پڑیں گے (۲۵۸) - رومن رسم خط هندوستانی کے لیے مفید هے (۲۵۸) - انجمن عیسائیان هند براے تعلیم السنۂ ملکی (۲۵۹) - عیسائیوں کا رومن رسم خط کی ترویج کرنا (۲۵۹ - ۲۶۰) - کتابیں جو اس رسم خط میں شائع هوئیں (۲۶۱ - ۲۶۳) هندوستانی اور رومن رسم خط کا مقابلہ اور آخرالذکر کا مختصر تذکرہ (۲۶۳ - ۲۶۶) - لاطینی حروف کا مخالف جان شکسپیر اور اس کے حالات (۲۶۶ - ۲۷۰) -

دسواں خطبہ ۲۷۱ تا ۳۰۳

تمہید :- غدر کے بعد هندوستانی ادب کی تحریک کا تیزی سے آغاز - (۲۷۱ - ۲۷۲) - منظورالاخبار سورت (۲۷۲ - ۲۷۳) - اجمیر سے فیلن کا ایک اخبار جاری کرنا اور وهاں ایک مطبع قایم کرنا (۲۷۳) - رسالۂ معین خلایق آگرہ ' اخبار طبابت پشاور (۲۷۵) -

نئی تصانیف : تاریخ بغاوت هند (۲۷۵) - وفادار هندی مسلمانوں کی سرگزشت ' رسیدن شاہ (۲۷۶) - کتاب بر عهد ویدانت (۲۷۷) - رسالہ در باب کاشت نیل (۲۷۷) - کتب شائع کردۂ ناظم تعلیمات صوبۂ شمال مغربی (۲۷۷ - ۲۷۸) - تالیفات فیلن (۲۷۸ - ۲۷۹) - مسٹر هال کی شائع کردہ سنگھاسن بتیسی اور ان کی مؤلفہ ادب هندی کی تاریخ (۲۷۹) - لغات و اصطلاحات کی کتابیں (۲۷۹) - ایک بزم موسیقی کا ذکر (۲۸۰) - بیتال پچیسی مرتبۂ فوربس (۲۸۰) - کتب جو لاطینی رسم خط میں شایع هوئیں (۲۸۰ - ۲۸۳) - لاطینی و فارسی رسم خط پر بحث اور لاطینی رسم خط کے بعض حامی (۲۸۳ - ۲۸۵) - اهل هند کی سیاحت یورپ بغرض تعلیم وغیرہ (۲۸۵ - ۲۸۶) - انگلستان میں اردو زبان کا چرچا (۲۸۶ - ۲۸۷) - انگریز نوجیوں کی تعلیم میں اردو کا لزوم (۲۸۷ - ۲۸۸) - بعض مستشرقین کا انتقال (۲۸۸ - ۲۹۱) - مصنف کا باغ و بہار کو فارسی اور لاطینی رسم خط میں پڑھانا ؛ کامروپ کا مختصر تذکرہ (۲۹۱) - کامروپ کے مضامین کا خلاصہ اور اس کی مختصر روئداد (۲۹۱ - ۳۰۳) -

۳۴۴) - تصانیف جن کا علم سراپا سخن سے ہوا (۳۴۵) - تذکرے جو مصنف کے علم میں ہیں (۳۴۶) - شعراے مرہٹی کا تذکرہ کوی چرتر (۳۴۶) کلکتہ ریلیجس ٹراکٹ سوسائٹی کی مطبوعات (۳۴۷) - پادری اون صاحب کی تفسیر انجیل (۳۴۷) - اُردو لغت باغ و بہار مرتبۂ ڈنکن فوربس (۳۴۸) - باغ و بہار کے مختلف اڈیشن اور اس پر تنقیدی خیالات (۳۴۸ - ۳۵۱) اسلامی کتب عقاید و تفاسیر کی اہمیت (۳۵۲ - ۳۵۵) - طلباے اُردو و فارسی کی تعداد (۳۵۵ - ۳۵۶) - ہندوستانی مدارس میں تعلیم انجیل کی سہولت (۳۵۶) - حکومت صوبۂ شمال مغربی کا یورپی زبانوں کے سوا دیسی زبانوں کی ترقی و ترویج میں کوشاں ہونا (۳۵۶ - ۳۵۷) - اہل ہند کی توجہ تعلیم نسواں کے باب میں (۳۵۸ - ۳۶۰) - اہل ہند کی اردو کو عدالتی زبان بنانے کی کوشش (۳۶۰) - پبلک جلسوں میں اُردو تقریریں (۳۶۱ - ۳۶۲) - یورپ کے بعض مدارس میں اردو کی تعلیم کا انتظام (۳۶۲ - ۳۶۳) - اہل فرانس کو غیر زبانوں کی تحصیل کی ترغیب (۳۶۳) - اڈنبرا میں تقابلی لسانیات کی چیر (۳۶۴) - تقسیم لسانیات بلحاظ صرف و نحو (۳۶۴) - اردو کی وسعت و عالم گیریت (۳۶۵) -

تیرھواں خطبہ ۳۶۶ تا ۴۱۱

تمہید : ہندوستانی ادب کی روز افزوں ترقی سول سروس کے امتحان میں اردو ہندی کا لزوم (۳۶۶ - ۳۶۷) - اس تجویز کی تفصیل (۳۶۷) - ہندوستانی زبان میں مضمون نگاری کا اقدام (۳۶۸ - ۳۶۹) - ہندوستانی کی اہمیت پر بعض مستشرقین کی آرا (۳۶۹ - ۳۷۱) - ہندوستانی کے مروجہ زبان ہونے کی دلیلیں (۳۷۱ - ۳۷۳) - ہندوستانی ہندوستان سے باہر بھی بولی جاتی ہے (۳۷۳ - ۳۷۴) - سول سروس کے لیے نصابی کتابیں (۳۷۴ - ۳۷۵) - ہندوستانی مطابع کی ترقی ' ان کی مطبوعات اور رسایل و اخبارات میں اضافہ (۳۷۵ - ۳۷۶) - پنجاب کے دو اخبار (۳۷۶ - ۳۷۷) - ہندوستانی کے جدید اخبار (۳۷۷ - ۳۷۹) - دوسرے ادبی مشاغل ' سرسید کی شرح انجیل (۳۷۹ - ۳۸۶) - انجیل کے مختلف

کتابیں ، ان کی نوعیت ، ان کتابوں کے نام اور مختصر حالات (۴۲۶ - ۴۲۹) - لاہور کی جدید مطبوعات (۴۳۰) - لدھیانے کی مطبوعات (۴۳۰) - مطبوعات دھلی (۴۳۱) - چند متفرق کتابیں (۴۳۲) - اهل یورپ کی هندوستانی ادبیات پر کتابیں (۴۳۳ - ۴۳۵) - مجلس مذاکرۂ علمیۂ اهل اسلام قایم کردہ سر سید (۴۳۵ - ۴۳۸) - هندوؤں کی انجمن ستھیا وید سماجم (۴۳۹) - ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے نئے صدر سر جان لارنس اور ان کا تعلیمی شغف (۴۳۹) - چند اور مدرسے اور کالج وغیرہ (۴۳۹ - ۴۴۲) - زرعی نمایشیں (۴۴۲) - تعلیم نسواں کی ترقی (۴۴۳ - ۴۴۴) - انگریزی مشن کا اثر مسلمانوں پر ، مسلم مشنری سوسائٹی وغیرہ (۴۴۴ - ۴۴۵) - مختلف انجمن هاے تبلیغ کی کارگزاریاں (۴۴۵ - ۴۴۸) - اهل علم جن کے انتقال سے هندوستانی ادب کو نقصان پہنچا : جیمس آر بلانٹین ، انجیرس ، موسیو بوترو ، ایورنڈ ڈبلو کیورٹن ، موسیو آندرے ژان ، میجر ایچ - آر - جیمس ، (۴۴۸ - ۴۵۶) —

پندرھواں خطبہ ۴۵۷ تا ۵۱۰

تمہید : هندوستانی تمام هندوستان کی مشترکہ زبان بن گئی (۴۵۷) - اس دعوے کی تائید میں مستشرقین کی آرا (۴۵۸) - بابو راجندر لال متر کا مضمون " هندی زبان کی ابتدا اور اردو کے ساتھ اس کا تعلق " اس مضمون کا خلاصہ اور اس پر تنقید (۴۵۹ - ۴۶۱) - بابو صاحب کی راے دربارۂ رسم خط (۴۶۱ - ۴۶۲) - نیسو لینر کی راے دربارۂ رومن رسم خط (۴۶۲) - مصنف کی راے دربارۂ دیوناگری و فارسی رسم خط (۴۶۳ - ۴۶۴) - هندوستان میں اردو کی اهمیت : دربار لاهور میں اردو تقریر (۴۶۵) - اردو تقریر چیف کمشنر لکھنو (۴۶۵) - جانشین مہاراجا گوالیار کا امتحان اردو (۴۶۶) - سول سروس کے امیدواروں کو کامیابی زبان پر انعام ، فوجی افسروں کے هندوستانی اساتذہ کو الونس ، کپتان فلو کی مطبوعہ هندوستانی کتب (۴۶۶) - لندن کی ایک مجلس اور اس کے مقاصد (۴۶۷) - جان گلکرسٹ کی وفات اور ان کی ادبی خدمات کا اعتراف (۴۶۷ - ۴۶۸) - نواب ناظم مرشدآباد کے تعلیمی

انجمنوں کے ساتھہ (٥٨٣ - ٥٨٣) - اصلاحی تحریکوں میں حکومت کی امداد (٥١٥) - اهل هند میں توهمات کم نہیں هوے ' اس کی مثالیں (٥٨٦ - ٥٨٧) - والیان ریاست کا تحریک ترقی کا ساتھہ دینا (٥٨٧ - ٥٨٩)- هندوؤں اور مسلمانوں کی انجمنوں کی مساعی در بارۂ ترقی علوم و ادب (٥٨٩-٥٩٣) - والیان ملک کے علمی و ادبی مشاغل میں اردو کی کارفرمائی (٥٩٣) - حکومت هند کا اهل یورپ کے لیے هندوستانی کی تعلیم کی اهمیت کو تسلیم کرنا (٥٩٣ - ٥٩٥) - اهل هند کی ترقیوں کے مقابلے میں عیسائیت کی اشاعت کچھہ بھی نہیں البتہ تعلیمی ترقی کے ساتھہ مذهبی رواداری کے پیدا هونے کے امکانات هیں (٥٩٥ ٥٩٨) - چند عیسائی مشنریوں ' انجمنوں اور بعض حدیدالایمان عیسائیوں کا تذکرہ (٥٩٨ - ٦٠٣) - پنجاب کی تعلیمی ترقی (٦٠٣ - ٦٠٥) - هندوستانی یونیورسٹیاں (٦٠٥ - ٦٠٦) - مختلف کالج ' مدارس وغیرہ (٦٠٧ - ٦١١) - تعلیم نسواں (٦١١ - ٦١٣) - هندوستانی اخبارات کے فوائد (٦١٣ - ٦١٥) - جدید هندوستانی اخبارات وغیرہ اور اس کا نام بنام ذکر (٦١٥ - ٦١٩) - هندوستانی کی جدید کتابیں ' اردو کتابیں (٦١٩ - ٦٢٠) - هندی کتابیں (٦٢٠) - هندوستانی شاعری (٦٢١) - چند متفرق کتابیں (٦٢٢ - ٦٢٣) - هندوستانی مطبوعات کی فہرستیں (٦٢٣ - ٦٢٥) - اسلامی اور هندو مذاهب کی مطبوعات (٦٢٥) - هندی اور اردو کی بحث (٦٢٦ - ٦٢٨) - سر جان لارنس کا دربار آگرہ اور اس کی کارروائی کا ضمنی تذکرہ (٦٢٨ - ٦٣٠) - هندی اور اردو کی بحث کی تجدید (٦٣٦ - ٦٣٣) -

اٹھارهواں خطبہ ٦٣٧ تا ٦٥١

تمہید : - اهل هند کی ذهنی ترقی ' اس موضوع کے ایک پہلو یعنی هندوستانی زبان ' هندوستانی سے مصنف کے اُستاد کی مراد (٦٣٧) - هندوؤں کی اصلاحی انجمن ' برهم سبھا (٦٣٨ - ٦٣٩) - اس انجمن کے سرگروں بابو کیشب چندر کی مساعی وغیرہ (٦٣٩ - ٦٣٣) - برهمو سماج کا جلسہ اور ان کی اصلاحی تحریک (٦٣٣ - ٦٣٦) -

یورپ بھیجنے کے باب میں (۶۸۸ - ۶۸۹) - مختلف صوبوں کی تعلیمی حالت (۶۸۹ - ۶۹۱) - تعلیم نسواں (۶۹۱ - ۶۹۷) - سرکاری نصاب تعلیم پر تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کا اعتراض (۶۹۷ - ۶۹۸) - ہندوستانی زبان (بحیثیت ذریعہ اشاعت خیالات مسیحی و تہذیب مغربی) ترقی پذیر ہے' اس کی ترقی اور حیثیت پر مختلف آرا و خیالات (۶۹۸ - ۷۰۶) - ہندو اور اسلامی ناموں کو لاطینی میں باقاعدگی کے ساتھہ لکھنے کی تحریک (۷۰۶) - ہندوستانی زبان کے امتحانات کی پابندی (۷۰۶ - ۷۰۷) - کرنل کیتنگ کی اردو تقریریں ان کا ایک انجمن اور مطبع قایم کرنا (۷۰۷ - ۷۰۸) - سر ولیم میور کی مساعی دربارۂ ترقی اردو و ہندی (۷۰۸) - نواب رام پور کا مدارس قایم کرنا (۷۰۸ - ۷۰۹) - سید عبداللہ کا حکومت کو زندہ زبانوں کی تعلیم کی طرف متوجہ کرنا (۷۰۹) - حکومت کا طرز عمل ان زبانوں کے ساتھہ (۷۱۰ - ۷۱۱) - چند جدید مطبوعات اور زیر تالیف و ترجمہ یا زیر غور کتب (۷۱۱ - ۷۲۱) - قانون رجسٹری کتب و اخبارات (۷۲۱) - مسیحی مذہب کی کتابیں (۷۲۲) نیم مسیحی کتابیں (۷۲۲ - ۷۲۶) - نئے ہندوستانی اخبارات (۷۲۶ - ۷۳۶) - جابو ہری چند بنارسی کی اشاعت ادب ہندی کی مساعی (۷۳۷ - ۷۴۰) - اہل علم جنہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا (۷۴۰ - ۷۵۱) -

انیسواں خطبہ ۷۵۲ تا ۸۱۳

تمہید : ہندوستانی ادبیات کی ترقی کے متعلق نئی باتیں (۷۵۲) - اردو ہندی کا جھگڑا بدستور باقی ہے' اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث (۷۵۲ - ۷۷۵) - اردو اور ہندی کے جدید اخبارات و رسائل (۷۷۵ - ۷۸۳) - کتب متعلق ادب اردو (۷۸۳) - مطبوعات صوبۂ پنجاب (۷۸۳) - مطبوعات رجسٹری شدہ صوبۂ شمال مغربی (۷۸۴) - مذہبی کتب (۷۸۴) - نصابی' افسانوی وغیرہ کتابیں (۷۸۴ - ۷۸۵) - انعامی مضامین (۷۸۵) - اردو لغت مرتبہ سید احمد خاں (۷۸۵ - ۷۸۷) - سنسکرت کی تعلیم کا رواج (۷۸۷ - ۷۸۸) - اصلاحی انجمنیں (۷۸۸) - انجمن " معراج

پنتھہ " بمبئی (۷۸۹) - بنارس میں بین اقوامی عبادت خانے کی تجویز (۷۹۰) - انجمن اصلاح رسومات تبیم هنود کلکتہ (۷۹۰) - انجمن تہذیب لکھنو - راجپوتانہ سوشل کانگریس جے پور (۷۹۱) - انجمن رفاہ خلایق آگرہ ' انجمن مباحثہ میرٹھہ ' انجمن چنار (۷۹۲) - ایسٹ انڈیا ایسو سیشن علی گڑہ (۷۹۲ - ۷۹۳) - اهل هند کا بغرض تعلیم ولایت جانا ' اس بارے میں حکومت کی همت افزائی (۷۹۳) - نواب بنگال کا سفر یورپ (۷۹۳ - ۷۹۶) - سید احمد خاں کا سفر یورپ (۷۹۶ - ۷۹۷) - انجمن شاہ جہان پور (۷۹۷ - ۷۹۹) - اس انجمن کے اثر سے دوسرے شہروں میں مختلف انجمنوں کا قیام (۷۹۹) - علی گڑہ انسٹیٹیوٹ (۷۹۹ - ۸۰۰) - انجمن پنجاب (۸۰۰ - ۸۰۱) - سائنٹفک سوسائٹی مظفر پور (۸۰۱) - دهلی انسٹیٹیوٹ (۸۰۱) - نینی تال انسٹیٹیوٹ (۸۰۲) - مشاعرے (۸۰۲) - تعلیمی ترقی جدید مغربی اصول پر ' مختلف تعلیمی اداروں وغیرہ کی کارگزاریاں (۸۰۲ - ۸۰۳) - مشن اسکول وغیرہ (۸۰۳ - ۸۰۷) - سراج الدین پانی پتی کا مسیحیت قبول کرنا (۸۰۷) - اعداد و شمار کی اهمیت ' اس کے ذریعے مختلف مذاهب کے پیرووں کا حال (۸۰۸ - ۸۰۹) - هندووں اور عیسائیوں کا زمرۂ اسلام میں شامل هونا (۸۰۹ - ۸۱۰) - ان همدردوں کا حال جنهوں نے داعی اجل کو لبیک کہا (۸۱۰ - ۸۱۳) -

——:o:——

مقدمه

عرصه هوا جب سر سید راس مسعود (نواب مسعود جنگ بہادر) انگلستان تشریف لے گئے اور انڈیا آفس لائبریری میں کام کر رہے تھے تو حسن اتفاق سے فرانس کے مشہور مستشرق موسیو گارساں دتاسی کی یہ کتاب جس کا اصلی نام "ہندستانی ادب از ۱۸۵۰ تا ۱۸۷۷" ہے اور جواب اردو میں "خطبات گارساں دتاسی" کے نام سے شایع کی جارہی ہے، اُن کے نظر پڑی۔ نواب صاحب موصوف دتاسی کے نام سے بہت پہلے سے واقف تھے کیونکہ وہ اُن کے والد مرحوم سید محمود کے دوست تھے، نیز انھوں نے سر سید مرحوم کی مشہور کتاب آثار الصنادید کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا تھا۔ نواب صاحب فرماتے تھے کہ "جب میں نے اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا تو میرے دل کی عجیب کیفیت تھی اور اس خیال سے میری مسرت اور فخر کی کوئی انتہا نہ رہی کہ ایک نامور عالم جو غیر ملک کا رہنے والا ہے، سال ہا سال تک میری مادری زبان کے مطالعے اور عالمانہ تحقیق میں مصروف رہا؛ اس لیے نہیں کہ وہ ہندستان کے کسی بڑے سرکاری عہدے

پر مامور تھا بلکہ اس لیے کہ وہ بغیر کسی دنیاوی غرض کے محض علم کی خاطر اس زبان سے محبت کرتا تھا" - اسی وقت سے انھوں نے یہ ٹھان لی کہ اس کتاب کا ترجمہ اردو میں ضرور ہونا چاہیے —

جب وہ انگلستان سے حیدرآباد واپس آے تو انھوں نے یہ کتاب مجھے دکھائی اور خود ترجمہ کرنے کا وعدہ کیا - ابتدائی چھ خطبے ترجمہ کرکے بھی دیے لیکن بعض مصروفیتوں کی وجہ سے وہ اس کام کے لیے وقت نہ نکال سکے - اب مجھے کسی دوسرے مترجم کی تلاش ہوی - تین خطبوں (ساتویں ، آٹھویں ، نویں) کا ترجمہ میں نے بجبر عبدالباسط صاحب بی - اے سے کرایا جو بمبئی کے روزانہ اخبار بمبئی کرانیکل میں کام کرتے ہیں - ایک ایسے شخص سے جس کے ذمے روزانہ اخبار کی ترتیب ہو کسی دوسرے کام کی توقع رکھنا عبث ہے - آخر ان سے بھی دست بردار ہونا پڑا - مصنف نے اپنی کتاب کے پانچویں خطبے میں کچھ اضافہ کر کے اسے " ہندستانی مصنفین اور ان کی تصانیف " کے نام سے الگ کتابی صورت میں شایع کیا تھا - میں نے پانچویں خطبے کے بجاے اس اضافہ شدہ مقالہ کو اس کتاب میں درج کردیا ہے - اس کا ترجمہ مسز پکتھال نے کیا - باقی تمام خطبوں کے ترجمے ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب ڈی - لٹ (پیرس) ریڈر عثمانیہ یونیورسٹی

نے کیا جس کے لیے میں ان کا بہت شکر گزار ہوں —

یوں تو ایسے مستشرقین کی اچھی خاصی تعداد ہے جنھوں نے اردو زبان کی قابل قدر خدمت کی ہے لیکن ان میں خاص کر دو ایسے گزرے ہیں جن کا اردو پر بڑا احسان ہے - ایک جان گلکرسٹ ، دوسرا گارساں دتاسی -

گارساں دتاسی فرانس کے بندرگاہ مارسیل میں سنہ ۱۷۹۴ ع میں پیدا ہوا - جیسا کہ خود اس نے ایک جگہہ لکھا ہے وہ عام تعلیم حاصل کرنے کے بعد پیرس پہنچا اور السنۂ مشرقیہ کے پروفیسر سل وسٹر دی ساسی کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوا اور عربی اور ترکی زبان کا مطالعہ شروع کیا - جس طرح پروفیسر براؤن نے ترکی پڑھتے پڑھتے فارسی کی طرف توجہ کی ، کیونکہ بغیر فارسی کے علم کے ترکی کا مطالعہ کامل نہیں ہوسکتا ، اسی طرح گارساں دتاسی نے عربی اور ترکی کے ساتھہ فارسی کی تحصیل شروع کردی - مشرقی السنہ کے شوق ہی نے اُسے اردو کی طرف متوجہ کیا - آخر اس میں اس نے ایسا کمال حاصل کیا کہ پیرس کے السنۂ مشرقیہ کے کالج میں هندستانی زبان کی پروفیسری کی ایک جدید خدمت قائم کی گئی اور اس پر گارساں دتاسی کا تقرر کیا گیا -

پروفیسر اردو کی حیثیت سے انہوں نے بہت قابل قدر کام کیا اور اردو کی تبلیغ و اشاعت اور حمایت کی جو خدمت

انجام دی ہے وہ اردو زبان کی تاریخ میں ہمیشہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ اس نے متعدد کتابوں کا اردو سے فرانسیسی میں ترجمہ کیا؛ کئی کتابیں اردو صرف و نحو اور اردو ادب و تاریخ پر تالیف کیں؛ بعض اردو کتابوں کو صحت اور محنت کے ساتھ مرتب کر کے شایع کیا۔ ان سب کی تفصیل یہ ہے —

ترجمے

میر کی مثنوی اژدرنامہ، تحسین الدین کی مثنوی کامروپ، گل بکاولی کا خلاصہ، مرثیۂ مسکین، سرسید کی آثارالصنادید، اقتباسات اخوان الصفا، نہال چند کی تاج الملوک و بکاولی (نثر) باغ و بہار (میر امن)۔

تالیفات

اردو زبان کے قواعد؛ ہندستانی ادب کی تاریخ؛ خطبات سالانہ؛ ہندستانی شاعر عورتیں؛ ہندستانی مصنفین اور ان کی تصانیف؛ ہندستانی فرانسیسی و فرانسیسی ہندستانی لغات کی نگرانی و امداد —

ترتیب

کلیات ولی، مثنوی کامروپ۔

یوں تو ان کی تمام ادبی خدمات لائق قدر ہیں لیکن ان کے تین کام ایسے ہیں جو خصوصیت کے ساتھ بڑی اہمیت

رکھتے ھیں - ایک تو کلیات ولی کی ترتیب و اشاعت ' دوسرا تاریخ ادب هندستانی اور تیسرا سالانه خطبات -

کلیات ولی کے متعدد قلمی نسخے مختلف مقامات سے حاصل کر کے جمع کیے اور ان کا مقابلہ کر کے بڑی محنت سے ایک صحیح نسخہ مرتب کیا جو سنہ ۱۸۳۴ ع میں شایع ہوا - تاریخ ادب هندستانی اس کا بڑا کارنامہ ھے - اس کے لیے گارساں دتاسی نے بہت بڑا سامان جمع کیا - اس زمانے میں اور پھر پیرس میں بیٹھہ کر اس قدر مطبوعہ اور قلمی نسخوں اور تذکروں کا فراھم کرنا اور معلومات کا بہم پہنچانا فی‌الواقع حیرت انگیز ھے - اس کتاب کا پہلا اڈیشن رائل ایشیاٹک سوسائٹی برطانیہ عظمیٰ و آئرستان کی مجلس تراجم کے سلسلۂ مطبوعات میں شریک ھے - اسے مصنف نے ملکۂ معظمۂ برطانیہ کے نام پر ان کی اجازت سے معنون کیا تھا - اس اڈیشن کی پہلی جلد سنہ ۱۸۳۹ ع میں اور دوسری سنہ ۱۸۴۶ ع میں شایع هوئی - اس درمیانی وقفے میں بہت سا نیا مسالا جمع ہوگیا جو بطور ضمیمہ شایع کیا گیا - مرور زمانہ سے جدید معلومات کا اور اضافہ هوتا گیا اور آخر سنہ ۱۸۷۰ ع میں اس کا دوسرا اڈیشن شایع ھوا جو تین جلدوں میں ھے - اس کتاب کی ترتیب قدیم تذکروں کے طرز پر ھے - یعنے بہ ترتیب حروف ابجد اردو اور هندی مصنفین اور شعرا کا ذکر ھے -

لیکن فرق یہ ہے کہ اس میں زیادہ تحقیق اور تنقید سے کام لیا گیا ہے اور مصنف نے اس امر کی کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو قدیم تذکروں اور کتابوں سے ہر مصنف کے متعلق معلومات جمع کیے جائیں - اس کے علاوہ ایک بات جو ہمارے تذکروں میں مفقود ہے وہ یہ ہے کہ اس نے ہر مصنف یا شاعر کے کلام سے بعض ایسے نتائج اور معلومات اخذ کیے ہیں جن سے اس کی زندگی اور سیرت پر روشنی پڑتی ہے - اس میں شک نہیں کہ اس کتاب میں جابجا غلطیاں پائی جاتی ہیں- اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس زمانے میں بہت سی ایسی معلومات ظہور میں نہیں آئی تھیں جو اس وقت ہماری دسترس میں ہیں - دوسرے آخر وہ غیر ملک کا شخص تھا اور کبھی ہندستان آنے کا اسے اتفاق نہیں ہوا تھا' اس سے ہمارے ادب اور ہمارے معاملات کے سمجھنے میں کہیں کہیں غلطی کا سرزد ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں - تعجب اس بات پر ہے کہ اس اجنبی شخص نے ہندستان سے ہزارہا میل کے فاصلے پر پیرس میں بیٹھ کر ہمارے ادبیات پر ایسی بے مثل اور عجیب کتاب لکھ ڈالی —

آخر میں میں ان خطبات کے متعلق چند الفاظ لکھنا چاہتا ہوں جو اردو زبان کے قالب میں پہلی بار آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں - انہیں بھی اردو ادب کی تاریخ کا ایک جز سمجھنا

چاھیے۔ بحیثیت پروفیسر کے گارساں دتاسی کا یہ قاعدہ تھا کہ
وہ ھر سال کے آخر میں ایک لکچر دیتا تھا جس میں وہ اُس سال
کے ادبی ارتقا پر تبصرہ کرتا تھا یعنے اس سال ھندستانی اور ھندی
میں کونسی کونسی کتابیں شائع ھوئیں؛ کون کون سے نئے اخبار یا
رسالے جاری ھوے؛ کتنے جدید مطبع قائم ھوے؛ کن کن مصنفین نے
ادب میں اضافہ کیا - یہ تمام معلومات وہ مختلف ذرائع سے
اور خصوصاً ھندستان کے عہدہ داروں کے توسط سے بذریعۂ
خط و کتابت برابر حاصل کرتا رھتا تھا - وہ صرف نام گنوانے
پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ یہ تبصرہ ایک طرح کی تنقیدی
حیثیت بھی رکھتا ھے - وہ ساتھہ ساتھہ ھر کتاب اور اخبار
اور رسالے کی حقیقت اور قدر و قیمت بھی بیان کرتا جاتا
ھے اور مصنفین کے حالات اور مساعی کا بھی ذکر کرتا ھے -
مختلف ادبی مباحث کے ضمن میں وہ بعض اوقات ملک کے
سیاسی اور معاشرتی حالات کا تذکرہ بھی خاص انداز سے
کر جاتا ھے - ان میں ھمیں بعض باتیں ایسی نظر آئیں گی
جن سے اُس وقت کی دوسری کتابیں اور تاریخیں خالی
ھیں - ان خطبات میں بھی کہیں کہیں ایسی غلطیاں پائی
جاتی ھیں جنھیں پڑھ کر تعجب ھوتا ھے - لیکن اِن خفیف
اسقام سے کتاب کی عظمت اور اھمیت پر کوئی حرف نہیں آتا-
ان خطبوں کے پڑھنے سے صاف معلوم ھوتا ھے کہ اُسے اردو

زبان سے دلی لگاؤ ہے - وہ اسے ہندستان کی ترقی پذیر اور عام زبان خیال کرتا ہے اور ہر موقع پر ہندی کے مقابلے میں اس کی حمایت کرتا ہے اور اس کے فروغ اور ترقی کا دل سے خواہاں ہے ایک دوسری بات یہ مترشح ہوتی ہے کہ وہ پکا عیسائی ہے اور عیسائی مبلغین کی کوششوں کو بڑے شوق سے بیان کرتا ہے اور عیسائی مذہب کی اشاعت کا متمنی ہے - تیسری بات جو وہ صاف صاف کہتا ہے یہ کہ ہندستان میں انگریزی حکومت باعث برکت و خیر ہے ـــ

یہ خطبے ۳ دسمبر سنہ ۱۸۵۰ع سے شروع ہوے اور ۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۹ ع تک باستثنا سنہ ۵۸ کے جسے سنہ ۵۷ کی شورش کا نتیجہ سمجھنا چاہیے' برابر جاری رہے - یہ اُنیس سال کی مسلسل کاوش کا نتیجہ ہیں - بقول نواب مسعود جنگ بہادر کے " تاریخی نقطۂ نظر سے بھی اس کتاب کا مطالعہ بہت دلچسپ ہے - اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۵۰ سے لے کر سنہ ۱۸۶۹ تک یعنی ۱۹ سال کے عرصے میں ہمارے ادب و زبان میں کن اصول پر کام انجام پایا - نیرنگئی تقدیر دیکھیے کہ آج ہمیں اپنی زبان کی تدریجی ترقی کے حالات کے لیے ایک فرانسیسی سے رجوع کرنا پڑتا ہے جس نے ۸۵ سال قبل اس طرف توجہ کی تھی - ہماری ادبی تاریخ میں جو کمی نظر آتی ہے وہ اس ترجمے سے بہت کچھ پوری ہو جائے گی " -

گارساں دتاسی بلا شبہ بڑا آدمی تھا - اس نے عمر بھی بڑی پائی - چوراسی برس کی عمر میں سنہ ۱۸۷۸ء میں انتقال کیا - وہ عمر بھر علمی مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہا - ہندوستانی زبان سے اس کا شغف عشق کے درجے تک پہنچ گیا تھا - اس کا کارنامہ اس قدر وقیع ہے کہ وہ ہماری زبان کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا - ایک لمحہ کے لیے سوچیے ' اور دیکھیے کہ یہ منظر کس قدر عجیب اور دلچسپ ہے کہ ایک بڈھا فرانسیسی عالم ہندستان سے کالے کوسوں دور پیرس کی یونیورسٹی میں اپنے یورپین شاگردوں کو (جن میں فرانسیسیوں کے علاوہ دوسری قوم کے لوگ بھی شریک ہیں) ہندستانی زبان پر بڑے جوش اور شوق سے لکچر دے رہا ہے اور ان کے دلوں میں اس غریب زبان کا شوق پیدا کر رہا ہے - اپنی فرصت کا تمام وقت اسی زبان کی تحقیق میں صرف کرتا ہے - اہل زبان اور غیر اہل زبان دونوں سے خط و کتابت کرتا ہے ' ایک ایک کتاب ایک ایک اخبار اور رسالے کا حال پوچھتا ہے - قلمی نسخوں کی نقلیں منگواتا ہے ' ان کی تصحیح کرتا ہے ' مرتب کر کے چھپواتا ہے - خود اس زبان کی تصانیف کا ذخیرہ جمع کرتا ہے اور ہندستانی ادب کے مختلف شعبوں پر بحث کرتا اور اس کی مفصل اور مبسوط تاریخ لکھتا ہے - اس سے بڑھ کر انسان کے بڑے ہونے کی کیا علامت ہو سکتی ہے -

و زبان والے اس کا حسن قدر احسان مانیں کم ہے —
ان خطبات میں جہاں فاضل مصنف سے کوئی
ش یا فروگزاشت ہوگئی تھی اس کی تصحیح و تکمیل میں
حاشیے میں کر دی ہے - میں آخر میں اپنے قابل شاگرد
خ چاند صاحب ایم - اے ' ال ال - بی ' ریسرچ اسکالر
ثمانیہ) کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے طبع کے وقت پروف
ھئے اور ان کی تصحیح کا کام بڑی محنت سے انجام دیا -
س کے علاوہ متن کے بعض مقامات پر جو میری نظر سے رہ گئے
ے ' انھوں نے مفید حاشیوں کا بھی اضافہ کیا ہے —

عبدالحق

۲۸ - اگست سنہ ۱۹۳۵ ع
سیف آباد - حیدر آباد دکن

خطبات گارساں دتاسی

پہلا خطبہ (بتاریخ ۳ دسمبر سنہ ۱۸۵۰ ع)

حضرات! قبل اس کے کہ میں نصاب کی اُس کتاب پر جو ہمارے سامنے ہے کچھہ بیان کروں ' میں ہندوستانی زبان کے عملی فائدے اور اس وقت ادبی حیثیت سے اس کی اہمیت کے متعلق چند لفظ کہنا چاہتا ہوں —

عام طور پر لوگ پوری طرح یہ نہیں جانتے کہ ہندوستانی ہندوستان کے تمام صوبوں میں بولی جاتی ہے - بعض جگہ اس کے ساتھہ صوبہ کی دوسری بولیاں بھی شریک ہیں؛ جیسے بنگال میں اور احاطۂ مدراس اور احاطۂ بمبئی میں اور بعض مقامات پر تنہا وہی بولی جاتی ہے جیسے ہندوستان کے صوبۂ ممالک مغربی و شمالی' بہار' الہ آباد ' مالوہ ' اودہ' اجمیر ' آگرہ دہلی میں اور ان مقامات کے ساتھہ لاہور اور نیپال کے نام بھی شریک کرنے چاہئیں - پیرس میں رہ کر مجھے جو معلومات حاصل ہوسکیں ان کی بنا پر میں نے اپنی یہ راے قائم کی ہے —

اگر کوئی شخص ان صوبجات میں بود و باش کرنا یا سیاحت کرنا چاہے، جو وہ نہایت آسانی کے ساتھ بغیر کسی پروانۂ راہداری کے کرسکتا ہے، تو اس کے لئے ہندوستانی زبان کا جاننا ضروری ہے - یہی وجہ ہے کہ آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی اپنی ملازمت میں (ملکی ہو یا فوجی) صرف انہیں اشخاص کو داخل کرتی ہے جو ہندوستانی زبان جانتے ہیں یا جو ہندوستانی زبان کے امتحان میں شریک ہوکر کامیاب ہو چکے ہیں —

لیکن یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ ہندوستان میں صرف انگریز ہی کاروبار کرسکتے ہیں- بہت سے دوسرے یوروپین بھی وہاں معزز خدمات انجام دے رہے ہیں - اور اگر کوئی ہندوستانی جانتا ہو تو وہ آسانی سے آزادی کے ساتھ اپنی روزی کما سکتا ہے - قطع نظر تجارت کے جو اکثر یورپیوں کا ذریعۂ تمول ہے اگر کوئی چاہے تو طبابت کرسکتا ہے، مصوری کا پیشہ اختیار کرسکتا ہے، یا اگر اُسے ہندوؤں، مسلمانوں اور انگریزوں کے قانون کا علم ہے اور ساتھ ہی ہندوستانی پر عبور ہے تو وہ وکالت کرسکتا ہے —

مبلغین مسیحیت بیگم شمرو کے خوبصورت گرجا میں جو سردھنہ میں ہے یا آگرہ کے کیتھلک چرچ یا دوسرے مقامات میں اردو میں وعظ و تلقین کرتے ہیں - خود کلکتہ میں ایک

گرجا ہے جسے ہندوستانی گرجا کہتے ہیں اور جو اُن ہندوستانیوں کے لئے تعمیر کیا گیا ہے جو انگلی کن کلیسا کے توسط سے عیسائی ہوے وہاں عبادت ہندوستانی زبان میں ہوتی ہے - عام طور پر اس کا علم نہیں ہے کہ ہندوستان کے بڑے شہروں میں لیتھو کے مطبع کا رواج ہے' جہاں روزانہ ہندوستانی زبان کی کتابیں چھپتی ہیں' اُن میں ترجمے بھی ہوتے ہیں اور تصنیفات بھی - میں صرف ممالک مغربی شمالی کا ذکر کرتا ہوں جس کا نام میں نے ابھی لیا تھا - یہاں اس سال کی پہلی جنوری کو ۲۳ مطبع تھے جن میں صرف گزشتہ سال (سنہ ۱۸۴۹ ع میں) ۱۴۱ مختلف قسم کی کتابیں طبع ہوئی تھیں - علاوہ اُن کے ۲۶ اخبار اور رسالے بھی انہیں مطبعوں میں چھپتے تھے جن میں سے ۲۳ ہندوستانی زبان کے تھے دو فارسی کے اور ایک بنگالی کا - اب اگر ان میں وہ اخبار اور رسالے بھی شامل کر لئے جائیں جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں شائع ہوتے ہیں تو ہندوستانی اخبارات کی کل تعداد جو اس وقت موجود ہے آسانی سے پچاس تک پہنچ جائے گی —

ہندوستانی زبان بلا شبہ ترقی پذیر ہے - اس سے میرا یہ مطلب ہے کہ بجاے لوگوں کی معمولی اور روز مرہ کی زبان کے یا عوام پسند گیتوں کی زبان کے وہ گورنمنٹ کی سرکاری زبان ہوگئی ہے جیسے پہلے فارسی تھی - یعنی اب وہ سیاسی مراسلت

عدالتوں اور انتظامی محکموں کی زبان ہوگئی ہے - یہاں تک کہ هندوستانی میں اب سائنس پر رسالے اور کتابیں لکھی جانے لگی ہیں جو اب تک صرف فارسی میں لکھی جاتی تھیں —

اردو کی موجودہ ادبیات کو خاص اہمیت حاصل ہے - مشرقی ممالک کی دوسری زبانوں کے ادب کی طرح اردو ادب بھی ہمارے لئے باعث دلچسپی ہے - اگر کسی صاحب کو اردو ادب کا شوق ہو تو وہ شملہ کا اردو اخبار اپنے نام جاری کرا سکتے ہیں جو انہیں پابندی کے ساتھ ڈاک کے ذریعہ پیرس پہنچتا رہے گا- دہلی کی مجلس ادبی اردو زبان کی مختلف مطبوعات پر ماہانہ رسالہ کی شکل میں تنقیدیں شائع کرتی ہے - یہ تنقیدیں بھی حاصل کی جاسکتی ہیں- ان سے ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ هندوستان کے قدیم دارالسلطنت میں اردو کی کون کون سی کتابیں طبع ہوئیں —

هندوستانی زبان کی ان کتابوں میں سے جو حال میں شائع ہوئی ہیں اکثر سائنس ' جغرافیہ ' قانون اور دوسرے فنون پر ہیں' کچھہ تو جدید تصنیفات ہیں اور کچھہ انگریزی کے ترجمے ہیں - کچھہ دینی اور مذہبی مختلف فیہ مسائل کی کتابیں بھی ہیں جن میں ہم کیتھلک مذہب کی بھی بعض کتابیں شامل کرتے ہیں جو آگرہ میں چھپی ہیں ان میں قدیم

جدید زمانہ کی چند تاریخیں اور اخلاقی اور مذہبی کتابوں کے ترجمے بھی ہیں - مثلاً بنین کی " پل گرمس پراگرس " اور مہسن کی " سہاف نالج " کے ترجمے - قصے کہانیوں کے ترجمے بھی ہوے ہیں - مثلاً ریسے لاس اور قزلباش - بعض نظموں کے ترجمے بھی کئے گئے ہیں - مثلاً گے کی حکایتوں کا ترجمہ -

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ سنسکرت سے بھی بہت سے ترجمے ہندوستانی میں ہوے ہیں، لیکن یہ حال میں طبع اور شائع نہیں ہوے - مگر عربی فارسی سے بہت سے ترجمے شائع ہو رہے ہیں - ان میں قرآن شریف کے کئی ترجمے ہیں جو تفسیر کے ساتھہ چھپے ہیں، ایک عربی لغات بھی ہے جس میں الفاظ کے معنی ہندوستانی میں دیے ہیں - کئی عربی فارسی کی صرف ونحو کی کتابیں، گلستاں کے متعدد ترجمے، الف لیلہ کے دو ترجمے، اخلاق جلالی، اخلاق محسنی کے ترجمے، شاہ نامہ کا ایک خلاصہ، ابن خلکان، تاریخ ابوالفدا اور قصیدۂ بردہ کے ترجمے ہیں —

اصل تصانیف میں میں صرف چند دلکش نظموں کا نام لوں گا - یعنی شکنتلا، لیلیٰ مجنوں، ابراہیم ادہم اور حسن و عشق کے مشہور قصوں کو منظوم کیا گیا ہے - علاوہ ان کے چند سیاحت نامے اور چند تاریخیں بھی شائع ہوئی ہیں جن میں سے ایک ٹیپو سلطان کے باپ حیدر علی کی تاریخ ہے جو شاہ

میسور کے ایک بیٹے نے لکھی ہے - نثر میں بہت سے ناول اور قصے کہانیاں ، لغت پر بعض مفید کتابیں اور ایک انگریزی کی صرف و نحو پر بھی لکھی گئی ہے - آخر میں میں حال کے زندہ ہردلعزیز شعرا یعنی مومن، نصیر ، ذوق، ناسخ اور آتش کے کلام کا ذکر کرتا ہوں - یہ شاعر اس وقت زمانۂ حال کی ہندوستانی زبان پر بہت بڑا اثر رکھتے ہیں —

دوسرا خطبہ (بتاریخ ۴ دسمبر سنہ ۱۸۵۱ع)

حضرات ! مجھے دلی مسرت ہے کہ اِس تعلیمی سال کے افتتاح پر میں اپنے لکچروں میں اپنے نئے اور پرانے شاگردوں کو دیکھتا ہوں - آپ نے ہندوستانی زبان کے مطالعہ کا جو شوق کیا ہے وہ میری رائے میں بہت مستحسن ہے - یہ دنیا کی نہایت وسیع الاشاعت زبانوں میں سے ہے - کیوں کہ آٹھ کروڑ سے زیادہ اشخاص اسے بولتے ہیں اور سیاسی اور تجارتی لحاظ سے خاص طور پر قابل لحاظ اور لایق وقعت ہے - اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسے حقیقی ادبی حیثیت حاصل ہے اور اسی نقطۂ نظر سے بر اعظم یورپ میں اس کا مطالعہ مفید ہوگا - اس زبان کی ہندو شاخ سنسکرت کی ایک سادہ اور سلیس صورت ہے اور اس کا ہندوستانی زبان سے تقریباً

وهی تعلق هے جو جدید یونانی زبان کا قدیم یونانی زبان سے اور اطالوی کا لاطینی سے هے - لهذا اس کا علم السنه هندوستان کے محقق کے لیے نهایت کار آمد هے - وہ جدید صورتوں میں کهیں تو قدیم شکلوں کا اختصار اور کهیں ان کی توسیع دیکهے گا - اس کی اسلامی شاخ ان لوگوں کے لیے بہت مفید هے جو فارسی زبان کا مطالعه کر رهے هیں —

فارسی اور هندوستانی کی اصل ایک هی هے ' لیکن هندوستانی کی ساخت اور طرز ادا زیادہ سلیس اور سادہ هے - اگر فارسی کے طویل جملے هندوستانی کی ساخت کے مطابق ادا کیے جائیں تو مطلب آسانی سے سمجهه میں آجاتا هے - آپ صاحب جوان شیریں اور دلپذیر زبانوں کا مطالعه کر رهے هیں ' میرے اس بیان کی تصدیق خود فرمالیں گے - ان میں سے ایک سنسکرت هے جو همارے تمام یورپی زبانوں کی اصل هے اور اس کا تعلق اب تو سامی زبانوں سے بهی بیان کیا جاتا هے کیوں که خیال یہ هے که عربی کا سه حرفی مادہ مصنوعی هے اور ان میں کے بہت سے مادے ایک بول کے هیں - اس سے بعض لوگوں نے یہ نتیجه نکالا هے که وہ بهی سنسکرت کے اصول پر بنے هیں اور بہت سے سنسکرت اور عربی کے مادوں کی اصل مشترک هے - دوسرے فارسی زبان هے جو تاریخی تصانیف سے مالا مال هے اور اس کا ادب خاص

امتیاز اور خصوصیت رکھتا ہے جس میں اسلامی تصوف نے نئی جان ڈال دی ہے —

ہندوستانی زبان کی ہندوی اور اسلامی شاخوں کا علم ادب صرف کثیر ہی نہیں بلکہ مختلف نوعیت کا بھی ہے - ہندی میں سنسکرت کی اعلیٰ تصانیف کے ترجمے موجود ہیں یا کم سے کم ان کا تتبع کیا گیا ہے اور اُردو اور دکھنی میں ہم فارسی کی اعلیٰ تصانیف کے ترجمے یا ان کے نمونے دیکھتے ہیں-

اس سال کے دوران میں میں آپ سے ان مختلف زبانوں کی بعض ادبی تالیفات کا ذکر کروں گا - سنسکرت کے فریق سے (جن کی زبان ہندوستانی ہے) ہمیں شکنتلا کا دلچسپ قصہ ملے گا جو یورپ میں بہت مشہور اور ہر دلعزیز ہے - علاوہ اس کے ہم اُسچا (Uscha) کا قصہ بھی پڑھیں گے جو اگرچہ اس قدر معروف نہیں مگر بہت دلکش ہے -

فارسی کا فریق (جن کی زبان اسلامی ہندوستانی ہے) ولی کا دیوان پیش کرے گا - ولی ہندوستان کا حافظ ہے - اگرچہ اس کی غزلوں میں کسی قدر تکلف پایا جاتا ہے لیکن ان میں حقیقی خوبیاں بھی موجود ہیں - اور اس کی غزلیں خوبی میں کسی طرح فارسی غزلوں سے کم نہیں - نثر میں ہم شیر شاہ کی تاریخ کا ایک حصہ پڑھیں گے ' جس میں علاوہ دوسری باتوں کے ہندوستان کی اسلامی حکومت

کے انتظامات کے متعلق عجیب واقعات دیکھیں گے —

اب رہا خالص ہندوستانی فریق ' میں اس سے ایک کتاب مہر و ماہ لے کر آپ کو سناؤں گا - یہ ایک فسانہ ہے جس میں آپ مختلف نسلوں کے متعلق مفید اور پر از معلومات تفصیل پائیں گے جو جدید اور انوکھے استعاروں سے اور پر لطف ہو گئی ہے —

آخر میں میں آپ کو کلجگ کا شاعرانہ بیان سناؤں گا - کلجگ وہی ہے جسے یونانی دیو مالا میں لوہ جگ کہتے ہیں- یہ نظم ہو بہو انگریزی شاعر ڈرای ڈن کی نظم سے ملتی ہے - اس نے بھی اسی مضمون پر طبع آزمائی کی ہے * —

ان میں سے اکثر تالیفات نظم میں ہیں - لیکن آپ یہ خیال نہ فرمائیں کہ چوں کہ یہ کتابیں نظم میں ہیں تو نثر سے مشکل ہوں گی- یہ بات نہیں ہے - اگرچہ نظم میں زبان کی ساخت اور ترکیب کے معمولی قواعد کی پابندی نہیں کی جاتی اور بعض اوقات ایسی ترکیبیں آجاتی ہیں جو مصنوعی اور خلاف روز مرہ معلوم ہوتی ہیں یا نثر کے مقابلہ

---

* انسان اخلاقی بندھنوں سے چھوٹ کر آزاد ہوگیا ہے - مہمان نوازی کے حقوق اب مطلق باقی نہیں رہے - مہمان میزبان کے ہاتھوں سے تنگ ہوتا ہے - داماد خسر کی جان کے در پے ہے - بیوی خاوند کی تاک ہے اور خاوند بیوی کی جان کا لاگو ہے -

میں اس کی تشبیہات و استعارات زیادہ مبالغہ آمیز ہوتے ہیں، تاہم نظم میں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں صاف طور سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ مطلب یہاں ختم ہوتا ہے۔ کیوں کہ نظم میں مطلب گڈ مڈ نہیں ہونے پاتا اور ایک جگہ سے پھاند کر دوسری جگہ نہیں پہنچ جاتا۔ اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ مطلب ایک ہی شعر میں ختم ہوجاتا ہے اور کسی حالت میں ایسا نہیں ہوتا کہ دو یا تین شعروں سے آگے نکل جائے۔

جس طرح ہندوستانی کے لکھنے کے دو طریقے ہیں، ایک فارسی حروف میں اسلامی ہندوستانی کے لئے اور دوسرا دیوناگری میں ہندوی ہندوستانی کے لئے۔ اسی طرح عروض بھی دو ہیں، یعنی شعر کی تقطیع کے بھی دو طریقے ہیں۔ ہندوستانی کی اردو اور دکھنی شاخ کے لئے عربی عروض استعمال کیاجاتا ہے (البتہ زبانوں کے فرق کی وجہ سے اس میں مناسب تغیر و تبدل کر لیا گیاہے) اور ہندی کے لئے سنسکرت عروض کا ایک سادہ طریقہ مستعمل ہے۔

جیساکہ آپ کو معلوم ہے، عرب شعر کو خیمہ کے مثل سمجھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ اِس کا نام عربی میں "بیت" ہے جس کے معنی خیمے کے ہیں اور بعد ازاں گھر کے ہو گئے۔ خیمے میں دو دروازے ہوتے ہیں۔ ان دروازوں کو "مصرع" کہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ شعر کے دو ٹکڑے "مصرعے" کہلاتے ہیں۔ خیمہ

ٹکڑوں (ارکان) پر کھڑا ہوتا ہے - شعر کے مختلف اوزان ہوتے ہیں، جن میں دس اصل ہیں اور بہتر فروع - خیمہ کا اندرونی حصہ اوت (فاصلہ) سے الگ کر لیا جاتا ہے اور خیمہ میخوں (وتد) اور رسیوں (سبب) سے باندھا جاتا ہے - یہ وہ نام ہیں جو بحر طویل اور بحر قصیر کی چھ تقسیموں کو دیا جاتا ہے —

اصول اور فروع کے ملنے سے بے شمار بحریں پیدا ہوگئی ہیں - لیکن اُردو اور دکھنی میں صرف بیس استعمال کی جاتی ہیں۔ اشعار ہمیشہ مقفیٰ ہوتے ہیں۔ اگر قافیہ ہر مصرع میں پایا جائے تو قافیہ ہر بیت میں بدل جاتا ہے اور اگر قافیہ صرف آخر میں آئے تو تمام میں وہی رہے گا -

ہندو طریقہ زیادہ سادہ ہے - اِس میں صرف بول (Syllable) کا خیال رکھا جاتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا - جیسا انگریزی میں ہے - اور بعض اوقات جیسا انگریزی میں ہوتا ہے ضرورت شعری کے لئے بولوں کو مختصر کر کے ایک کر دیتے ہیں یا کبھی اِس کے برعکس کرنا پڑتا ہے - اسے "ماترا" کہتے ہیں۔ سنسکرت میں بھی اس کا یہی نام ہے -

ہندی اور اردو دونوں شاخوں میں نظم مقفیٰ ہوتی ہے اور اکثر دونوں مصرعوں میں قافیہ پایا جاتا ہے - ہندی میں چوپائی کا بہت رواج ہے جو سنسکرت کے اشلوک سے بہت ملتی

چلتی ہے اور اِس کے ہر مصرع میں آٹھ بول ہوتے ہیں۔ "دھرہ" فرد کے مقابل میں ہے۔ "فرد" عرب کا "بیت" ہے جو دوسروں سے الگ تھلگ ہے۔ اِس کے ہر مصرع میں بارہ سے چودہ بول تک ہوتے ہیں —

حضرات! میں مطالعہ کے دوران میں اس کا خیال رکھوں گا کہ آپ کو اوزان بتاتا جاؤں اور جن اصول کا بیان آپ کے سامنے کیا گیا ہے اُن کے مطابق تقطیع کرتا جاؤں —

جس زبان کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہ واقعی طور پر زندہ زبان ہے - کیوں کہ جس وقت ہم پیرس میں وہ کتابیں پڑھ رہے ہوں گے جن کا نام میں نے لیا ہے - اُس وقت هندوستان میں سینکڑوں مطبوعات شائع ہو رہی ہوں گی - یورپ میں بیٹھکر انسان هندی اور هندوستانی کتابوں ' پمفلٹوں' اور وقتی رسالوں اور اخباروں کی تعداد کا جو هندوستان میں شائع ہوتے ہیں صحیح اندازہ نہیں کر سکتا —

گزشتہ سال میں نے آپ سے بیان کیا تھا کہ ممالک مغربی و شمالی میں جسے سرکار انگریزی ایک بڑا صوبہ بنانے والی ہے اور جس کا دارالحکومت لاهور ہوگا اور جہاں کی زبان صرف هندوستانی ہے ' جنوری سنہ ۱۸۵۰ع میں ۲۳ سنگی مطبع تھے جن میں هندوستانی کتابیں چھپتی تھیں - گزشتہ سال ہی لاهور میں ایک اور مطبع قایم ہوا - گویا اس سال

یکم جنوری کو مطبعوں کی تعداد چوبیس ہوگئی - یعنی سات آگرہ میں، پانچ دہلی میں ۵ و میرتھ میں، دو لاہور میں، چار بنارس میں، ایک بریلی میں، ایک کانپور میں، ایک شملہ میں، اور ایک اندور میں - لیکن ہندوستان کا بھی ایک حصہ ایسا نہیں ہے جہاں ہندوستانی کتابیں اور اخبار چھپتے اور شائع ہوتے ہیں - اس قسم کے مطبعے تین احاطوں کے دارالحکومتوں میں نیز بہت سے دوسرے شہروں میں بھی پائے جاتے ہیں - صرف ایک لکھنؤ ہی میں تیرہ ہیں جو مصروف بکار ہیں —

چند ہی روز ہوئے میرے پاس ہندوستانی کتابوں کی ایک مفصل فہرست پہنچی ہے - اِس میں بہت سی کتابیں ہیں اور ہر قسم کی ہیں - کچھ جدید تصنیفات ہیں اور کچھ ترجمے - یہ سب کتابیں سنہ ۱۸۵۰ع میں ممالک مغربی و شمالی میں شائع ہوئی ہیں —

حضرات! میں ان میں سے چند کتابوں کے نام پیش کرتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ آپ ان کا ذکر ادبی یا فلسفیانہ دلچسپی کی وجہ سے شوق سے سنیں گے - علاوہ دوسری کتابوں کے قرآن شریف کے متعدد اڈیشن عربی اور اردو میں شائع ہوئے ہیں، ایک نعت جس میں محمد رسول اللہ (صلعم) کے معجزات کا ذکر ہے - رد فرقۂ وہابی ہندی میں، کئی رسالے جین مت پر، نظیر اکبرآبادی کی نظموں کا مجموعہ،

جن کا حال ہی میں انتقال ہوا اور ہندوستان میں بہ حیثیت شاعر کے اُن کی بڑی شہرت اور عزت تھی - مشہور صوفی علی حزیں کی سوانح عمری ' جو علاوہ اور باتوں کے بعض بہت دلچسپ کتابوں کے مصنف بھی تھے جن کا ترجمہ انگریزی میں بھی ہو چکا ہے - تاریخ پنجاب مصنفہ دیبی پرشاد ساکن بنارس - تاریخ خاندان سندھیا مصنفۂ دھرم نارائن ساکن اندور ' ایک قصہ نظم میں جس کا نام لخت جگر ہے بال مکند سکندرآباد کے رہنے والے نے لکھا ہے - اگرچہ یہ شخص ہندو ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے مگر اِس نے یہ تصنیف اُردو میں کی ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ اُردو شمال میں " مسلمانوں کی ہندوستانی " ہے —

ہندوستانی ادب کے شعبوں میں سب سے مقدم شاعری ہے اور اسے بڑی کامیابی اور ذوق و شوق کے ساتھ ترقی دینے کی کوشش کی جاتی ہے - اور اس مقدس آگ کو خاص ادبی جلسوں کے ذریعہ سے جن کا نام مشاعرہ ہے زندہ رکھا جاتا ہے - ہندوستانیوں میں اس قسم کے ادبی جلسوں کا خاص ذوق ہے - یہاں تک کہ اور لوگ بھی (شاعری جن کا پیشہ یا فن نہیں ہے) شرفیہ طور پر معینہ ایام میں عموماً پندرہ روز میں ایک بار اپنے گھروں پر شام کے وقت ایسے جلسے کرتے ہیں - جس

شخص کے مکان پر یہ جلسہ ہوتا ہے وہی مہر مشاعرہ بھی ہوتا ہے۔ وہ شہر کے اُن تمام اصحاب کو جو شعر سے شوق رکھتے ہیں دعوت دیتا ہے اور ان سے درخواست کرتا ہے کہ اس موقع کے لئے فلاں بحر میں (مصرع طرح پر) شعر کہنے کی زحمت فرمائیں ۔

اس وقت کے نہایت مشہور زندہ شاعروں میں دو بادشاہ بھی ہیں - ایک شہنشاہ دہلی دوسرے بادشاہ اودھ - کچھ زمانہ قبل ہندوستان کے مسلمان بادشاہ اور فرمانروا فارسی بولتے تھے اور فارسی ہی لکھتے تھے اور معمولی (بول چال کی) زبان کو حقیر سمجھتے تھے لیکن آج وہ اپنی رعایا کی تقلید میں اپنے خیالات کے اظہار کے لئے خواہ تحریر میں ہوں یا تقریر میں ، ہندوستانی زبان استعمال کرتے ہیں -

حضرات ! ان دو بادشاہ شاعروں میں سے پہلے بہادر شاہ ثانی ہیں جو شاہ عالم کے پوتے ہیں جن کا ہندوستانی شعرا میں شمار ہوتا ہے - بادشاہ کے بیٹے شاہزادۂ دارا بھی بہت اچھے شاعر ہیں - بادشاہ کا تخلص ظفر ہے اور جب ان کا ذکر شاعر کی حیثیت سے ہوتا ہے تو اسی نام سے یاد کئے جاتے ہیں - دوسرے واجد علی شاہ ہیں - ان کا تخلص اختر ہے - وہ صرف شاعر ہی نہیں ، موسیقی میں بھی ماہر ہیں - جو غزلیں وا

لکھتے ہیں ان کے راگ راگنیاں بھی وہ خود ہی تجویز کرتے ہیں - ان دونوں بادشاہ شاعروں کا کلام ہندوستان میں بہت مقبول ہے - اور جو کلام میں نے اُن کا پڑھا ہے ' اگر انصاف سے دیکھا جائے تو وہ اس کے مستحق ہیں - اُن کے حق میں بلا کسی مبالغہ کے عربی کی یہ مثل بالکل صادق آتی ہے " کلام الملوک ملوک الکلام " —

تیسرا خطبہ

بتاریخ ۵ دسمبر سنہ ۱۸۵۲ ء

حضرات لفظ ' ہندوستانی " اُس زبان کے حق میں جس کے لئے یہ استعمال کیا جاتا ہے ناموزوں ہے اور اُسے اس نام سے یاد کرنا ہماری بد مذاقی ہے - البتہ اس کو ہندوستانیں (Hindustanien) کہا جاسکتا ہے - مگر انگریزوں کی تقلید میں ہم نے بھی اس کی ابتدائی شکل قائم رکھی جیسا کہ نام سے ظاہر ہے - ہندوستانی اہل ہندوستان کی زبان ہے مگر یہ زبان اپنی حقیقی حدود سے باہر بھی بولی جاتی ہے خصوصاً مسلمان اور سپاہی اس کو تمام جزیرہ نما ہندوستان نیز ایران تبت اور آسام میں بھی بولتے ہیں - پس اس زبان کے لئے لفظ ' ہندی ' یا " انڈین " جو ابتدا میں اس کو دیا گیا تھا اور جس نام سے کہ اکثر باشندے اس ملک کے اب تک اس کو موسوم کرتے ہیں اُس نام سے زیادہ موزوں ہے جو اہل یورپ نے اختیار کیا ہے - اہل یورپ لفظ ہندی سے ہندوؤں کی بولی مراد لیتے ہیں جس کے لئے " ہندوی " بہتر ہے اور

مسلمانوں کی بولی کے واسطے " هندوستانی " کا نام قرار دے
لیا هے - خیر یه جو کچهه بهی هوا ' هندوستان کی اس جدید
زبان کی دو بڑی اور خاص شاخیں برٹش انڈیا کے بڑے حصے
میں بولی جاتی هیں اور شمال کے مسلمانوں کی زبان یعنی
هندوستانی اُردو ممالک مغربی و شمالی کی سرکاری زبان
قرار دی گئی هے - اگرچه هندی بهی اردو کے ساتهه ساتهه اسی
طرح قائم هے جیسے که وہ فارسی کے ساتهه تهی - واقعه یه هے که
مسلمان بادشاہ همیشه ایک هندی سکرٹری جو هندی نویس
کہلاتا تها اور ایک فارسی سکرٹری جس کو وہ فارسی نویس
کہتے تهے رکها کرتے تهے تاکه اُن کے احکام ان دونوں زبانوں
میں لکهے جائیں - اسی طرح برٹش گورنمنٹ ممالک مغربی
و شمالی میں هندو آبادی کے مفاد کے لئے اکثر اوقات سرکاری
قوانین کا اردو کتابوں کے ساتهه هندی ترجمه بهی دیوناگری
حروف میں دیتی هے —

حضرات! میں نے اس سے قبل آپ کے سامنے کئی مرتبه
هندوستانی علم‌وادب اور اس کی مختلف شاخوں کی نسبت
تقریر کی هے - آپ کو معلوم هے که اس زبان کی تاریخ کی
پہلی جلد میں میں نے ۷۵۰ مصنفوں اور آٹهه سو سے زیادہ
کتابوں کا ذکر کیا هے - اس کی تیسری جلد میں جس کے طبع
هونے میں بعض وجوہ سے تاخیر هوگئی هے' میں اس سے دو چند

جدید مصنفوں کا اور اسی قدر کتابوں کا احوال لکھوں گا۔ دیسی سوانح نویس عموماً صرف ان لوگوں کے چند اشعار لکھ لینے پر اکتفا کرتے ہیں جن کی سوانح‌عمری وہ لکھ رہے ہیں اور اُن کی خاص خاص تصانیف اور تالیفات کا ذکر نہیں کرتے۔

اس وقت میں ان بے شمار مصنفین میں سے صرف تین کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جن کے متعلق میں نے اطلاع بہم پہنچائی ہے۔ یہ تینوں صاحب دہلی کالج کے پروفیسر ہیں جہاں کا صدر یعنی پرنسپل بارہ سال سے ایک مشہور فرانسیسی فیلیکس بوترو (M. Felix boutros) ہے۔ صدر مذکور "ورنیکولرٹرانسلیشن سوسائٹی" (یعنی انجمن ترجمہ) کے بانیوں میں سے ہیں۔ اور اسی انجمن نے سنسکرت فارسی عربی اور انگریزی زبانوں سے ترجمے کر کے ہندوستانی زبان کی بڑی خدمت کی ہے —

مذکورۂ بالا اصحاب میں سے پہلے شخص رام چندر ہیں جن کے عیسائی مذہب قبول کر لینے پر (اور کہا جاتا ہے کہ دہلی کے یہ پہلے ہندو ہیں جنھوں نے یہ مذہب اختیار کیا) اس سال کے ماہ جولائی میں خاصی ہلچل مچ گئی تھی۔ اس پنڈت کی عمر اس وقت ۳۵ سال کی ہے۔ یہ شخص دہلی کالج کا طالب علم تھا۔ اور اس کالج میں اس نے انگریزی، ہندوستانی، اور فارسی زبانوں کو حاصل کیا تھا۔ لیکن علم

ریاضی کی طرف اس کا خاص رجحان تھا - وہ متعدد مفید کتابوں کا مصنف اور مترجم ہے جن میں سے ایک الجبرا ہے جو (Bridge and Cube) کی تقلید میں لکھا گیا ہے - ایک کتاب علم مثلث پر ہے جس میں مخروطات بھی شامل ہیں (Analytical Trignometry with conic sections) اور ایک کتاب علم ہندسہ پر ہے جو Huttan& Bouchorlat کے طریقہ پر مرتب کی گئی ہے - ایک کتاب علم الحساب پر لکھی ہے اور ان کے علاوہ کئی کتابیں ادب پر ہیں - یہ پروفیسر دو رسالوں کے اڈیٹر بھی ہیں - ان میں سے ایک خاص طور پر قابل ذکر ہے جس کا نام " محبوب ہند " ہے یہ ایک ماہانہ پرچہ ہے جس میں اہم مسائل و معاملات وقت پر اہل ہند کی تعلیمی حالت پر اور عام ادب یعنی ہندوستانی زبان کی ترقی پر مضامین لکھے جاتے ہیں —

دوسرے صاحب جن کی طرف میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں رام کرشن ہیں - نہایت ذہین اور انگریزی ادب میں ایسے ہی قابل ہیں جیسے رام چندر - یہ کشمیری النسل اور دہلی کے رہنے والے ہیں - ان کی عمر قریب چالیس سال ہے - انہوں نے بہت سے مضامین انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیے ہیں جن کی عبارت نہایت فصیح اور شستہ ہے - چند ان میں سے یہ ہیں - دی پرنسپلس آف ہندو لا (اصول ہندو

شاستر) مصنفۂ سر ولیم میکناٹن کا ترجمہ - یہی وہ صاحب هیں جو عربی الف لیلہ کے اڈیٹر هیں اور افغانوں اور انگریزوں کی گذشتہ لڑائی میں بہ مقام کابل مقتول ہوئے - ترجمہ " اصول حکومت " (دی پرنسپلس آف گورنمنٹ) کے علاوہ بھی قانون پر ان کی کئی تالیف هیں - نیز دوسرے فنون میں بھی چند کتابیں لکھی هیں مثلاً فن زراعت پر طب پر اور ایک انگریزی گرامر هندوستانی زبان میں جس کے لکھنے میں انھیں ڈاکٹر اسپرنگر (Sprenger) نے بھی مدد دی ہے - ڈاکٹر اسپرنگر اس وقت دهلی کالج کے پرنسپل تھے ' آج کل فورٹ ولیم کالج میں ممتحن اور ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے سکرٹری هیں - ان میں سے تیسرے صاحب کریم الدین هیں - یہ پانی پت کے رہنے والے اور جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے مسلمان هیں - تقریباً سنہ ۱۸۱۲ ع میں دهلی کالج میں شریک ہوئے - اس وقت ان کی عمر ۵۹ سال کی ہے - ان کی تمام تالیفات نثر میں هیں - ان کو اس بات پر فخر ہے کہ انھوں نے کبھی کوئی نظم نہیں لکھی - انھوں نے بہت برا بھلا کہا ہے کہ لوگوں نے هندوستان میں شاعری کو پیشہ بنا لیا ہے - ان کی کتابوں میں بعض جدید تصانیف هیں بعض ترجمے اور بعض تالیفات - پہلی صنف میں حسب ذیل کتابیں هیں : ایک کتاب عورتوں کی تعلیم پر جس کے متعلق

ہندوستان میں بہت غفلت کی جاتی ہے۔ ایک سوانح عمری ایشیا اور افریقہ کی مشہور عورتوں کی۔ اور ایک کتاب عروض پر جو بہت مشہور ہوئی۔ دوسری صنف میں یہ کتابیں ہیں: ابوالفدا کی تاریخ کا ترجمہ۔ ہندوستانی شاعروں کا تذکرہ اور عرب کے شاعروں کی تاریخ۔ تیسری صنف میں یہ کتابیں: ہندوستانی (اردو) کے اساتذہ کے کلام کا انتخاب۔ ایک کتاب وراثت پر جو اسلامی شریعت میں نہایت پیچیدہ مسئلہ ہے۔ علوم صحیحہ پر ایک مختصر رسالہ اور دلچسپ مقولوں اور لطیفوں کی ایک کتاب جس کا نام "گلستان ہند" ہے۔

سنہ ۱۸۵۰ کی طرح سنہ ۱۸۵۱ میں بھی ہندوستانی مطابع ممالک مغربی و شمالی میں برابر کام کرتے رہے۔ اس زمانہ میں ہندی اور اردو رسالے اور بہت سی کتابیں شائع ہوئیں۔ اس سال پھر میرے پاس بعض دوستوں کی عنایت سے نئے مطبوعات کی فہرست پہنچ گئی ہے۔

حضرات! میں آپ کے سامنے ابتدائی رسالوں یا جو قدیم اساتذہ کی تصانیف یا مسلمانوں کی مذہبی کتابوں کا جو دوبارہ یا بار بار چھپتی رہتی ہیں، ذکر نہ کروں گا۔ اگرچہ اسلامی مذہبی کتب میں سے قرآن شریف معہ اردو ترجمہ کے ایک دہلی کا اور دوسرا آگرہ کا قابل لحاظ ہے۔ لیکن مذکورہ

ذیل کتابیں خاص طور پر قابل بیان ہیں " تاریخ آگرہ " جو محمد سدیدالدین نے اردو میں لکھی ہے - " بہار عشق " مؤلفۂ نور علی ' یہ کتاب نل دمن کے قصے پر مبنی ہے - " قصہ گرو چیلا ' یہ قصہ کلیلہ دمنہ کے قصہ کے طرز پر لکھا گیا ہے - " قصہ سپاہی زادہ " " دیوان نوید " ایک مشہور ہمعصر شاعر کا دیوان - " دیوان نظیر " جو اب تک کامل نہیں چھپا تھا - گلستاں کا ہندوستانی ترجمہ جو پہلی مرتبہ فارسی متن کے ساتھ طبع ہوا ہے - ایک تاریخی نظم فاتحان ہندوستان پر معہ انگریزی ترجمہ کے- یہ کتاب شہنشاہ دہلی کے حکم سے شاہی شاعر مہاراجہ اپروا کرشن بہادر نے لکھی تھی - یہ شاعر اگرچہ ہندو تھا مگر بجائے ہندی میں لکھنے کے جو عام طور پر ہندوؤں کی زبان ہے ' اُس نے اردو میں لکھی - آخر میں ایک قصہ قابل بیان ہے جو علم النسل کے نقطۂ نظر سے موجب دلچسپی ہے اور ٹھیٹ ہندوستانی میں عربی اور فارسی الفاظ کی آمیزش کے بغیر لکھا گیا ہے - اس کے لکھنے والے انشاءاللہ خاں تھے جو اسی صدی کے ابتدا میں ایک مشہور شاعر گذرے ہیں یہ قصہ ایشیا ٹک سوسائٹی آف بنگال کے ایک رسالہ میں طبع ہوا ہے —

ہندی کی صرف ان کتابوں کے بیان کرنے پر اکتفا کروں گا- اخلاقی منتر لے موسوم بہ " نکی نبود " ہندو مہاجنوں کے لیے

ایک کتاب جس کا نام " مہاجلی سروپکا " ہے ہندی مطبوعات میں جن کی اشاعت کی اس سال اطلاع دی گئی ہے ، وید کے کامل ترجمے خاص طور پر قابل بیان ہیں جس کے ساتھ اصل سنسکرت بھی ہوگی —

حضرات ! مجھے اُمید ہے کہ میرے لکچر ہندوستان کی جدید زبان کے علمی اور ادبی مطبوعات کے پڑھنے میں کافی طور پر رہنمائی کریں گے - میری تعلیم کا طریقہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' تجزیہ کے اصول پر مبنی ہے - میں ہر لفظ کی تشریح کرتا ہوں اور متن کے معنی و مطالب کے ساتھ ساتھ نحوی قواعد پر بھی نظر ڈالتا جاتا ہوں اور ہر محاورے کا تجزیہ کرتا ہوں - میری دانست میں یہی ایک طریقہ حقیقی اور صحیح ترقی کرنے کا ہے —

ہم اس سال شیر شاہ کی تاریخ کے اُس حصہ کو ختم کریں جو گزشتہ سال شروع کیا گیا تھا - شیر شاہ افغانوں کا کیخسرو (Xerxes) تھا جو اگرچہ ابتدا میں ایک گورنر تھا مگر اپنی قابلیت ' اپنے کیرکٹر اور اپنے انصاف و عدل کی وجہ سے تخت دہلی پر قابض ہوگیا - ابھی وہ بہت کم عمر تھا کہ اُس کے والد نے اُسے اپنے علاقہ کے ایک حصہ کا انتظام سپرد کیا - والد سے رخصت ہوتے وقت اُس نے یہ الفاظ کہے " ابا جان ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں جناب سے اپنے دلی خیالات کا صاف صاف اظہار

کروں - میری خواہش ہے کہ میں اس ملک کی زراعت کی ترقی میں کوشش کروں جس کو آپ نے میرے سپرد کیا ہے اور اس کی فلاح و بہبودی میں کوشاں رہوں - مگر میں اپنے مقصد میں اُس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں ہر معاملہ میں عدل و انصاف سے کام نہ لوں - بزرگوں نے کہا ہے کہ عدل اعلیٰ ترین نیکی ہے - اس سے سلطنتوں کو وسعت اور استحکام حاصل ہوتا ہے - اور اسی سے خزانہ مالا مال اور شہر اور قصبے آباد و خوش حال ہوتے ہیں - ظلم اس کے برعکس ہے اور بدترین عیوب میں سے ہے - یہ تباہی و بربادی کا موجب ہوتا ہے اور جو اس کا مرتکب ہوتا ہے وہ دنیا و عاقبت میں ذلیل و رسوا ہوتا ہے - پس ہر بادشاہ کا فرض ہے کہ اپنی رعایا سے مہربانی سے پیش آے اور اُن کی خبرگیری کرے کیونکہ خدا نے رعایا کو بادشاہوں کی پناہ میں دیا ہے جن کا فرض ہے کہ اُن کو ظلم و استبداد سے بچائیں اور اُن کو خوش رکھیں - اس کے حصول کے لئے کامل عدل و اعلیٰ انتظام ضروری ہے - عمدہ حکومت کے نہ ہونے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں اور رعایا کے حقوق تلف ہوتے ہیں - اچھی حکومت کی مثال اُس بارش کی سی ہے جو زندگی بخشتی ہے اور بغاوت کے گرد و غبار کو دبا دیتی ہے اور وہ اس تلوار کے مانند ہے جس کے جوہر کا عکس سلطنت کے رخسار پر پڑتا ہے اور اُس کو مثل آفتاب کے منور کردیتا ہے -

میں اس امر سے ناواقف نہیں ہوں کہ بعض عہدہ دار جو میرے ماتحت کام کے لئے تجویز کئے گئے ہیں ظلم اور سختی کو جائز رکھتے ہیں - میں سب سے اول اُن کو نرمی سے متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ میرے کہنے پر عمل کریں گے تو مجھے سختی نہیں کرنی پڑے گی لیکن اگر کچھ ایسے ہوں گے جن میں یہ خرابی اس درجے سرایت کئے ہوئے ہے کہ وہ اُن سے نہیں چھوٹ سکتی تو میں سختی میں کوتاہی نہ کروں گا اور اُن کو ایسی سزا دوں گا جو دوسروں کے لئے باعث عبرت ہوگی - جب بد نظمی پھیلانے والے بد طینت لوگ سلطنت کی آگ کو شعلہ زن دیکھتے ہیں تو چپ رہتے ہیں - برخلاف اس کے جب انہیں ذرا سی بھی بد نظمی انتظام مملکت میں نظر آتی ہے تو ہر جگہ فساد پیدا کرتے ہیں اور حکومت کی عمارت بہت جلد شکستہ ہو جاتی ہے - حکیموں نے کہا ہے کہ مملکت مانند ایک درخت کے ہے جس کی جڑوں کی آبیاری ہمیشہ اچھے نظم و نسق سے کرنی چاہئیے تاکہ وہ امن و امان اور اطمینان کے ثمر سے بارآور ہو .. .. "

حضرات! میں اس سال پریم ساگر کی بھی تشریح کروں گا پریم ساگر ایک کہانی ہے جو مسجع اور مقفیٰ عبارت میں لکھی گئی ہے اور جگہ جگہ اس میں نظم بھی آتی ہے - یہ کہانی کرشن جی کے حالات سے متعلق ہے اور بھاگوت کے دسویں باب

سے ماخوذ ہے - اسی "پران" کے ترجمہ کے طبع کا کام ایک مشہور ہندی کے عالم نے اپنے ہاتھ میں لیا تھا - وہ اسی دسویں باب تک پہنچا تھا کہ موت نے علم و ادب کے اس سرمایۂ ناز کو ہم سے چھین لیا - لیکن ایک اور کتاب جو ہندی نظم میں ہے اور اسی دسویں باب کے تتبع میں لکھی گئی ہے اور پریم ساگر سے بھی قدیم ہے فرانسیسی زبان سے حال میں (M. H. Pavie) موسیو تھامس پاوی نے طبع کرائی ہے - مجھے اس بات کا فخر ہے کہ موسیو موصوف میرے شاگردوں میں ہیں - اس کا نام "کرشن جی اور اُن کی تعلیم" ہے - اسے یوجین بورنوف کی کتاب کا تتمہ سمجھنا چاہئے —

پریم ساگر ایک نہایت دلچسپ افسانہ ہے جو معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ‌السلام کی مقدس تاریخ سے لیا گیا ہے - اس کے ہر صفحہ میں عیسائی مذہب کے واقعات کا مبہم سا اعادہ نظر آتا ہے لیکن اتنا فرق ہے کہ وہ سچ ہے اور یہ غلط - اسی لئے باوجود دونوں کی مشابہت کے وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں - کرشن جی کی تاریخ اگرچہ مشرقی تخیل کے عجائبات سے پر ہے اور غیر مسیحی اخلاقی خرابیوں نے اسے خراب کردیا ہے تاہم عیسیٰ مسیح کی تاریخ سے بہت مشابہت رکھتی ہے - یہ وہ بات ہے جسے میں نے اپنی ایک تصنیف میں نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے اور اگرچہ میرا یہ خیال

عیسائی ہونے کی بنا پر تھا مگر میں نے دیکھا کہ یہ مقابلہ مذہبی احساسات کو صدمہ پہنچانے کے بجاے کتاب کی وقعت کو اور بڑھا دے گا۔ مجھے یہ بات بہت دلچسپ معلوم ہوئی کہ کرشن جی کی زندگی کے حالات عیسیٰ مسیح کے حالات کی صداے بازگشت ہیں اور ان کی تعلیم عیسائی مذہب کے اصول کا ایک عکس ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عیسائی مذہب ہندوستان میں بہت پہلے پھیل چکا تھا جیسا کہ ہماری مذہبی روایتوں سے بھی ظاہر ہے۔ سینٹ فرانسیس زیویر جو پیرس یونیورسٹی کا مشہور طالب علم تھا اور "انڈیز کے مبشر" کے لقب سے مشہور ہے، جب کوچین اور ترا ونکور کے ساحلی قصبوں میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کے لئے پہنچا تو اُس نے وہاں کے اصلی باشندوں کو عیسائی مذہب کا پیرو پایا۔ جن کو اس زمانہ کے وقائع نویسوں نے "پروا" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اُسی نے مقام میلا پور میں سینٹ تھامس کی قبر بھی دیکھی۔ یہاں میں اس بات کا اشارہ بھی کرنا چاہتا ہوں کہ صوبہ بیجاپور میں جس کے بڑے شہروں میں 'گوا' بھی ہے سینٹ مذکور کو ہندوستانی کی دکنی بولی میں وعظ کرنا پڑا ہوگا۔ یہ بولی بیجاپور میں اسی طرح مروج ہے جس طرح مرہٹی —

چوتھا خطبہ

بتاریخ ۲۹ - نومبر سنہ ۱۸۵۳ ع

حضرات ! هندوستانی زبان ' جیسا کہ آسانی سے معلوم هوسکتا هے ' صرف بول چال هی میں استعمال نہیں هوتی بلکہ اس ملک میں روز بروز تحریر کے کام میں بھی ترقی کرتی جاتی هے جسے هم انڈیا (هندوستان) کہتے هیں جو وسعت میں اسی قدر بڑا هے جس قدر براعظم یورپ - اسی طرح اس کا علم ادب ترقی کر رها هے اور اچھی اچھی تالیفات و تصنیفات سے مالا مال هو رها هے —

سنہ ۱۸۵۱ ع سے نئے سنگی مطبع قائم هوے هیں جہاں سے عمدہ کتابیں شائع هوتی هیں - نئے رسالے اور اخبار بھی جاری هوے هیں اور پرانے تقریباً سب کے سب زندہ هیں —

اس اطلاع کی بنا پر جو میرے دوستوں اور ایک انگریزی اخبار (فرینڈ آف انڈیا) نے اپنی عنایت سے مجھے بہم پہنچائی هے میں ممالک مغربی و شمالی کے ان مطابع کے متعلق صحیح تفصیل آپ کے سامنے بیان کر سکتا هوں جو سنہ ۱۸۵۲ ع کے آغاز میں وهاں جاری تھے - ممالک مغربی و شمالی رقبے میں فرانس سے دو چند هیں اور وهاں کی زبان هندوستانی هے ' خواہ اُردو هو یا هندی - افسوس هے

له میں آپ کو راجپوتانه ' دکن ' اوده اور انگریزی احاطوں کے تینوں دارالحکومتوں کے متعلق کوئی نئی بات نہیں بتا سکتا - تاهم جو جزوی تفصیل میں آپ کے سامنے پیش کروں گا اس سے آپ اس ادبی تحریک کا اندازہ کرسکیں گے جو اس زبان کے ذریعہ سے جس کے حاصل کرنے کے لئے آپ یہاں آے هیں ' هندوستان میں حقیقی طور پر ظاهر هو رهی هے نیز آپ پرظاهر هوجاےگا که زمانهٔ دراز سے هندوستانی نے خاصی حیثیت اور اهمیت حاصل کرلی هے —

سنه ۱۸۵۲ ع کے آغاز میں ممالک مغربی و شمالی کے پندره شهروں میں ۳۴ سنگی مطبع تھے جن میں هندوستانی مطبوعات شائع هوتی تهیں اور ۳۱ هندوستانی رسالے اور اخبار تھے - مطبعوں کی تفصیل یه هے - سات آگره میں - چهه دهلی میں - دو میرتهه میں - دو لاهور میں - سات بنارس میں اور ایک ایک سر دهنے ' بریلی ' کانپور ' مرزاپور ' اندور ' لدهیانه ' بهرت پور ' امرتسر اور ملتان میں —

اِن مطبعوں سے مفصلهٔ ذیل هندوستانی اخبار شائع هوتے هیں :- آگره سے " مطبع الاخبار " جو شهر آگره میں خوب بکتا هے " اخبار الحقائق " جو هفته میں دو بار شائع هوتا هے اور " اسد الاخبار " جو هفته میں ایک بار نکلتا هے - ایک اور اخبار اسی شهر سے نکلتا هے جس کا نام " قطب الاخبار "

ہے جس میں مذہب اسلام کے متعلق بحث ہوتی ہے اس میں اخبار (احادیث) اسلام انبیاء، شہدا اور اولیاے اسلام کے حالات شایع ہوتے ہیں اور قدیم مصنفین کی کتابوں میں سے اقتباسات بھی درج کئے جاتے ہیں - "معیار الشعرا" ایک ادبی رسالہ ہے جس میں قدیم و جدید شعرا کا کلام درج ہوتا ہے —

"اخبار النواح" پہلے ایک علمی پرچہ تھا - مگر اب معمولی خبروں کا اخبار ہے - "آگرہ گورنمنٹ گزٹ" کا ذکر بھی مناسب خیال کرتا ہوں - یہ سرکاری اخبار ہے اور هندوستانی اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہوتا ہے - اب اگر ہم دلی کی طرف رجوع کریں تو وہاں "سراج الاخبار ہے" جو اس شہر کا سب سے پرانا اخبار ہے - "دهلی اردو اخبار" اردو میں چھپتا ہے - "مظہر الحق" کے اڈیٹر ایک صاحب محمد علی ہیں جن کی اسی نام کی ایک تالیف ہے جس میں مذہب اسلام کی مختلف رسموں کا ذکر ہے - "قران السعدین" ایک با تصویر اخبار ہے جس میں سائنس، ادب اور سیاست سے بحث ہوتی ہے اس کے چلد نمبر جو میرے پاس آئے ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ با تصویر رسالہ ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنے ہم وطنوں میں مغربی معلومات کو شایع کرے - اس میں خبریں بھی چھپتی

ھ

هیں - هفته میں ایک بار پیر کے روز شائع هوتا هے اور ایک ماهانه رساله بهی جس کا نام "فوائد الناظرین" هے - اس میں علاوه خبروں کے مضامین بهی چهپتے هیں جو انگریزی ذرائع سے ماخوذ هوتے هیں - "دقیق الاخبار" هندؤں کا هے —

میرٹهه میں دو هندوستانی اخبار هیں - ایک "مفتاح الاخبار" جس کے اڈیٹر محبوب علی هیں - اُنهوں نے هندوستانی لغت اللغات کا خلاصه بهی لکها هے جو لکهنؤ میں سنه ۱۸۴۷ ع میں طبع هوا دوسرا "جام جهاں نما" هے یه جمشید کے اُس پیالے کی طرف اشاره هے جس کی ته میں وه دنیا کے تمام واقعات جوگزرتے تهے معلوم کر لیتا تها - اس اخبار میں علاوه معمولی خبروں کے سرکاری گزٹ اور ممالک مغربی و شمالی کی عدالت عالیه (سوپریم کورٹ) کے فیصلوں کے اقتباسات بهی درج هوتے هیں- اس کے ساتهه ایک ورق بطور ضمیمه کے شایع هوتا هے جس میں فیضی کی مهابهارت کا فارسی ترجمه شایع هوتا هے یه ضمیمه اخبار کے خریداروں کو مفت نذر کیا جاتا هے —

بنارس میں چهه هندوستانی اخبار هیں - ان میں سے دو اخباروں کا ایک هی اڈیٹر هے - ایک هندی یعنی دیوناگری حروف میں دوسرا اردو یعنی فارسی حروف میں شایع هوتا هے - پہلے کا نام "بنارس اخبار" هے - سنا هے که راجه نیپال

سے امداد ملتی ہے جن کی رانی بنارس میں رہتی ہیں - بہر حال اڈیٹر جو ایک پر جوش ہندو ہے ان دونوں اخباروں میں عیسائی مشنریوں کے خلاف ہندو مذہب کی پر زور حمایت کرتا ہے - بنارس کا تیسرا ہندوستانی اخبار "سدھا کر اخبار" ہے-یہ اخبار جو انگریزی حکومت کو اچھا سمجھتا ہے پہلے ہندی اردو دونوں زبانوں میں نکلتا تھا مگر اب صرف ہندی میں شایع ہوتا ہے- اس کی ہندی دقیق اور سنسکرت کے الفاظ سے بھری ہوتی ہے - اس کی اشاعت صرف تعلیم یافتہ ہندؤں تک محدود ہے - چوتھا اخبار "باغ و بہار" ہے جس کا نام اسی نام کی مشہور کتاب پر رکھا گیا ہے - یہ مہاراجہ بنارس کی سر پرستی میں نکلتا ہے - مہاراجہ جدید ادب کے بڑے مربی ہیں اور بہت سی کتابیں انھوں نے اپنے خرچ سے چھپوائی ہیں اور خود بھی ہندوستانی اور فارسی کے شاعر ہیں - پانچواں اخبار "سائرین ہند" (؟) ہے- یہ دو ہفتے میں ایک بار چھوٹی تقطیع کے آٹھ صفحوں پر چھپتا ہے اور ہر صفحہ میں دو کالم ہوتےہیں - علاوہ معمولی خبروں کے جو کسی قدر تفصیل سے لکھی جاتی ہیں اس میں مختلف قسم کے مضامین ہوتے ہیں - چھٹا اخبار "بنارس ہرکارا" ہے جو سنہ ۱۸۵۱ع سے اب تک نکل رہا ہے —

بریلی سے "عمدۃ الاخبار" شایع ہوتا ہے- اس کے اڈیٹر

لکشمن پرشاد ہیں - اُنہوں نے چھوٹی سی علمی اور اخلاقی سائکلو پیڈیا بھی لکھی ہے اور اس کا نام مشرقی طرز پر "دماغی زینت" رکھا ہے —

مرزا پور سے "خیر خواہ ہند" نکلتا ہے - یہ امریکی پروتستنٹ مشنریوں کا اخبار ہے اور اس کا مقصد تبلیغ مذہب ہے —

"شملہ اخبار" شملہ سے شائع ہوتا ہے یہ بہت اچھا اخبار ہے جسے آج کل شیخ عبداللہ مرتب کرتے ہیں یہ انگریزی ہندوستانی دونوں سے واقف ہیں - ہندوستانی ان کی مادری زبان ہے —

اندور کا اخبار - جو مالوہ کا دارالحکومت ہے "مالوہ اخبار" ہے - یہ آٹھ صفحوں کا ہفتہ واری ہے - اس کے ایک کالم میں اردو اور دوسرے میں ہندی ہوتی ہے اس کے اڈیٹر دھرم نراین ہیں جن کی عمر صرف چھبیس ستائیس سال کی ہوگی - یہ بہت اچھے شاعر ہیں اور انہوں نے مل کی پولیٹکل اکانمی (معاشیات) اور انگلستان کی ایک تاریخ کا ترجمہ بھی کیا ہے —

بھرت پور صوبہ آگرہ میں ہے - وہاں کا اخبار "مظہر السرور" ہے جو راجہ بھرت پور کی سرپرستی میں شایع ہوتا ہے - "مالوہ اخبار" کی طرح اس کے ایک کالم میں اردو اور

دوسرے میں هندی هوتی هے —

اب هم پنجاب کے اخباروں پر ایک نظر ڈالتے هیں - ان کے ناموں کے دیکھنے سے یہ خیال هوتا هے کہ وہ روشنی علم کی اشاعت میں زیادہ کوشاں هیں - کیونکہ وهاں کے اخبارات کے ناموں کے ساتھ اکثر نور کا لفظ لگا رهتا هے مثلاً " دریاے نور " جو لاهور کا اخبار هے - ایک دوسرا جو هفتے میں دوبار شائع هوتا هے " کوہ نور ' هے - اُس مشہور هیرے کا نام هے جو آج کل ملکۂ انگلستان کے قبضہ میں هے —

لدهیانہ کا اخبار " نورٌ علیٰ نور " هے جسے محمد حسین نے سنہ ۱۸۵۱ ع میں جاری کیا تھا - یہ اپنی ایک نظم کی وجہ سے مشہور هیں جس میں اُنھوں نے فطرت کی اُن پیداواروں کو منظوم کیا هے جن کا ذکر احادیث میں آیا هے - امرتسر سے " باغ نور " اور ملتان سے جو اسی نام کے صوبہ کا دارالحکومت هے " ریاض نور " نکلتا هے —

حضرات ! اب میں هندوستانی تالیف و تصنیف کے متعلق کچھ کہنا چاهتا هوں جو ممالک مغربی و شمالی میں سنہ ۱۸۵۱ ع میں شایع هوئیں - میں اس معلومات میں جو میں نے گزشتہ سال آپ کے سامنے پیش کی کچھ اضافہ کرنا چاهتا هوں -

رومن کیتھلک نقطۂ نظر سے سردهنہ ان صوبجات میں ایسا هے جیسے صحرا میں نخلستان - یہاں رومن کیتھلک

مشنریوں نے مطبع قائم کر رکھا ہے جس میں حال میں علاوہ اور چیزوں کے مذہبی عقاید کی سوال و جواب کی کتاب بھی چھپی ہے - یہ آگرہ والی کتاب سے زیادہ تفصیلی ہے - کئی کتابیں دعاؤں کی اور فلیوری کے تاریخی سوال و جواب کا ترجمہ، عیسائی اولیا کے تذکرے اور کئی اور مذہبی کتابیں فارسی اور دیو ناگری حروف میں چھپی ہیں —

پراتستنٹوں کی مذہبی مطبوعات بلاشبہ بہت زیادہ ہیں اور اُن کی اشاعت سے اہل ہند میں رفتہ رفتہ عیسائی خیالات کی اشاعت ہوتی جاتی ہے اور اُسی کے ساتھ ابتدائی کتابیں جو انگریزی سے ترجمہ کی جاتی ہیں مغربی علوم کے پھیلانے میں مدد دیتی ہیں —

گزشتہ سال میں نے آپ سے رام چندر کے عیسائی ہونے کا ذکر کیا تھا اور میں نے اپنے خطبہ میں اس اخبار کا بھی ذکر کیا تھا جس کے وہ اڈیٹر ہیں - اس سال ایک ہندوستانی شاہزادہ کا ذکر کرتا ہوں اور صرف یہی ایک ہندوستانی شاہزادہ ہے جو ہمارے زمانہ میں عیسائی ہوا ہے - یہ مہاراجہ دلیپ سنگھ لاہور کے شاہی خاندان کا سکھ شاہزادہ ہے - اس نے فتح گڑہ میں گزشتہ مارچ کی آٹھویں تاریخ کو عیسائی مذہب قبول کیا - اس وقت وہ فتح گڑہ ہی میں مقیم ہے —

لیکن ہمیں ہندوستان کے مطابع کی طرف اپنی توجہ

مبذول رکھنی چاهئے کیونکه یهی سب سے بڑی چیز هے جو یورپ کی توجه کی مستحق هے سنه ۱۸۵۱ ع کے دوران میں تیس دیسی مطابع میں جس قدر کتابیں چھپی هیں ان کا ایک گوشوارہ تیار کیا گیا هے جس سے معلوم هوتا هے که ان کی تعداد ۱۲۹ هے جن میں سے ۸۴ هندوستانی هیں - افسوس هے که ان میں سے متعدد کتابوں کے صرف نام لکھے هیں دوسری کسی قسم کی کیفیت درج نہیں هے اور محض نام سے کتاب کے متعلق صحیح اندازہ نہیں هوسکتا کیونکه مشرقی کتب کے نام بعض اوقات اصل مضمون سے کچھه تعلق نہیں رکھتے - اس لئے حضرات! میں بعض کتابوں کا تذکرہ کرنے سے معذور هوں - ممکن هے که ان کا جاننا بہت دلچسپ هوتا —

هندی کتب میں سے لایق ذکر مفصلۂ ذیل کتابیں هیں جو آپ کی محتاج توجه هیں —

" راماین کی شرح ' جو مہاراجه بنارس کی فرمایش سے طبع هو رهی تھی ' جنوری سنه ۱۸۵۲ ع میں تکمیل کو پہنچ گئی - سجن چوتر - یه کتاب راجه بھرت پور کے حکم سے طبع هوئی اس میں اس لڑائی کا منظوم تذکرہ هے جو سورج مل (جو راجه بھرت پور کے بزرگوں میں سے تھے) اور صلابت خاں اور دوسرے افغان سرداروں میں هوئی تھی —

نجات المومنین - باوجود عربی نام کے یه کتاب پنجاب کی

هندی بولی میں جسے پنجابی کہتے هیں لکھی گئی هے اور ادھیانہ میں چھپی هے -

حاتم طائی هندی منظوم بنارس میں چھپی- ایک هندی لغت مرتبہ تعشق دهلی میں چھپی هے - یہ صاحب کئی کتابوں کے مولف هیں - جو اس سے قبل شایع هوچکی هیں - اگر میں سرکاری مطبوعات جنتریوں اور چھوٹی چھوٹی مذهبی کتابوں نیز ایسی کتابوں کو جو دوبارہ چھپی هیں اپنے تبصرہ میں شریک کرلوں تو یہ فہرست بہت طویل هوسکتی هے -

یہی کیفیت اردو مطبوعات کی هے جن کی تعداد ان سے کہیں زیادہ هے - کیونکہ هندی مصنفین بھی زبان کی اسی شاخ میں لکھنا پسند کرتے هیں جسے مسلمان مصنفین نے قابل تعریف کمال تک پہنچا دیا هے —

حضرات ! اس سال میں اردو مطبوعات میں سے چند ایسی کتابوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاهتا هوں جو حقیقی طور پر قابل قدر هیں -

کانپور کا مطبع هندوستانی مطابع میں بہت هی معروف و مقبول هے - سنہ ۱۸۵۱ ع میں اس مطبع میں علاوہ دوسری کتابوں کے ایک نظم " قصۂ منصور " کے نام سے چھپی هے - منصور ایک مشہور حکیم (صوفی) گزرا هے - جو زیادہ تر " حلاج "

کے نام سے معروف ہے - اس مشہور شخص پر جو صوفی ہے سنہ ۹۲۲ ع میں کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور اس جرم پر کہ وہ اپنے تئیں "الحق" کہتا تھا جو خدا کا نام ہے قتل کیا گیا - صوفیا اُسے شہید سمجھتے ہیں اور ان کی تصانیف میں اس کا ذکر بہت عزت و حرمت سے کیا گیا ہے - بعض لوگ اسے عیسائی خیال کرتے ہیں - چنانچہ ڈھربیلے نے اپنی کتاب "اورنٹیل ببلیوتیک" میں اس کے چند اشعار نقل کئے ہیں جن سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ آخری اشعار تھے جو شہادت سے پہلے اس کی زبان سے نکلے تھے —

" حمد ہو ہمیشہ اس کے لیے جس نے اپنی الوہیت کو چھپا کر جو تمام دنیا میں ساری ہے ' اپنی انسانیت (انسانی شکل) کو ہم پر ظاہر کیا - یہاں تک کہ اُس نے خواہش کی کہ وہ ہم کو کھاتا پیتا نظر آے - وہ جو مجھے اپنے دستر خوان پر بلاتا ہے تو برا نہیں کرتا کیونکہ وہ مجھے وہی پیالا پینے کو دیتا ہے جو وہ خود پیتا ہے - وہ درحقیقت مجھ سے ایسا ہی برتاؤ کرتا ہے جیسا ایک میزبان اپنے مہمان کے ساتھ کیا کرتا ہے " -

علاوہ اس کے اس مطبع سے مفصلۂ ذیل کتابیں شایع ہوئی ہیں

مجموعۂ مثنوی - یہ اردو منظوم حکایتوں کا مجموعہ ہے -

حکایت نصیحت آمیز - ناز و نیاز یہ خدا اور رسول خدا

(صلعم) کی حمد و ثنا میں ھے - یہ اسی قسم کی کتاب ھے جو آگرہ میں "نظم نادر" کے نام سے شایع ھوئی ھے - گلستان مسرت * یہ شعرا کے کلام کا مجموعہ ھے جو اس مطبع کے روشن خیال مالک نے انتخاب کیا ھے —

اب ان اردو کتب کی طرف آپ کی توجہ منعطف کرتا ھوں جو دوسرے مطبعوں سے شایع ھوئی ھیں - ان میں سے ایک عربی کی مشہور کتاب "مقامات حریری" کا اردو ترجمہ ھے - دھرم سنگھہ کا قصہ جو ایک دلچسپ قصہ ھے - بو علی قلندر (رح) کی فارسی مثنوی کی شرح- بہارستان سخن جو ناسخ ' آتش ' آباد کے کلام کا مجموعہ ھے - میزان عقبیٰ ' یہ فارسی کتاب کا ترجمہ ھے تاکہ لوگ کثرت سے مستفید ھوسکیں-

اس سال کے شروع میں پنجاب کے ایک اخبار نے ایک جدید کتاب کی اطلاع شائع کی ھے یہ میجر ایڈورڈ کی کتاب "پنجاب میں ایک سال" کا ترجمہ ھے - اس کے مترجم نواب امام الدین ھیں جو پہلے کشمیر کے گورنر تھے اور جنھوں نے کابل کے محاصرے اور دوسری لڑائیوں میں نمایاں کام کیے ھیں —

میں ان جغرافی نقشوں کا ذکر نہیں کروں کا جو مختلف

---

* یہ فارسی شعرا کے کلام کا انتخاب مضامین کی ترتیب سے ھے - پروفیسر موصوف غلطی سے اسے اردو خیال کرتے ھیں - عبدالحق —

مطبعوں میں چھپے ھیں - ھر کلا تس اور تھسن کے نقشوں کے بعد سے ممالک مغربی و شمالی کے مطابع میں نہ صرف دنیا کے نقشے بلکہ ھندوستان اور ھر ضلع کے نقشے چھپ کر شایع ھوئے ھیں —

میں اپنے درسوں کے دوران میں کئی سال تک "ھندوستانی انتخابات " پڑھاتا رھا ھوں - یہ عمدہ انتخاب فاضل مسٹر شکسپیر کا کیا ھوا ھے اور اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے کالجوں کے نصاب میں داخل تھا - اب اس کی جگہ ' طوطا کہانی " اور " باغ و بہار " رکھی گئی ھیں - اس سال میں ان کتابوں کی تعلیم دوں گا - نہ صرف ان انگریزوں کے فائدہ کے خیال سے جو میرے لکچروں میں حاضر ھوتے ھیں بلکہ اس خیال سے کہ اردو میں ان کتابوں کا طرز تحریر نہایت پاکیزہ اور لطیف ھے - یعنی یہ ھندوستان کی اس خوبصورت زبان میں لکھی گئی ھیں جس میں فارسی اور اس کی معین عربی اعتدال کے ساتھہ شریک ھے ان کتابوں میں استعارات اور دیگر صنائع و بدائع اور لفظی مناسبت کا صرف ایک حد تک استعمال کیا گیا ھے - یہ وہ چیزیں ھیں جن کے اھل مشرق بہت شایق ھیں —

ان میں سے پہلی کتاب سے آپ واقف ھیں کیونکہ اس کا ترجمہ "طوطا کہانی" (Tales of a Parrot) کے نام سے ھو چکا ھے - لہذا

اس کے متعلق مجھے کچھہ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسرا ایک مشہور قصہ ہے جسے ہندوستان میں مختلف ناموں سے کئی صاحبوں نے لکھا ہے۔ ان میں "باغ و بہار" نام کا بہت مقبول ہوا۔ اور اس نام سے بار بار چھپا ہے۔ اس کا ایک ترجمہ جوارمنی زبان میں بھی ہوا ہے۔ علاوہ اور باتوں کے اس میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں اردو ہندی کی بہت سی ضرب المثلیں اور اشعار بھی جگہ جگہ آتے ہیں۔ اس کا نام باغ و بہار کسی قدر عجیب ہے۔ خود مصنف نے اپنے دیباچے میں اس کی وجہ تسمیہ ان الفاظ میں بیان کی ہے:

ہم نام و ہم تاریخ اس میں نکلتی ہے۔ سب میں نے یہی نام رکھا جو کوئی اس کو پڑھے گا گویا باغ کی سیر کرے گا جیسا کہ اکثر مشرقی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ اس قصے میں کئی اور قصے شامل ہیں اور (Orlando furioso) کی طرح قصے کا انجام عام ہے جس میں قصے کے تمام خاص اشخاص شریک ہیں۔ یہ کتاب کئی شخصوں کی عجیب و غریب آپ بیتیوں کا مجموعہ ہے۔ جن میں عجائب نگاری کی شان ہر جگہ پائی جاتی ہے اور باوجود بار بار اعادہ کے اہل مشرق اسے بہت پسند کرتے ہیں مگر اس سے درحقیقت اکثر اوقات قصوں کا لطف کم ہو جاتا ہے۔ لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ قصہ اسلامی روایات پر مبنی ہے جو دل و دماغ کے لیے زیادہ

قابل قبول اور لطف آمیز ہیں —

حضرات! میں اب آپ سے باغ و بہار کا خلاصہ بیان کرتا ہوں تاکہ آپ کے خیال میں کتاب کا ایک تصور پیدا ہو جائے اور اصل کتاب کے پڑھنے میں آسانی ہو (اس کے بعد کتاب کا خلاصہ ہے جو غیر ضروری سمجھ کر ترجمہ میں چھوڑ دیا گیا) —

میں نے مختصر طور سے باغ و بہار کا خاکہ آپ کے سامنے کھینچ دیا ہے - لیکن اس کتاب کے پڑھتے وقت آپ بہت مفید اور کار آمد بات یہ پائیں گے کہ ان قصوں میں ہر صفحہ پر آپ کو قومی خصوصیات کے متعلق ایسی باتیں ملیں گی جو ہمیں اصلی ہندوستان اور خاص کر اسلامی ہندوستان کے سمجھنے میں بہت کار آمد ہوں گی - اس قسم کی باتیں قصے کے ہر صفحے میں پائی جاتی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بعض جگہ مذہبی جوش اور ظلم کی کارستانیاں اس ناگوار طریقہ سے بیان کی گئی ہیں کہ وہ حصے کسی قدر خلاف قیاس معلوم ہوتے ہیں ' لیکن بہت سے حصے ایسے ہیں کہ ان کا جوڑ بڑی خوبصورتی سے بٹھایا گیا ہے اور در حقیقت بہت دلچسپ ہیں —

حضرات! اس کتاب میں آپ اس زبان کا مطالعہ کریں گے جو ہندوستانی کہلاتی ہے اور اس میں آپ ان الفاظ کو نہیں

پڑھیں گے جن کا کوئی مفہوم نہیں، بلکہ ایسے الفاظ دیکھیں گے جو ان اشیا کا مفہوم بتاتے ہیں جو بہت دلچسپ ہیں اور جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے آپ اس کے علاوہ ایک اور بات بھی پائیں گے اور وہ یہ ہے کہ اس کے الفاظ خیالات کی نیابت کرتے ہیں - کیونکہ ان کا تجزیہ کرنے سے ہم ان مادوں تک پہنچتے ہیں جو انڈو یوروپین زبانوں کے ایک بہت بڑے مجموعہ کی کنجی ہیں اور خود ہماری زبان بھی انھیں میں شامل ہے اور درحقیقت ہندوستانی کی ایک بہن ہے —

پانچواں خطبہ

(بتاریخ ۴ دسمبر سنہ ۱۸۵۴ ع)

سنسکرت جو قدیم آریاؤں کی زبان تھی ' ہندوستان کی (جسے ویدوں میں سپت سندھو یعنی سات دریاؤں * والے ملک سے موسوم کیا گیا ہے) کبھی عام زبان نہیں ہوئی تھی - سنسکرت کے ڈراموں میں یہ خاص اور بڑے اشخاص کی زبان ہے - عورتیں اور عوام ایک دوسرے قسم کی بولی 'پراکت' استعمال کرتے تھے - پراکرت کے معنی غیر شایستہ اور سنسکرت کے معنی شائستہ کے ہیں ' جیسا کہ بعض ہندوستانی مصنفین نے ہم کو باور کرایا ہے ؛ ' پراکرت ہمیشہ دہلی میں بولی جاتی تھی اور ' بھاشا ' یا ' بھاکا ' یعنی دیسی زبان کہلاتی تھی - سنسکرت سی قوی اور غالب زبان نے اِس کو جلا دی اور " ہندوستانی زبان " (ہندی) کے نام سے موسوم ہوئی - یہ

---

* یعنی پانچ دریا پنجاب کے اور سندھ اور سرسوتی —

† ڈراما نویسی سے قبل بدھ مت کی تصانیف اور اشوک کے کتبے ایک قسم کی پراکرت ہی میں لکھے گئے تھے جو اس وقت مقبول زبان تھی —

‡ " باغ و بہار ' اور " آثارالصنادید " کے دیباچے ملاحظہ ہوں —

نام سنسکرت کو کبھی بھی حاصل نہیں ہوا تھا * -

سنہ ۸۰۰ ع کے آغاز ھی میں مسلمان ھندوستان میں فاتح کی حیثیت سے پہنچے - محمود غزنوی نے سنہ ۱۰۰۰ ع کے لگ بھگ سب سے بڑھ کر شاندار فتوحات حاصل کیں اور اُسی وقت سے شہروں میں ھندوستانی 'بھاکا' میں تغیر واقع ہوا - چار سو سال بعد تیمور لنگ جو قوم کا مغل تھا † ' ھندوستان میں داخل ہوا ' دھلی کو فتح کیا اور زبردست سلطنت کی بنیادیں ڈال دیں جس کو آخر کار بابر نے سنہ ۱۵۰۵ ع میں مستحکم کیا - اُس وقت ھندوستانی زبان (ھندی) فارسی زبان میں بالکل گھل مل گئی جس میں عرب فاتحوں کے تسلط اور مذھب کی بدولت بے شمار عربی الفاظ داخل ہوگئے تھے اور اس عجیب و غریب آمیزش سے ھندوستانی آریائی اور سامی لہروں کا سنگم بن گئی جو ایک قسم کی نہایت غیر معمولی

---

* البتہ بعض عرب مصنفین نے بول چال کی زبان اور تحریری زبان میں امتیاز نہیں کیا اور دونوں کو گڈمڈ کر دیا ھے - میں نے کسی جگہہ لکھا ھے کہ لاطینی زبان میں بھی ایسا ھی ھوا ھے جسے رومن زبان سے کبھی موسوم نہیں کیا گیا تھا - یہ نام صرف اولڈ فرنچ (قدیم فرانسیسی) کے لئے مخصوص کر دیا گیا ھے ' جو کہ عہد وسطیٰ میں سہل کر کے بنا لی گئی تھی اور گالز (Gauls) کی قدیم زبان کے بچے کھچے لفظوں سے اسے سنوارا گیا تھا —

† یہی وجہ ھے کہ ھندوستانی ' دھلی کی مسلمان سلطنت کو مغل سلطنت کہتے ھیں اور بادشاہ کو مغل اعظم کہا کرتے تھے - ما سوا ھندوستان میں مغل کا خطاب ان تمام مسلمانوں کو دیا جاتا ھے جو شمال سے آئے خواہ وہ نسلاً ایرانی تھے یا تاتاری —

لسانی ترکیب ہے * -

اِس طرح دوہری ہند اسلامی زبان وجود میں آگئی ' یعنی شمالی زبان اور جنوبی زبان - شمال کی ہندوستانی کو اُردو † کا نام ملا کیونکہ اسی نے شاہی اُردو (لشکر) میں جنم لیا تھا اور جنوب یا دکھن کی دکھنی کہلائی - لیکن ہندی فنا نہیں ہوئی - وہ فارسی یا عربی الفاظ کی آمیزش بغیر " دیوناگری " تحریر میں ایسے ہندوؤں میں جاری رہی ' جنہیں مسلمانوں سے ملنے کا (خاص کر دیہات میں) شاذ و نادر ہی اتفاق ہوتا تھا - غرض اِس طرح دو ہندوستانی زبانیں ہو تو گئی تھیں ایک ' لیکن پھر ایہ مختلف تھا ؛ گویا وحدت میں دوئی کا رنگ تھا ‡ -

ہندوستانی زبان یا ہندوستانی (یعنی ہندوستان کی زبان)

---

* میرا مقصد عربی سے ہے کیونکہ اصلی فارسی الفاظ ہندی زبان کے خاندان میں شامل ہیں —

† زبان اردو " لشکر کی زبان " ہے ' جیسا کہ آیندہ چل کر معلوم ہوگا —

‡ ایم - جے - بیمس ' مصنف ہندی لسانیات ' مجھے مطلع فرماتے ہیں کہ حال کی مردم شماری کی رو سے سات کروڑ ہندوستانیوں سے زاید ایسے ہیں جن کی مادری زبان ہندوستانی ہے ' اس کے علاوہ یہ تمام ہندوستان اور قرب و جوار کے ممالک میں سمجھی جاتی ہے - آنریبل مسٹر ارسکن پیری پریذیڈنٹ ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی نے اُس سوسائٹی کے جنوری نمبر سنہ ۱۸۵۳ ع میں ایک دلچسپ مضمون " جغرافیہ کے رو سے ہندوستان کی خاص زبانوں کی تقسیم " کے عنوان سے لکھا ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک نقشہ بھی دیا ہے جس سے ایک نظر میں یہ بیان صاف سمجھ میں آجاتا ہے —

کی یہ تفریق (یعنے ہندی اور اُردو) مذہب نے پیدا کی ہے اور اِس لئے عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندی ' ہندؤں کی اور اُردو مسلمانوں کی زبان ہے —

یہ ایک مسلم امر ہے کہ جن ہندؤں نے اُردو زبان میں تالیف و تصنیف کی ہے ' مسلمانوں کے طرز کی نقل کی ہے بلکہ مسلمانوں کے تخیلات کو بھی جذب کیا ہے اور ان کی نظموں کو پڑھ کر یہ پہچاننا کہ یہ کسی ہندو کی ہیں' بہت مشکل ہے۔

عموماً ہندی نظمیں اردو اور دکھنی نظموں کی نسبت زیادہ پر زور ہوتی ہیں۔ وہ قدیم عربی نظموں سے مشابہ ہیں' جن میں یہی صفات پائی جاتی ہیں ۔ ٹامسن کا وہ شعر جو حسن پر ہے ' دونوں پر صادق آتا ہے :-

'' اسے بیرونی آرایش سے مرصع ہونے کی حاجت نہیں ہے بلکہ بغیر آرایش کے ہی وہ نہایت آراستہ معلوم ہوتی ہے'' *

ایک عرصۂ دراز تک ہندو ادبی مضامین سنسکرت میں اور مسلمان فارسی میں لکھتے رہے اور عام زبان عام پسند گیتوں میں استعمال کرتے رہے ' لیکن شدہ شدہ مستند اور

---

* (از موسم' خزاں)- باغ و بہار میں ایک شعر ہے جو اسی مضمون کو اس سے زیادہ خوبی سے ادا کرتا ہے -

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا دیوے
کہ جیسے خوشنما لگتا ہے دیکھو چاند بن گہنے

مشہور تصانیف نے ہندوستانی زبانوں کو ایک حالت میں قایم کردیا ' جن میں بقول ایک عالم ہندیات (ولسن) کے ایک وافر اور نہایت دلچسپ ادب کا ذخیرہ پایا جاتا ہے* -

حال کے ایک مصنف سید احمد نے اپنی کتاب " آثارالصنادید " میں " اردو زبان کے بیان ' کے عنوان سے اس بارے میں یہ لکھا ہے † -

" ہندؤں کے راج میں تو یہاں ہندی بھاشا بولنے چالنے ' لکھنے پڑھنے میں آتی تھی - سنہ ۵۸۷ ہجری مطابق سنہ ۱۱۹۱ عیسوی موافق سمت ۱۲۴۸ بکرماجیت کے جب مسلمانوں کی سلطنت نے یہاں قیام پکڑا تو بادشاہی دفتر فارسی ہو گیا - مگر زبان رعایا کی وہی بھاشا رہی - سنہ ۸۹۴ ھ مطابق سنہ ۱۴۸۸ ع تک بجز بادشاہی دفتر کے رعایا میں فارسی کا رواج نہیں ہوا - اس کے چند روز بعد سلطان سکندر لودھی کے عہد میں سب سے پہلے ہندؤں میں سے کائستوں‡ نے جو ہمیشہ سے امورات ملکی اور ترتیب دفتر میں مداخلت رکھتے تھے فارسی لکھنا پڑھنا شروع کیا ؛ پھر رفتہ رفتہ اور قوموں نے بھی شروع کر دیا اور فارسی لکھنے پڑھنے کا ہندؤں میں بھی رواج ہو گیا -

---

* میں نے یہ الفاظ اپنی کتاب " تاریخ ہندوستانی ادبیات " میں تمہید کے طور پر استعمال کئے ہیں —

† صفحہ ۱۰۴ - باب سوم —

‡ اِس لفظ کی تشریح آگے کی جائے گی —

اگرچہ بابر اور جہانگیر کے عہد تک ہندی بھاشا میں کچھہ تغیر و تبدل نہیں ہوا تھا، مسلمان اپنی گفتگو فارسی زبان میں اور ہندو اپنی گفتگو بھاشا میں کیا کرتے تھے - پر جب بھی امیر خسرو نے خلجی بادشاہوں کے زمانے سے یعنی تیرھویں صدی عیسوی میں فارسی زبان میں بھاشا کے لفظ ملانے شروع کر دیے تھے اور کچھہ پہیلیاں اور مکرنیاں اور نسبتیں * ایسی زبان میں کہی تھیں جس میں اکثر الفاظ بھاشا کے تھے - غالب ہے کہ رفتہ رفتہ بھاشا میں جب ہی سے ملاپ شروع ہوا ہو مگر ایسا نہ تھا جس کو جدا زبان کہا جاے - جب کہ شاہجہاں بادشاہ نے سنہ ۱۰۵۸ ھ مطابق سنہ ۱۶۴۸ ع کے شہر شاہجہان آباد کیا اور ہر ملک کے لوگوں کا مجمع ہوا، اُس زمانے میں فارسی زبان اور ہندی بھاشا بہت مل گئی اور بعضے فارسی لفظوں اور اکثر بھاشا کے لفظوں میں بہ سبب کثرت استعمال کے تغیر و تبدل ہو گیا - غرض کہ لشکر بادشاہی اور اُردوئے معلیٰ † میں ان دونوں زبانوں کی ترکیب سے نئی زبان پیدا ہو گئی - اور اسی سبب سے زبان کا اردو نام ہوا - پھر کثرت استعمال سے زبان کا لفظ محذوف ہو گیا اور اس

---

* اس لفظ کی تشریح آگے کی جاے گی —

† اُردوے معلیٰ کے لفظی معنی بڑے لشکر کے ہیں - لیکن یہ لفظ بڑے بازار کے مفہوم میں استعمال ہوتا تھا - پرانے مصنفین کا یہ بیان ہے کہ اس بازار میں مسلمان اور ہندو سپاہیوں کے میل جول سے یہ لسانی اختلاط پیدا ہوا —

زبان کو اُردو کہنے لگے - رفتہ رفتہ اس زبان کی تہذیب اور آراستگی ہوتی گئی، یہاں تک کہ تخمیناً سنہ ۱۱۰۰ ھ مطابق ۱۶۸۸ ع کے یعنی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں شعر کہنے کا رواج ہوا —

اگرچہ مشہور ہے کہ سب سے پہلے اس زبان میں ولی نے شعر کہا مگر خود ولی کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے پہلے بھی کسی نے اس زبان میں شعر کہا ہے کیونکہ اُس کے شعروں میں اور شاعروں کی زبان پر طنز نکلتی ہے - مگر اُس زمانے کے شعر بہت پھیکے اور نہایت سست بندش کے تھے، پھر دن بدن اس کو ترقی ہوتی گئی، یہاں تک کہ میر * اور سودا نے اُس کو کمال پر پہنچا دیا —

بہر کیف اس آخری دور سے قبل حاتم اپنے دیوان زادہ کے دیباچے میں جو انہوں نے سنہ ۱۷۵۰ ع میں مرتب کیا، لکھتے ہیں :- " میں نے تحریر کے لئے وہ زبان اختیار کی ہے جو ہندوستان کے تمام صوبوں میں مستعمل ہے یعنی ہندی، جس کو بھاکا † بھی کہتے ہیں کیونکہ عوام اس کو سمجھتے

---

* میر نے نکات الشعرا کے دیباچے میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے یعنے وہ کہتے ہیں " ریختہ از دکن است " —

† یہ لفظ ہندی کے مرادف استعمال کیا جاتا ہے، جس کے معنی عام "ہندوستانی زبان" ہیں - اگر صحیح صحیح کہا جائے تو ہندی قدیم ہندوستانی بھاکا ہے جس میں عربی یا فارسی کا کوئی میل نہیں ہے اور دیوناگری حروف میں لکھی جاتی ہے - ہندی، حال کی جدید ہندو زبان ہے —

ہیں اور ساتھہ ہی ساتھہ خواص میں بھی مقبول ہے "۔
بہر حال جو کچھہ سید احمد کہتے ہیں وہ پورے طور پر صحیح تسلیم نہیں کیا جا سکتا ۔ بات یہ ہے کہ اہل مشرق میں تخیل اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ وہ کسی مسئلے کے تمام پہلوؤں پر صحت کے ساتھہ غور نہیں کر سکتے ۔ سید احمد کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی فتوحات سنہ ۱۱۹۱ ع سے سنہ ۱۹۴۸ ع تک زبان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں پیدا ہوا ۔ لیکن میرا متن * اس کے برعکس کہتے ہیں ۔ " جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدردانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سلکر حضور میں آکر جمع ہوی ۔ لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی ' اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین سودا سلف سوال جواب کرتے ایک زبان اردو کی مقرر ہوی —

اور مزید یہ کہ گیارھویں صدی کے اختتام سے قبل غالباً سنہ ۱۰۸۰ ع میں مسعود بن سلمان نے اشعار ریختہ میں ایک دیوان لکھا جس کا مفہوم وہی معلوم ہوتا ہے جو سید احمد نے بیان کیا ہے ۔ ہندی الفاظ فارسی میں مل جل گئے ' جس کا مطلب دوسرے الفاظ میں اردو زبان ہے ۔ علاوہ بریں بہت

---

* دیباچۂ باغ و بہار —

سے تذکرے نویس اشعار ریختہ کو سعدی * سے منسوب کرتے هیں جو اس نے سنہ ۱۱۵۰ ع سے ۱۱۸۰ ع تک دکن میں لکھے - کمال تو اپنے دیوان میں اُس کو موجد زبان ریختہ لکھتا ھے - لیکن " دکن یا جنوب " میں کہنا زیادہ صحیح هوگا کیوں‌کہ مسعود نے اس سے ایک سو سال قبل ریختہ میں اشعار کہے هیں - بہر حال اس سے ایک سو سال بعد هی خسرو اور نوری نے ریختے میں غزلیں کہیں — X

ایسا معلوم هوتا ھے کہ اس کے بعد پھر جنوب هی میں اُس بولی میں جسے دکنی کہتے هیں ریختہ اشعار لکھے گئے ' یہی طرز آخر کار شمالی (هندوستان) کے شاعروں نے اپنی نظموں کے لئے اختیار کیا ' وهاں اس سے قبل تک عام طور سے فارسی مستعمل تھی - پس سولھویں صدی میں هم بہت سے نامور شعرا کے نام پاتے هیں- مثلاً شاهانِ گولکنڈہ میں قلی قطب شاہ' عبد اللہ قطب شاہ اور ابوالحسن تانا شاہ - اُن کے علاوہ افضل '

---

* اصل تذکروں میں بیان کیا گیا ھے کہ سعدی سو سال تک زندہ رھے (پیدایش سنہ ۱۱۹۳ ع وفات سنہ ۱۲۹۶ ع) اور تیس سال تعلیم میں تیس سال سفر میں اور تیس سال گوشہ نشینی میں گزارے - اگر بچپن کے ۱۳ سال تعلیم کے تیس سال میں ملائے جائیں تو ۷۳ سال هوتے هیں لہذا سنہ ۱۱۵۰ ع سے سنہ ۱۱۸۰ ع تک انھوں نے سفر کیا - اور کلام ریختہ جو ان سے منسوب کیا جاتا ھے اس وقت کہا هوگا جب کہ وہ سفر کر رھے تھے —

(مصنف کا یہ خیال صحیح نہیں ھے - یہ سعدی شیرازی نہیں بلکہ دوسرا شخص ھے جو اس تخلص کا اسی ملک میں هوا ھے - عبد الحق)

ولی، عوری † مواصی، رسمی* وغیرہ ہوے ہیں۔ شمالی ہند کے شعرا نے کہیں اٹھارویں صدی عیسوی میں شہرت حاصل کی۔ حاتم جو سترھویں صدی کے آخر میں ہوا دہلی کا غالباً پہلا شاعر ہے جس نے اُردو میں لکھنا شروع کیا اور وہ اس کا اقرار کرتا ہے کہ اُس نے عام زبان (اُردو) میں لکھنے کا اس وقت فیصلہ کیا جب کہ ولی کا دیوان دہلی پہنچا اور پھر (شمال کے) دیگر شعرا نے اُس کی تقلید کی —

سنہ ۱۸۲۸ع سے جب کہ نامور گلکرسٹ نے جو انگریزوں میں ہندوستانی زبان کی تعلیم اور مطالعہ کا بانی ہوا ہے، اپنی اُردو قواعد (۱۷۹۶) میں ایک تذکرے کا حوالہ دیا، مجھے اِس زبان کی ادبی تاریخ کا شوق پیدا ہوا - متواتر تحقیق اور تلاش سے مجھے سات تذکرے دستیاب ہوے اور باوجود ناکافی سامان کے میں نے ہندوستانی ادب کی تاریخ لکھی، جو اگرچہ ایک نامکمل تالیف ہے لیکن اپنی نوعیت کی ایک ہی کتاب ہے اور سنہ ۱۸۳۹ع میں شایع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا ہندوستانی زبان میں بھی ترجمہ ہوگیا ہے اور اس سے انگریز مستشرقین میں بھی اس زبان کے متعلق شوق پیدا ہو چلا ہے - اُن کی اور میری تحقیقات نے مل کر بہت سے نئے تذکروں کا پتہ چلایا مگر میں ان سے زیادہ استفادہ نہ کر سکا، کیوں کہ ان میں متعدد تذکرے ایسے ہیں جو اب

---

† مصنف، ابن نشاطی کا دوسرا نام عوری بتاتے ہیں، آیندہ اوراق میں بھی انھوں نے ابن نشاطی کی کتابوں کا حوالہ دیتے ہوے یوں لکھا ہے، ابن نشاطی کی کسی کتاب میں یہ نام نہیں - مصنف کو غلط فہمی ہوئی ہے - * رستمی صحیح ہے -

تک دستیاب نہیں ہوے اور بعض کا پتہ صرف اس طرح لگا کہ بعض مصنفین نے ان کا حوالہ اپنی کتابوں میں دیا ہے۔ ابھی بہت سے ایسے ہوں گے جن کا نام و نشان مجھے اب تک معلوم نہیں ہوا ہے —

اس سے بآسانی یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کے جدید اڈیشن کے لئے میرے پاس کس قدر جدید سامان مہیا ہو گیا ہے، لیکن اس وقت میں مختصراً صرف اُن تذکروں اور کتابوں کا ذکر کروں گا جو میں ان ذرائع سے معلوم کر سکا ہوں—

اہل ایران اور اُن کے تتبع میں ہندی مسلمان سوانح (اور خاص کر ہم عصر لوگوں کے سوانح) لکھنے کے بہت شوقین تھے، اور جیسا کہ ہمارے ہاں کا حال ہے، ان میں صرف تاریخ وفات مفقود نظر آتی ہے۔ لیکن یہ تذکرے بجاے تجارتی مفاد کے ادب کا اہم جز ہیں۔ ان تذکروں میں مشہور مؤلفین اور دوستوں کی مدح سرائی دل کھول کے کی جاتی ہے اور اس حیلے سے انہیں اپنی فصاحت و بلاغت اور انشا پردازی دکھانے کا خوب موقع ملتا ہے اور عمدہ عمدہ اشعار انتخاب کر کے اپنے ذوق سلیم کا اظہار کرتے ہیں۔ در حقیقت یہ تذکرے ایک قسم کے منتخبات (یا بیاضیں) ہیں، جن میں شعرا کی زندگی کے حالات پرشکوہ اور شاندار مدح سرائی تک محدود ہوتے ہیں جو بعض اوقات مسلسل کئی کئی صفحے تک

چلے جاتے ھیں، اور اکثر ان میں سوائے شاعر کے نام کے اور کچھ بھی نہیں ھوتا - بعض اوقات مدح کے بعد دس، بیس، تیس صفحے تک انتخابات ھوتے ھیں اور کبھی صرف دو تین شعر ھی نمونے کے دے دیے جاتے ھیں اور کبھی صرف ایک ھی شعر ھوتا ھے - تذکرہ نویس ان تذکروں میں اپنی روشناسی اور شہرت کا بھی پہلو نکال لیتے ھیں، بعض مصنفین یا شعرا کا ذکر کرتے کرتے اپنا نام بھی کہیں نہ کہیں لے آتے ھیں - اکثر اوقات وہ اپنے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھتے ھیں، جنھیں دیکھہ کر یہ آرزو پیدا ھوتی ھے کہ کاش وہ دوسرے شعرا کے حالات بھی اسی طرح لکھتے، اور اپنے اشعار نقل کرنے میں بھی کبھی نہیں چوکتے - یورپ میں سوانح عمری کے مولف کی کوشش یہ ھوتی ھے کہ جہاں تک ممکن ھو مصنفین یا شعرا کے ذاتی حالات تفصیل سے بیان کئے جائیں، اس کے بر خلاف ھندوستانی تذکروں میں ذاتی حالات کی تفصیل مطلق نہیں ھوتی - صحت کا بھی بہت کم خیال کیا جاتا ھے - اُن شاعروں کو قدیم کہا جاتا ھے جو کسی دوسرے سے پہلے گزرے ھیں اور مؤلف اپنے ھمعصروں کو شعرائے جدید لکھتا ھے - تاریخ اور سنہ اور خاص کر تاریخ پیدائش اِن تذکروں میں شاذ و نادر ھی ھوتی ہے، کیوں کہ اھل مشرق پیدائش کا رجسٹر نہیں رکھتے اور عموماً اپنی عمر نہیں جانتے - اس لئے اس کے اشعار

کی زبان دیکھ کر یہ قیاس کرنا پڑتا ہے کہ یہ کس زمانے یا کس صدی کا شخص ہے، لیکن اس میں بھی بڑی دشواری واقع ہوتی ہے کیوں کہ کتابوں کی نقل در نقل میں بہت سے الفاظ کچھ کے کچھ ہو جاتے ہیں —

بہر حال ان تذکروں کے مؤلف بہت ہی کم درجے اور بعض اوقات گم نام شعرا کے ناموں سے اپنی کتابوں کو ضخیم بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی حال ہمارے ہاں کے سوانح لکھنے والوں کا ہے جو اپنی تالیف کا حجم بڑھانے کے لئے کھود کھود کے گم نام لوگوں کا حال لکھتے ہیں - ایسے ہی موقع کے لئے کوپر نے یہ شعر لکھے ہیں : —

"ایسے بے حقیقت ناموں کو جو بھولنے کے لیے
پیدا ہوے ہیں، غیر فانی شہرت دینے کی کوشش
سعیء لاحاصل ہے - تاریخوں میں اُن کا ذکر کرنا
کہ آیندہ نسلیں ان کی طرف متوجہ ہوں،
محض بیکار ہے" —

ایسے تذکرے، ظاہر ہے، عمدہ تنقید کے نمونے نہیں ہوسکتے - ان تذکروں میں جہاں کہیں ایک ہی نام کے دو یا کئی شاعر آجاتے ہیں تو وہاں بڑی پریشانی لاحق ہوتی ہے اور تفصیلی حالات نہ ہونے کی وجہ سے صحیح اور قطعی فیصلہ نہیں ہوسکتا - تاہم یہ تذکرے ایک خاص قسم کی تالیف

ہیں ، جو دلچسپ بھی ہیں اور قابل قدر بھی ، اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے اس قسم کی تالیفات پر طبع آزمائی کی ہے - ان تذکروں میں ضمناً ایسی باتیں نکل آتی ہیں جو ہندوستان کی ادبی تاریخ کے لیے اہم ہیں - مثلاً ان کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی ادب و شعر کی ترقی کے لئے مشاعرے کرتے ہیں ، یہ ایک قسم کی ادبی مجلسیں ہیں جو شاعری کی مشق اور ذوق پیدا کرنے کے لیے کی جاتی ہیں ؛ جہاں شعرا اور اہل ذوق میں فی البدیہہ یا پہلے سے تیار کیے ہوے اشعار میں خوب خوب مقابلہ ہوتا ہے - ایسی مجلسیں ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں منعقد ہوتی ہیں ، جن میں عموماً پندرہ یا بیس شخص ہوتے ہیں ؛ یہ سب اچھے پڑھے لکھے اور ممتاز خاندانوں کے لوگ ہوتے ہیں - مولوی کریم الدین نے ، جن کا ذکر میں آگے چل کر کروں گا کچھہ عرصہ ہوا ، ایک خاص رسالے " گل رعنا " میں جو دھلی سے شایع ہوا ہے ایسے مشاعروں کی نظموں وغیرہ کا ذکر کیا ہے - ان کے علاوہ ایسی مجلسیں بھی ہوتی ہیں جہاں قصہ خواں قصے سنا سنا کر لوگوں کو رجھاتے ہیں- انہیں قصہ خوانوں میں ایک مرزا حسن تھے ، جو قومی قصے بڑی خوبی سے بیان کیا کرتے تھے - یہ قصے قلمبند کر لئے گئے ہیں * -

* سکریٹری انجمن ترقی دیسی تعلیم کی رپوٹ بابت ششماہی سنہ ۱۸۳۵ م ، مرتبۂ ڈاکٹر سپر نگر -

اِن تذکروں میں ترتیب حروف ابجد کے لحاظ سے ہوتی ہے - اور یہ ترتیب تخلصوں کے اعتبار سے کی جاتی ہے - لیکن بعض میں ترتیب مختلف بھی ہوتی ہے —

بہت سے ہندوستانی تذکرے فارسی میں لکھے گئے ہیں' کیونکہ کچھہ عرصہ پہلے تک اخلاقی اور علمی کتابیں اسلامی ہند کی علمی زبان میں تالیف ہوتی تھیں - پہلے ہمارے ہاں بھی یہی حال تھا' مثلاً دیبوا (سلوی اس) نے فرانسیسی زبان کی نحو لاطینی میں لکھی اور پیٹرارک نے اپنی اطالوی نظموں کی شرح لاطینی میں تالیف کی تھی —

اسی خیال سے کہ ہندوستانی تذکروں کی خوبیوں اور نقائص کا کامل اندازہ ہوسکے (یہ خیال رہے کہ ان تذکروں میں خوبیوں کے مقابلے میں عیوب زیادہ ہوتے ہیں) میں یہاں دو بیان نقل کرتا ہوں - یہ دونوں مرزا لطف علی خاں* کے تذکرے "گلشن ہند" سے لئے گئے ہیں - ایک ان میں سے طویل ہے اور دوسرا مختصر —

مختصر بیان نامور شاعر حاتمؔ کا ہے جس کا ذکر میں ابھی کرچکا ہوں اور جس کے حالات دوسرے تذکرہ نویسوں نے کسی قدر تفصیل سے بیان کئے ہیں —

" حاتم تخلص' شاہ جہاں آبادی' مشہور ریختہ گویوں میں سے دلی کے تھا؛ ہم عصر شاہ نجم الدین آبرو اور مرزا

* گلشن ہند کے مولف نے اپنا نام مرزا علی اور تخلص لطف لکھا ہے (چ)

رفیع سودا کا ۔ شاعر خوش بیان تھا ، صاحب دو دیوان تھا ۔ ایک دیوان میں خرچ ایہام کیا ہے ، اور دوسرا بطور متاخرین سرانجام کیا ہے ۔ جامع ہے طور متاخرین اور طور ایہام کا ، —

(اس کے بعد اس کے کلام میں سے بیس اشعار کا انتخاب کیا ہے جس کا نمونہ میں پہلے دے چکا ہوں) ۔

دوسرا بیان شاہ ابوالحسن بادشاہ گولکنڈہ کا ہے جو ۱۰۸۰ھ (سنہ ۷۳ - ۱۶۷۲ ع) میں تخت پر بیٹھا اور جب اورنگ زیب نے ۱۶۹۰ ع میں گولکنڈہ فتح کیا تو قید کرلیا گیا اور اسی حالت قید میں سنہ ۱۷۰۴ ع میں انتقال کر گیا ۔ وہ اپنے پیشرو عبداللہ قطب شاہ کی طرح ہندوستانی کا شاعر ہی نہیں تھا بلکہ ہندوستانی ادب کا سرپرست بھی تھا ۔ اور منجملہ اس کے دوسرے عہدہ داروں کے مرزا ابوالقاسم کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں دکن کے مشہور شعرا میں شمار کیا جاتا تھا ۔

" نام نامی اور اسم گرامی اس بادشاہ عشرت دوست کا ابوالحسن تانا شاہ ہے ۔ سلاطین نامدار اور خواتین عالی مقدار دکھن سے تھا ۔ اگرچہ شہرہ عیش و نشاط کا اور آوازہ مسرت و انبساط کا اس عیش مجسم کا ماہ سے ماہی تک مشہور ہے ، لیکن کچھ تھوڑا سا احوال اس سریر آرائے بارگاہ عیش و کامرانی کا یہاں لکھنا ضرور ہے —

جن ایام کہ عالمگیر خلد مکاں نے عادل شاہی اور نظام شاہیوں کو زیر و زبر کیا اور صوبۂ دکن کو بعد بہت سی خرابی کے لیا ، تو ابوالحسن تانا شاہ بھی نظر بندی میں آے اور فلک نیرنگ باز نے بدلے اس عیش و عشرت کے اور ہی رنگ دکھاے - سامان عیش سب برہم ہوا اور مجمع ارباب نشاط حلقۂ ماتم ہوا - خلد مکاں نے جس قدر تنگی ان کے اوقات میں چاہی ، اُنھوں نے قبول کیا ، لیکن حقے کے مقدمے میں بہت سماجت کے ساتھ اتنی بات کہلا بھیجی کہ اس کا شوق مجھے نہایت ہے ، جو رعایت کہ اس کے سامان میں ہوگی وہ عین عنایت ہے —

از بسکہ یہ بادشاہ عشرت دوست آتھ، پھر نشۂ عیش میں مخمور رہتا تھا ، حقہ ایک دم منہ سے نہیں چھٹتا تھا ، اور یہ بھی معمول تھا کہ بعد ہر چلم کے ایک شیشے سے گلاب کے حقہ تازہ ہووے ، پھر ایک شیشے میں بید مشک کے حقہ بردار نیچے کو بھگووے - شغل میں عیش و نشاط کے از بسکہ راتوں کو کم سوتے تھے ، سیکڑوں شیشے گلاب خالص اور عرق بید مشک کے دن رات میں خرچ ہوتے تھے - یہ سب احوال مفصل خلد مکاں کو معلوم تھا - علاوہ اس کے بادشاہ نے اس عجز سے کہلا بھیجا ، بارے سولہ شیشے گلاب کے اور آٹھ شیشے بید مشک کے حکم فرماے اور مطابق حکم عالی کے سرکار اعلیٰ سے کئی دن

بمعرض وصول بھی آئے —

سبحان اللہ ! یا تو حقہ آٹھ پہر منہ سے نہیں چھٹتا تھا ' اور اُن کے دود مدخل کے رشک سے دھواں حسد کا حقہ سر آسماں میں گھٹتا تھا ' یا پیچ سے ولک حقہ بار کے آٹھ چلمیں دن رات میں یہ پیتے تھے اور گھونٹ گھونٹ کر عجب پیچ و تاب کے ساتھ جیتے تھے —

اس میں بعد کئی دن کے حضرت خلد مکاں نے فرمایا کہ سولہ شیشے گلاب اور بید مشک کے ہر روز حقے کے مصرف میں آنے اسراف ہے ' اور امورات شرعی میں پاس خاطر بیجا بیجا اور تکلف رسمی معاف ہے * ' آٹھ شیشے ہر روز یہاں سے جایا کریں - ایک شیشے سے بعد ہر چلم کے حقہ تازہ × کر کے آٹھ چلمیں دن رات میں پئیں —

جب حضور سے ہر روز آٹھ شیشے آنے لگے تو یہ دن رات میں لاچار چار چلموں سے دل بہلانے لگے - یہ ماجرا سن کر خلد مکاں نے ضد کے مارے چار شیشوں کی اور تخفیف کی - انھوں نے اپنے حقہ بردار کو دو چلموں کی پروانگی دی - بعد کئی دن کے جب دو شیشے اور کم ہوئے تو ایک چلم دن رات میں یہ پیا کرتے تھے ' جس دن ان دو شیشوں کا آنا بھی

---

* پکے مسلمان کھانے اور لباس میں بیجا تکلفات سے پرہیز کرتے ہیں- و × کافی اور تمبا کو نیز دوسرے قسم کے عیش و عشرت سے بھی جس کا تا ناشاہ عادی تھا ' اجتناب کرتے ہیں —

موقوف ہوا، بعد تین دن کے حقہ بردار نے عرض کی کہ فدوی
نے جہاں پناہ کی دولت سے اتنا کچھ بعد خرچ کے جمع کیا ہے
کہ دس چلمیں روز اسی خرچ کے ساتھ سالہاے سال پلا سکتا
ہے، اُمید ہے کہ بہیتڈی خانے کے خرچ کا غلام کو حکم ہووے کہ
جہاں نمک حلال کا زمین میں سرخروی کے بووے - ارشاد
فرمایا کہ حضرت اعلیٰ کو اموراتِ شرعی کا بہ شدت دھیان
ہے - اگرچہ مسجد کا کھود ڈالنا، خزانہ اس کے نیچے گڑا سن
کر، نہایت آسان ہے، تو جو ہمارے مصرف بیجا کا کفیل ہوتا
ہے، ابھی ایک دم میں جمع پونجی کھو کے سر پر ہاتھ دھر کے
روتا ہے - غرض اس دن سے پھر حقہ نہ پیا، جب تک کہ اُن
کی نظر بندی میں رہے اور اس سرائے فانی سے عالم باقی کو
تشریف لے گئے —

سبحان اللہ! چشم حقیقت بیں سے اگر کوئی دیکھے تو دنیا
جائے حسرت ہے، بلکہ خانۂ زحمت —

کدھر ہیں خسرو جم لطف کیقباد کدھر
کہاں سکندر و دارا کہاں ہے کیکاوس
جو مست جاہ ہیں دیکھیں وہ چشم عبرت سے
کچھ ان کے ساتھ گیا، غیر حسرت و افسوس؟

اگرچہ ملک گیری اور کشورستانی کے معاملے کو سمجھنا
شاہان عالی تبار پر ختم ہوا ہے، گدائے گوشہ نشیں کو دخل

اِن امورات میں کیا ھے - لیکن بعضے دانشمند کہتے ھیں کہ خلد مکاں نے استیصال بادشاھان دکن کا جو اس محنت سے کیا اور مکہ مسجد کو کھدوا کے * وہ کچھ مطلمہ اپنی گردن پر لیا، خدا جانے اس حرکت کا کیا مفاد ھے - تحصیل حاصل سے بھی اس میں کچھ کیفیت زیاد ھے - کس واسطے کہ پیش از تسخیر دکن کے بھی خراج و باج اس طرف سے چلا آتا تھا اور بادشاہ ھندوستان کا شہنشاہ کہلاتا تھا - مآل اس مشقت کا اعجوبہ نظر آیا کہ اس تردد نے شاھنشاہ کو بادشاہ کر دکھایا —

واقف رموز ملک سے ھیں شاہ و شہریار
ھے توگدائے گوشہ نشیں لطف کچھ نہ بول*

غرض شاہ عالیجاہ ابوالحسن تاناشاہ کی طرف لوگ اس مطلع کو منسوب کرتے ھیں اور باعتبار محاورۂ دکن کے اور بلدش قدیم کے کہ اس مطلع میں ھے، ابراھیم خاں مرحوم † بھی گفتگو پر لوگوں کی گوش دل کو دھرتے ھیں مطلع یہ ھے -

---

* مکہ مسجد حیدرآباد کا کھدوانا خلاف واقعہ ھے — (عبدالحق)

* مصنف نے حافظ کے اس شعر کا ترجمہ کیا ھے :—

رموز مملکت خویش خسرواں دانند — گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

(عبدالحق)

† مصنف تذکرۂ گلزار ابراھیم —

* کس د ر کھوں ' جاؤں کہاں ' مجھ دل پو بہل بچھرات ھے
اک بات کے ھونگے سجن ' یاں جی ھی بار ہ بات ھے § "

اگرچہ جنوب کی ھندوستانی بولی یعنی دکنی میں بمقابلہ شمالی بولی یعنے اُردو کے طویل نظمیں پائی جاتی ھیں ' شمالی زبان یا اُردو میں زیادہ تر غزلیں ' قصیدے یا چھوٹی چھوٹی مثنویاں دیوانوں میں محفوظ ھیں ' تاھم شمال کی زبان کو ھمیشہ تفوق حاصل رہا ھے ' کیونکہ وہ بہت باقاعدہ لکھی جاتی ھے - اور اسی لئے تمام تذکرے جن کا میں ذکر کروں گا اُردو شاعروں سے متعلق ھیں ' دکنی شعرا کا ذکر محض ضمناً آجاتا ھے - میرے قول کی تصدیق میر کے اس بیان سے ھوتی ھے جو وہ نکات الشعرا کے دیباچے میں فرماتے ھیں :—

اگرچہ ریختہ در دکن است ' چوں از انجا یک شاعر مربوط بر نخاستہ ' لہذا شروع بنام آنہا نہ کردہ و طبع ناقص مصروف اینہم نیست کہ احوال اکثر آنہا ملال اندوز گردد ' مگر بعضے از آنہا نوشتہ خواھد شد " —

ھندی شعرا کے خاص تذکرے ھیں جنھیں " کب مالا " کہتے ھیں ' لیکن جس قدر میرے علم میں آے ھیں وہ بہت ھی کم ھیں —

---

* قائم نے یہ مطلع عبداللہ قطب شاہ (جو ابوالحسن تانا شاہ کا خسر اور اس سے قبل حکمراں تھا) سے منسوب کرکے اس طرح نقل کیا ھے :—

کس د ر کھوں کاں جاؤں میں مجھ دل پہ کھٹن بچھرات ھے
یک بات کئے ھونگے سجن یہاں جیو بارہ بات ھے
(ع)

§ اس بیان کے ترجمے میں مصنف سے کئی جگہ غلطی ھو گئی - یہاں یہ تمام بیان اصل سے نقل کیا گیا ھے — (عبد الحق)

مجھے ہندوستانی مصنفین کے تقریباً ستر تذکروں اور منتخبات وغیرہ کا علم ہے - یہ ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے، لیکن ہندوستان کی ادبی تاریخ میں ان سے کچھ کام نہیں لیا جاتا، اس لئے میں ان میں سے ہر ایک کتاب کا کچھ ذکر کروں گا —

مضمون زیر بحث کے لحاظ سے ہندی شعرا کے تذکروں کا ذکر سب سے اول ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ ان میں جن شعرا کا ذکر ہے وہ مقابلتاً مقدم ہیں -

۱- بھگت مال (بھگت مالا) در حقیقت وشنوی فرقے کے ایسے سادھوؤں کے تذکرے ہیں جو بھجنوں کے بھی مصنف ہیں- ہندی دراصل ہندو مصلحین کی زبان ہے، شیو کے قدیم فرقے کے پیرو ہندی میں نہیں لکھتے، وہ سنسکرت زبان ہی کے شیدائی ہیں- بھگت مال کے بہت سے اڈیشن ہیں لیکن ان کی بنیاد ان نظموں پر ہے جو "چوپای" کہلاتی ہیں، اس نام کی وجہ یہ ہے کہ ان میں چھہ مصرعے ہوتے ہیں اور ہر مصرعے میں آٹھہ ماترا ہوتے ہیں جسے "اشٹپای" کہتے ہیں، جن میں کا آخری مصرع نظم کے شروع میں دہرایا جاتا ہے - یہ نظمیں ایک قسم کے بھجن یا ہندی کے مقبول

* اس لکچر کو گارساں دتاسی نے بعد میں رسالے کی شکل میں علحدہ شائع کیا - ۹۸ سے ۱۰۰ تک لکچر میں موجود نہیں - رسالے میں بعد میں اضافہ کیا گیا — (مترجم)

مذہبی گیت ہیں جو ہندوی یا قدیم ہندی زبان میں وشنوی سادھوؤں کی تعریف میں ہوتے ہیں، یہ بھجن بہت مشہور ہیں اور نابھاجی کی بدولت ہم تک پہنچے ہیں۔ نابھاجی خود سادھو ماش آدمی تھے اور مادرزاد اندھے تھے۔ انہوں نے یہ بھگت مالا سنہ ۱۵۷۰ء میں لکھی۔ شاہ جہاں کے عہد میں (سنہ ۱۶۲۸ء - ۱۶۵۸ء) نراین داس نے ان نظموں میں کچھ اصلاح کی، پھر سنہ ۱۷۱۳ ع میں کرشن داس نے اور اس کے بعد پریا داس نے ان میں کچھ اضافہ کیا۔ راگ ساگر نے جو زمانۂ حال کا مصنف ہے اور جس نے راگ کلپادرم مرتب کی ہے (جس کا ذکر میں عنقریب میں کروں گا)۔ بھگت مالی کا ایک جدید اڈیشن شایع کرنے کا اعلان کیا ہے، لیکن مجھے اس کی اطلاع نہیں کہ وہ اڈیشن شایع ہوا یا نہیں۔ اردو میں بھی اس کا ایک اڈیشن ہے لیکن مجھے اس کا علم نہیں۔ غرض کہ اصل نظمیں مع اضافے کے بھگت مال کہلاتی ہیں ان میں سے ہر ایک سوانح عمری چوپای سے شروع ہوتی ہے اور جو نظمیں کہ بطور شرح کے ہیں وہ ٹیکا کہلاتی ہیں۔

میں اپنی کتاب "ہندوستانی ادب کی تاریخ" کی تالیف اور اشاعت کے وقت صرف کرشن داس کے اڈیشن سے استفادہ کر سکا۔ لیکن اب مجھے پریا داس کا قلمی نسخہ بھی دستیاب ہو گیا ہے جو یورپ میں نادر ہے۔ یہ پریا داس

جس کے معنے محبوب یعنے کرشن کے غلام کے ھیں، بنگال کا رھنے والا تھا - اس صوبے میں ھندو، علاوہ اپنے صوبے کی زبان بنگالی کے ھندی میں بھی لکھتے ھیں اور مسلمان، مثل مسلمانان صوبجات شمال و مغربی، اردو استعمال کرتے ھیں - اس شخص کا تعلق وشنویوں کے ایک خاص فرقے سے ھے جس کا بانی نتیانند تھا - بھگت مالا کی شرح جس کا وہ مؤلف ھے * ، کبت کی بحر میں ھے اور اس کا صحیح نام " بھگت رس بودھنی " ھے، جس کے لفظی معنے "بھگتی کے رس کا علم" ھیں- نریا داس کے بیانات " درش تنت" کے نام سے مشہور ھیں اور بھگت مال " بھگت پر سنیے" کے نام سے - یہ شخص اس تذکرے کے اڈیشن سے اس قدر مشہور نہیں جس قدر بھگوت کی وجہ سے جس کا یہ مصنف ھے † —

۲- بھگت چر تر (بھگتوں کی تاریخ) یہ بھی بھگت مالا ھی کی سی کتاب ھے- اس کا مؤلف گھوا چھدن ھے - یہ چودھویں صدی کا ھندی شاعر ھے اور اس کی تصنیف سے اور بھی چند کتابیں ھیں —

۳ - راگ کلپا درم ، جس کے معنے راگ کا درخت مراد یا شجر بہشت ھیں- یہ عام مقبول گیتوں کا بہت ضخیم مجموعہ

---

* دیکھو ایچ - ایچ ولسن، ایشیا ٹک ریسرچز - جلد ۱۶ ، صفحہ ۵۶ —
† " ھندوستانی ادب کی تاریخ " - جلد اول صفحہ ۲۰۵ —

ہے (تخمیناً ۱۸۰۰ صفحے) - اسے سری کرشنا نند ویاس دیو نے مرتب کیا ہے، جس کے صلے میں دہلی کے بادشاہ نے اسے راگ ساگر کا خطاب عطا فرمایا، اور یہ خطاب اب اس کا تخلص ہو گیا ہے - راگ ساگر گور برہمن ہے اور علاقۂ میواڑ میں دیوگڑہ کوت یا اودے پور کا رہنے والا ہے - جو اشعار اس نے اس مجموعے میں جمع کیے ہیں، ان کی تعداد بارہ لاکھ پچیس ہزار ہے - یہ مجموعہ کلکتے میں سنہ ۱۸۴۳ع میں چھپنا شروع ہوا اور سنہ ۱۸۴۵ ع میں ختم ہوا - جیسا کہ مؤلف نے کتاب کے دیباچے میں بیان کیا ہے اس نے ان گیتوں کے جمع کرنے کے لیے بائیس سال تک سفر کیا - اس شخص کی بدولت بہت سی ایسی نظمیں محفوظ ہو گئیں جو اب تک نا معلوم تھیں حالانکہ ان کے مصنف مشہور و معروف شاعر تھے —

راگ کلپا درم میں کئی فصلیں ہیں، جن میں بڑی بڑی سات ہیں - پہلی میں مختلف راگوں کی نظمیں ہیں جو ۱۹۴ صفحے پر ہے- دوسری میں صرف سور ساگر ہے اور وہ ۹۰۰ صفحے کی ہے - تیسری میں جو ۳۶۴ صفحے کی ہے، مختلف ہندو مسلمانوں کے گیت ہیں - چوتھی ۱۷۲ صفحوں کی ہے جس میں بہار اور ہولی کے گیت ہیں- چوتھی کے دو حصے ہیں ایک میں دھرپد اور دوسرے میں خیال ہیں - پہلا حصہ ۲۰۸صفحے کا اور دوسرا ۱۵۶ کا - چھٹی فصل میں صرف غزلیں

اور ریختے ہیں جو ۱۷۶ صفحے پر ہے آخری فصل میں صرف ۲۸ صفحے ہیں اور اس میں راجہ بھرتری اور گوپی چلد کا کلام ہے - اگرچہ یہ کتاب جیسا کہ اس کی تفصیل سے ظاہر ہے ایک قسم کا مجموعۂ انتخابات ہے، لیکن اس میں تذکرے کی بھی حیثیت ہے، کیونکہ جن شاعروں کا مقبول کلام اس میں درج ہے ان کے کچھہ کچھہ حالات بھی لکھے ہیں —

۴ - افسوس ہے کہ مجھے سجان چرتر کے متعلق زیادہ واقفیت نہیں ہے - اس میں دو سو سے زیادہ ہندی شاعروں کا حال ہے جو سودن کوی نے ۱۷۴۸ ع میں لکھی —

د - کوی چرتر - یہ کتاب چندار دھن نے مرھٹی میں لکھی ہے اس میں کئی ہندو شاعروں کے حالات ہیں —

اب ہم ان تالیفات کی طرف رجوع کرتے ہیں جو صحیح طور پر تذکروں کے نام سے موسوم ہیں اور جن کا تعلق خصوصیت کے ساتھہ اسلامی ہندوستانی سے ہے، یعنے اس بولی سے جو اردو کہلاتی ہے —

یہ تذکرے جدید ہیں۔ جہاں تک میرا علم ہے، سب سے پرانا گزشتہ صدی (اٹھارویں صدی) کے وسط میں لکھا گیا ہے۔ ان میں سے آٹھہ تو گزشتہ صدی کے ہیں اور انیس ہماری صدی (انیسویں صدی) کے - ان انیس میں سے صرف سات ایسے ہیں جو ہندوستانی زبان میں لکھے گئے ہیں —

ذیل میں ان تذکروں کا ذکر بہ ترتیب سنہ کیا جاتا ہے -

۲ - جہاں تک ہمیں علم ہے' سب سے پہلا اور سب سے پرانا میر (محمد تقی) کا تذکرہ نکات الشعرا ہے - میر صاحب نہایت نامور شاعر اور مستند استاد ہیں - یہ تذکرہ فارسی زبان میں ہے' اور اس میں تقریباً سو شاعروں کا ذکر ہے - یہ حالات مختصر مگر زوائد سے پاک ہیں اور ساتھ ہی ساتھ شعرا کے کلام پر تنقید بھی کی گئی ہے - میں نے اپنی کتاب ہندوستانی ادب کی تاریخ میں میر کے متعلق جو کچھ لکھا ہے' اس پر اس قدر اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ میر ان کا تخلص تھا' تمغۂ سیادت نہ تھا - چنانچہ شورش نے لکھا ہے کہ وہ شیخ تھے' سید نہ تھے * - وہ آرزو کے بھانجے اور آگرے کے رہنے والے تھے - لیکن باپ کی وفات کے بعد وہ اپنے ماموں کے پاس دہلی آگئے جن سے انہوں نے اصلاح بھی لی - سنہ ۱۱۹۶ ھ (۱۷۸۱ - ۸۲ ع) میں وہ لکھنؤ چلے گئے - نواب آصف الدولہ نے دو سو سے تین سو روپے تک ان کی ماہانہ تنخواہ کردی - میر صاحب نے لکھنؤ ہی میں انتقال کیا اور تقریباً سو سال کی عمر پائی —

کمال' جس نے اپنا مجموعۂ انتخابات سنہ ۱۸۰۴ ع میں

---

* یہ صحیح نہیں ہے - میر صاحب سید تھے' ان کی خود نوشتہ سوانح عمری نے یہ مسئلہ صاف کردیا ہے (عبد الحق) -

مرتب کیا، لکھتا ہے کہ میر صاحب اسی سال سے زیادہ عمر کے ہے - ناسخ نے ان کی تاریخ وفات کہی ہے' جس سے سنہ ۱۲۲۵ھ (۱۱ - ۱۸۱۰ ع) نکلتا ہے - اسی سال ان کا کلیات بھی طبع ہوا - بہر حال تذکروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات لکھنؤ میں ۱۲۱۵ھ (۰۱ - ۱۸۰۰ع) اور ۱۲۲۱ھ (۰۷ - ۱۸۰۶ع) کے درمیان ہوئی —

قاسم کا اعتراض میر کے تذکرے کے متعلق یہ ہے کہ اس میں بہت کچھ کھینچ تان سے کام لیا ہے اور میر نے اپنے ہم عصروں کے کلام پر نکتہ چینی کی ہے - لیکن صاحب آثار الصنادید کی رائے میر کے کلام کے متعلق یہ ہے —

"میر کی زبان ایسی صاف اور شستہ ہے اور اس کے شعروں میں ایسے اچھے محاورات بے تکلف بندھے ہیں کہ آج تک سب اس کی تعریف کرتے ہیں - سودا کی زبان بھی اگرچہ بہت خوب ہے اور مضامین کی تیزی میر پر غالب ہے مگر میر کی زبان کو اس کی زبان نہیں پہنچتی "—

میر نے اپنا تذکرہ مخلص کی وفات سے ایک سال قبل لکھا - مخلص کی وفات سنہ ۱۱۶۴ھ (۵۱ - ۱۷۵۰ ع) میں ہوئی - میر صاحب خود اپنے تذکرے میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ اردو شعرا کا پہلا تذکرہ ہے - نکات الشعرا کی عبارت یہ ہے "پوشیدہ نماند کہ در فن ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی

بزبان اردوے معلی شاہجہان آباد دہلی، کتابے تا حال تصنیف نہ شدہ کہ احوال شاعران ایں فن بصفحۂ روزگار بماند" -

غالباً یہ بیان نیک نیتی پر مبنی ہے مگر صحیح نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ میر کے زمانے میں پہلے سے بھی اردو شعرا کے تذکرے موجود تھے - چنانچہ فتح علی حسینی اپنے تذکرے کے دیباچے میں (جس کا سنہ تالیف وہی ہے جو میر کے تذکرے کا، یعنی سنہ ۱۱۶۵ھ * مطابق ۵۱ - ۱۷۵۰) لکھتا ہے کہ اس نے یہ تذکرہ لکھنے کا ارادہ اس لیے کیا کہ جن لوگوں نے اس سے قبل شعراے ریختہ کے تذکرے لکھے ہیں، انہوں نے محض حسد سے ان پر نکتہ چینیاں کی ہیں، جس سے میں نے احتراز کیا ہے اور انصاف کو مد نظر رکھا ہے - اگرچہ یہ طنزیہ جملہ میر کے تذکرے پر صادق آتا ہے †، تاہم وہ تذکروں کا ذکر جمع کے صیغے میں کرتا ہے اور اس لیے اگر ہم یہ قیاس کریں تو بیجا نہوگا کہ سنہ ۱۷۵۱ع میں متعدد تذکرے ہندوستانی شعرا کے موجود تھے - علاوہ اس کے ہم کو عنقریب یہ معلوم ہوگا کہ قائم، جس نے اپنا تذکرہ ان دونوں تذکروں کے کئی سال بعد لکھا، اس بات پر فخر کرتا ہے کہ ہندوستانی شعرا کا یہ پہلا تذکرہ ہے - غالباً سرقے کے الزام سے بچنے کے لیے اس نے یہ سخن سازی کی ہے - کمال نے اپنا تذکرہ اکبر شاعر کی فرمائش

---

* گردیزی کے تذکرے کا سنہ تالیف ۱۱۶۶ھ ہے جیسا کہ خود اس نے خاتمہ پر لکھا ہے انجمن ترقیء اردو نے یہ تذکرہ شایع کیا ہے - (چ)

† گردیزی نے میر صاحب کے تذکرہ کو اپنا نشانۂ اعتراض بنایا ہے ملاحظہ ہو مقدمۂ تذکرۂ ریختہ گویاں - (چ)

‡ دیکھو اکبر (اکبر علی خاں) کا بیان کمال کے تذکرے میں -

سے سنہ ۱۸۰۴ ع میں تالیف کیا (اکبر کی وفات عالم جوانی میں سنہ ۱۸۰۳ ع میں ہوئی) - اس تذکرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے کئی سال قبل چالیس ہندوستانی تذکرے بہم پہنچائے تھے * - اس بنا پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان تذکروں میں جن میں سے اب ہمیں صرف ایک چوتھائی کا علم ہے، بعض میر کے تذکرے سے بھی قدیم تھے ! —

میر کی ہندوستانی نظمیں بے شمار ہیں جن میں سے اکثر ان کے کلیات مطبوعۂ کلکتہ ۱۸۱۰ ع میں موجود ہیں - اس کلیات میں صرف فارسی کی نظمیں جن کی تعداد کچھ زیادہ نہیں، درج نہیں کی گئیں - البتہ چند عشقیہ مثنویاں جو اس کلیات میں نہیں ہیں، "مجموعۂ مثنویات" میں پائی جاتی ہیں - یہ مجموعہ سنہ ۱۸۵۱ ع میں کانپور میں مصطفی خاں کے اہتمام سے شایع ہوا - اس میں علاوہ میر کی

---

* اس کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے انیس برس کی عمر سے یہ سامان جمع کرنا شروع کر دیا تھا —

† مصنف کو کمال کی عبارت کے سمجھنے میں کچھ مغالطہ ہوا ہے - اول تو اس نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ اس نے یہ تذکرہ اکبر کی فرمائش سے لکھا - دوسرے کمال نے چالیس کے ساتھ "دواوین" کا لفظ لکھا ہے جسے مصنف نے "تذکرے" خیال کیا - تیسرے یہ سامان خود مولف تذکرہ نے جمع کیا تھا نہ کہ اکبر نے - کمال کی اصل عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے - یہ ذکر اکبر کے متعلق ہے " بعد ازاں قریب چہل دواوین اساتذۂ ریختہ گویاں کہ ہمراہ فقیر بود از یک طرف سیر ہمہ دواوین ساختہ بعد ازاں خود شوق شعر گفتن آغاز نمودہ رجوع ایں معنی بہ فقیر آوردہ بعرصۂ چند بہ فیض کلام سخنوران کلام خود را بہ پایۂ اعتبار کشیدہ " "رجوع ایں معنی" سے مطلب یہ ہے کہ مجھ سے اصلاح لینے لگا - اس کا مطلب مصنف نے یہ سمجھا کہ تذکرہ لکھنے کی طرف توجہ دلائی (عبدالحق) —

مثنویوں نے صادق خاں کی مثنویاں بھی شریک ھیں - میر کو اس کے اهل وطن عام طور پر هندوستانی شعرا میں دوسرا بڑا شاعر خیال کرتے ھیں؛ بعض اسے سودا کا هم رتبہ سمجھتے ھیں اور بعض قطعی طور پر اس کے کلام کو سودا کے کلام پر ترجیح دیتے ھیں-

۷ - قائم نے جو ایک مشہور شاعر هوا ھے ، ایک تذکرہ لکھا ھے - اُس کا نام بھی نکات الشعرا * ھے - جو علاوہ اس کے طبقات الشعرا کے نام سے بھی معروف ھے' کیونکہ اس کی تقسیم تین طبقوں میں کی گئی ھے - یہ ان تذکرہ نویسوں میں ھے جو سعدی شیرازی کو اُردو شاعروں میں شمار کرتے ھیں —

۸ - تذکرۂ فتح علی حسینی گردیزی - یہ هندوستانی مصنف ھے - ذات کا شیخ اور صوفی مشرب یعنی مسلمان فلسفی ھے - اس نے یہ تذکرہ دلی میں فارسی زبان میں لکھا - اس میں میر کے تذکرے کی طرح کم و بیش سو شاعروں کا ذکر ھے اور ترتیب بھی حروف ابجد کے لحاظ سے ھے - حسینی خود اپنے تذکرے میں اپنے تذکرے کا سنہ تالیف جتا کر بتاتا ھے - وہ انجام کے ذکر میں لکھتا ھے کہ اس شاعر نے ۱۱۵۹ ھ (۴۷- ۱۷۴۶ ع) میں یعنی اس تذکرے کی تالیف سے چھہ سال پہلے انتقال کیا' اس حساب سے تالیف کا سنہ ۱۱۶۵ ھ (۵۱-۱۷۵۰ ع هوا † - یہی

* قائم کا مشہور تذکرہ مخزن نکات ھے جو تین طبقوں پر مشتمل ھے اور جس میں سعدی شیرازی کو اردو شاعروں میں شمار کیا گیا ھے - لیکن حیرت ھے کہ مصنف نے مخزن نکات کا تفصیلی ذکر نمبر (۹) کے تحت علحدہ کیا ھے - غالباً مصنف کو غلط فہمی هوئی ھے (چ) —

† معلوم هوتا ھے کہ مصنف کے پیش نظر گردیزی کے تذکرہ کا کوئی ناقص نسخہ تھا - خاتمہ پر گردیزی نے صاف طور سے سنہ تالیف ۱۱۶۶ ھ درج کیا ھے یعنی اس نے نکات الشعرا کی تالیف کے ایک سال بعد اپنا تذکرہ لکھا ھے - (چ)

سال میر کے تذکرے کی تالیف کا ہے - حسینی ضرور نکات الشعرا سے واقف تھا - ایک وجہ تو وہی ہے جو میں پہلے لکھ چکا ہوں، دوسری بات یہ ہے کہ وہ اس سے صریحاً نقل کرتا ہے - اس کا دیباچہ پڑھتے ہی فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ نکات الشعرا سے نقل کر رہا ہے، کیوں کہ میر صاحب نے ریختے کے طرز تحریر پر جو رائے ظاہر کی ہے وہی اس نے لفظ بلفظ نقل کر دی ہے - معلوم ہوتا ہے کہ حسینی سنہ ۱۸۰۶ ع تک زندہ تھا، کیونکہ قاسم نے اس کا ذکر زندہ مصنفین میں کیا ہے —

۹ - اس کے بعد تذکرہ مخزن نکات * ہے - اس کے مؤلف شیخ محمد قائم الدین 'قائم' چاند پوری ہیں - سنہ تالیف سنہ ۱۱۶۸ ھ (۵۵ - ۱۷۵۴ ع) ہے - اس تذکرے سے بہت سی دلچسپ باتیں معلوم ہوتی ہیں - یہ تین طبقات میں منقسم ہے - یعنی قدیم، وسطی اور جدید شعرا کے حالات میں - کل شاعر جن کے حالات اس میں درج ہیں ایک سو دس ہیں - سب سے عجیب بات اس تذکرے میں یہ ہے کہ مصنف (جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے) اس بات کا مدعی ہے کہ سب سے پہلا وہ شخص ہے جس نے اس مضمون پر قلم اٹھایا ہے، جس کے یہ معنے ہوے کہ اس سے پہلے جس قدر تذکرے لکھے گئے تھے ان سے وہ بالکل ناواقف تھا، یعنے نہ صرف ان تذکروں سے جو میر

---

* مخزن نکات تاریخی نام ہے - اکرم (شاعر) نے اس پر تاریخی قطعہ بھی لکھا ہے - میرے کتاب خانے میں تذکرۂ قائم کا ایک خلاصہ ہے اور سرورق کی تحریر کے بموجب اس میں میر کے تذکرے کا خلاصہ بھی شریک ہے جو قائم کے تذکرے کی بنیاد ہے، اگرچہ قائم کا یہ دعویٰ ہے کہ اسے اس سے قبل کے کسی تذکرے کا حال معلوم نہیں -

کے قبل لکھے گئے بلکہ میر اور فتح علی کے تذکروں سے بھی -
ہمیں اس بیان کی صداقت پر شبہہ کرنے کا پورا حق حاصل
ہے ، مگر اس سے کتاب کی خوبی پر کوئی اثر نہیں پڑتا —

ایک بات جو اس سے قبل کے تذکروں میں نہیں پائی
جاتی ، یہ ہے کہ سعدی شیرازی نے اپنے زمانۂ سیاحت دکن
میں اس خطے کی زبان میں اشعار لکھے اور اس لئے انہیں
ہندوستانی شعرا میں شمار کرنا چاہئے * - یہ واقعہ یقینی
نہیں ہو اغلب ضرور ہے - اس بیان کی میر اور فتح علی نے
تردید کی ہے ، کیونکہ انہوں نے یہ اشعار دکن کے ایک فرضی
سعدی سے منسوب کئے ہیں - کمال نے بھی اس معاملے میں
قائم کا تتبع کیا ہے، وہ اکثر اس تذکرے سے استفادہ کرتا ہے جیسا
کہ عنقریب معلوم ہوگا ؛ شورش دوسری رائے کا قائل ہے، جس
نے اپنا تذکرہ قائم کے تذکرے سے دس سال بعد لکھا - دوسرے
تذکرہ نویسوں نے حقیقی یا فرضی سعدی کے متعلق کچھہ
نہیں لکھا - اس بحث کی یہ صورت ہے ، اس مسئلہ پر میں
اس سے پیشتر مفصل بحث کر چکا ہوں ‡ —

شاعر کی حیثیت سے قائم اپنے عہد کے ممتاز شعرا میں خیال

* اس کی بحث جرنل ایشیاٹک بابت سنہ ۱۸۴۳ میں دیکھو —

† سعدی کے متعلق اکثر تذکرہ نویسوں کو مغالطہ ہوا ہے - یہ نہ سعدی شیرازی ہیں اور نہ دکن کے باشندے ، بلکہ شمالی ہند کے رہنے والے تھے جو اکبر کے عہد میں ہوئے - تاریخ وفات سنہ ۱۰۰۲ ھ ہے - (عبدالحق)

‡ دیکھو جرنل ایشیاٹک سنہ ۱۸۵۳ ع —

کہا جاتا ھے - بقول کمال سوائے سودا کے جو ھندی مسلمانوں کا مقبول شاعر ھے ' وہ سب سے بڑھا ہوا ھے ۔ اس قول کی تائید میں وہ اپنے تذکرے میں قائم کے دیوان سے اس کا بہت سا کلام نقل کرتا ھے ' جس میں بیانیہ ' ھجویہ اور دوسرے قسم کی نظمیں ھیں جو قومی خصائص کے نقطۂ نظر سے بہت دلچسپ ھیں --

شیفتہ کی رائے میں قائم کی بہترین نظمیں اس کے قطعات اور رباعیات ھیں - باقی نظموں کے وہ اس قدر مداح نہیں ھیں جس قدر کمال ھے - اُن کے خیال میں قائم کو سودا کا ھم رتبہ سمجھنا حماقت ھے - قائم اوائل عمر ھی میں دھلی چلا گیا تھا ' جہاں وہ بادشاہ کے ھاں سلسلۂ ملازمت میں داخل ھوگیا - سنہ ۱۲۰۷ ھ اور سنہ ۱۲۱۰ ھ (۱۷۹۳ - ۹۵) کے درمیان انتقال کر گیا --

۱۰ - تذکرۂ ابوالحسن کا نام " مسرت افزا " ھے ' یہ فارسی میں ھے اور سنہ ۱۲۰۷ ھ (سنہ ۱۷۷۹ ع) میں تالیف ھوا - میں نے اپنی کتاب " ھندوستانی ادب کی تاریخ " میں اس امر پر افسوس ظاھر کیا ھے کہ اس تذکرے کے دستیاب نہ ھونے کی وجہ سے میں اس سے استفادہ نہ کر سکا ' مجھے اس کا علم سر ڈبلیو اوسلے کی قلمی نسخوں کی فہرست سے ھوا

تھا ' جن کے پاس اس کا ایک نسخہ تھا * اب اُن کے قلمی نسخے آکسفورڈ لائبریری میں آگئے ہیں اور میرے دوست " نیتھینیل بلانڈ " نے اپنی عنایت سے اُسے پڑھ کر اس کا خلاصہ اور اس کے اقتباسات میرے پاس بھیج دیے ہیں - یہ اس لیے اور بھی کار آمد ثابت ہوا کہ ڈاکٹر سپرنگر نے اس کا ذکر اپنی فہرست میں نہیں کیا —

اس تذکرے کے مؤلف کا نام ابوالحسن امیر الدین احمد ہے ' جو امراللہ الہ آبادی کے نام سے بھی مشہور ہیں - وہ اپنا وطن چھوڑ کر عظیم آباد میں جا بسے اور پھر کلکتے گئے - انہیں ہندوستانی شاعری سے ذوق تھا اور اسی لیے اُنہوں نے بہ زمانۂ سفر سنہ ۱۱۹۳ ھ (۱۷۷۹ ع) یہ تذکرہ لکھا اور لکھنؤ آکر اس میں اضافہ کیا —

۱۱ - تذکرۂ شورش بھی فارسی میں ہے ' سنہ ۱۱۹۳ ھ (۱۷۷۹ - ۸۰ ع) میں تالیف ہوا - اس کا کوئی خاص نام نہیں - مؤلف کا نام غلام حسین ہے مگر عام طورپرمیر بھیلا کے عرف سے مشہور ہے - میں نے ڈاکٹر سپرنگر کی تالیف کے ذریعے سے اس تذکرے سے کام لیا - ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب " اُردو

---

* اس کتاب خانے میں ایک قلمی نسخہ تذکرۂ شعرائے جہانگیر شاہی کا بھی ہے جس کا مجھے علم نہیں ہوا تھا - اس میں صرف اُن فارسی شعرا کا ذکر ہے جو جہانگیر کے عہد میں تھے -

تذکروں کے انڈکس" میں اس سے بہت کچھہ اقتباس کیا ہے -
اصل قلمی نسخہ جے - بی ایلیٹ کی ملک تھا ' جس کی
ضخامت پانسو صفحے کی تھی اور اس میں ۳۱۴ شعرا کا
مختصر ذکر تھا --

۱۴ - تذکرۂ نواب علی ابراهیم خاں ' جس کا نام خود
مولف کے نام پر گلزار ابراهیم ہے اور اسی کے ساتھہ
حضرت ابراهیم کے قصے کی تلمیح بھی ہے کہ وہ آگ جس میں
نمرود نے انہیں ڈال دیا تھا گلزار سے بدل گئی تھی - یہ
تذکرہ بھی فارسی میں ہے اور میں نے اپنی کتاب " هندوستانی
ادب کی تاریخ " میں اس سے بہت کام لیا ہے - مؤلف نے اسے
سنہ ۱۱۹۶ ھ * (۸۲ - ۱۷۸۱ ع) میں ختم کیا - اس میں
تقریباً تین سو اُردو شاعروں کا ذکر ہے اور هر شاعر کے بیان
کے ساتھہ اس کے کلام کا انتخاب بھی ہے - مولف کے متعلق جو
کچھہ میں نے تاریخ ادب میں لکھا ہے ' اس پر اس قدر
اور اضافہ کرنا چاهتا هوں کہ ان کا پورا نام نواب علی ابراهیم
امین الدولہ ناصر جنگ تھا اور وہ پٹنے کے رهنے والے تھے -
ان کے دو تخلص تھے ایک خلیل اور دوسرا حال † - شورش

---

* علی ابراهیم نے اپنے دیباچے میں اختتام کی تاریخ ۱۱۹۸ ھ اور ۱۷۸۴ ع لکھی ہے -

† یہاں بھی مصنف سے غلطی هوئی ہے - ان کا دوسرا تخلص "علی" تھا (عبدالحق) —

اور یوسف علی نے اپنے تذکروں میں اِن کا ذکر پہلے تخلص سے کیا ہے عشقی نے دوسرے تخلص سے * —

۱۳ - اٹھارویں صدی کا آخری تذکرہ † مصحفی کا ہے ۔ یہ بھی فارسی میں ہے - سنہ تالیف ۱۲۰۹ ھ (۹۵ - ۱۷۹۴ ع) ہے - میں نے اس مصنف کے متعلق جو کچھ اپنی کتاب تاریخ ادب میں لکھا ہے ' اس پر اتنا اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں - ایک تو یہ کہ فان ہیمر کی راے کے بموجب' جو انہوں نے میری کتاب کے تبصرے میں ظاہر فرمائی ہے ان کے نام کا تلفظ (بہ فتحۂ میم) کرنا چاہئیے- جس کے معنی یہ ہیں کہ اسے قرآن یعنی مصحف سے نسبت ہے —

شیفتہ کا قول ہے مولف دہلی میں پیدا ہوا تھا اور وہ ہندوستانی اور فارسی میں اپنے فن کا اُستاد تھا - شیفتہ سے

---

* علی ابراہیم خاں علاوہ ادیب ہونے کے مورخ بھی تھے - گلزار ابراہیم کے علاوہ خلاصۃالکلام اور صحف ابراہیم دو فارسی شعرا کے تذکرے بھی ان کی تالیف سے ہیں - وقائع جنگ مرہتہ لارڈ کارنوالس کے عہد میں ۱۲۰۱ ھ میں لکھی جس کا ترجمہ میجر فلر نے انگریزی میں کیا - اس میں پانی پت کی جنگ کا حال ہے - ایک کتاب میں راجہ چیت سنگھہ والیء بنارس کی بغاوت کا حال ہے —

لارڈ کارنوالس کے عہد میں بنارس میں چیف میجسٹریٹ اور بعد ازاں گورنر رہے - سنہ ۱۲۰۸ ھ میں انتقال کیا (عبدالحق) —

† اس کا نام تذکرۂ ہندی ہے - انجمن ترقی اردو نے ۱۹۳۳ ع میں اس کو طبع کر کے شایع کردیا ہے (ع)

اُن کی ملاقات لکھنؤ میں ہوئی اور اُن سے دوستانہ تعلقات تھے
شیفتہ نیز کریم الدین کا بیان ہے کہ مصحفی نے ریختے کے چھ
دیوان لکھے ہیں - بہر حال فرح بخش (لکھنؤ) کے دیوانخانے
مصحفی کے قلمی نسخے میں صرف چار دیوان ہیں اور یہ
چاروں ہندوستانی زبان میں ہیں - مصحفی نے فارسی میں
بھی کئی دیوان لکھے ہیں اور فارسی شعرا کا بھی ایک تذکرہ لکھا
ہے*- اس کے علاوہ ایک شاہنامہ بھی لکھنا شروع کیا تھا جو نا تمام
رہ گیا - اس میں شاہ عالم کے عہد تک کے واقعات منظوم کئے ہیں-

مصحفی نے اپنا اُردو شعرا کا تذکرہ میر مستحسن خلیق
کی فرمائش سے لکھا جس میں محمد شاہ کے عہد سے لیکر اپنے
وقت تک کے شعرا کا حال درج ہے اور جن کی تعداد تقریباً
ایک سو پچاس ہے- مولف نے خاص کر اپنے ہم عصروں کے حالات
بیان کرنے میں عالی ظرفی کا اظہار کیا ہے -

مصحفی نے بڑی عمر پائی تھی ، کیونکہ اُن کی وفات
گلشن بے خار کے چھپنے سے دس سال قبل یعنے سنہ ۱۸۲۲ ع کے
قریب ہوئی ، لیکن کریم الدین اُن کی وفات کا سال سنہ ۱۸۱۴ع

---

* اس تذکرہ کا نام عقد ثریا ہے جو ۱۱۹۹ ھ میں تالیف ہوا ہے - ۱۹۳۴ ع
میں انجمن ترقی اردو نے طبع کرکے شایع کیا ہے- مصحفی نے اردو شاعروں کا ایک اور
تذکرہ ریاض الفصحا ۱۲۲۱ھ اور ۱۲۳۶ کے درمیاں لکھا ہے- اس میں اکثر ان شاعروں کا
ذکر ہے جن کے نام تذکرۂ ہندی میں نہیں تھے چند شاعروں کا اس میں مکرر ذکر کیا ہے
انجمن ترقی اردو نے تذکرۂ ہندی اور عقد ثریا کے ساتھ اس کو بھی شایع کر دیا ہے (چ) -

بتاتے ہیں - ان کی شہرت اس دور کے آخر میں ہونی شروع ہوئی جس میں سودا، جرأت اور انشا کا دور دورہ تھا، وہ حاتم کے بھی ہم عصر رہے ہیں، جیسا کہ حاتم کے دیوان زادہ کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے - قائم جو دلی کے مشاعروں میں موجود تھا* ان کے بہت سے اشعار نقل کرتا ہے، سرور نے کوئی ۴۷ صفحوں میں ان کے کلام کا انتخاب دیا ہے —

۱۴ - تذکرۂ لطف (مرزا علی خاں) یہ تذکرہ سب کا سب اس صدی (انیسویں صدی) کے شروع میں لکھا گیا ہے، یعنی سنہ ۱۲۱۵ھ (سنہ ۱۸۰۰-۰۱ ع) میں- اس کتاب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قومیت کا خیال لوگوں میں ترقی کر رہا ہے، کیونکہ جہاں تک میرا علم ہے یہ پہلا تذکرہ ہے جو بخلاف دوسرے تذکروں کے جو اس سے قبل لکھے گئے ہیں فارسی میں نہیں بلکہ اسلامی ہندوستانی یعنے اُردو میں لکھا گیا ہے - اس تذکرے میں جو گلشن ہند کے نام سے موسوم ہے، ۶۹ † شاعروں کا ذکر ہے، لیکن ہر ایک کے حال کے ساتھ کثرت سے اس کے کلام کا انتخاب دیا ہے- مثلاً خود مؤلف تذکرہ کے حالات کے بعد اس کی غزلیات کا پورا دیوان درج ہے جو میرے قلمی

---

* مصنف نے بالکل برعکس لکھ دیا ہے- قائم کے تذکرہ میں مصحفی کا ذکر نہیں ہے - مصحفی بعد کا شاعر ہے - مصحفی نے قائم کے کلام کا طویل انتخاب درج کیا ہے(چ)

† حیدرآباد میں جو نسخہ مرتب ہوا تھا اور لاہور سے شایع ہوا اس میں ۶۹ شعرا کا ذکر ہے (عبدالحق) -

نسخے میں ۱۷ سطروں کے ۳۱ صفحوں پر ہے' اور اس کے علاوہ ۱۷ صفحوں پر قصیدے اور ۲۵ صفحوں پر عشقیہ مثنویاں ہیں' سب ملا کے ۷۳ صفحے ہوتے ہیں —

میں نے اپنی کتاب تاریخ ادب ہندوستانی میں لطف کے حالات لکھے ہیں' یہاں اس قدر اور لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں پیدا ہوا' پٹنے اور لکھنؤ میں رہا اور آخر میں حیدرآباد آگیا' جہاں وہ کمال سے ایک سال بعد پہنچا' کمال کو وہ لکھنؤ ہی سے جانتا تھا اور دکن میں اس سے پھر ملاقات ہوئی - لطف شعر و سخن میں اپنے باپ کاظم بیگ خان ہجری کا شاگرد تھا (جو خود بھی ہندوستانی میں شعر کہتا تھا) اور بقول شیفتہ مہر سے بھی تلمذ حاصل ہوا۔

۱۵ - مجموعۂ انتخاب - یہ کمال (فقیر شاہ محمد یا شاہ کمال الدین حسین) * کی تالیف ہے- یہ اُن تذکروں میں سے ہے جن کا علم مجھے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے خاص اصحاب کی بدولت اُس وقت سے ہے جب کہ میں اپنی تاریخ ادب شایع کرنے والا تھا' نیز اُن تذکروں میں سے ہے جن سے صرف میں نے ہی اِستفادہ کیا ہے - افسوس ہے کہ جو نسخہ مجھے ہاتھ لگا' اگرچہ وہ بہت عمدہ نستعلیق خط میں لکھا ہوا ہے' لیکن کاتب نے بڑی بے پروائی سے لکھا ہے اور یہی

* مجموعۂ انتخاب کے دیباچے میں " شاہ محمد کمال " درج ہے - (چ)

نہیں بلکہ بے سمجھے اس میں تصرف بھی کر دیا ہے - اس قسم کی بے احتیاطی ایسی کتابوں میں جن کا تعلق انتخابات سے ہو بہت ہی قابل افسوس ہوتا ہے -

۱۷ - مجموعۂ نغز - یہ قاسم (سید ابوالقاسم *) معروف بہ قدرت اللہ قادری کی تالیف ہے - اس تذکرے کی اطلاع مجھے اس وقت ہوئی جب کہ میری کتاب شایع ہو چکی تھی-

یہ کتاب قاسم نے سنہ ۱۲۲۱ ھ (سنہ ۱۸۰۱-۰۷ ع) میں تالیف کی - اس کا نام تاریخی ہے - یہ مقفی اور مسجع فارسی نثر میں ہے - شروع میں ایک دیباچہ ہے جس میں شاعری پر بحث ہے- اس دیباچے کا طرز تحریر وہی ہے جو اصل کتاب کا ہے- لیکن دوسرے تذکروں سے اس میں یہ بات خاص امتیاز کی ہے کہ مؤلف نے شعرا کے نام بے سوچے سمجھے نہیں لکھ دئے ہیں، بلکہ ہم نام شاعروں کو ایک جگہ لکھا ہے ' ان کی تعداد بتا دی ہے اور ترتیب وار ان کا حال لکھا ہے - اس تذکرے میں کئی سو شاعروں کا حال ہے' تاہم سرور اور ذکا کے تذکروں میں شعرا کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے- لیکن یہ تذکرہ ان سے بڑھا ہوا ہے' اور جگہ جگہ قصے' لطیفے اور انتخابات اس سلیقے سے دئے ہیں کہ دوسری جگہ نظر نہیں آتے † —

* قاسم لکھتا ہے کہ ابوالقاسم کا نام میں نے آنحضرت صلعم کی عقیدت میں اختیار کیا ہے —

† تذکرۂ مجموعۂ نغز کو پروفیسر محمود شیرانی نے مرتب کیا ہے جو سلسلۂ نشریات کلیۂ پنجاب میں چھپ کر ۱۹۳۳ ع میں شایع ہوچکا ہے (چ)

قاسم خود بھی ہندوستانی زبان کا مشہور اور ممتاز شاعر ہے۔ اسے صغر سن سے شعر و سخن کا ذوق تھا اور اس فن کو اس نے ہدایت سے حاصل کیا تھا۔ تذکرے کی تالیف کے وقت وہ آٹھ ہزار شعر لکھ چکا تھا جو اس کے دیوان میں موجود تھے۔ علاوہ اس کے ۱۶۰۰ شعر کی ایک مثنوی موسوم بہ قصۂ معراج ہے؛ اور ایک اور مثنوی بوستاں کی بحر میں ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ کس مضمون پر ہے، ایک تیسری مثنوی جس میں ۵۲۰۰ شعر ہیں، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی کراماتوں کے حال میں ہے۔ قاسم قادری تھے اور یہ مثنوی اسی عقیدت کی بنا پر لکھی ہے —

قاسم کو طب کا بھی شوق تھا، مگر یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ طبابت کرتے تھے یا نہیں —

کمال، سرور، شیفتہ، کریم نے اپنے اپنے تذکروں میں اس کے کلام اور اس کے اتقا کی بہت تعریف کی ہے۔ کریم کے قول کے مطابق قاسم کا انتقال ۱۰۹ برس کی عمر میں سنہ ۱۸۸۰ ع میں ہوا —

۱۸ — عمدۂ منتخبہ، جو سرور کی تالیف ہے غالباً * سنہ

---

* تذکرے میں یہ سنہ تالیف صحیح طور سے نہیں بتایا گیا۔ اس کی تالیف کے متعلق ۱۲۱۵ ھ اور سنہ ۱۲۱۶ ھ دونوں سنوں کے تاریخی مادے موجود ہیں۔ ایک مادے سے سنہ ۱۲۳۲ ھ کا سنہ نکلتا ہے، یہ شاید اختتام

۱۲۲۱ ھ (۱۸۰۶-۰۷ ع) میں لکھا گیا تھا - میں نے جب اپنی تاریخ لکھی تو مجھے اس کا علم نہ تھا، مگر اس کے بعد مجھے اس کا ایک قلمی نسخہ دستیاب ہوا اور میں نے فرصت سے اس کا مطالعہ کیا —

میر محمد خاں سرور، مؤلف تذکرۂ ھذا[1] کا خطاب اعظم الدولہ تھا - والد کا نام نواب ابوالقاسم مظفر خاں بہادر تھا - وہ ساقی معروف بہ سامی اور موزوں اور تجمل کے شاگرد تھے - علاوہ اس تذکرے کے وہ صاحب دیوان بھی تھے - یہ تذکرہ فارسی میں ہے اور اس میں بہت سے شعرا کا ذکر ہے جن کی تعداد ہزار اور بارہ سو کے درمیان ہے، ترتیب حروف ابجد کے لحاظ سے ہے اور ہر شاعر کا مختلف قسم کا کلام مختصر بھی درج ہے - سرور اپنے ذکر میں بہت انکسار کرتا ہے اور اس معذرت کے ساتھ مشہور شعرا کے کلام کے ساتھ اپنا کلام بھی پیش کرتا ہے کہ جہاں پھول

---

[1] تالیف کا سنہ ہے یا شاید نسخے کی کتابت کا - ڈاکٹر سپرنگر کا نوٹ یہ ہے کہ سنہ ۱۲۱۹ ھ (سنہ ۵ — ۱۸۰۴ ع) کے بعد کا کوئی سنہ کتاب میں نہیں پایا جاتا، لہذا ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ یہ تذکرہ اسی سنہ میں یا اس کے بعد کے سنہ میں تالیف ہوا —

(نوٹ: - عمدۂ منتخبہ تاریخی نام ہے اس سے سنہ ۱۲۱۶ ھ نکلتا ہے - چنانچہ غالب علی خاں سید نے جو تاریخی قطعہ لکھا ہے اس کا آخری شعر یہ ہے: —

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

ہے وہاں کانتا بھی ہوتا ہے - یہ تذکرہ قاسم کے تذکرے کے بعد ہے * کا اگرچہ سنہ تالیف وہی ہے، مگر شیفتہ کے تذکرے سے پہلے لکھا گیا ہے اور شیفتہ نے اس سے اسی طرح استفادہ کیا ہے جس طرح سرور نے قاسم † کے تذکرے سے —

کریم کا بیان ہے کہ عمدۂ منتخبہ دہلی میں بہت مشہور ہے، بڑی احتیاط سے لکھا ہے اور شیفتہ اور دوسرے تذکرہ نویسوں نے اس سے استفادہ کیا ہے —

سرور کا انتقال سنہ ۱۲۵۰ھ (۳۵-۱۸۳۴ء) میں ہوا - اس کا بیٹا محمد خاں باپ کے قدم بقدم چلا - شیفتہ نے اس کا نام اپنے ہم عصر شاعروں میں بیان کیا ہے —

۱۹- طبقات سخن کا کوئی نسخہ مجھے دستیاب نہیں ہوا ‡

(بسلسلۂ صفحۂ گزشتہ)

عمدۂ منتخبہ اس کی وہیں سید نے
لکھی تاریخ وہی نام بھی ہے اس کا رکھا

لیکن احسان، نصیر، عاشق قاسم، سید رضی، فراق نے جو مادۂ تاریخ نکالے ہیں ان سے ۱۲۱۹ھ اور ممنون کے تاریخی مادہ سے ۱۲۱۵ھ نکلتے ہیں - میرا نسخہ نہم محرم الحرام سنہ ۱۲۲۴ کا مکتوبہ ہے جس کو عاشق نے اعظم الدولہ مولف تذکرہ کے حکم سے لکھا تھا (عبدالحق)

* سرور کا تذکرہ قاسم کی نظر سے گزر چکا ہے جیسا کہ مجموعۂ نغز میں خود قاسم نے لکھا ہے ایسی صورت میں قاسم کے تذکرہ کو تقدم زمانی حاصل نہیں ہوسکتا (چ)

† مصنف نے برعکس لکھ دیا ہے، قاسم نے سرور کے تذکرہ سے استفادہ کیا ہے، قاسم نے اپنے تذکرہ میں دو تین جگہ اس کا اعتراف بھی کیا ہے- سرور کا تذکرہ پہلے لکھا گیا ہے جیسا کہ اوپر کے دو حاشیوں سے ثابت ہے - قاسم نے سرور کے تذکرہ کی تاریخ بھی کہی ہے (چ) —

‡ یہاں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سپرنگر کی فہرست سے ماخوذ ہے -

اس تذکرے کے مؤلف کا نام جس کا شمار هندوستانی زبان کے شعرا میں کیا جاتا ہے ' شیخ غلام محی الدین قریشی ' تخلص عشق ہے - مؤلف میرٹھ میں پیدا ہوا - اس کے والد کا نام نعمت اللہ نعمی * ہے ' یہ بھی شاعر تھے اور فارسی میں صاحب دیوان ہیں - عشق کا کلام فارسی ہی میں نہیں بلکہ عربی میں بھی ہے - فارسی میں اس کے دو دیوان ہیں - پہلے دیوان میں اس کا تخلص مبتلا اور دوسرے میں عشق ہے اور اسی نام سے زیادہ تر مشہور ہے —

یہ تذکرہ فارسی میں ہے اور نام تاریخی ہے جس سے سنہ ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷-۰۸ ع) نکلتا ہے - یہ تذکرہ دوسروں کی نقل نہیں ہے - اس کے دو حصے ہیں جن کا نام مؤلف نے طبقات رکھا ہے - پہلے طبقے میں ریختے کے سو شعرا کا ذکر ہے اور دوسرے میں اسی قدر فارسی شاعروں کا —

۲۰- تذکرۂ جہاں اُن چھ تذکروں میں سے ہے جن سے میں نے اپنی تاریخ میں کام لیا ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے اُن چھ تذکروں میں سے ہے جو هندوستانی میں لکھے گئے ہیں - اس تالیف کا نام " دیوان جہاں " ہے جس میں مؤلف کے تخلص † کا اشارہ ہے - بعض اوقات جہاں کا لفظ استعارے کے

---

* بقول ڈاکٹر سپرنگر - لیکن " نغمی " بھی ہو سکتا ہے -

† ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی فہرست کتب کے بموجب —

طور پر ہندوستان کے لئے استعمال کیا جاتا ہے - جو کچھ میں پہلے اپنی تاریخ میں اس کتاب کے متعلق جو سنہ ۱۲۲۷ھ (۱۸۱۲ ع) کی تالیف ہے نیز اس کے مؤلف کے متعلق لکھ چکا ہوں اس کا اعادہ کرنا نہیں چاہتا - مؤلف اگرچہ ہندو ہے جو اس کے نام بینی نراین سے ظاہر ہے، مگر کتاب اس نے مسلمانوں کی زبان میں لکھی ہے- نئی اطلاع مجھے بینی نراین جہاں کے متعلق یہ ملی ہے کہ وہ قوم کا کائستھ تھا اور بقول بعض دہلی کا رہنے والا اور بقول بعض لکھنؤ کا باشندہ تھا - اس کے باپ کا نام سدرشت نراین اور دادا کا نام لکشمی نراین تھا —

دیوان جہاں کو تذکرہ نہیں بلکہ مجموعۂ انتخابات کہنا چاہئے- اس میں کوئی ایک سو پچاس شعرا کا تذکرہ ہے- انتخابات بہت اچھے اور مختصر ہیں مگر اقتباسات بہت طویل ہیں -

علاوہ اس تذکرے کے جہاں کی اور تالیفات بھی ہندوستانی زبان میں ہیں ایک چار گلشن ہے، جس کی بنیاد فارسی شاعر ہلالی کے قصے "شاہ و گدا یا درویش" پر ہے- دوسری "قصہ جات" اس میں قصے کہانیاں ہیں - نظمیں جن کا نمونہ وہ اپنے تذکرے میں دے چکے ہیں - تیسری ایک کتاب "تنبیہ الغافلین" کا ترجمہ ہے - یہ ایک مذہبی کتاب ہے جو فارسی زبان میں مشہور مسلمان مصلح اور فرقۂ وہابی کے بانی سید احمد کی فرمائش پر تالیف ہوی تھی - اس کتاب

کے اور بھی ترجمے ہندوستانی زبان میں ہیں - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہان فرقۂ وہابی سے تعلق رکھتا تھا یا کم سے کم مسلمان ہوگیا تھا، کیونکہ وہ اس کتاب کے دیباچے میں اس طرح لکھتا ہے جیسے سچ مچ کا مسلمان --

۲۱- عیارالشعرا، یہ بھی ایک ہندو خوب چند ذکا نامی کا لکھا ہوا ہے اور فارسی میں ہے - سنہ تالیف سنہ ۱۲۴۷ ھ (۱۸۳۱-۳۲ ع) یا اغلباً سنہ ۱۲۰۸ ھ (۹۴-۱۷۹۳) سے ۱۲۴۷ ھ (۳۲-۱۸۳۱ ع) تک سمجھنا چاہئیے، اس لئے کہ مؤلف کا بیان ہے کہ اس نے اپنے اُستاد میر نصیرالدین نصیر عرف میر کلو کی فرمائش پر تیرہ سال اس کے لکھنے میں صرف کئے - ذکا نے سنہ ۱۸۴۹ ع میں انتقال کیا - یہ سنہ ڈاکٹر سپرنگر کو اس کے پوتے کی زبانی معلوم ہوا --

یہ اُن تذکروں میں سے ہے جن کا علم مجھے بالواسطہ ہوا - یہ فارسی زبان میں ہے اور اس میں تقریباً پندرہ سو شعرا کا ذکر ہے اور ساتھ ساتھ اُن کے کلام کا نمونہ بھی ہے - ڈاکٹر سپرنگر کا قلمی نسخہ ایک ہزار صفحے کا ہے جس کے ہر صفحے میں پندرہ سطریں ہیں - اس فاضل مستشرق کی راے ہے کہ اس تذکرے میں تنقید کا نام نہیں اور مکررات اور غلطیوں سے پر ہے - تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اس میں سے بہت کچھ مل سکتا ہے - کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس کا کوئی

نسخہ یورپ میں نہیں —

۲۲۔ گلشن بے خار سنہ ۱۲۵۰ ھ (۱۸۳۴-۳۵ ع) میں تالیف ہوا اور دهلی میں سنہ ۱۸۴۵ ع میں چھپا - یہ متعدد بار طبع ہوا لیکن مجھے سب سے پہلے اس کا قلمی نسخہ مسٹر بوترو پرنسپل دهلی کالج کی بدولت ملا - یہ تذکرہ جو فارسی زبان میں هے، اپنے وقت کے تمام تذکروں میں سب سے زیادہ مشہور هے - اس قسم کی جتنی کتابیں هیں اُن سب میں یہ زیادہ صحیح هے، قاسم کے تذکرے سے بھی زیادہ، جس سے مولف نے بہ نسبت کسی دوسرے تذکرے کے زیادہ استفادہ کیا هے —

اس کے مولف نواب محمد مصطفی خاں بہادر دهلوی، تخلص شیفتہ، بہت بڑے شخص اور هندوستانی زبان کے ممتاز شاعر هیں - اِن کے والد کا نام نواب مرتضی خاں بہادر تھا - یہ دلی کے مشہور شاعر مومن کے شاگرد تھے - ایسا معلوم هوتا هے کہ شیفتہ سے پہلے وہ حسرتی تخلص کرتے تھے * -

وہ تذکرے میں اپنا ذکر بہت انکسار سے کرتے هیں اور اس بات پر افسوس کرتے هیں کہ انہوں نے اپنی عمر گرامی کا اکثر حصہ اس میں رائگاں کیا - اپنے حالات کے ختم پر دس صفحے

---

* دیباچۂ گلشن بیخار میں خود مولف نے لکھا هے کہ فارسی میں ان کا تخلص حسرتی تھا اور اردو میں شیفتہ (چ)

میں اپنے کلام کا انتخاب دیا ہے ـــ

اُن کے اُردو کلام کا پورا دیوان ہے اور اُس کے علاوہ ابن جوزی کی مولد محدث (مطبوعۂ لکھنؤ) کا ترجمہ ہندوستانی میں کیا ہے - اصل کتاب عربی میں ہے اور اس میں از روے احادیث آنحضرت (صلعم) کے نسب' ولادت اور تعلیم و تربیت کے حالات ہیں ـــ

شیفتہ کے ہاں سنہ ۱۸۴۷ ع تک (جس کے بعد اُنہوں نے شہر کی سکونت ترک کر دی تھی) برابر مشاعرے ہوتے تھے - وہ ابھی تک زندہ ہیں - دھرم نراین نے دھلی کے اخبار قران السعدین میں ان کی بہت تعریف لکھی ہے ـــ

۲۳ - گلشن بے خزاں' باطن (حکیم سید غلام قطب الدین) کے تذکرے کا ترجمہ ہے اور کچھہ بھی نہیں- وہ آگرے میں پیدا ہوے- وہ اور ان کے باپ دادا اسی شہر میں طبابت کرتے تھے- ان کا انتقال سنہ ۱۲۵۹ ھ (۱۸۴۳ - ۴۴ ع) میں ہوا - ان کا خاندان یہاں عرب سرا سے آیا جو دھلی سے پانچ میل کے فاصلے پر ہے ـــ

۲۴ - گلدستۂ نازنیناں ' مشہور ہندوستانی شعرا کے کلام کا انتخاب ہے - یہ دھلی میں سنہ ۱۲۶۱ ھ (سنہ ۱۸۴۵ ع) میں طبع ہوا اور ہندوستان میں بہت مقبول رہا - اس کا حجم ۳۵۰ صفحے کا ہے اور ہر صفحے میں ۲۰ سطریں ہیں -

شروع میں شاہی خاندان کے تین شاعروں کا (جو اس وقت بقید حیات تھے) ذکر ہے، اس کے بعد شاعری پر کچھ بحث ہے، اور آخر میں ۳۹ مختلف شاعروں کا تذکرہ اور ان کے کلام کے طول طویل انتخابات ہیں —

۲۵ - تذکرۂ ناصر لکھنوی - اس کا ذکر محسن نے کیا ہے —

۲۶، ۲۷، ۲۸ - یہ تین تذکرے گلستان سخن کے نام سے موسوم ہیں - اور ان کے مصنف صابر، جوش اور مبتلا ہیں - ان کا حال دیکھنا ہو تو میری تاریخ دیکھئے —

۲۹ - انتخاب دواوین شعرائے مشہور زبان اُردو کا - اس کے مولف امام بخش صہبائی پروفیسر دہلی کالج ہیں - یہ فارسی کے بہت بڑے اُستاد مانے جاتے ہیں - اسے ہم محض انتخاب نہیں کہہ سکتے، اس لئے کہ انتخابات کے ساتھہ شاعروں کے مختصر حالات بھی درج ہیں - یہ بھی ایک قسم کا تذکرہ ہے - اس پہ حالات اُردو زبان میں ہیں —

اس تالیف میں ولی، درد، سودا، میر، جرأت، حسن، نصیر، ممنون، ناسخ، مول چند، ذوق اور مومن کے کلام کے انتخابات ہیں - یہ کتاب سنہ ۱۲۶۰ ھ (۱۸۴۴ ع) میں لکھی گئی اور دہلی میں سنہ ۱۸۴۲* میں طبع ہوئی - کل ۲۷۳

* اس سنہ کے لکھنے میں کچھہ غلطی ہوگئی ہے منشی کریم الدین نے ۱۸۴۳ ع سنہ طبع لکھا ہے - (عبدالحق)

صفحے ہیں اور ہر صفحے میں ۲۰ سطریں۔ شروع میں ۲۳ صفحے کا ایک مقدمہ ہے جس میں صہبائی نے ہندوستانی شاعری اور اس زبان کی خاص خاص نظموں کی بحروں پر بحث کی ہے اور ساتھ ساتھ بہت اچھی مثالیں بھی ہیں۔ ایک کتاب جو دہلی میں "خلاصۂ دیوانہا" کے نام سے طبع ہوئی ہے، وہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے —

صہبائی کی عمر تقریباً ساٹھ سال * کی ہے، نظم اُنہوں نے بہت کم لکھی ہے، لیکن علاوہ اس کتاب کے جس کا ابھی ذکر ہوا ہے، اُن کی اور بھی تالیفات ہیں۔ ایک تو فارسی کتاب حدائق البلاغت کا اُردو ترجمہ ہے، ترجمہ کیا، یوں کہنا چاہئے کہ اُنہوں نے اس کتاب کے مطالب کو اُردو شاعری پر ڈھال لیا ہے۔ دوسری ہندوستانی صرف و نحو جو اُردو زبان میں لکھی ہے۔ تین رسالے معمے پر، الفاظ مشکلہ † اور اس قسم کی دوسری کتابیں ان کی تالیف سے ہیں ‡ —

۳۰۔ صحف ابراہیم۔ مصنف کا نام خلیل ہے اس لئے اس

---

* کریم نے سنہ ۱۸۴۷ ع میں ان کی عمر ۳۰ بتائی تھی لیکن ڈاکٹر سپرنگر جو ان کو جانتے تھے یہ کہتے ہیں کہ وہ ۱۸۵۴ ع میں ۶۰ کے تھے —

† اسے ٹیک چند کی کتاب کی شرح سمجھنا چاہئے۔ اس کا نام بھی یہی ہے۔ صہبائی کی کتاب سنہ ۱۸۴۷ ع میں طبع ہوئی —

‡ گلستان سخن مولفہ مرزا قادر بخش صابر میں صہبائی کی تالیفات کی کسی قدر تفصیلی حالات درج ہیں (چ) —

پر سے کتاب کا یہ نام رکھا ہے۔ اس کا ایک فارسی تذکرہ بھی ہے* -

۱۳۔ سراپا سخن، اس کا مولف، محسن لکھنوی ہے، یہ شخص ہندوستانی زبان کا شاعر بھی ہے - یہ تذکرہ سنہ ۱۸۵۲ ع میں اختتام کو پہنچا اور سنہ ۱۸۶۱ ع میں طبع ہوا - حجم ۴۰۰ صفحے کا ہے اور حاشیہ بھی تمام تحریر سے بھرا ہوا ہے - اس میں سات سو سے زیادہ شعرا کا مختصر ذکر ہے - کلام کے انتخاب کی ترتیب گلشن نشاط کی طرح مصنفین کے ناموں کے لحاظ سے ہے †

۱۴۔ طبقات الشعرا یا تذکرۂ شعرائے ہند بھی ہندوستانی شعرا کا تذکرہ ہے اور اردو زبان میں ہے، دہلی میں سنہ ۱۸۴۸ ع میں طبع ہوا - حجم ۵۰۴ صفحے ہے - سرورق پر اردو کے علاوہ انگریزی تحریر بھی ہے جس کی آخری سطریں یہ ہیں "تذکرہ شعرائے ریختہ کا مسٹر ایف فیلن صاحب بہادر اور مولوی کریم الدین نے گارسان تیسی کی تاریخ سے ترجمہ کیا"- یہ درحقیقت میری تاریخ کی پہلی جلد سے حذف و اضافہ کے ساتھ تالیف کی گئی ہے، جس سے وہ ایک نئی کتاب ہوگئی ہے اور استفادہ کے لئے کارآمد ہے - اضافہ تقریباً تمام کا تمام یا تو خاندان تیموری کے شاہزادوں کے حالات کا ہے جو اپنا وقت بہلانے کے لئے اردو شاعری کیا کرتے تھے یا دہلی کالج کے پروفیسروں

---

* مصنف کو صحف ابراهیم کے مصنف کے بارے میں دھوکا ہوا ہے - اس کا ذکر تذکرہ نشان ۱۲ کے تحت حاشیۂ صفحہ ۸۱ پر ملے گا (چ) -

† یہ تمام انتخاب سراپا کے متعلق ہے (عبدالحق)

کے حالات سے متعلق ہے - پروفیسروں کا ذکر دلچسپ ہے ' ایک تو اس لئے کہ اہل علم و فضل کا ذکر ہے ' دوسرے اس وجہ سے کہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے —

کریم کی دوسری ہندوستانی تالیفات کا ذکر اس موقع پر موجب طوالت ہوگا - علاوہ تصنیفات کے ان کی تالیف سے ترجمے بھی ہیں اور ایسی کتابیں بھی ہیں جو انہوں نے مرتب کی ہیں-

—— • ——

ایسے تذکروں کے تبصرے کے بعد جو اردو میں تالیف کئے گئے ہیں ' میں یہ مناسب خیال کرتا ہوں کہ اردو مقتطفات کا بھی ذکر کروں - ان سے ہندوستانی شاعری کے متعلق بہت سی دلچسپ معلومات حاصل ہوتی ہیں اور ایسے کلام کا علم ہوتا ہے جو دوسری جگہ نہیں ملتا - ایسی جو جو کتابیں جس ترتیب سے میرے علم میں آئی ہیں ان کی کسی قدر کیفیت میں یہاں لکھتا ہوں —

۳۳ ' ۳۴ ' ۳۵ - اول دو مجموعے جن کا میں یہاں ذکر کرنا چاہتا ہوں ' وہ فاضل انگریزوں کی بدولت تحریر میں آئے جو اس نظر سے بہت قابل قدر ہیں - پہلے مجموعے کا نام " Selection from the popular poetry of the Hindus " (ہندؤں کی مقبول شاعری کا انتخاب) ہے - یہ کرنل بروٹن مرحوم * کا مرتب کیا ہوا ہے - اس میں ۵۹ مشہور ہندی گیت

---

* ٹامس ڈیر بروٹن Thomas Duer Broughton بہت با اخلاق شخص تھے اور مجھے ذاتی طور پر اُن کی ملاقات کا شرف حاصل تھا - ان کا انتقال لندن میں ۱۶ نومبر سنہ ۱۸۳۵ ع میں ہوا —

ھیں اور ضمناً بہت سے مقبول شعرا کا بھی ذکر آگیا ھے - دوسرے مجموعے کی تالیف میں مشہور ھندوستانی مصنف ترنی چرن متر' بھی (جو متعدد کتابوں کا مصنف ھے *) شریک تھا - اُن تمام انتخابات میں جن کا میں ذکر کروں گا یہ بہت اھم ھے - اس میں منجملہ اور انتخابات کے بیتال پچیسی' بھگت مال' کبیر کے ریختوں کے بعض حصے' تلسی داس کی رامائن کا ایک دعرہ' باغ و بہار کا ایک باب اور گل بکاؤلی' آرائش محفل' اُردو ھتوپدیش جوان کی شکنتلا کے بھی انتخاب ھیں - علاوہ ان کے مختلف شاعروں کی ۳۴۸ چھوٹی چھوٹی نظمیں ھیں جن میں سے بہت سی ایسی ھیں جو عام طور پر مقبول ھو چکی ھیں —

۳۶- گلدستۂ نشاط' جس سے میں نے اپنی تاریخ میں بہت کچھہ استفادہ کیا ھے' سنہ ۱۲۵۲ ھ (۳۷-۱۸۳۶ ع) کی تالیف ھے اور اسی سال کلکتہ میں طبع ھوئی - یہ ھندوستانی اشعار اور نظموں کا اچھا خاصہ مجموعہ ھے- یہ ایک قسم کی فصاحت و بلاغت کی مشق ھے جو ایسے شعرا کی مثالوں سے حاصل کی گئی ھے جو فارسی میں شعر کہتے تھے - مولف تحصیلداری کے عہدے پر ھے اور کلکتے میں رھتا ھے —

۳۷ — مجموعۂ واسوخت' مختلف شاعروں کے واسوختوں

---

* منجملہ دوسری کتابوں کے پرش پریشا بھی اس کی تالیف سے ھے جس کا ذکر میں نے اپنی تاریخ کی پہلی جلد میں کیا ھے - ترنی سنہ ۱۸۲۳ ع میں زندہ تھا اور کلکتہ سکول بک سوسائٹی کا سکریٹری تھا —

کا مجموعہ ہے - یہ ۶۸ صفحوں کا رسالہ ہے ' جس کے حاشیے سے بھی کام لیا گیا ہے - یہ کتاب سنہ ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۹ ع) میں لکھنؤ میں طبع ہوا —

—— * ——

ہندوستانی شعرا کے تذکروں کے بعد جن کا علم مجھے بالواسطہ یا بلا واسطہ ہوا ' میں اپنی فہرست مکمل کرنے کے لئے اس قسم کی ان کتابوں کا بھی ذکر کرنا مناسب خیال کرتا ہوں جن کے نام ان تذکروں میں پائے گئے ہیں جن سے میں نے مدد لی ہے - ان کی تفصیل یہ ہے —

۳۸ - کوی پرکاش - اس کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہندی تذکرہ ہے —

۳۹ - وارتا یا بارتا - ولبھا جو ایک ہندو فرقے کا بانی ہے اور جس کے چیلوں کی تعداد ۸۴ ہے ' یہ اس کے قصوں اور باتوں کا عجیب و غریب مجموعہ ہے - ولبھا اور اس کے بعض چیلے ہندو مذہبی گیتوں کے مصنف بھی ہیں * —

۴۰ - دلھا رام کی بے شمار † نظمیں جو نامور اشخاص کے متعلق ہیں - ایک تو رام سنیہی فرقے کے متعلق دوسری عموماً ہندوؤں نیز مسلمانوں کے متعلق —

---

* دیکھو میری تاریخ جلد ۱ ' ص ۵۱۸ —

† کہتے ہیں کہ ان کی تعداد ۱۰۹۹۹ ہے - دیکھو میری تاریخ جلد اول ص ۱۶۱ -

۱۴ - تذکرۂ حسن (میر غلام حسن) - سرور اور دوسرے مصنفین اسے شعرائے ریختہ * کا بہت اچھا تذکرہ بتاتے ھیں۔ † حسن خود ھندوستانی کا بہت نامور شاعر ہے۔ وہ مشہور مثنوی سحرالبیان کا (جس میں بے نظیر اور بدر منیر کا قصہ ہے) اور مثنوی گلزار ارم کا مصنف اور صاحب دیوان ہے - باوجود اس کے کہ وہ اپنی بعض صوفیانہ نظموں میں اور خاص کر اپنی مناجات میں (جس کا متن ‡ اور ترجمہ ¶ میں نے اپنی کتاب میں دیا ہے) بہت اچھے اور پاکیزہ خیالات کا اظہار کرتا ہے، اس نے بعض فحش نظمیں بھی لکھی ھیں، جس سے معلوم ھوتا ہے کہ وہ ایسی اوباشی میں پڑگیا تھا، جس کی نظیر عیسائی ممالک میں شاذ ملتی ہے — $

۴۴ - تذکرۂ سودا - قاسم نے اپنے تذکرے میں سعدی کے حال کے ضمن میں اردو کے نہایت نامور شاعر سودا کے تذکرے کا بھی حوالہ دیا ہے - لیکن مجھے اس کا اب تک علم نہیں ہوا۔

---

* تاریخ ادب ہندوستانی جلد ۱ صفحہ ۲۰۰ —

† یہ تذکرہ انجمن ترقی اردو کی جانب سے ۱۹۲۲ ع میں شایع ہو چکا ہے - انجمن اس کا دوسرا ایڈیشن از سر نو مرتب کرکے عنقریب شایع کرنے والی ہے - (ع)

‡ قصۂ کامروپ کے متن کے بعد —

¶ ولی کے کلام کے ترجمے کے نوٹ میں —

$ یہ معلوم نہیں میر حسن کی کونسی نظمیں مصنف کی نظر سے گزریں کہ اس نے یہ رائے قائم کر لی - محض بعض نظموں کی بنا پر یہ قیاس کرلینا غلط ہے (ع)

۴۳ - گلزار مضامین- یہ کتاب جو سنہ ۱۱۹۹ھ (۸۵ - ۱۷۸۴ع) میں شایع ہوئی مشہور شاعر طپش کی چھوٹی نظموں کا مجموعہ ہے - تاہم اس میں تذکرے کی بھی صورت ہے، کیونکہ دیباچے میں مصنف نے اردو شاعری اور شاعروں سے بحث کی ہے —

۴۴ - گلدستۂ حیدری- اس کے مؤلف حیدر بخش حیدری ہیں- جو اس صدی کی ابتدا میں بہت بڑے مصنف گزرے ہیں- اس گلدستے میں علاوہ قصوں اور لطیفوں کے ایک دیوان اور ہندوستانی شعرا کا ایک تذکرہ ہے* —

۴۵ - تذکرۂ میر محمد علی ترمذی- یہ شخص ہندوستانی زبان کا مولف ہے - اس نے شاہ نامۂ فردوسی کا خلاصہ نثر میں لکھا ہے † اس تذکرے کا ذکر گلزار ابراہیم میں پایا جاتا ہے- اس کے سوا مجھے اس تالیف کے متعلق کوئی علم نہیں ہے -

۴۶ - ایک کتاب "روضۃ الشعرا" بھی ہے - اس کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں ‡ —

۴۷ - تذکرۂ اختر - واجد علی شاہ سابق بادشاہ اودہ کا

---

* گلدستۂ حیدری کے بعض نسخوں کے آخر میں یہ تذکرہ پایا جاتا ہے اور بعض میں نہیں- یہ حیدری کا تذکرۂ گلشن ہند ہے جو اردو زبان میں ۱۲۱۵ھ میں لکھا گیا ہے - کلبھایہ کے ایک خانگی کتاب خانے میں یہ تذکرہ ہماری نظر سے گزرا ہے - (چ)

† دیکھو میری تاریخ ادب ہندوستانی جلد ۱، ص ۳۵۹ —

‡ مصنف کو دھوکا ہوا ہے یہ تذکرہ نہیں بلکہ محمد حسین کلیم کا قصیدہ ہے جس کے متعلق میر صاحب نے لکھا ہے " میاں محمد حسین کلیم ... قصیدۂ گفتہ مسمی بہ روضۃالشعرا درو نام تمام شعرا را نقل کردہ " - (چ)

تخلص ہے- وہ جب لکھنؤ میں تھے تو اپنی فرصت کے وقت ادبی ذوق میں مصروف رہتے تھے- وہ بہت سی ہندوستانی کتابوں کے مؤلف ہیں، جن میں سے بعض چھپ کر شایع ہوگئی ہیں- ان میں سے کئی میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہیں- اس تذکرے کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں پانچ ہزار فارسی اور ہندوستانی شاعروں کا ذکر ہے، لیکن میں ذاتی طور پر اس سے بالکل ناواقف ہوں —

۴۸- ا، دو شعرا کا ایک مختصر سا تذکرہ آزردہ (صدرالدین) نے بھی لکھا ہے - یہ اسی زمانے کے شخص ہیں اور ہندوستانی زبان میں شعر کہتے ہیں، انہیں عربی میں بھی شعر کہنے کا شوق تھا - شیفتہ نے سودا کے حال میں اس تذکرے کا ذکر کیا ہے- ڈاکٹر سپرنگر کی آزردہ سے ملاقات تھی اور ڈاکٹر صاحب نے کبھی ان سے اس تذکرے کا ذکر نہیں سنا - آزردہ کی عمر اس وقت ۷۰ برس کی ہے *، وہ مولوی اور مفتی ہیں اور خاں کا خطاب بھی رکھتے ہیں —

۴۹ - تذکرۂ عاشق (مہدی علی) - یہ بڑے پرگو شاعر ہیں- ان کے تین دیوان ہیں، اور علاوہ ان کے منظوم قصۂ خاور شاہ † اور بہت سی نظموں کے مصنف ہیں - دہلی میں ان کے ہاں

---

* شیفتہ نے لکھا ہے کہ ان کی عمر تقریباً پچاس سال کی ہے -

† میں نے غلطی سے اپنی کتاب کی پہلی جلد میں اسے ماہ لقا سے منسوب کردیا ہے-

مشاعرے ہوا کرتے تھے، اور یہ تذکرہ بھی انھیں شعرا کے متعلق ہے۔ اس میں وہی نظمیں ہیں جو ان مشاعروں میں پڑھی جاتی تھیں۔

۵۰ - تذکرۂ سرو آزاد کا ذکر ابوالحسن نے اپنی کتاب مسرت افزا میں کیا ہے جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اس میں اُردو شاعروں کا ذکر ہوگا - نے تھے نیل نے اس کا ذکر فارسی شعرا * کے تذکروں میں کیا ہے - دونوں باتیں ممکن ہیں، کیونکہ یہ مسئلہ ایسے شاعروں کا ہو جاے گا جن کا کلام فارسی میں بھی ہے، اور ہندوستانی میں بھی —

آزاد خود ہندوستانی زبان کا بہت بڑا شاعر تھا - اوپر جو کچھہ کہا گیا ہے اس کا یقین مجھے اس لئے ہوتا ہے کہ آزاد نے فارسی شعرا کا ایک اور تذکرہ لکھا ہے جو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے - اس کا نام خزانۂ عامرہ ہے - اس کے دیباچے میں وہ بیس دوسرے تذکروں کا حوالہ دیتا ہے جن سے س نے استفادہ کیا ہے † —

دوسری وجہ یہ ہے کہ آزاد ایک اور رسالے کا بھی مصنف ہے جو "ہندوستان کی غزلوں" پر ہے اور جس کا نام رسالۂ غزلان ہند ہے - یعنے یہ ان نظموں پر ہے جو ہندوستان میں

* جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۳ ص ۱۷۰ —

† دیکھو اس کتاب پر ایم - این پٹنا کا مضمون - جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۹ صفحہ ۱۵۰ —

لکھی گئی ھیں - ممکن ھے کہ یہ تذکرہ بھی ھو اور مجموعۂ انتخابات بھی - اور شاید یہ کتاب بھی سرو آزاد ھی ھو اور اس دوسرے نام سے مشہور ھو گئی ھو * —

سرو آزاد فارسی میں ھے اور اس کا ترجمہ ھاپور کے کائستھ موتی لال نے جو دھلی کالج کے ممتاز طالب علم تھے انیس برس کی عمر میں سنہ ۱۸۴۷ ع میں ھندوستانی میں کیا - اس کے دوسرے ھی سال موتی لال نے گلستاں کا ترجمہ کیا اور دلی کے اخبار قران السعدین کی اڈیٹری کرنے لگا —

افسوس نے اپنی کتاب آرایش محفل میں آزاد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ھے —

" میر غلام علی آزاد بھی شعر و سخن و علم و فضل میں اپنے معاصرین کے بیچ لاثانی تھا ، بلکہ اشعار عربی تو اس فصاحت و بلاغت و بہتایت کے ساتھ کہ اھل ھند میں کسی نے اُس سے آگے بھی نہیں کہے - قصائد اس کے اس بات پر دال ھیں اور

---

* مؤلف کی اطلاع سرو آزاد اور غزلان الهند کے متعلق مبہم اور مشتبہ سی ھے - اصل یہ ھے کہ سرو آزاد ' آزاد کی مشہور کتاب مآثرالکرام تاریخ بلگرام کا دوسرا حصہ ھے - اس کتاب کی دو فصلیں ھیں - پہلی فصل میں فارسی شعرا کے حالات ھیں اور دوسری میں شعرائے ھندی کے - ان ھندی گو شاعروں میں سے بعض ریختہ میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے - فارسی شعرا کی تعداد ۱۴۳ ھے اور ھندی کے شعرا کی صرف ۸ - غزلان الهند (جس کو مصنف غلطی سے غزلان ھند لکھتا ھے) میں ھندوستان کی فارسی شاعری کے صنائع وغیرہ پر بحث ھے نیز ھندوستانی عورتوں کے رسم و رواج اور اسرار' ھندی معشوق اور اسی قسم کے معاملات پر بحث کی گئی ھے (عبدالحق) —

اس کی تعریف میں فصیحانِ عرب کی زبا نیں لال - پیدائش اس کی گیارہ سے چودہ ہجری میں اور وفات اس کی سن بارہ سے دو میں *" —

۵۱ - تذکرۂ کاملین - یہ اس زمانے کے ایک ہندوستانی زبان کے مصنف رام چندر کی تالیف ہے - یہ اور بھی بہت سی کتابوں کے مولف ہیں - یہ تذکرہ جو دہلی میں سنہ ۱۸۴۹ع میں طبع ہوا ' صرف شعرا ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اس میں دوسرے اشخاص کا بھی ذکر ہے ' اسی لئے میں نے اس کا یہاں ذکر کیا ہے —

۵۲ - تذکرۂ ہندی ' تالیف مولانا قدرت اللہ شوق - اس تذکرے کا جو طبقات الشعرا کے نام سے بھی موسوم ہے' مصحفی' سرور اور کریم نے ذکر کیا ہے ؛ لیکن میرے دیکھنے میں نہیں آیا † - اس کا مؤلف بہت پر گو شاعر ہے اور ایک لاکھ شعر کہہ چکا ہے - قائم چاندپوری کا شاگرد ہے - اس کے گھر میں اکثر مشاعرے ہوتے تھے اور سنہ ۱۸۰۷ع میں جب قاسم نے اپنا تذکرہ لکھا تو وہ بقید حیات تھا —

۵۳ - تذکرۂ خاکسار - اس کے مؤلف میر محمد یار عرف

---

* آزاد کی ولادت اور وفات کے سنہ کے بارے میں افسوس کی اطلاع صحیح نہیں - ۱۱۱۶ ھ ان کی پیدایش کا سنہ ہے اور ۱۲۰۰ ھ وفات کا (چ) -

† انجمن ترقیء اردو نے اس کو مرتب کرلیا ہے' عنقریب شایع ہو جائے گا (چ) -

کلن' کلو یا گلو * ایک متقی درویش اور مشہور شاعر تھے اور سنہ ۱۸۰۵ ع میں انتقال کر گئے - اس تذکرے کا حوالہ شورش نے دیا ھے - سرور جو خاکسار سے واقف تھا اس کا ذکر نہیں کرتا' شاید اس لئے کہ اس کا تعلق فارسی شعرا سے ھے : لیکن میرے پاس اس امر کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں ! —

۵۴ - تذکرۂ محمود (سید حافظ محمود خاں) - اس تذکرے میں فارسی اور هندوستانی دونوں کے شاعروں کا ذکر ھے - مولف جو اسی زمانے کا ھے اور نسلاً افغان ھے' قران کا حافظ ھے جیسا کہ اس کے نام سے ظاھر ھے - وہ هندوستانی زبان میں شعر کہتا ھے - چنانچہ سرور نے اپنے تذکرے میں اس کے اشعار کا انتخاب سات صفحوں میں کیا ھے —

۵۵ - تذکرۂ مضمون (امام الدین خاں) - یہ مؤلف جسے عشقی نے مظلوم لکھا ھے ‡ اور جو محمد شاہ کے عہد میں ایک معزز خدمت پر تھا' وہ اسی تذکرہ نویس (عشقی) کے قول

---

* میر صاحب نے کلو لکھا ھے اور محمد معشوق کنبوہ کا یہ مصرع اس کی شان میں نقل کیا ھے :- کتا ھے دریار کا کلو اس کا نام -

† یہ اردو شاعروں کا تذکرہ تھا اور نکات الشعراء کے جواب میں لکھا گیا تھا - مولف نے اس کا نام " معشوق چہل سالۂ خود " رکھا تھا' اپنا حال تمام شاعروں سے اول لکھا تھا اور اپنا خطاب سید الشعرا قرار دیا تھا - ملاحظہ ھو نکات الشعرا ذکر خاکسار (ح) —

‡ دیکھو فہرست سپرنگر ا صفحہ ۲۷۵ —

کے مطابق شعراے ریختہ کے ایک تذکرے کا مؤلف ھے* —

۵۶ - تذکرۂ ذوق (شیخ محمد ابراھیم) دھلوی' جو بادشاہ دھلی کے استاد تھے اور عمدۃ الاستادین اور ملک الشعرا کے خطاب سے سرافراز تھے - مرحوم بوتروس کے پاس اس کا ایک نسخہ دھلی میں تھا وہ ضرور بڑی خوبی سے لکھا گیا ھوگا ' کیونکہ تذکرہ نویسوں نے ذوق کی بڑی تعریف کی ھے اور اسے زندہ شعرا میں بہت نامور شاعر خیال کرتے ھیں اور اسے " طوطیء شکر مقال " کہتے ھیں - وہ کہتے ھیں کہ اس کا اعلی تخیل گل و لالہ کے حسن کو دوبالا کردیتا ھے اور اس کے خیال کا شعلہ دل کو پروانہ کی طرح جلا کے خاک کردیتا ھے —

۵۷- تذکرۂ جہاندار (مرزا جواں بخت جہاندار شاہ)- مرزا جواں بخت شاہ عالم ثانی کے بیٹے تھے- اس شاہزادے نے' جو اُردو شاعری کا بہت بڑا مربی تھا' خود بھی اُردو روزمرہ کی زبان میں قابل قدر شعر لکھے ھیں - مصحفی اپنے تذکرے میں لکھتے ھیں کہ شاہزادے نے ھندوستانی شعرا کا تذکرہ جس میں اُن کے انتخابات بھی ھیں' مرتب کیا ھے ' جو افسوس ھے کہ اُن کی وفات کے وقت سنہ ۱۲۰۱ ھ (۸۷ - ۱۸۸۶ ع) میں مسودے کی حالت میں تھا اور جو نہ معلوم کس طرح امام بخش

---

* میر حسن نے لکھا ھے کہ یہ عہد محمد شاھی میں "سر چوکی رسالۂ والا شاھی " تھا اور اس نے اپنے معاصرین کا ایک مختصر تذکرہ لکھا تھا - (چ) --

کشمیری * کے ھاتھہ پڑگیا - اس نے اپنے تذکرے میں اس سے بے دھڑک کام لیا ھے † —

۵۸ - تذکرۂ امام بخش کشمیری - اس کا ذکر میں نے سوائے مصحفی کے تذکرے کے اور کہیں نہیں دیکھا اور مصحفی نے مولف اور اس کی تالیف کے متعلق کوئی خاص واقعات نہیں بتائے - مصحفی کو یہ شکایت ھے کہ امام بخش نے نہ صرف جہاندار شاہ کا سرقہ کیا بلکہ خود اُن کے تذکرے پر بھی ھاتھہ صاف کیا ھے ۔ یہ واقعہ مصحفی کو حقیقت سے معلوم ھوا ' حقیقت کو جرأت نے امام بخش کی درخواست پر اُس کی تالیف میں مدد دینے کے لئے آمادہ کیا تھا - امام بخش نے حقیقت سے اپنی کتاب نقل کرائی - حقیقت کا بیان ھے کہ اس کا کچھہ حصہ مصحفی کے تذکرے سے نقل کیا گیا ھے - اس واقعہ کی بنا پر مصحفی نے اس کے متعلق ایک قطعہ لکھا ھے جس کا ترجمہ میں نے اپنی تاریخ کی پہلی جلد صفحہ ۲۱۷ میں دیا ھے‡ —

۵۹ - تذکرۃ النسا - یہ خاص شاعر عورتوں کا تذکرہ ھے '

---

* اس نام سے التباس پیدا ھوتا ھے - یہ اور شخص ھے اور امام بخش صہبائی مؤلف انتخاب دواوین بالکل دوسرے شخص ھیں —

† تاریخ ادب ھندوستانی جلد ۱ صفحہ ۲۵۹ —

‡ اصل قطعہ یہ ھے :-

جانتے ھیں سب کہ اک مدت سے یہاں | مصحفی کے تذکرہ کا شور ھے
تذکرہ یہ جو حقیقت نے لکھا | بے حقیقت مصحفی کا چور ھو

(چ) -

"ایشیا اور افریقہ دونوں مقام کی عورتوں کا" *- اس کے مولف کریم الدین مصنف طبقات هیں - یہ تذکرہ دهلی میں چند سال قبل مرتب هورها تها ' معلوم نہیں کہ اختتام کو بهی پہنچا یا نہیں اور شایع هوا یا نہیں —

۹۰- "مختصر احوال مصنفین هندی کے تذکروں کا" ۰ اس کا دوسرا نام "رسالہ درباب تذکروں کا" ۰ مولف اس کے ذکاء الله دهلوی هیں - یہ رسالۂ هذا کے پہلے اڈیشن کا محض ترجمہ هے اور کچهہ بهی نہیں —

۹۱ ' ۹۲ و ۹۳ - میں اب صرف نام گنوادیتا هوں - تذکرۃ الحکما ' اور تذکرۃ المفسرین - ان دونوں کے مولف مولانا سبحان بخش هیں' جو اس زمانے کے فرزانہ اور ظریف هندوستانی مصنف هیں - اور تذکرۃ المشاهیر * —

ان تذکروں کے ذکر کے ساتهہ میں اُن انتخابات کا بهی اضافہ کرنا چاهتا هوں جن کے متعلق مجهے تذکروں سے معلومات حاصل هوئی هے - اور جس ترتیب سے میں نے تذکروں کا بیان لکها هے وهی ترتیب میں ان کے متعلق بهی اختیار کرتا هوں –

---

* خود مولف نے لکھا ھے کہ اس میں صرف شاعر عورتوں کا ذکر نہیں بلکہ ایشیا' افریقہ اور یورپ کی ان نامور عورتوں کا تذکرہ ھے جنھوں نے کسی فن میں ناموری حاصل کی ھے یا جنھوں نے مستقل حکمرانی کی ھے - (پ) ۔

* تین حصوں میں - دیکھو آگرہ گزٹ ' یکم جون سنہ ۱۸۵۵ ع —

۶۴ - سبھا ولاس - یہ ہندی نظموں کا انتخاب پنڈت دھرم نراین نے کیا ہے، جن کا تخلص ضمیر ہے - یہ شخص جو سنہ ۱۸۴۹ ع میں صرف ۲۳، ۲۴ برس کا تھا، باوجود نوجوان ہونے کے اندور کالج کا ہیڈ ماسٹر تھا۔ وہ ہندی اردو اخبار "مالوہ اخبار" بھی شایع کرتا تھا - اس کے بعد سے اُس نے بہت سی کتابیں ہندوستانی میں شایع کی ہیں - جن میں سے اکثر انگریزی کا ترجمہ ہیں —

۶۵ - نورتن * - اس نام میں اشارہ ہے ایک زیور کا جو اس نام سے مشہور ہے، نیز دنیا کے نو کھنڈ کا، اور بکرماجیت کے دربار کے نو بڑے شاعروں کا، جو نورتن کہلاتے ہیں - یہ ہندوستانی زبان کا انتخاب ہے جو محمد بخش نے مرتب کیا ہے - یہ کتاب دو مرتبہ بنارس میں چھپ چکی ہے - ایک بار سنہ ۱۸۴۵ ع میں اور دوسری بار سنہ ۱۸۴۹ ع میں —

۶۶ - کویا سنگرھا - یہ برج بھاشا نظموں کا مجموعہ ہے، اسے ھیرا چند نے جو کئی اچھی کتابوں کا مولف ہے، بمبئی سے شایع کیا۔

۶۷ - کبی بچن سدھا - یہ ہندی انتخاب ہے جو ہر مہینے کلکتے سے شایع ہوتا ہے † —

---

* یہ انتخاب نہیں بلکہ اس میں نو مختلف فرقوں (بادشاہوں، شاعروں، بخیلوں افیونیوں، احمقوں وغیرہ) کے لطیفے اور نقلیں ہیں اور اسی وجہ سے اس کا نام نورتن ہے - (عبدالحق) -۔

† میرا لکچر بابت سنہ ۱۸۶۷ ع صفحہ ۲۶ دیکھئے —

۶۸- انتخاب مشتاق - یہ انتخاب حافظ تاج الدین مشتاق ساکن پٹنہ نے سنہ ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۶-۰۷ ع) میں مرتب کیا - میں ذاتی طور پر اس انتخاب سے واقف نہیں ہوں' لیکن سرور' شیفتہ' عشق اور کریم کے تذکروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرٹھ کا رہنے والا اور دربار حیدر آباد دکن کا شاعر تھا اور نسلاً یہودی تھا* - وہ عشق کا شاگرد تھا اور اردو شاعری میں ممتاز درجہ رکھتا ہے —

۶۹ - تذکرہ نویسوں نے ایک اور مشتاق کا بھی ذکر کیا ہے جس کا نام محمد قلی تھا اور جس نے سنہ ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۱ - ۰۲ ع) میں انتقال کیا - اس نے ہندوستان اور بنگال کے تمام ریختہ دیوانوں کو جمع کیا تھا - سپرنگر† کا قول ہے کہ جس وقت شورش نے اپنا تذکرہ لکھا وہ ایک انتخاب کی ترتیب میں مصروف تھا - شاید اِن دو مشتاقوں کے ناموں میں کچھہ غلط فہمی ہوئی ہے —

۷۰ - چمن بے نظیر‡ یا مجمع الاشعار - یہ دونوں نام

---

* سرور نے اس مشتاق کا ذکر نہیں کیا - شیفتہ اور کریم نے اس کا کو میرٹھی لکھا ہے لیکن اس کے یہودی النسل ہونے کا کوئی ذکر نہیں - عشق کا تذکرہ ہماری نظر سے نہیں گزرا سپرنگر نے مشتاق کا جو حال عشق کے حوالے سے لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشتاق مولوی غلام احمد کا پوتا تھا - ایسی حالت میں اس کو یہودی النسل سمجھنا کچھہ صحیح نہیں معلوم ہو — (ج)

† فہرست سپرنگر' جلد ۱ - ص ۲۶۵ —

‡ یہ تاریخی نام ہے اس سے سنہ ۱۲۶۵ھ یعنی سنہ ۴۹ - ۱۸۴۸ع نکلتا ہے۔

ایک ھی کتاب کے دو اڈیشنوں کے ھیں - دونوں بمبئی میں طبع ھوے ۱۲۶۵ ھ ۱۸۴۹ - ۱۸۴۸) اور سنہ ۱۲۶۶ ھ (۱۸۴۹-۵۰ع) میں - پہلا انتخاب محمد حسین کا اور دوسرا محمد ابراھیم کا - غالباً یہ وھی محمد ابراھیم ھیں جنھوں نے انوار سہیلی کا دکنی میں ترجمہ کیا ھے اور جو سنہ ۱۸۲۴ ع میں مدراس میں شایع ھوا - اس انتخاب کے دو حصے ھیں- پہلا ۷۲ صفحے کا ھے جس میں صرف فارسی نظمیں ھیں ؛ دوسرا ۲۴۹ صفحے کا ' جس میں ۱۸۷ مختلف ھندوستانی شعرا کی نظمیں ھیں-

۷۱ - مجموعۂ دواوین- ایک قلمی نسخہ جو حضور نظام* کے کتب خانہ میں ھے - مگر یہ انتخاب دواوین سے جدا ھے جس کا ذکر اوپر ھو چکا ھے —

۷۲ - مجالس رنگین - اس میں اپنے زمانے کے شعرا اور اُن کے کلام پر تنقیدی تبصرہ ھے - رنگین (سعادت یار خاں) اس زمانے کے ممتاز شاعر اور مصنف ھیں- اُنھوں نے بہت سی نظمیں لکھی ھیں جو لکھنؤ اور آگرے میں چھپ چکی ھیں -

۷۳ - گلستان مسرت † شعرا کا یہ انتخاب مصطفی خاں دھلوی کا مرتب کردہ ھے - مؤلف مطبع مصطفائی کے مالک

---

* تاریخ ادب ھندوستانی جلد ۱ - صفحہ ۵۸۶ -

† یہ فارسی کلام کا انتخاب ھے - اشعار خاص عنوانوں کے تحت درج ھیں (عبد الحق) -

ھیں، جہاں سے بہت سی ھندوستانی تالیفات شایع ہو چکی ہیں۔

۷۴ ۔ گلدستۂ ھند - یہ لطائف کا مجموعہ ہے جس میں آتھ باب ھیں اور ہر باب کا نام گلشن ہے ۔ آتھویں باب میں ایسے منتخب اشعار ھیں جو یاد کرنے کے قابل ھیں —

۷۵ - معیارالشعرا ، قدیم و جدید شعرا کا کلام ہے جو آگرے سے منشی قمرالدین (قمر) گلاب خاں ہفتے میں دوبار شایع کرتے ھیں —

۷۶ ۔ آخر میں میں اپنے حافظے سے لکھتا ھوں کہ میاں مقبول نبی مقبول نے تین سو ھندوستانی قدیم و جدید شعرا کا کلام جمع کیا جس میں ساتھہ ہزار اشعار تھے، مگر افسوس کہ اُس مجموعے کو آگ لگ گئی * —

میں یہاں کتابوں کی فہرستوں کا ذکر نہیں کرتا ، تاہم میرا خیال ہے کہ یہ بہت کارآمد ہوتی ھیں ، خصوصاً حوالہ دینے کے لئے۔ میں نے ایک صاحب علی احمد † لکھلوی ‡ کی قلمی فہرست سے جو فارسی اور ھندوستانی کے

---

* گلشن بے خار (منقول از سپرنگر) وغیرہ [سپرنگر نے قاسم کا حوالہ دیا ہے - مجموعۂ نغز میں اس مجموعہ کا ذکر ہے - گلشن بیخار میں نہیں ہے (چ)]-

† کم سے کم ایم ڈی فوربس کا یہی خیال ہے -

‡ یہ نام ، جو شاذ و نادر ہی استعمال ہوتا ہے، احمدی کا مترادف ہے - (معلوم نہیں مولف کا اس سے کیا مطلب ہے شاید وہ یہ کہنا چاہتے ھیں کہ علی احمد اور احمدعلی ایک ہی نام ھیں - (عبد الحق)

قیمتی ذخیرے سے مرتب کی گئی ہے، بہت کام لیا اور سنہ ۱۲۱۱ھ (۹۷-۱۷۹۶ع) میں اپنی تاریخ ادب ہندوستانی کے لئے اس کی نقل لی —

ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کی فہرست بھی جو فارسی اور دیوناگری دونوں حروف میں ہے قابل ذکر ہے، کیوں کہ اس سے بہت سی قیمتی معلومات حاصل ہوتی ہے جو دوسری جگہ نہیں مل سکتی —

(وہ مصنفین جن کا ذکر اصل تذکروں میں ہے)

ایسے شعرا کی تعداد جن کا ذکر تذکروں یا دوسری کتابوں میں آیا ہے اور جن تک میری دسترس، بلا واسطہ یا بالواسطہ ہو سکی، تقریباً تین ہزار ہے، جن میں سے سات سو کا تذکرہ میں اپنی کتاب، ہندوستانی ادب کی تاریخ میں کر چکا ہوں۔ لیکن یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ یہ تمام مصنفین در حقیقت شاعر تھے۔ ان کا شمار اس ضمن میں اس لیے کیا گیا ہے کہ تمام ہندوستانی مصنفین خواہ ان کی تالیفات ریاضیات، طبعیات، قانون یا مذہب پر کیوں نہ ہوں، شعر ضرور کہتے تھے اور اس لیے شاعر کہلاتے تھے - علاوہ اس کے شاعر کا لفظ مبہم سا ہے جس سے مصنف کے معنے بھی نکلتے ہیں چنانچہ یورپ میں بھی بعض اوقات عامیانہ

طور پر یہ لفظ انہیں معنوں میں آتا ہے —

اس بنا پر شاعر سے مراد مصنف ہوگا - اگرچہ اصل تذکرے ایک قسم کے انتخابات ہوتے ہیں جس میں شعرا کا تذکرہ بھی ہوتا ہے ، لیکن ان میں (گو شاذ و نادر ہی کیوں نہ ہو) مصنفین اور مختلف قسم کے نثر نگاروں کے متعلق بھی بعض باتیں آ جاتی ہیں —

یہ سچ ہے کہ تمام مشرقی اور خصوصاً ہندوستان کی ادبیات میں شاعری غالب ہے - یہاں میرا مطلب صرف نظم سے نہیں ہے جو لفظوں کا منظم مجموعہ ہوتا ہے بلکہ میرا مطلب اُن خیالات سے بھی ہے جو موزوں طور پر ظاہر کئے جاتے ہیں اور جو تمدن کی اصل ہیں اور جن سے تمدن کی حقیقت تاریخ کی نسبت زیادہ بہتر سمجھ میں آتی ہے - یہ سچ ہے کہ ان شاعروں میں بہت سے ایسے ہیں جن پر ہوریس کے یہ اشعار صادق آتے ہیں —

" جو بری نظمیں لکھتے ہیں ، لوگ اُن پر ہنستے
ہیں ، لیکن تاہم انہیں شعر کہنے میں لطف آتا ہے ،
اور اپنے متعلق وہ بڑی اچھی رائے رکھتے ہیں :
اور گو آپ کچھ نہ کہیں ، مگر وہ بڑے مزے سے آپ
ہی آپ اپنی چیزوں کی تعریف کرتے ہیں " —

علاوہ اس کے ہندوستانی کی نثر کی کتابیں بھی ایک حد

تک شاعری سے تعلق رکھتی ہیں ، کیونکہ جیسا کہ مشرق کی دوسری اسلامی زبانوں میں ہے ، نثر کی تین قسمیں ہیں - ان میں سے صرف ایک قسم ایسی ہے جس کا مفہوم نثر ہے- پہلی قسم مرجز کہلاتی ہے جس میں وزن تو ہوتا مگر قافیہ نہیں ہوتا - دوسری مسجع جس میں قافیہ ہوتا ہے مگر وزن نہیں ہوتا - اور تیسری عاری ہے، جس میں نہ قافیہ ہوتا ہے نہ وزن-

بہت سے ہندوستانی شاعروں نے فارسی میں بھی نظمیں لکھی ہیں جیسا کہ پہلے زمانے میں ہم (یعنی فرانسیسی) لاطینی اور فرانسیسی دونوں میں شعر کہتے تھے ۔ اور روما میں یونانی اور لاطینی دونوں کے شاعر ہوتے تھے - جو ان دو قدیم زبانوں میں شعر کہتے تھے وہ (Utrusque linguae Scriptore) یعنی "دونوں زبانوں کے مصنف" کہلاتے تھے - اسی طرح ہندوستان میں ایک اور رسم پڑگئی ہے جو اس کا ثبوت ہے - یعنی جو شاعر دونوں زبانوں میں شعر کہنے کی قابلیت رکھتے ہیں ، اُن کے دو تخلص ہوتے ہیں ؛ فارسی میں ایک اور اردو میں دوسرا - مثلاً وجیہ الدین کے دو تخلص ہیں ، ایک وجیہ اور دوسرا برنی ؛ محمد خاں کے والہ اور ثاقب --

اب ہم ان مصنفین کی جو تعداد میں کثیر ہیں تقسیم کرنا چاہتے ہیں - سب سے پہلا اور قدرتی امتیاز ہندو مسلمان کا ہے ، مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ بہت ہی کم مسلمانوں

نے هندی میں لکھا ھے ' حالانکہ بیشمار هندو ایسے هیں جن کی تصانیف اردو نیز دکھنی میں هیں - اور پہلے تو وہ (جیسا کہ سید احمد خاں نے اپنی کتاب آثارالصنادید میں لکھا ھے اور جس کا اقتباس میں دے چکا هوں) فارسی میں بھی لکھتے تھے - تین هزار هندوستانی مصنف جن کا میں نے ذکر کیا ھے ' ان میں سے دو هزار دو سو سے زائد مسلمان هیں اور آٹھ سو کے قریب هندو ' جن میں سے صرف تقریباً دو سو پچاس نے هندی میں بھی شعر کہے هیں - حقیقت یہ ھے کہ اس تقسیم کے رو سے مصنفین کی صحیح تعداد کا معلوم هونا بہت مشکل ھے ' کیونکہ هندی شاعروں کے تذکرے دستیاب نہیں هوتے اور اس وجہ سے ان کی بہت بڑی تعداد نا معلوم ھے - اردو مصنفین کی یہ حالت نہیں ' اصل تذکروں میں ان کا ذکر آجاتا ھے ورنہ کم سے کم نام هی لکھ دیا جاتا ھے —

هندی میں لکھنے والے زیادہ تر پنجاب ' کشمیر ' راجپوتانہ اور ممالک مغربی و شمالی کی قدیم سر زمین (یہ نام کلکتہ کی سمت کو مد نظر رکھتے هوئے جو انگریزی حکومت دارالحکومت ھے ' رکھا گیا ھے) ' دهلی ' آگرہ ' برج ' بنارس کے رهنے والے هیں —

ٹھیٹ دکنی میں لکھنے والے صرف دو سو هیں ؛ اس طرح وہاں بہت بڑی تعداد شعرا کی اصل اردو زبان میں ھے -

نہایت شستہ ہندوستانی خیال کی جاتی ہے —

اگر ہم ان شعرا کی جاے سکونت کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ وہاں مسلمانوں کی دونوں بولیاں نہ صرف استعمال ہوتی ہیں بلکہ ان کی تعلیم و ترقی کی بھی کوشش کی جاتی ہے - دکن کے شہر یہ ہیں : سورت ' بمبئی ' مدراس ' حیدرآباد سریلنگاپٹم ' گولکنڈہ ؛ اردو کے مرکز یہ شہر ہیں : دہلی ' آگرہ ' لاہور ' میرتھہ ' لکھنؤ ' بنارس ' کانپور ' مرزاپور ' فیض آباد ' الہ آباد اور کلکتہ جہاں ہندوستانی مثل صوبجاتی بولی کے بولی جاتی ہے —

امن ' جو پہلا ہندوستانی نثرنگار خیال کیا جاتا ہے ' کلکتے میں بیٹھہ کر اپنی باغ و بہار میں لکھتا ہے —

سو اردو کی آراستہ کر زباں
کیا میں نے بنگالا ہندوستاں

ہندو مسلمانوں کو محض ناموں سے پہچان لینا ایک آسان بات ہے ' لیکن ان ناموں کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں - ایک دوسرے مضمون میں میں نے مسلمانوں کے ناموں اور القاب سے بحث کی ہے - یہاں میں صرف اتنا لکھنا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمان شعرا کے ناموں کی چھہ صورتیں ہیں ' جن میں ان کے نام اور لقب وغیرہ شریک ہیں ' بعض ان میں سے دو دو تین تین ایک ساتھہ ہوتے ہیں ؛ مثلاً علم اور

لقب، جیسے غلام اکبر، عماد علی ؛ کنیت (جس سے نسل یا جدی رشتہ ظاہر ہوتا ہے) جیسے ابو طالب، ابن ہشام ؛ نسبت جیسے لاہوری، قنوجی ؛ خطاب، جیسے خان، مرزا وغیرہ اور تخلص جو معمولی اسم یا عربی فارسی صفت ہوتا ہے، مگر ہندی نہیں ہوتا —

جیسے مسلمانوں کے ناموں کے ساتھ مسلمان اولیا اور پیغمبروں کے نام ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں کے ناموں کے ساتھ ان کے دیوتاوں کے نام آتے ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کے نام یہ ہوتے ہیں، محمد، علی، ابراہیم، حسن، حسین وغیرہ اور ہندوؤں کے، ہرنراین، رام لکشمن، گوپی ناتھ، گوکل ناتھ، کاشی ناتھ *

جس طرح مسلمانوں کے معزز نام عبد العلی، غلام محمد، علی مردان وغیرہ ہیں، اسی طرح ہندوؤں کے ہاں شیوداس، کرشن داس، مہوداس، سورداس وغیرہ ہوتے ہیں —

ہندو نہ صرف اپنے دیوتاوں ہی کے بندے ہوتے ہیں بلکہ اپنے دریاؤں، پودوں اور مقدس شہروں کے بھی۔ مثلاً گنگا داس، تلسی داس، آگرا داس، کاسی داس، متھرا داس، دوارکاداس۔

مسلمانوں میں محبوب علی، محبوب حسین وغیرہ ہیں تو ہندوؤں میں شری لال، ہربنسی لال وغیرہ —

اسی طرح مسلمانوں میں عطاء اللہ، علی بخش ہیں تو

---

* یہ آخری تین نام سری کرشن کے ہیں —

ھندوؤں میں بھگوان دت ، رام پرشاد ، شیو پرشاد اور کالی پرشاد - بعض اوقات ھندوؤں کے نام مخلوط ھوتے ھیں یعنی ھندی فارسی سے ملے جلے ، جیسے گنگا بخش وغیرہ -

برھمنوں کے ناموں کے ساتھہ بطور اعزاز کے چوبے ، تواری دوبے ، پانڈے کے الفاظ استعمال ھوتے ھیں ؛ چھتریوں ، راجپوتوں اور سکھوں کے ناموں کے ساتھہ ٹھاکر ، رائے اور سنگھ ؛ ویشوں کے ساتھہ ساہ یا سیٹھہ : اھل علم کے ناموں کے ساتھہ پنڈت اور سین ، طبیبوں کے ساتھہ مسر(مصر)* — ھندو فقیر گرو ، بھگت ، گوسائیں یا سائیں کہلاتے ھیں اور سکھہ فقیر بھائی † —

ھندوؤں کی تقلید میں ھندی مسلمانوں کی بھی چار ذاتیں ھوگئی ھیں : سید ، شیخ ، مغل اور پٹھان - سید آنحضرت محمد کی اولاد ھیں ۔ شیخ عربی النسل ھیں ، لیکن یہ لفظ نو مسلموں کے ناموں کے ساتھہ بھی استعمال ھوتا ھے ، مغل ایرانی نسل کے لوگ ھیں اور پٹھان افغان ھیں —

سید میر کہلاتے ھیں ؛ شیخوں کا کوئی خاص لقب نہیں ؛ مغلوں کے ناموں کے ساتھہ شروع میں مرزا ‡ یا آخر میں بیگ

---

* مسلمان طبیب حکیم کہلاتے ھیں —

† ھندوستانی کے شعرا میں بھائی گور داس اور بھائی نند لال کے نام کے آتے ھیں -

‡ ایران میں یہ لفظ امرا کے کے بیٹوں یا شہزادوں کے نام کے آخر میں آتا ھے نام کے شروع میں ھر عام آدمی یا منشی اور پڑھے لکھے شخص سے مراد ھوتی ھے —

نیز آغا اور خواجہ کے لقب بھی آتے ھیں - پٹھان خاں کہلاتے ھیں - مسلمان فقرا کے ساتھہ شاہ ' صوفی یا پیر کے القاب استعمال ہوتے ھیں - ان کے علما مُلّا یا مولا کہلاتے ھیں - خواتین کے ساتھہ خانم ' بیگم ' خاتون ' صاحبہ' صاحب ' بی یا بی بی کے الفاظ استعمال کئے جاتے ھیں —

شری اور دیو ھندؤں کے اعزازی القاب ھیں ' پہلے کے معنے ولی کے اور دوسرے کے معنے خدا کے ھیں ' شری نام کے اول آتا ھے اور دیو آخر میں - یہ القاب شہروں ' پہاڑوں اور دریاؤں وغیرہ کے ناموں کے ساتھہ بھی آتے ھیں * - اگلے وقتوں میں گال (Gaul) بھی شہروں ' پہاڑوں ' جنگلوں وغیرہ کے ساتھہ دیوس یا دیو کا لفظ استعمال کرتے تھے - یہ ھندی رسم تھی جو وھاں پہنچی تھی اور گنگا کے کنارے سے میوز (Muse) ' مارن اور سین کے ساحلوں پر منتقل ہو گئی تھی - ھمارے زمانے میں روسی اب تک اپنے ملک کو مقدس روس (Holy Russia) کہتے ھیں - ھندوستان کے مسلمان بادشاہ اب تک اپنے ریاستوں کے مشہور یا درباری شعرا کو سید الشعرا یا ملک الشعرا کے اسلامی خطابات یا کبیشر ' ہر کوی وغیرہ

---

* ایسی صورت میں مسلمان حضرت کا لفظ استعمال کرتے ھیں - جیسے حضرت دہلی ' حضرت آگرہ - (خسرو نے دہلی کی تعریف میں کہا ھے :
حضرت دہلی کنفِ دین و داد جنتِ عدن است کہ آباد باد
(مترجم)

کے ہندو خطابات عطا کرتے ہیں—

جو ہندو اُردو میں شاعری کرتے تھے مسلمانوں کی طرح اُن کے بھی تخلص ہوتے تھے، اور چونکہ یہ تخلص عموماً فارسی ہوتے ہیں اس لیے کہ فارسی ہندوستان کے مسلمانوں کی علمی زبان ہے، دونوں مذہب والے ایک سے ہی تخلص کرتے تھے، اس وجہ سے تخلص دیکھ کر یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ شاعر مسلمان ہے یا ہندو —

ان مصنفین میں کچھ ایسے ہندو بھی ہیں جو مسلمان ہوگئے ہیں، لیکن کوئی ایسا مسلمان نہیں جس نے ہندو مذہب اختیار کرلیا ہو، البتہ سکھوں کے فرقے میں (جو انتہائی اصلاح کا فرقہ تھا) بعض مسلمان شریک ہوگئے تھے، سکھ ایسے مسلمانوں کو مذہبی کہتے ہیں - حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے ہندو مذہب کی طرف جانا ایک قسم کا تنزل ہے، مگر ہندو کا مسلمان ہوجانا ایک طرح کی ترقی ہے، کیونکہ توحید اور عاقبت پر یقین رکھنا اسلام کے اصل عقائد میں سے ہے - علاوہ اس کے ابھی تک ہندوستان کے مسلمانوں میں عقل پرستی نے گھر نہیں کیا ہے، وہ اب بھی اپنے مذہب میں ویسے ہی پرجوش ہیں اور اگرچہ ہندو مذہب کا رنگ ان میں آگیا ہے، تو بھی وہ روزانہ ہندوؤں کو مسلمان بناتے رہتے ہیں- یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندو شاعر جو مسلمان

ہوگئے ہیں، ترک دنیا کرکے اپنی نظموں میں توحید کے گیت گاتے ہیں - ان میں سے چند کے نام یہ ہیں مضطر (لالہ کنور سین)، جس نے ایک بڑی اچھی نظم میں " شہادت حسین " کا واقعہ لکھا ہے - ایسے دس بارہ اور شاعر ہیں جن کا ذکر تذکروں میں آیا ہے —

ہندوستانی کے مصنفین میں بعض ایسے ہندو بھی پائے جاتے ہیں جو عیسائی ہوگئے ہیں، نیز بعض مسلمان بھی ہیں (بہت شاذ و نادر) جنہوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا ہے - ایک اُردو کے شاعر کی نسبت جس کا تخلص شوکت ہے، شیفتہ اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں " کہتے ہیں کہ شوکت بنارس میں ایک یورپین کا بہت بڑا دوست تھا اور اُسی کی ترغیب سے اس نے اسلام ترک کرکے عیسائی مذہب اختیار کر لیا (خدا ہمیں ایسی آفت سے پناہ میں رکھے) چنانچہ اس نے اپنا نام بھی منیف علی سے بدل کر منیف مسیح رکھ لیا ہے -

ایسی حالت میں نام کی تبدیلی اکثر و بیشتر حالت میں ضروری ہوتی ہے - ہندوستانی زبان کے ایک اور شاعر نے جو عیسائی ہوگیا تھا اپنا نام فیض محمد سے فیض مسیح بدل دیا —

مگر ہندوؤں کی حالت دوسری ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ ابتدا میں جو ہندو عیسائی ہوے ان کی تقلید میں بعد کے ہندؤں نے باوجود مذہب بدلنے کے اپنے اصلی نام وہی رہنے دیے، حالانکہ ان ناموں سے غیر مذہب کی بو آتی ہے - مثلاً ہمارے ہم عصر مصنفوں میں ایک صاحب بابو شری داس ہیں، جنھوں نے مسلمان ہونے کے بعد ایک کتاب خدا کی صفات پر لکھی ہے جس کا نام صفات رب العالمین ہے —

اصل تذکروں میں ہندوستانی زبان کے بعض ایسے شاعروں کا بھی ذکر آتا ہے جو ہیں تو یہودی نسل کے، مگر مسلمان ہو گئے ہیں - مثلاً میرٹھ کے جمال (علی) جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، ساٹھ سال ہوے جب وہ حیدرآباد میں تھے؛ دہلی کے جوان (منتخب اللہ)، ڈاکٹر پیشہ اور شاعری میں عشق* کے شاگرد تھے؛ اور مشتاق جو ایک تذکرے کے مؤلف ہیں —

اکثر پارسی عموماً گجراتی میں اور کبھی کبھی فارسی میں لکھتے ہیں، مگر بعض ایسے بھی ہیں جو ہندوستانی میں لکھتے تھے - چنانچہ بمبئی کے بومن جی دوسا جی نے شکنتلا ناٹک ہندوستانی میں لکھا ہے —

انھیں تذکروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی شاعروں میں یوروپین عیسائی یا کم سے کم یوروپین نسل کے لوگ

---

* یعنی میر عزت اللہ عشق؛ ملاحظہ ہو مجموعۂ نغز - (ع)

بھی ہیں - مثلاً ، یورپین سمرو * اور مشہور بیگم سمرو ملکۂ سردھنا المخاطب بہ زیب النسا کا بیٹا جس کا تخلص صاحب اور خطاب ظفر یاب ہے - یہ دلسوز کا شاگرد تھا - اس کی نظمیں موجود ہیں اور اچھی خاصی ہیں - دھلی میں اس کے ہاں مشاعرے ہوتے تھے جن میں وہاں کے مشہور مشہور شاعر شریک ہوتے تھے - منجملہ ان کے ایک شاعر سرور بھی تھا جس نے ان مشاعروں کا ذکر لکھا ہے - کہتے ہیں کہ خوش خطی میں بھی اسے کمال حاصل تھا (اس فن کی مشرق میں بڑی قدر ہوتی ہے) نیز موسیقی اور نقاشی میں بھی مہارت رکھتا تھا - وہ عالم نوجوانی میں سنہ ۱۸۲۷ ع میں انتقال کر گیا ـــ

اس کا ایک دوست تھا جس کا عیسائی نام بال تھازر تھا اور تخلص اسیر کرتا تھا ہندوستانی شعر خوب کہتا تھا - سرور کا بیان ہے کہ وہ بھی فرنگی اور نصرانی تھا اور اس کے جو شعر اس نے نمونے کے طور پر دئے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت میں جدت پائی جاتی تھی ـــ

اسی زمانے میں سردھنے کے چھوٹے سے دربار میں ایک تیسرا یورپین ہندوستانی شاعر بھی تھا جو فرانسیسی تھا

---

* تذکرہ نویسوں نے اس کو مظفرالدولہ ممتاز الملک نواب ظفریاب خاں بہادر خلف شمرو نوانسس لکھا ہے - (ع)

اور لوگ اسے فرانسو کہتے تھے - کہتے ہیں کہ یہ سردھنے کی بیگم کا ایک عہدہ دار آگسٹ یا آگسٹن کا بیٹا تھا ۔ اس کی نظمیں بہت اچھی ہیں اور وہ بھی صاحب کی طرح دھلی کے مشہور شاعر دلسوز کا شاگرد تھا —

همارے زمانے میں بھی ایک انگریز عیسائی کا نام لیا جاتا ہے جو ھندوستانی زبان کا شاعر تھا اور جس کا نام تذکرہ نویس (کریم الدین) نے جرج بلس شور دیا ہے - غالباً یہ نام جارج برنز شور ہے ۔ شور اس کا خاندانی نام معلوم ھوتا ہے اور یہی اس نے اپنا تخلص رکھا ہے ۔

دو اور انگریز ھندوستانی شاعروں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو دھلی کے رھنے والے تھے - ایک اسفن ہے ' یہ نام سٹیونن یا اسٹیونس کا بگاڑ ہے - یہ سنہ ۱۸۰۰ ع تک زندہ تھا : دوسرا جان تومس یعنے تامس ہے جسے خاں صاحب بھی کہتے تھے - یہ دونوں شاعر غالباً دوغلے تھے ۔

اسی قسم کے ایک ھندوستانی شاعر سے بھی میں واقف تھا' یعنے ڈائس سومبر (سمرو) جو بیگم سمرو کا لے پالک بیٹا تھا ' اس شخص کا ذکر انگریزی اخباروں میں اکثر آیا ہے ' کیونکہ وہ اپنے حقوق کے لیے برابر لڑتا رھا - ڈائس سمرو ھندوستانی شعر بلا تکلف کہتا تھا اور پڑھتا خوب تھا —

ایک اور ھندوستانی شاعر کا بھی ذکر آیا ہے جو حبشی

اور اس کا نام سیدی * حمید (حامد ؟) بسمل تھا - یہ نام ان ممتاز حبشیوں کی فہرست میں اضافہ کرنا چاہئے جس کی فہرست بشپ گری گرنے ادبیات حبشیاں [Literature des Negres] میں دی ہے- اس صدی (انیسویں) کی ابتدا میں ایک حبشی شاعر پٹنے میں رہتا تھا † معلوم ہوتا ہے کہ وہ غلام تھا —

ہندی کے تقریباً تمام مصنفین ہندوؤں کے اصلاحی فرقوں یعنے جینیوں، کبیر پنتھیوں، سکھوں، ویشنویوں سے تعلق رکھتے ہیں؛ ان فرقوں کے بزرگ، مشہور سے مشہور اور نیز غیر معروف سب ہندی کے شاعر تھے؛ مثلاً، رامانند، ولبھا، دریا داس، جے دیو (سنسکرت کی مشہور نظم گیتا گویند کا مصنف)، دادو، بیر بھان بابا لال، رام چرن، شیو نراین وغیرہ —

شیوائیوں میں بہت کم ایسے ہیں جنھوں نے ہندی میں کچھہ لکھا ہے - ان میں سے اکثر قدیم زبان اور قدیم مذہب کے تابع رہے —

اب رہے مسلمان، مذہبی حیثیت سے ہندوستان میں ان کے دو فرقے ہیں، سنی اور شیعہ - سنیوں کو اکثر رومن کیتھلک عیسائیوں سے اور شیعوں کو پراتسٹنٹوں سے تشبیہہ دی

---

* یہ لفظ اصل میں سیدی ہے اور ہندوستانی میں حبشی نسل کے لوگوں کے نام کے ساتھہ آتا ہے —

† دیکھو اسپرنگر، بیان مشقی (فہرست جلد ۱، صفحہ ۲۱۶)

جاتی ہے، اس لیے کہ شیعہ سنت یعنی ان احادیث کو جو آنحضرت (صلعم) کے عمل کے متعلق ہیں نہیں مانتے (حالانکہ ان احادیث کو جو آنحضرت کے اقوال ہیں مانتے ہیں) - مگر چارلن جو پراتسٹنٹ تھا، اس کے بالکل خلاف کہتا ہے، اس کی وجہ شاید وہ رسوم ہیں جو شیعوں کے ہاں پائی جاتی ہیں —

ان کے علاوہ ایک اور فرقہ ہے جس کے پیرو بانیٔ فرقہ کے نام پر سید احمدی کہلاتے ہیں - یہ ہندوستان کے وہابی ہیں اور وہابی ہی کہلاتے ہیں - بہت سے ہندوستانی زبان کے مصنفین اسی فرقے کے ہیں؛ مثلاً حاجی عبداللہ، حاجی اسمعیل وغیرہ جن کا ذکر میں بعد میں کروں گا - ہندوستانی زبان کے مصنفوں میں بہت سے مسلمان صوفی بھی پائے جاتے ہیں، جن میں سے اکثر اولیا اللہ سمجھے جاتے ہیں؛ فقیر شعرا بھی ہیں، نہ صرف فقرا بلکہ حقیقی گداگر جو بازار میں اپنی نظمیں بیچتے پھرتے ہیں —

دھلی کے مرزا مکرم اور میاں کمترین معروف بہ پیر خاں* ایسے ہی لوگوں میں سے تھے جو اردوے معلی† میں اپنی

* ان کا انتقال ۱۱۶۸ھ (۵۵ - ۱۷۵۴ ع) میں ہوا - اب رہا خان کا معز ز خطاب، تو یہ ہندوستان میں ہر پٹھان اور انسان کے نام کے ساتھ لکھا جاتا ہے، ہمارا شاعر پٹھان تھا —

† اس سے مطلب دھلی کا بڑا بازار ہے —

غزلوں کے پرچے دو دو پیسے کو بیچتے تھے ۔ ان گداگر شاعروں کے ساتھ ساتھ پیشہ ور شاعر بھی ہیں یعنی وہ صاحب علم جن کا کام صرف شاعری ہے اور اسی میں لگے رہتے ہیں —

حالت یہ ہے کہ ہر طبقے میں بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ فرقوں میں بھی شاعر موجود ہیں ۔ پھر بہت سے بادشاہ شاعر بھی ہیں جن کی نسبت کہا گیا ہے : "کلام الملوک ملوک الکلام" * علاوہ گولکنڈہ کے تین بادشاہوں کے جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے ، اور بھی کئی بادشاہ شاعر ہوئے ہیں : بیجاپور کا بادشاہ ابراہیم عادل شاہ ، میسور کا بدنصیب بادشاہ ٹیپو ؛ مغل بادشاہوں میں شاہ عالم ثانی اور بہادر شاہ ثانی ، اودھ کے نوابوں اور بادشاہوں میں آصف الدولہ ، غازی الدین حیدر اور واجد علی شاہ —

اسی طرح ہم ہندوستانی زبان کے شاعروں میں عورتوں کی شق الگ قائم کرسکتے ہیں - ان میں سے اکثر کا ذکر میں نے اپنے ایک مضمون میں کیا ہے † اس مضمون میں جن کا ذکر میں نہیں کرسکا وہ یہ ہیں ، شاہزادی خالہ ، یہ تخلص انہوں نے اس لئے اختیار کیا تھا کہ وہ اپنے بھتیجے نواب عماد الملک (فرخ آباد) کے محل میں اسی نام سے پکاری جاتی

---

* سنہ ۱۸۵۱ ع میں ہندوستانی عدالتوں کے افتتاح پر —

† ,, ہندوستان کی شاعر عورتیں " ۔ اوریئنٹ ریویو ، مئی سنہ ۱۸۳۵ ع ۔

تھیں ، لیکن ان کا خطاب بدر النساء تھا * —

یہاں میں امۃ الفاطمہ بیگم المتخلص بہ صاحب ، معروف بہ جی صاحب ، یا صاحب جی کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں یہ اردو شاعروں میں خاص کر اپنی غزلوں کی وجہ سے بہت مشہور ہیں - یہ ایک ممتاز شاعر ملعم کی شاگرد تھیں ملعم † شیفتہ (تذکرہ نویس) نیز اور بہت سے شاعروں کے اُستاد تھے - وہ باری باری سے لکھنؤ اور دلی میں رہتی تھیں - لکھنؤ میں معز اللہ خاں نے ان پر ایک مثنوی بھی لکھی ہے جس کا نام " قول غمیں " ہے —

ایک اور عورت شاعر ، جو باوجود ہندو نام کے غالباً مسلمان ، چمپا ہے ، یہ نواب حسام الدولہ کے حرم میں تھی - قاسم نے اسے اردو شاعروں میں شمار کیا ہے ‡ —

طوائفوں میں ایک فرح یا فرح بخش ہے جو ہندوستانی میں شعر کہتی تھی - شیفتہ نے ایک اور طوائف ضیا § کا بھی حال لکھا ہے ، عشقی نے ایک تیسری کنچن نامی کا بھی ذکر کیا ہے - ایک چوتھی طوائف ہندوستانی شاعر ہونے کے لحاظ سے ان

---

* دیکھو عشقی ، جس کا حوالہ سپرنگر نے دیا ہے —

† غالباً مصنف نے سہواً مومن کو ملعم لکھ دیا ہے - (چ)

‡ اس نام کی کسی شاعر عورت کا ذکر قاسم نے اپنے تذکرے میں نہیں کیا ہے (چ)

§ شیفتہ نے اس تخلص کی کسی شاعرہ کا ذکر نہیں کیا ہے (چ)

سب سے زیادہ مشہور ہے - وہ جان (مہر یار علی جان صاحب) کہلاتی تھی * وہ فرخ آباد کی رہنے والی تھی ' مگر زیادہ تر لکھنؤ میں رہتی تھی ' جہاں اس کی شاعری کی بڑی شہرت ہوئی - عنفوان شباب ہی میں اُس نے موسیقی اور ادب کا شوق پیدا کیا اور فارسی بھی پڑھی - لیکن ہندوستانی شاعری کی وہ دلدادہ تھی - کریم (تذکرہ نویس) اُسے اپنا اُستاد سمجھتا ہے اور شعر میں اس سے مشورہ کرتا تھا - اس کا کلام لکھنؤ میں سنہ ۱۲۶۲ ھ (۱۸۴۶ ع) میں شایع ہوا جو زنانہ بولی میں ہے ' اس وقت اس کی عمر ۳۶ سال کی تھی - اس کے کلام کی بہت شہرت ہوئی —

یہاں ایک ہندو شاعرہ کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے - اس کا نام رام جی تھا جس کا تخلص نزاکت تھا اور نارنول کی رہنے والی تھی ' اس کے غیر معمولی حسن اور غیر معمولی ذہانت کی تذکروں میں بے حد تعریف ہے - یہ سنہ ۱۸۴۸ ع تک زندہ تھی - تصویر اور ثریا بھی شاعر عورتیں ہیں جن کا حال ہمیں باطن اور کریم کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے - ایک عورت یاس تخلص ہے' نام میاں بانو اور رہنے والی حیدرآباد کی تھی - فیض دہلوی کی شاگرد ہے اور پتہ نامۂ

---

* مصنف کو نام اور کلام سے دھوکا ہوا ہے - یہ عورت نہیں مرد ہیں اور اردو کے مشہور شاعر ہیں جو عورتوں کی زبان میں شعر کہتے تھے — (عبدالحق)

عطار کی مترجم ہے —

اس مضمون کی ایک اور اهم تقسیم سنه واری هوسکتی هے، لیکن بعض اوقات یه بہت مشکل هوتی هے، خصوصاً قدیم شعرا کے معاملے میں کیونکه ان کے حالات نہیں ملتے - اس تقسیم کے روسے همیں سب سے پہلے هندو شاعر * ملتے هیں اور گیارهویں صدی سے † مسلمان شاعر مسعود سعد، جس پر نے تهیوفیل بلانڈ نے ایشیاٹک جنرل سنه ۱۸۵۳ ع میں دلچسپ مضمون لکھا هے - بارهویں صدی میں چند هے جو راجپوتوں کا هومر کہلاتا هے، اور پیپا جس کی نظمیں سکھوں کے ادی گرنتھ میں هیں - تیرهویں صدی ‡ میں سعدی هے جسے (جیسا که هم پہلے دیکھ چکے هیں) اُردو زبان میں شعر کہنے سے عار نه تها اور بجو باورا بهی اسی زمانے میں هوا هے - اور چودهویں صدی میں خسرو دهلوی اور نوری حیدرآبادی$ هیں - ان کے علاوہ هندوستانی کے اور بہت سے مصنف هیں جو

---

* اکثر هندی کے شاعروں کے صحیح سنه و تاریخ کا ملنا بہت مشکل هے- میں ایک سنسکرت کے شاعر امرستکا کا نام لے سکتا هوں جس نے هندی میں بهی شعر کہے هیں، یه نویں صدی کا شخص هے - دیکھو میری تاریخ جلد دوم، صفحه ۴۳ -

† سنه ۱۰۸۰ کے قریب -

‡ سنه ۱۲۰۵ کے قریب - یہاں بهی مصنف کو دهوکا هوا هے - یه سعدی شیرازی نہیں تهے - (عبدالحق)

$ نوری حیدرآبادی ۱۷ ویں صدی عیسوی کے آخر کا شاعر هے (چ)

انہیں صدیوں میں یا اس سے قبل ہوے ہیں - سنٹرل انڈیا کے کتب خانوں میں بلا شبہ بعض نا معلوم قدیم ہندی تصانیف محفوظ ہیں - بہر حال ایسے بہت سے ہندی گیت موجود ہیں جو لوگوں میں عام طور سے مقبول ہیں اور جن سے ہندوستان کی زبان کا ارتقا قدیم ترین زمانوں سے معلوم ہوتا ہے —

پندرھویں صدی میں جدید فرقوں کے پہلے بانی نظر آتے ہیں جنھوں نے مذہبی اور اخلاقی اغراض کے لئے ہندی میں بھجن اور شعر لکھنے شروع کئے - ان میں ایک کبیر ہیں جو سب سے زیادہ قابل ذکر ہیں کیونکہ انہوں نے سنسکرت کے استعمال کے خلاف سب سے زیادہ کوشش کی ' اُن کے چیلوں میں سرت گوپال داس' سکھ ندھان * کا مؤلف اور دھرم داس مؤلف امرمل † ' نانک اور بھگوداس بہت مشہور ہیں اور میں اُن کے متعلق دوسری کتابوں میں جوکچھ لکھ چکا ہوں ‡ اس کا اعادہ کرنا نہیں چاہتا' لالچ بکھوت کا مؤلف ہے جس نے یہ کتاب مغربی ہندوستانی میں لکھی ہے —

سولھویں صدی کے ہندوؤں میں ایک سکھ دیو ہیں جن کے متعلق پریاداس (تذکرہ نویس) نے ایک خاص مضمون

---

* اس کتاب کے حالات کے لیے میری تاریخ کی جلد اول میں میرا مضمون کبیر پر دیکھو -

† دیکھو میری تاریخ اور " ہندی زبان کے مبادی "کا دیباچہ صفحہ ۵-

‡ دیکھو میری تاریخ اور " ہندی زبان کے مبادی " کا دیباچہ -

لکھا ہے - نابھاجی ' جس نے نظم میں تذکرہ لکھا ہے جو بھگت مالا کا بہت بڑا ماخذ ہے - ولبھا اور دادو دونوں ایک ایک فرقے کے بانی اور مشہور شاعر ہوے ہیں - بہاری جو ست سئی* کا مشہور مصنف ہے اور گنگا داس مؤلف صنایع وبدایع وغیرہ -

شمالی ہند کے مصنفین میں ابو الفضل' شہنشاہ اکبر کے وزیر اور بایزید انصاری سردار فرقۂ روشنا'ی یا جلالی ہیں- دکن† کے مصنفین میں ' افضل (محمد) جس کی نسبت کمال اپنے تذکرے میں لکھتا ہے " اس کے کلام میں صفائی نہیں ہے اس لئے کہ اُس کے زمانے میں ریختے کی شاعری زیادہ مقبول نہیں ہوئی تھی اور دکنی میں لکھنے پر مجبور تھا " - محمد قلی قطب شاہ ' بادشاہ گولکنڈہ جس کا عہد حکومت ۱۵۸۲ سے ۱۶۱۱ تک رہا اور اس کا جانشین عبداللہ قطب شاہ دونوں ہندوستانی ادب کی خاص کر بڑی سرپرستی کرتے تھے —

سترھویں صدی میں (جب کہ تہیت اُردو شاعری کا ذوق صحیح اصول و قواعد کے ساتھ خاص کر دکن میں پیدا ہوا)

* ان اشخاص کے حالات کے لئے مذکورۂ بالا کتابیں دیکھو [برحاشیۂ صفحہ ۱۳۱] -

† کمال نے قایم کے حوالہ سے لکھا ہے- لیکن اس کا ایک انتخابی شعر جو درج کیا ہے وہ قایم نے عبداللہ قطب شاہ سے منسوب کیا ہے - قایم افضل کو " از سکان دیار مشرق " لکھتا ہے اور کمال " از سکان قصبۂ جنجھانہ " ایسی صورت میں اس کے وطن کے متعلق مولف نے غلطی کی ہے - نیز کمال نے اس سے دوسرے کا شعر منسوب کر دیا ہے (چ)—

ہندو شعرا میں سے میں صرف تین ہی کا نام لوں گا — یعنی سورداس ' تلسی داس اور کیشوداس ' جو اس زمانے کے اہل ہند میں بہت مقبول شاعر ہیں 'اور جن کی نسبت یہ مشہور قول ہے کہ " سورداس سورج ہے ' تلسی داس چاند ' کیشوداس ستارہ ' دوسرے شاعر جگنو ہیں جو یہاں وہاں اپنی چمک دکھا جاتے ہیں" —

اردو شاعروں میں قابل ذکر یہ ہیں : حاتم جن کا ذکر ہو چکا ہے ' آزاد (فقیر اللہ) جو اگرچہ حیدرآبادی تھے مگر دہلی میں جا بسے تھے اور وہیں انہیں قبولیت حاصل ہوئی۔ جواں (محمد) جو بہت سی مذہبی کتابوں کے مصنف ہیں۔

دکن کے شاعر یہ ہیں : ولی جو بابائے ریختہ کہلاتا ہے ' شاہ گلشن ولی کا استاد * ' احمد گجراتی' تانا شاہ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے' شاہی بھاگ نگری اور مرزا ابوالقاسم' تانا شاہ کا عہدہ دار ' عوری یا ابن نشاطی † ' پھول بن کا مصنف ' غواص یا غواصی ' مصنف طوطی نامہ ' محقق ' دکن کا ایک نہایت قدیم شاعر جس نے ایسے ریختے میں شعر کہے ہیں جو

* شاہ گلشن برہان پوری تھے - دہلی میں جا بسے تھے ' ولی ' ان سے اس وقت ملا تھا جب کہ اس کی شاعری میں پختگی آ چکی تھی - مولف کو غالباً اس وجہ سے دھوکا ہوا ہے کہ بعض تذکرہ نویسوں نے یہ لکھا ہے کہ شاہ صاحب نے ولی کو فارسی مضامین کو اردو میں منتقل کرنے کی ہدایت کی تھی (چ) -

† یہ دونوں ایک ہی شخص کے نام ہیں — [ابن نشاطی کا دوسرا نام عوری تھا - گذشتہ اوراق میں کہیں ہم نے اس کو واضح کیا ہے (چ)] -

هندوستانی سے ملتا جلتا ہے ' رستمی * ' خاورنامے کا مصنف '
اس نظم کی تفصیل میں اپنی کتاب میں دے چکا ہوں '
عزیز (محمد) وغیرہ —

اٹھارھویں صدی کے ایسے ھندوستانی شعرا کے ذکر میں زیادہ وقت صرف ہوگا جنھوں نے اپنے ہم عصروں میں نام پایا ہے - هندی مصنفین میں ہم صرف ان کا ذکر کریں گے : گنپتی ' ایک رسالہ کا مصنف ہے جس میں هندوؤں کی مختلف فلسفیانہ تعلیمات کا بیان ہے ' بیر بھان ' سادھوؤں کے ایک مشہور فرقے کا بانی اور معروف مذهبی نظموں کا مصنف † ' رام چرن ایک فرقے کا بانی جو اس کے نام سے مشہور ہے ' اور مذهبی نظموں کا مصنف † شیو نرائن ' یہ بھی ایک فرقے کا بانی اور هندی نظم کی گیارہ کتابوں کا مصنف ہوا ہے - ان نظموں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ابتدا میں بجائے " شری گنیشیا نما " کے " سنتا سرن " (اولیا کے محافظ) کے الفاظ سے شروع کرتا ہے —

اردو مصنفین میں صرف چند کا ذکر کروں گا : سودا ‡ ' میر اور حسن گذشتہ صدی (اٹھارویں) کے تین نہایت مشہور شاعر گذرے ہیں ' جرأت ' آرزو ' درد ' یقین فغاں ' امجد دهلوی ' امین الدین بنارسی ' عاشق غازی پوری - دکنی شعرا

---

* یہ نام اصل میں رستمی ہے (دیکھو فہرست قلمی کتب ' انڈیا آفس (عبد الحق)
† دیکھو هندوستانی ادبیات کی تاریخ اور هندوی مبادی کا دیباچہ -
‡ سودا ملک الشعرائے ریختہ کہلاتا ہے -

میں ایک حیدر شاہ مرثیہ گو ہے ' علاوہ مرثیوں کے اس کے مخمس بھی یادگار ہیں' اس میں اس نے ولی سے ترقی کی ہے- ابجدی ایک اور دکنی شاعر ہے جو قابل ذکر ہے اس نے ایک چھوٹی سی منظوم انسائکلوپیڈیا * لکھی ہے جس کا ہر باب مختلف بحر میں ہے اور ہر بحر کا نام باب کے شروع میں بتا دیا ہے- سراج اورنگ آبادی نے تقریباً سنہ ۱۷۵۴ع † میں وفات پائی- عزلت سورتی بھی دکن کے مشہور شعرا میں سے تھا - اس کا انتقال ۱۱۶۵ (۱۷۵۲ ع) میں ہوا ‡ —

انیسویں صدی کے نہایت ممتاز مصنفین یہ ہیں - ہندی میں : بھگت ور ' جس نے جینیوں کے عقائد و تعلیم کو نظم میں لکھا ہے ؛ دلہا رام تذکرہ نویس اور اس کا جانشین چتر داس رام سنیہیوں میں خاص عظمت رکھتے ہیں —

اردو میں : صہبائی اور کریم نے مومن دہلوی کا ذکر کیا ہے جو بہت خوشگو اور فصیح شاعر تھا ' سنہ ۱۸۵۲ ع میں انتقال کیا ' ان کا دیوان " بے نظیر " کہا جاتا ہے ' نصیر کا انتقال ۱۸۴۲ یا ۱۸۴۳ع میں ہوا اور آتش جس نے سنہ۱۸۴۷ع میں انتقال کیا ' ان دونوں نے دیوان مرتب کئے جو بہت

---

* تحفتہ الصبیان -

† سراج کا سنہ وفات ۱۱۷۷ ھ مطابق ۱۷۶۳ ع ہے (چ)—

‡ عزلت کا سنہ وفات ۱۱۸۹ ھے جو " بےنظیر بود " سے نکلتا ھے' اس لحاظ سے عیسوی سنہ ۱۷۷۵ ہوتا ہے (چ) -

مشغول ہوئے، مول چند جس نے ملخص شاہ نامے کا نظم میں ترجمہ کیا ہے، ممنون بھی بہت مشہور شاعر ہوا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے ہیں جن کا ذکر میں ابتدا میں کر چکا ہوں۔

دکنیوں میں صرف کمال حیدر آبادی اور عبدالحق مدراسی کا ذکر کروں گا —

تذکرہ نویسوں نے جس ڈھنگ سے اپنے شاعروں کا ذکر کیا ہے، اگر ہم اس کا خیال کریں تو ہم آسانی سے ان کی تین تقسیمیں کر سکتے ہیں: وہ شاعر جن کا صرف ذکر آیا ہے: وہ جن کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے: وہ جن کا ذکر زیادہ خصوصیت اور عزت سے کیا گیا ہے۔ اول صف میں میں ان کو شریک کروں گا جن کے حالات کی کوئی تفصیل نہیں، بلکہ بعض اوقات صرف نام، وطن اور نمونے کے چند اشعار پر اکتفا کیا گیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے صرف چند ہی غزلیں لکھی ہیں اور صاحب دیوان نہیں ہیں یا جن کی متفرق طویل نظمیں ہیں مگر ان نظموں کے نام معلوم نہیں۔ دوسری صف میں وہ ہیں جو صاحب دیوان یا صاحب کلیات ہیں، جس کی تشریح آگے چل کر کی جائے گی۔ آخر میں تیسری صف ہے جو نظم و نثر دونوں کے مصنف ہیں، اگر ہندی کے مصنف ہیں تو اکثر و بیشتر ان کی کتابیں سنسکرت نثر میں ہیں اور اگر اردو یا دکنی کے ہیں تو فارسی عربی نثر میں —

(تصنیفات جن کا ذکر تذکروں میں آیا ہے)

ہندوستانی میں ادب کی مختلف اصناف کا امتیاز صرف الفاظ کی ظاہری شکل سے کیا جاتا ہے معنی کی نسبت الفاظ زیادہ اہم خیال کئے جاتے ہیں - چنانچہ غزل ایک مختصر نظم ہے جس میں ایک ہی قافیے کے چھہ سے بارہ تک شعر ہوتے ہیں، پہلے دو مصرعوں میں قافیے کا اعادہ ہوتا ہے، لیکن مضمون کی کوئی خاص پابندی یا پروا نہیں کی جاتی، ممکن ہے کہ سنجیدہ ہو یا سخیف، لیکن اکثر ایک ہی ساتھ عاشقانہ بھی ہوتا ہے اور صوفیانہ بھی - غزل پٹرارک اور شیکسپیر کے خاص رنگ کا سانٹ (Sonnet)، ہے - شیکسپیر نے اس مشہور اطالوی شاعر کے رنگ میں اپنے سانٹ لکھے ہیں جو بہت لطیف ہیں، لیکن ان کا چرچا بہت کم ہے، اس کے ڈراموں نے ان کو مدھم کر دیا ہے - قصیدہ بھی بظاہر اسی قسم کی نظم ہوتی ہے، لیکن وہ یا تو مدح میں ہوتی ہے یا ہجو میں یا کسی دوسرے مضمون پر —

مثنوی ایسی نظم ہے جس کا ہر مصرعہ ہم قافیہ ہوتا ہے اور وہ ہر قسم کے مضمون پر ہو سکتی ہے - مختصر بھی ہوتی ہے اور طویل بھی - بعض وقت دو تین ہی صفحے کی ہوتی ہے اور بعض وقت ہزار صفحے سے بھی زیادہ کی - ہندوستانی شعرا نے مثنوی میں ہر قسم کے مضمون لکھے ہیں، قصہ، فسانہ، اخلاق

مذہب، غرض درشت و نرم، سنجیدہ و سخیف ہر طرح کے مضامین آگئے ہیں۔

تین، چار، پانچ، چھہ، سات، آٹھہ، دس مصرعوں والی نظمیں مثلث، مربع، مخمس، مسدس، مسبع، مثمن، معشر کہلاتی ہیں؛ یہ شکوہ و شکایت، مرثیہ، خوشی کے گیت، مبارک باد یا کسی دوسری قسم کے مضامین پر مشتمل ہوتی ہیں۔

بعض نظم کی ایسی قسمیں بھی ہیں جن کے نام سے مضمون کا تعین ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں اسے مضمون سے کچھہ تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً ساقی نامہ جو پینے پلانے کی نظم ہونی چاہئے، مگر اکثر اس میں دوسری قسم کے مضامین ہوتے ہیں۔ مثلاً حیدر (حیدر بخش) کا ساقی نامہ حضرت علی کی منقبت میں ہے۔

یہی حال ہندی شاعری کا بھی ہے۔ نظم کے نام اور مضمون میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً پد ہر چیز پر ہو سکتا ہے، اسی طرح تہا ہولی کے گیتوں میں بھی کام آتا ہے اور شادی بیاہ کے وقت بدھاوے کی نظموں میں بھی۔

مسلمانوں کی چھوٹی نظموں میں تصوف کا رنگ ہوتا ہے جس سے فوراً یہ امتیاز ہو جاتا ہے کہ یہ کس کی لکھی ہوئی ہیں۔ ہندوستانی میں فارسی کی طرح عورتوں کے حسن کو امردوں کی مناسبت اور مشابہت سے بیان کرتے ہیں۔

ہندی زبان میں اس کے خلاف عشق کا اظہار عورت کی

طرف سے ہوتا ہے - اردو میں بھی کبھی کبھی اس کی تقلید کی جاتی ہے اور اس قسم کی نظم کا نام ریختی (ریختہ کا مؤنث) ہے - انشا اللہ خاں نے اس صدی کی ابتدا میں اس قسم کی نظم کو رواج دیا ـــ

اردو میں بھی شاعری کی وہی اصناف اور بحریں ہیں جو فارسی میں ہیں، البتہ دو تین قسم کی نظمیں ایسی ہیں جو ہندوستانی زبان سے مخصوص ہیں، ان کا ذکر میں آگے چل کر کروں گا ـــ

شروع شروع میں عربی میں دیوان نظموں کا سادہ مجموعہ ہوتا تھا، جیسے دیوان متنبی، دیوان ابن فرید، دیوان امرءالقیس؛ یہ گویا مشہور شعرا کے کلام کا مجموعہ تھا - لیکن اب عربی میں نیز مسلمانوں کی دوسری مشرقی زبانوں مثلاً ہندوستانی، پشتو، فارسی اور ترکی میں غزلوں کے ایسے مجموعے سے مراد ہے جو قافیے کے لحاظ سے بہ ترتیب حروف ابجد مرتب کیا گیا ہے - جب دوسری قسم کی اور نظمیں شامل کرلی جاتی ہیں تو وہ کلیات کہلاتا ہے، یعنے دیوان اور دیوانوں اور اسی شاعر کی بہت سی اور نظموں کا مجموعہ - یہ دونوں لفظ یعنے دیوان اور کلیات ایک ہی شاعر کے کلام کے متعلق استعمال ہوتے ہیں - دھروں، کبتوں اور اشلوکوں کے مجموعے کو جو عموماً دیونا گری میں لکھے ہوتے ہیں یہ نام نہیں

دیے جاتے ـــ

سوائے بعض بعض حالتوں کے دیوانوں اور کلیاتوں کے خاص نام نہیں ہوتے - مثلاً دیوان اختر (واجد علی شاہ) بادشاہ اودہ کے دیوان کا نام فیض بنیان* اور جوش (احمد حسن) کے دیوان کا نام گلدستۂ سخن ہے؛ رشک کے دو دیوانوں کے نام نظم مبارک اور نظم گوہریں ہیں، اور کلیات طپش گلزار مضامین سے موسوم ہے ـــ

ان چھوٹی نظموں میں جن کے مجموعے دیوان کہلاتے ہیں، اکثر و بیشتر صوفیانہ عاشقانہ مضامین ملے جلے ہوتے ہیں، کیونکہ مسلمان، جن کی تعداد شعرا میں زیادہ ہے، حسنِ ازلی اور مخلوق کے حسن کو گڈ مڈ کر دیتے ہیں جو ہماری نظروں میں خلاف تقدس ہے - وہ خدا کا جلوہ عورت یا مرد میں دیکھتے ہیں اور اس لئے کبھی کبھی خالص روحانی اشعار کے ساتھ عیاشانہ بلکہ فحش† شعر بھی آجاتے ہیں - یورپین اور عیسائی خیالات کی نظر سے اس خاص قسم کی نظموں کا اندازہ ان ترجموں سے ہو سکتا ہے جو میں نے دیوان

---

* اس دیوان میں جو لکھنؤ میں ۱۲۵۹ ھ (۴۴ - ۱۸۴۳) میں طبع ہوا، ہر غزل کے سرے پر بحر کا نام بھی لکھ دیا ہے، یہ عربی بحور کے مطالعے کے لئے بہت کار آمد ہے -

† اس سے میری مراد ان فحش نظموں سے نہیں جو عام طور پر فحش مانی جاتی ہیں - مثلاً چوہوں کی نظمیں، جس کے نام ہی سے فلاظت ٹپکتی ہے -

ولی کے بعض حصوں کا کیا ھے ' یا بہت سے غزلوں کے ترجمے جو میں نے اپنی تاریخ ادبیات میں دیے ھیں یا عام مقبول گیت جن کا ترجمہ میں نے رسالۂ Revue Contemporaine جلد ۱۵ صفحہ ۵۹۲ پر دیا ھے بہت ھی پاکیزہ ھیں اور میری رائے میں بعض اوقات پندار (Pindar) اور کبھی اناکرون (Anacreon) یا حافظ کی غزلوں کا مقابلہ کرتے ھیں اور اس میں تو شبہ ھی نہیں کہ ترکی شاعر حقی کی غزلوں سے کہیں بہتر ھیں —

ان مجموعوں کا بڑا نقص یکسانی ھے - ایک ھی سے خیالات ھیں جو بار بار اسی طرز اور اسی قسم کے جملوں میں دھرائے جاتے ھیں —

بھرتی کے شعر بہت زیادہ ھوتے ھیں ' معلوم ھوتا ھے بٹلر نے یہ شعر مشرقی شاعروں ھی کے لئے لکھا تھا —

" جو لوگ اب تک نظم مقفیٰ لکھتے ھیں
وہ ایک مصرع کی خاطر دوسرا مصرع کہتے ھیں"

سوائے ان چند مشہور دیوانوں کے جو قبولیت اور شہرت حاصل کر چکے ھیں' دوسرے دیوانوں کا پڑھنا وبال جان ھے -

ان غزلوں میں ایہام کا ایک اور عیب ھے ' اسے اھل مشرق بڑی خوبی سمجھتے ھیں کیونکہ وہ اس اصول کو تسلیم نہیں کرتے جو ریات (Yriate) نے بلدر اور بازیگر کی کہانی میں بتایا ھے " Sin Clarid adno hai obra buena " :

ہندوستانی دیوانوں میں ولی کا دیوان بہت مشہور ہے تاہم یہ معلوم ہوتا ہے کہ ممالک مغربی و شمالی میں بہت کم پڑھا جاتا ہے اس لئے نہیں کہ وہ دکنی بولی میں ہے بلکہ اس لئے کہ اس کا طرز پرانا ہے - سودا ' میر ' درد ' جرأت اور یقین کے کلام کا یہ حال نہیں جو اس کے مقابلے میں زیادہ جدید ہیں اور اب تک مقبول ہیں —

ہمارے ہم عصر شاعروں میں آتش ' ذوق ' نوید اور نظیر کے دیوان زیادہ قابل لحاظ ہیں —

ان دیوانوں کے ابتدا اور آخر میں جو نظمیں ہیں وہ مختلف قسم کی ہیں- میں ان کے متعلق اپنی تاریخ ادبیات نیز ایک علحدہ مضمون میں لکھہ چکا ہوں- تکرار سے بچنے کے لئے میں صرف ان چند کا ذکر کروں گا جن کے متعلق میں نے پہلے کچھہ نہیں لکھا —

اول فرد ہے ' اس کے نام ہی سے اس کے معنے ظاہر ہیں یعنے علحدہ شعر' یہ دو مصرعوں کی ایک بیت ہے - دیوان کے آخر میں اکثر بہت سے فرد ہوتے ہیں جو "فردیات" کے عنوان کے تحت میں لکھہ دے جاتے ہیں* —

---

* صفحہ ۱۴۴ سے ۱۴۷ (مثنویوں کے ذکر تک) کا حصہ لکچر میں موجود نہیں - بعد میں جب یہ خطبہ کتابی شکل میں شایع ہوا تو یہ حصہ اضافہ کیا گیا - (مترجم)

نوحے (سوز) ایک ھی شخص پڑھتا ھے ' اسے بازو کہتے ھیں ' لیکن ٹیپ کے مصرعوں کو جو دھراتے ھیں وہ جواب کہلاتے ھیں —

مہدی وہ ھے جو ھندو مسلمانوں کے تہواروں کے لئے لکھی جاتی اور گائی جاتی ھے -

مختصر سی نظم جسے معما کہتے ھیں ' اُسے (Logoguple) یا (Lags) سمجھنا چاھئے -

چھوٹی نظمیں جن میں چھوٹی بحر کے شعر ھوتے ھیں ' مقطعات * کہلاتی ھیں —

آنحضرت صلعم اور بعض اوقات خلفا اور آئمہ کی تعریف میں نعت کا لفظ ان نظموں کے لئے استعمال ھوتا ھےجو خود لکھی جاتی ھیں اور مسلمان اپنی کتابوں کی ابتدا اس سے کرتے ھیں -

سالگرہ ' وہ نظم جو سالگرہ کے موقع پر کہی گئی ھو -

واسوخت (یا سوز) کسی قدر غزل ھی جیسا ھوتا ھے ' کیونکہ اس میں بیس تیس بند ھوتے ھیں ' اس کے تین شعروں میں سے پہلے دو ھم قافیہ ھوتے ھیں اور تیسرے کے دو مصرعے الگ ھم قافیہ ھوتے ھیں —

میر جعفر زٹلی کی سی نظمیں زٹلیات کہلاتی ھیں جو آدھی فارسی اور آدھی ھندوستانی ھوتی ھیں —

* مصنف کو نعت' مقطعات اور زٹلیات کی تعریف میں مغالطہ ھوا ھے (عبدالحق)

آخر میں میں ایک ایسی چیز کا ذکر کرتا ہوں جو صرف ہندوستان ہی سے مخصوص ہے ' اسے نسبتیں کہتے ہیں - اس میں کئی جملے ہوتے ہیں جن میں بظاہر باہم کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا اور جس کا جواب سائل سے پوچھنا پڑتا ہے - یہاں میں ایک مثال سید احمد سے لیکر لکھتا ہوں -

سوال : انار کیوں نہ چکھا

سوال : وزیر کیوں نہ رکھا

جواب : دانا نہ تھا -

میں خاص خاص ہندی نظموں کے ناموں کے متعلق اپنی تاریخ میں لکھہ چکا ہوں یہاں میں تھوڑا اضافہ کرنا چاہتا ہوں —

" چوپائی " کے معنی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے رباعی کے ہیں یعنی چار مصرعوں والی نظم - عملاً اس کی تعداد معین نہیں کیونکہ چوپائیاں پانچ کی بھی ہوتی ہیں اور نو کی بھی -

" دوھا " ایسا ہی ہے جیسے مسلمانوں میں بیت ؛ لیکن اس کا ہر مصرع کئی حصوں میں تقسیم ہوتا ہے جسے چرن یا پد کہتے ہیں —

" گن " عام نام ایسی نظموں کے لئے ہے جو لے میں پڑھی جاتی ہیں - اور وہ نظمیں جو موسیقی کے طرز پر باقاعدہ گائی جاتی ہیں وہ کرتن کہلاتی ہیں —

سید احمد لکھتے ہیں * کہ مکری میں عورت کے منہ سے ایسا لفظ کہا یا جاتا ہے جس کے دو معنے ہوتے ہیں اور سوال کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس کے معنے کچھہ اور ہیں —

میں نہیں جانتا کہ کوک شاستر کو تصانیف کی کس صنف میں رکھوں - یہ کتابیں حد درجہ کی عیاشانہ نظمیں ہیں جن میں شہوت انگیز اعمال کی تشریح و تجزیہ ہوتا ہے اور عورتوں کی اخلاقی اور جسمانی تقسیم ان کے صفات و احساسات اور دلربائیوں کے لحاظ سے کی جاتی ہے - مردوں کی تقسیم بھی اسی قسم کی ہوتی ہے - دکن کا علی حسن اور شہاب الدین اور موتی رام اس قسم کے خاص ہندوستانی مصنف ہیں جنھوں نے ان مضامین پر کتابیں لکھی ہیں -

طویل مثنویاں خاص مضامین پر ہوتی ہیں ' مثلاً کوئی تاریخی منظر یا بعض اوقات پوری تاریخ ' اکثر کم و بیش تاریخی یا خیالی فسانے ہوتے ہیں ' لیکن عام طور پر عام پسند قصوں کو شاعر اپنے مذاق کے مطابق گھڑ کر بیان کرتا ہے - ایسے کئی ہندوستانی' ایرانی اور ترکی شاعر ہیں جنھوں نے پانچ پانچ سات سات ایسے قصے نظم کئے ہیں - یہیں سے خمسے اور ہفتے کی بنیاد پڑی جو گویا بڑی بڑی مثنویوں کے دیوان ہیں - زیادہ تر مشہور نظامی اور خسرو کے خمسے اور جامی کا ہفتہ

* آثار الصنادید —

ہے ، جو استعارتاً ہفت اورنگ کے نام سے معروف ہے —

اس قسم کے ادب کا جزو اعظم مقبول اور عام پسند قصے ہیں - یہ قصے مشرق کے مشہور عاشقوں کے فسانے ہیں ، مثلاً یوسف و زلیخا ، فرہاد و شیریں، مجنوں لیلیٰ، وامق و عذرا -
علاوہ اس کے بڑے بڑے بہادروں کے قصے ہیں جو ایک قسم کے فسانے بن گئے ہیں مثلاً سکندر ، رستم ، حمزہ ، حاتم طائی ، بہرام گور (یہ نام گور خر کے شکار کے شوق میں پڑ گیا) —

ہندوستانی زبان میں ان مسلمانی قصوں کو خوب خوب بیان کیا ہے اور ان میں مقامی رنگ بھی پیدا کردیا ہے جس سے ان کی خوبی میں اضافہ ہوگیا ہے —

بہت سے ایسے قصوں کو ان کے مصنفوں نے ترجمے سے تعبیر کیا ہے ، لیکن یہ ایک قسم کا طرز بیان ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی بنیاد ان فارسی کتابوں پر ہے جو شہرت عام حاصل کرچکی ہیں - یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ہندوستانی کے رواج سے قبل خود ہندو ایک زمانے تک فارسی زبان میں تصنیف و تالیف کرتے تھے - اس وقت بھی شروع شروع میں اس عام اور مشترک زبان (فارسی) میں لکھنے پر وہ معذرت سی کرتے اور اپنی تالیفات کو فارسی تصنیفات سے منسوب کیا کرتے تھے - لیکن ان ادعائی ترجموں کو ذرا غور سے دیکھنے کی زحمت گوارا کی جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ ترجمے تو کجا انہوں نے

تقلید بھی نہیں کی بلکہ وہ جدا کتابیں ہیں، قصہ تو وہی ہے مگر مضمون اور صورت بالکل الگ ہے —

قطع نظر قصوں کے سنجیدہ تالیفات کا بھی یہی حال ہے۔ مثلاً آرایش محفل جو سجان رائے کی فارسی تصنیف خلاصة التواریخ کی اردو نقل سمجھی جاتی ہے اور جس میں ہندوستان کی تاریخ و مقامات کا ذکر ہے، در حقیقت فارسی کتاب کے مضامین کو ایک دوسری صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

میں " یوسف زلیخا " کے چھہ مختلف نسخوں سے واقف ہوں۔ ایک امین * کا جو سنہ ۱۷۰۰ ع میں لکھا گیا† - دوسرا طپش کا جو اس نے بزمانہ قید قید خانے میں لکھا ‡ - تیسرا فدوی لاہوری کا، جس پر اس کے ایک ہم عصر نے بہت کچھہ نکتہ چینی کی ہے$ - چوتھا مجیب کا جو اِس زمانے کا شاعر ہے۔ پانچواں عاشق (مہدی علی) کا جو عشق نامہ کے نام سے موسوم ہے اور سنہ ۱۸۴۷ ع میں بمبئی میں طبع ہوا —

لیلیٰ مجنوں کی پانچ مختلف مثنویوں کا مجھے علم ہے۔ تجلی کی ¶، عظیم دہلوی (معروف بہ شاہ جھولن) کی جو

---

* اس کا ایک باب میں نے اپنی کتاب " ہندوستانی کے مبادی " میں نقل کیا ہے اور بعض اجزا کا ترجمہ اپنی تاریخ میں دیا ہے —

† یہ سنہ غلط ہے۔ یہ نامۂ عالمگیر سنہ ۱۱۰۹ھ (۱۶۹۷ م) میں تصنیف ہوی۔ عبدالحق

‡ دیکھو تذکرۂ قاسم - دیکھو میری کتاب تاریخ ادبیات جلد اول صفحہ ۵۰۲ - [قاسم نے طپش کے ترجمہ کا ذکر نہیں کیا ہے - مصنف کو دھوکا ہوا ہے طپش نے بہار دانش کا ترجمہ کیا ہے۔ طپش کا قید ہونا کسی تذکرے میں نہیں پایا جاتا (ع)]

$ یہ نکتہ چیں میر فتح علی [شیدا] ہے - اس کی نظم قصۂ بوم و بقال میں فدوی کے باپ کے پیشے کی طرف اشارہ ہے۔ دیکھو میری تاریخ جلد ۱ صفحہ ۱۷۵ -

¶ دیکھو میری تاریخ (جلد اول) میں اس کا احوال —

شاهنامے کی بحر میں هے ' هوس کی جو اودھ کے ایک نواب آفاق الدوله کے رشته دار هیں جو رضا ' رضی اور رسا کے ناموں سے مشہور هیں ' ولا کی جو امیر خسرو کی مشہور فارسی مثنوی کی تقلید میں لکھی گئی هے اور ایک اور قدیم نسخه جس کا ذکر ڈاکٹر سپرنگر نے کیا هے † —

هندوستانی میں بهرام گور کے تین نسخوں سے واقف هوں ایک حیدری کا جس کا نام هفت پیکر هے جو نظامی کی مثنوی کا نام هے ' دوسرا طبعی (ساکن گولکنڈه) کا جو سنه ۱۰۸۱ ھ (۱۶۷۰ - ۱۶۷۱ ع) میں لکھا گیا ' تیسرا حقیقت بریلوی کا جس کا سال تصنیف سنه ۱۲۲۵ ھ (۱۸۱۰ - ۱۱) اور نام هشت گلزار هے - غالباً یه نام آٹھویں آسمان کی مناسبت سے رکھا گیا هے ورنه نظامی کی هفت پیکر اور هاتفی کی هفت منظر کی مناسبت سے هفت گلزار هونا چاهئے تھا وجه یه هے که ایران کے بادشاہ بهرام گور پسر یزد جرد کا قصه هے جس کے سات بیویاں تھیں جو سات باغوں میں الگ الگ رهتی تھیں —

هندوستانی میں اسکندر کے قصے کے متعلق مجھے صرف دو مثنویوں کا علم هے ' ایک آگرے کے اعظم کی جو اس زمانے کا شاعر هے ' دوسرے نکہت دهلوی کی جو اس کتاب کی پیروی

---

† دیکھو ان کی فہرست ' دیوان هوس کا ذکر ملاں اول صفحه ۶۱۲ -

میں لکھی گئی ہے —

حاتم کے قصے بھی ہندوستانی اور فارسی میں بہت عام اور مشہور ہیں - حیدری ' سراج اور گوپی ناتھ نے ان قصوں کو لکھا ہے - " شاہ و درویش " کا قصہ بھی ہندوستانی ' فارسی اور ترکی میں کئی مصنفوں نے لکھا ہے - جہاں (بینی نراین) کا لکھا ہوا سب سے زیادہ مشہور ہے —

بعض اور بھی فسانے ہیں جن کا تعلق امیر حمزہ کی داستان سے ہے - ایک تو اشک کی لکھی ہوئی ہے جس کا تفصیلی ذکر میں نے اپنی تاریخ ادبیات میں کیا ہے اور دوسری غالب لکھنوی کی تالیف ہے ' سنا ہے کی اس کا ترجمہ فارسی میں ہوا ہے اور کلکتے میں چھپی ہے —

حنیف یا بن حنیفہ * (فرزند حضرت علی) کے قصے بھی بعض لوگوں نے لکھے ہیں ہر مصنف نے اپنے مذاق کے مطابق اسے بڑھایا گھٹایا ہے - تین نسخوں کا ' جن کے نام بھی مختلف ہیں ' مجھے علم ہے - یعنے آزاد ' سیوک اور واحدی کے —

مشرق میں جو نامور لوگ ہوے ہیں اور جن کی نسبت قصے اور فسانے مشہور ہوگئے ہیں ان میں سے میں ایک اور کا ذکر کروں گا - " ایران کے بادشاہ شاپور کے بیٹے ہرمزد کی تاریخ " ہے ' ۲ ہرمزدس فرزند شاپور کے نام سے بھی مشہور

* ان کا ذکر دیکھئے ابن خلکان میں (مترجمۂ سلین جلد ۲ ' صفحہ ۵۷۴) —

ہے، یہ وہی شخص ہے جس نے مانی کے عقائد کی اشاعت میں مدد دی، اہل مشرق کے خیال کے مطابق مانی بہت بڑا مصور اور شعبدہ باز تھا —

لیکن علاوہ ان قصوں کے جو تمام اسلامی ممالک میں عام اور مشترک ہیں، ہندوستانی کے شاعروں نے ہندی قصوں کو بھی جو ملک والوں میں مقبول ہیں، نہیں چھوڑا۔ مثلاً شکنتلا کا دردناک قصہ، جو نہ صرف شکنتلا ناٹک کی پیروی میں بلکہ مہابھارت کے بیان کے مطابق بھی ہندوستانی زبان میں تالیف کیا ہے، میں نے اس قصے کو ہندی سے ترجمہ کیا ہے *۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے اس پر ہندوستانی میں چار مختلف کتابیں لکھی گئی ہیں - ایک نوارکی جسے سلطان فرخ سیر نے کبیشور (ملک الشعراء) کا خطاب عطا فرمایا † ، دوسری جوان (کاظم علی) کی جس کا نام شکنتلا ناٹک ہے جو کلکتے میں سنہ ۱۸۰۱ ع میں چھپی - ڈاکٹر گلکرسٹ نے جو طریقہ رومن حروف میں لکھنے کا اختراع کیا تھا یہ کتاب انہیں حروف میں طبع ہوئی ہے، تیسری غلام احمد کی جس کا نام "فراموش یاد" ہے، یہ کلکتےمیں سنہ ۱۸۴۹ ع میں چھپی، اس کا خلاصہ ایشیاٹک جرنل ‡ میں بھی دیا گیا تھا، چوتھی ایک

---

* اورینٹل ریویو سنہ ۱۸۵۴ ع —

† دیکھو میری تاریخ ادبیات جلد اول صفحہ ۲۰۹ —

‡ ایم - سی جیفو نائن بوٹرینڈ سنہ ۱۸۵۰ ع —

پارسی مصنف کی * —

اسی قسم کا قصہ پدماوتی کا ہے ' جو ہندوستان کے ازمنۂ وسطیٰ کی مشہور رانی ہوئی ہے وہ لنکا کے ایک بادشاہ کی بیٹی تھی اور اس کی شادی چتوڑ کے راجہ رتن سے ہوئی تھی جسے علاءالدین نے ۱۳۰۳ ع میں مغلوب و مفتوح کیا - جائسی کے قول کے مطابق (جس نے اس قصے کو نظم کیا ہے) وہ اپنی رضا و رغبت سے کئی ہزار عورتوں کے ساتھ چتا میں جل کر مرگئی تاکہ فاتح کے ہاتھوں اُسے ذلت دیکھنی نصیب نہ ہو - جٹمل نے اسی قصے کو ہندی میں لکھا ہے' لیکن وہ اس قصے کو دوسری ہی طرح بیان کرتا ہے- وہ لکھتا ہے کہ پدماوت چتا میں جل کر نہیں مری بلکہ وہ مسلمان فوج کے سپہ سالار کو جل دے کر نو پالکیوں کے ساتھ ' تراے کے گھوڑے کی طرح 'ان کے لشکرگاہ میں داخل ہوتی ہے- ان پالکیوں میں راجپوت سپاہی بھرے ہوئے تھے جو اچانک نہتے مسلمانوں پر جاپڑے اور ان کا خاتمہ کردیا —

عشرت اور عبرت دو شاعر ہوے ہیں جنھوں نے ہندوستانی میں اس بہادر راجپوت رانی کے قصے کو نظم کیا ہے † —

---

* بومن جی دوساب جی ' جس کا ذکر پہلے ہوچکا ہے —

† مصنف کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے دو الگ الگ نظمیں لکھی ہیں ' حالانکہ نظم ایک ہے اور لکھنے والے دو ہیں " تصنیف دو شاعر " سے اس کا سنۂ تصنیف (۱۲۱۱ ھ) نکلتا ہے (عبدالحق) —

کرشن کی دلچسپ تاریخ پر هندوستانی میں کئی کتابیں لکھی گئی هیں، سب سے بهتر لالچ کی هے جو فرانسیسی میں ترجمه هو گئی هے، بهوپتی اور کرشن داس نے بهی اس مضمون پر بڑی اچهی نظمیں لکهی هیں: لیکن سب سے بڑھ کر پریم ساگر هے جو هندی ادب میں بڑا پایه رکهتی هے - اس کتاب کے متن میں جگه جگه نظم بهی آتی هے جس میں پرانے لفظ استعمال کئے گئے هیں، اس کتاب کی نثر اور نظم میں عجیب تضاد نظر آتا هے —

رام چندر جی کی تاریخ صرف والمیکی نے سنسکرت هی میں نهیں لکهی بلکه بهت سے شاعروں نے هندی میں بهی طبع آزمائی کی هے - ان میں سے ایک تلسی داس هیں، جن کی نظم اگرچه سنه ۱۵۸۰ ع سے قبل لکهی گئی هے لیکن اب بهی وه اهل هند میں والمیکی سے زیاده مقبول هے - کیشو داس نے رام چندریکا تالیف کی هے، یه دوسری راماین هے جس کی شرح جهگن لال نے لکهی هے- سورج چند اور بهت سے اور هندی شاعروں نے اس باعظمت هستی کی مدح میں اپنا اپنا کمال دکهایا هے، جسے گورسیو اور موسیو فوشے کے ترجموں نے یورپ میں روشناس کیا هے —

یه وه قصے هیں جن میں تخیل نے تاریخ سے مل کر اپنی صنعت دکهائی هے، ان کے بعد ایسے قصے آتے هیں جن کی بنیاد

محض تخیل پر ہے - میرے خیال میں کامروپ کا قصہ بھی اسی تحت میں آتا ہے یہ عجیب قصہ ہے اور ہندوستانی نظم و نثر میں بہت سے مصنفوں نے اسے لکھا ہے - نظم میں تحسین الدین ' فہیم ' آرزو ' حسن اور سراج نے طبع آزمائی کی ہے ؛ نثر میں کندن لال کی کتاب ہے جس کا نام دستور ہمت یا ہمت ہے ' چونکہ یہ فارسی مصنف ہمت نامی کی تالیف کی پیروی میں لکھی گئی ہے اس لئے یہ نام رکھا ہے - کہتے ہیں کہ سند باد کا قصہ جو الف لیلہ میں ہے اور سن بران دین کا قصہ جو میری دی فرانس کی تالیف ہے ان کی اصل یہی ہے - ہندوستان کے فرضی خیالی قصے یہ ہیں : نل دمن ؛ ہندوستانی میں جو اس پر بے شمار نظمیں لکھی گئی ہیں' انہیں یورپ میں کوئی نہیں جانتا بلکہ وہاں مہابھارت کی وجہ سے مشہور ہوا ہے - سب سے مشہور ہندی کے نامور شاعر سور داس کی نظم ہے - آخر میں مہر علی بنگالی کی تالیف ہے جس کا نام بہار عشق ہے اور دوسری احمد علی کی جو حال میں لکھنؤ میں چھپی ہے —

گل بکاولی کا قصہ بہت ہی دلفریب ہے ' اس میں ہندی تعلیم و عقائد کو قرآن کی تعلیم میں سمویا ہے ' یہ ہندوستان جدید کی بہت بڑی خصوصیت ہے - اس قصے کو ایک تو نہال چند نے لکھا ہے جس میں نثر اور نظم ملی ہوئی ہے' نسیم نے اسے گلزار نسیم کے نام سے منظوم کیا ہے - یہ نسیم آگرہ کالج

میں پروفیسر تھے * - ایک دوسرے شاعر نے ' تحفۂ مجلس سلاطین '
کے تاریخی نام جس سے ۱۱۵۱ ھ (۱۷۳۸ - ۱۷۳۹) نکلتا ھے † -
ریحان کی نظم کا نام ' خیابان ریحان ' ھے - یہ نظم
دوسری نظموں سے زیادہ طویل ھے - اس میں چالیس باب
ھیں اور ھر باب کو وہ ' گلشن ' سے موسوم کرتا ھے - ڈاکٹر
سپرنگر ‡ کو دکھنی زبان کا ایک قلمی نسخہ بھی کتاب خانہ
توپ خانہ لکھنؤ میں دستیاب ہوا تھا ' جو ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۵ -
۱۶۲۶ ع) کا لکھا ہوا تھا —

ھیر رانجھا ' یہ پنجابی قصہ ھے - مقبول نے جو اس زمانے
کا شاعر ھے ' مخلوط فارسی اُردو نظم و نثر میں لکھا ھے - میں
نے اُس کا ترجمہ کیا ھے $ - اسی نام کا ایک اور شاعر بھی ھے '
یہ اس سے الگ ھے —

سسی پنو ' ان کے عشق کا قصہ ھیر اور رانجھے کی طرح مقبول
نے نثر میں لکھا ھے اور محبت نے نظم میں اور ھندو § مؤلفین
نے فارسی میں —

پھول بن اور اس کے عاشق طالع شاہ کا قصہ بہت سے دکھنی

---

* یہ غلط ھے - (عبدالحق)

† اس نام سے یہ سنہ نہیں نکلتا - اس میں کچھ غلطی ہوئی ھے (عبدالحق) -

‡ ڈاکٹر سپرنگر فہرست صفحہ ۶۳۳ -

$ ریویو دی اورنیٹ اے دی الجیریا ' ستمبر ۱۸۵۷ ع -

§ اند رجیت منشی ' جوشت برکاش وغیرہ -

شاعروں نے لکھا ہے - عوری (ابن نشاطی) * کی مثنوی زیادہ مشہور ہے جس کا علم ہمیں محمد ابراہیم مترجم انوار سہیلی سے ہوا ہے —

گل وصنوبر' میں اس عجیب قصے چھہ کے مختلف نسخوں سے واقف ہوں؛ ایک احمد علی کا جو اس کے خمسے کا جز ہے؛ دوسرا نیم چند † کا نُسخہ کا؛ تیسرے کا نام گلشن ہند ہے؛ چوتھا دکنی میں جس کا ایک نسخہ نظام ‡ کے کتب خانے میں ہے؛ پانچواں جو سنہ ۱۸۴۵ع میں لکھنؤ میں طبع ہوا - چھٹی دفعہ کلکتہ میں سنہ ۱۸۴۷ میں جو فارسی * کا ترجمہ ہے -

قصہ چہار درویش' ایک تو امن کا ہے جس کا نام باغ و بہار ہے' (یہ تاریخی نام ہے) اور سول ملٹری عہدہ داروں کے نصاب امتحان میں داخل ہے - اس پر کئی مصنفین نے طبع آزمائی کی ہے' منجملہ اُن کے ایک تحسین (عطا حسین) ہے' جس کی کتاب کا نام نوطرز مرصع ہے —

گرو پرم ارتھم کا فسانہ تامل میں زیادہ تر مشہور ہے مگر ہندوستانی میں بھی پایا جاتا ہے جو مدراس میں سنہ ۱۸۳۸ع

---

* ابن نشاطی کا دوسرا نام عوری نہیں ہے' گذشتہ اوراق میں دو ایک جگہ ہم نے اس کو واضح کیا ہے (چ) -

† نیم چند کی کتاب کا ترجمہ میں نے اورنٹیل ریویو امریکہ میں شائع کیا —

‡ دیکھو میری تاریخ ادبیات ہندوستانی صفحہ ۴۳ -

* ممکن ہے کہ یہ نیم چند ہی کی کتاب ہو -

میں طبع ہوا —

بیتال پچیسی اور سنگھاسن بتیسی ' یہ دو مشہور قصے کی کتابیں ہیں - دھرم نرائن ' للو ' سورت اور دوسرے بہت سے ہندی مصنفین نے اس پر طبع آزمائی کی ہے —

" طوطا کہانی ' کے متعلق میں صرف اپنی یاد سے لکھتا ہوں - اصل کتاب سنسکرت میں ہے - اور ہندی ' اُردو اور دکھنی میں کوئی آٹھ مختلف کتابیں لکھی گئی ہیں جن کا علم مجھے ہے - یہاں میں صرف اُن کے نام گنوائے دیتا ہوں :—

خاور شاہ * ' لعل و گوہر اور جناب عشق جس کا میں نے ملخص ترجمہ کیا ہے † اور ماہ منور کی مہر و ماہ جس کا متن میں نے طبع کیا ‡ —

علاوہ ان منظوم فسانوں کے جو مقبول عام قصوں سے لئے گئے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن کے ہیرو غیر معروف ہیں - ہندوستانی میں ایسے قصے بہ کثرت ہیں اور اکثر مشہور ہیں - جن میں چند کا ذکر کرتا ہوں - قصۂ بلند اختر

---

* علاوہ عاشق کی تالیف کے ایک رسمی [رستمی کو مصنف غلطی سے رسمی اور اس کی مشہور کتاب خاور نامہ کو خاور شاہ لکھتے ہیں (چ)] کی بھی ہے جس کا نہایت عمدہ نسخہ نسخ میں ایسٹ انڈیا کے کتاب خانے میں ہے - اس میں بہت سی عجیب عجیب تصویریں ہیں -

† دیکھو میری تاریخ ادبیات جلد اول ص ۲۷۳ -

‡ علاوہ اخی کے نسخے کے جو میں شایع کر چکا ہوں (اُردو اور دکنی) عالم کا نسخہ اس سے زیادہ قدیم ہے - یہ سنہ ۱۱۳۳ ھ (۱۷۲۰ - ۱۷۲۱) میں لکھا گیا -

جو مہر خاں نے لکھا ہے : اخوان شاہ ' میں اس کے دو نسخوں سے واقف ہوں ' ایک تو چندر بدن اور مہیار جس کے کئی نسخوں کا مجھے علم ہے* اور دوسرا دلارام اور دلربا جس کے مؤلفوں میں ایک متی رام ہے : پری رخ و ماہ سیما ' جس پر وجیہ نے ایک مثنوی لکھی ہے : فسانۂ عجائب جو سرور کانپوری کی تصنیف ہے اور جو ایسا ہی مقبول ہے جیسا کہ قصۂ چہار درویش —

اس قسم کے قصوں کا مزید ذکر باعث طوالت ہوگا - ان کی کیفیت ان ترجموں اور خلاصوں سے معلوم ہو سکتی ہے جو میں نے بعض قصوں کے کیے ہیں - عام طور پر پہلے ہیرو اور ہیروإن کا جسمانی اور اخلاقی حال تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے - اس کے بعد کم و بیش عجیب و غریب یا پیچیدہ واقعات کا ذکر ہوتا ہے جو ان کو پیش آتے ہیں اور جو ہمیشہ ان کی ملاقات کے مانع اور حارج ہوتے ہیں- آخر میں ان کی محبت اور وفاداری کا صلہ ملتا ہے - بعض اوقات مگر شاذ و نادر انجام الم ناک بھی ہوتا ہے جیسا مہر کی مثنوی " شعلۂ عشق" یا " دریاے عشق" میں' یا مجروح کی مثنوی " اعجاز عشق " یا اخی کی مثنوی " مہر و ماہ " میں ہوا ہے —

ھندوستان میں نظم کی ایک اور قسم بھی ہے جو بہت عام ہے'

---

* دیکھو میری تاریخ آدبیات جلد دوم صفحات ۵۳۲ وغیرہ -

اس میں قدرت کے مناظر کا جو مختلف موسموں یا مختلف مہینوں میں نظر آتے ہیں، بیان ہوتا ہے - اس قسم کی نظموں کو " بارہ ماسہ " کہتے ہیں ' ان میں بعض وقت فطرت کے حسن کا سادہ بیان ہوتا ہے اور کبھی ناٹک کی طرز پر - مثلاً فرض کرو ایک عورت ہے جس کا خاوند سال بھر سے باہر ہے جو موسموں کی تبدیلیوں کے بیان کے ساتھ اپنی تنہائی اور فراق کا دکھڑا بھی ملا دیتی ہے - یہ دلکش بیان جو عورت ہر مہینے اپنے خاوند کو بھیجتی ہے آسانی سے خیال میں آ سکتا ہے * - بعض شعرا نے صرف عجائبات قدرت ہی پر نہیں لکھا بلکہ اس قسم کی نظموں میں ہندوستان کے مذہبی اور معاشرتی تہواروں کو بھی نظم کیا ہے ' لیکن ان میں اکثر ہندوؤں کے تیوہار زیادہ ہوتے ہیں - اس قسم کی بہت سی نظمیں ہیں جن کا میں نے ذکر بھی کیا ہے † -

ان کے علاوہ اور بھی خاص قسم کی نظمیں ہوتی ہیں مثلاً ایک نظم ہندوستان کے پھولوں کے بیان میں ہے جس کا نام " پھول چرتر " ہے - مسلمانوں کے ادب میں تصنیف کی ایک اور خاص قسم ہوتی ہے جو ہمارے قصے کے مماثل نہیں بلکہ قصوں کا ایک سلسلہ ہوتا ہے ' یعنی ایک ہی قصے میں بہت سے قصے ملے ہوتے ہیں - یہ ایک عجیب قسم

* دیکھو جرنل ایشیاٹک سنہ ۱۸۵۰ ع -

† منجملہ اوروں کے جوان کا بارہ ماسہ ہے' دیکھو میری تاریخ جلد ۲ - ص ۳۷۳ -

کی تصنیف ہوتی ہے اور اس میں اخلاقی اور بعض اوقات حکیمانہ اور مذہبی شان پائی جاتی ہے - مثلاً کشف الاسرار† منطق الطیر‡ اخوان الصفا وغیرہ جو بہت مشہور ہیں - اخوان الصفا اکرم علی کے پاکیزہ ترجمے کی وجہ سے ہندوستان میں بہت مقبول ہے - اس میں جانور باری باری سے اپنے اپنے صفات بیان کرتے ہیں - یہ سچ ہے کہ خداوند تعالیٰ اکثر ہمیں جانوروں میں ایسی صفات کے نمونے دکھاتا ہے جو انسان کے لئے قابل تقلید ہوتی ہیں - "گے" جس نے بہت سی کہانیاں لکھی ہیں، اسی مضمون کو ایک نظم میں اس طرح بیان کرتا ہے -

" شہد کی مکھی کی شب و روز کی محنت
میری روح کو محنت کی طرف مائل کرتی ہے -
کون ہے جو محتاط چیونٹی کو دیکھے اور آئندہ
کی احتیاج کی فکر نہ کرے ؟ میرا کتا جو نہایت
قابل اعتبار اور وفادار ہے میرے دل میں احسان
مندی کی آگ مشتعل کرتا ہے - میں فاختہ سے
وفاداری اور زن و شوہر کی محبت کا سبق سیکھتا

---

† اس کا مصنف مقدسی ہے یہ کتاب طیور اور پھول کے نام چھپی ہے -

‡ میں نے یہاں اس کتاب کے مجازی حصے سے بحث نہیں کی اس کے لئے دیکھو "Notices et Extraits des Manuscrit" جلد ۹ صفحہ ۳۹۷ اور The journal de Savant سنہ ۱۸۱۷ ع صفحہ ۶۸۵ اور جرنل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، جون و اگست سنہ ۱۸۳۸ ع -

ہوں - ہر ایک پرند جو ہوا میں آزادی سے اُڑتا
ہے مجھے والدین کی نگرانی کا سبق دیتا ہے " —

اس قسم کی تالیفات میں سب سے مشہور پنچ تنتر ہے - اصل کتاب سنسکرت میں ہے اور ہندوستانی میں بھی ترجمہ ہو گئی ہے - اس کے بہت سے قصے یورپ کی تمام زبانوں میں مختلف صورتوں میں پہنچ گئے ہیں اور ہمارے ملک (فرانس) میں زندۂ جاوید لافان تیں (La Fontaine) کی بدولت اس کے اصل مضامین بہت ہی مقبول ہوے ہیں —

ہندوستانیوں میں اب تک ناٹک کا وہی ذوق موجود ہے جو ان کے بزرگوں میں تھا ' لیکن صرف بڑے بڑے موقعوں ہی پر اس کا اظہار ہوتا ہے - تھوڑا ہی عرصہ ہوتا ہے کہ کلکتے کے ایک متمول مسلمان کے گھر میں یوسف زلیخا کا ڈراما ہوا * - محرم کے ایام عشرہ میں بھی امام حسین کے ماتم میں تعزیے کی صورت میں ان اسرار کا اظہار کیا جاتا ہے - ان اسرار میں خاص خاص آنحضرت صلعم اور امام حسن کی وفات اور سب سے بڑھ کر امام حسین کی شہادت ہے - ہندوؤں میں ہولی کے دنوں میں طرح طرح کے سانگ بھرے جاتے ہیں - ان میں وہ فی البدیہہ بھی کچھ کچھ کہتے ہیں ' لیکن عموماً اس میں بہت بد مذاقی اور فحش پایا جاتا ہے - لیکن تاہم

* ایم اے گروٹ صدر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا خانگی خط —

بعض ارقات وہی مضامین بیان کئے جاتے ہیں جو قدیم سنسکرت کے ناٹکوں میں ہیں - راگ ساگر میں اس قسم کے ناٹکوں کی مثال میں ہلوماں ناٹک کا نام دیا ہے ' یہ ایک سنسکرت کے ناٹک کی نقل ہے جس کا ترجمہ ولسن نے کیا ہے —

میں معقول وجوہ کے ساتھ اوپر بیان کرچکا ہوں کہ " تذکرہ " مشرق کے مسلمانوں ہی کی ایجاد ہے ۔ اسی قسم کی ایک دوسری چیز ہے جس کا نام " انشا " ہے - یہ خطوط کا مجموعہ ہوتا ہے جو کسی ایک ہی شخص کی تصنیف ہوتے ہیں - یہ گویا فصاحت و بلاغت سکھانے کی کتاب ہوتی ہے - مشہور ہندوستانی زبان کی انشائیں یہ ہیں —

فیض کی انشا ' یہ شخص شیخ فریدالدین عطار کے پند نامے کا مترجم بھی ہے ؛ خالق (کرامت اللہ) کی ؛ نظام الدین (پونے والے) کی ' یہ حکایات لقمان کا بھی مترجم ہے ؛ چونجی لال کی (جو آگرے میں چھپی) ۔ نظام الدین اور یہ اِسی زمانے کے شخص ہیں ' یوسف دکھنی کی ' اس سے [لفظ دکھنی سے] ظاہر ہے کہ یہ دکن کا رہنے والا ہے اور انشاے ہرکرن جو فارسی میں ہے اور بہت مقبول اور مشہور ہے ' اس کا ترجمہ ہندوستانی میں کیا گیا ہے —

اب میں اُن چند کتابوں کا ذکر کرتا ہوں جو لسانیات کے متعلق ہیں - اس مضمون پر بھی بہت سی کتابیں لکھی

گئی ھیں جن کے مطالعے سے ایشیا کی قدیم اور علمی زبانوں کے طالب علم بھی استفادہ کرسکتے ھیں - اردو میں سنسکرت زبان کی نحو بھی لکھی گئی ھے جس کا نام مفتاح اللغت ھے (سنسکرت میں اس کا نام لگھو کومودی ھے)' بنارس میں سنہ ۱۸۴۹ ع میں طبع ھوئی - مصدر الافاضل جو فارسی عربی کی لغت ھے ھندوستانی میں ترجمہ ھوگئی ھے' اس کا ایک نسخہ ڈیوک آف سسکس کے کتاب خانے میں ھے - ایک اور عربی فارسی لغت کا ترجمہ لغت اُردو کے نام سے ھوا ھے - مصدر فیوض' فارسی اور ھندوستانی صرف و نحو ھے جس کے مولف مظہرالدین ھیں - میزان فارسی کا بھی اردو میں ترجمہ ھو گیا ھے - مظہر نحو' عربی نحو کی کتاب ھے جو اردو میں تالیف کی گئی ھے - ایک اور اردو الفاظ کی لغت طبع ھوئی ھے جس میں شعرا کے کلام سے سند کے لئے اشعار نقل کئے گئے ھیں - لغت السعید بھی اُردو کی لغت ھے - ایک اور اردو کی لغت آگرے میں سنہ ۱۸۵۱ ع میں طبع ھوئی ھے - اردو صرف و نحو پر کئی کتابیں لکھی گئی ھیں جن میں سے ایک صہبائی کی ھے' ان کی زباندانی اور زبان پر اور بھی تالیفات ھیں - بھاشا پنگل ھندی عروض کی کتاب ھے' جس کے کئی اڈیشن چھپ چکے ھیں —

انگریزی صرف نحو پر بھی ھندوستانی میں کئی کتابیں

لکھی گئی ہیں ' ان میں رام کرشنا کی زیادہ مشہور ہے —

سنسکرت میں تاریخ کہیں کہیں فسانے کے ضمن میں آجاتی ہے لیکن ہندوستان کی جدید ادبیات میں یہ فن پایا جاتا ہے مگر کم ' اگرچہ یہ صحیح ہے کہ بعض منظوم روایتوں اور قصوں میں ایسے بیش قیمت واقعات بھی مل جاتے ہیں جو دوسری جگہ نہیں مل سکتے —

اب رہی تاریخی نظمیں ' "چند" کا ذکر تو میں اس سے قبل کرچکا ہوں جو راجپوتانے کا ہومر بھی ہے اور تہوسی ڈائی ڈیز بھی - دوسری کتاب چترا پرکاش ہے جو چترا سال راجہ بندھیل کھنڈ کی تاریخ ہے ' اس کا مصنف لال کوی ہے - اُن کے علاوہ ایک کتاب گوپال چکا کتھا یا تاریخ گوالیار ہے اور ایسی ہی اور چند کتابیں ہیں - یہاں میں مان کبیشر کی راج ولاس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں ' یہ رام راج سنگھ راجۂ میواڑ (مخالف اورنگ زیب) کا شاعر ہے ' ایک دوسری کتاب ہمیر راسا ہے جو ہمیر راجۂ چتوڑ کے حالات میں ہے ' ہری چند ر لیلا ' اس میں راجہ ہری چندر کے حالات ہیں ' سورج پرکاش میں سورج بنسی خاندان کی تاریخ ہے ' اس کا مصنف کرن ہے جو شاعر بھی اچھا ہے اور سپاہی بھی - ایک منظوم کتاب ابھے سنگھہ راجۂ مارواڑ کے حالات میں ہے اور بس ' اس راجہ کی حکومت ۱۷۲۴ سے

۱۷۲۸ ع تک رهی ' لیکن کتاب کے شروع میں بطور تمهید کے راتهوروں کی تاریخ پر بهی ایک سرسری سی نظر ڈالی هے جو اپنا نسب سورج بنسی خاندان سے ملاتے هیں - گربچلتا منی ایک بهاشا کی نظم هے جو کرن کی شان میں لکهی گئی هے ' جو گجرات کا نامور راجه گزرا هے جسے پٹهان سلطان علاءالدین شاه سکندر ثانی نے سولهویں صدی عیسوی کے آخر میں شکست دےکر مغلوب کیا - راج پٹن میواڑ کی تاریخ هے اس کا مصنف رنچهوڑ بهٹ هے' رشابها چرترمیں جینیوں کے ایک رشی رشابها کے سوانح هیں' بنس کلی کتاب انساب هے اور اس کا مصنف بکوتا هے' کلیا درم یه چےسنگهه کا ایک قسم کا تاریخی روز نامچه هے-

صرف هندو مصنفوں کی بدولت هندوستانی میں چند تاریخی یادگاریں نظر آتی هیں - انهوں نے اسلامی مضامین پر بهی بعض کتابیں لکهی هیں مثلاً هری ناتهه کی پوتهی محمد شاه جس میں محمد شاه کی تاریخ هے —

اس زبان کی اردو شاخ میں هم صرف ترجمے پاتے هیں- تاهم ان میں بعض ایسی تالیفات هیں جو بذات خود بهت دلچسپ هیں- علاوه ان کتابوں کے جن کا ذکر میں کسی دوسری جگهه کر چکا هوں ' یهاں بعض کا ذکر کروں گا - دهلی * اور آگرے † پر بهت دلچسپ کتابیں موجود هیں ' کلکته نامے '

---

* آثارالصنادید ' اس کتاب سے کئی بار اقتباس دے چکا هوں - † تاریخ آگره -

جس میں کلکتے کے حالات ہیں' نظم میں ہے' نصرتی کا علی‌نامہ جس میں علی عادل شاہ کی تاریخ ہے ' واقعات گورکھا ' جو نیپال کا صوبہ ہے اور جہاں کے راجاؤں نے اپنا تسلط تمام نیپال پر کر لیا تھا ' ایک نظم سومناتھ پٹن کی تباہی پر * ہے ' انگریزوں کی حکومت بنگال کی تاریخ مؤلفۂ نور محمد ' خاندان سندھیا کی تاریخ مؤلفہ دھرم نراین وغیرہ —

ہندوستانی میں خود نوشت سوانح بھی ہیں ' علاوہ تیمور' بابر ' اکبر اور جہانگیر کے تزکوں کے جو ترکی اور فارسی سے ترجمہ کی گئی ہیں ' پتمبر سنگھہ ' موہن لال ' علی حسین اور بعض دوسرے اصحاب کے خود نوشت حالات بھی موجود ہیں ' جن کا ذکر میں ابتدا میں کر چکا ہوں —

جو کچھہ بھی ہو اہل مشرق کی نظروں میں تاریخ کی وہ وقعت نہیں جو ہم میں ہے - ہندوستان کے ایک جدید مورخ نے اپنی تاریخ کے عنوان پر حافظ کا یہ شعر لکھا ہے :-

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

اب میں چند سفرناموں کا ذکر کرتا ہوں : سفرنامۂ یوسف خاں لکھنوی - یہ سفر انگلستان و فرانس ہے جو انہوں نے سنہ ۱۸۳۸ میں کیا ' یہ کتاب دہلی میں چھپی ہے '

---

* ناد کا سفرنامہ صفحہ ۲۳۱ —

کریم خاں دہلوی کا سفر نامۂ لندن سنہ ۱۸۴۰ء' اس کا ترجمہ میں نے "اورینٹل ریویو" میں شایع کیا۔ پہلے صاحب نسلاً پٹھان اور درویش یا صوفی ہیں اور کمبل پوش کے نام سے مشہور ہیں —

مذہبی فلسفے کا ذخیرہ بہت ضخیم اور دلچسپ ہے اور زیادہ تر اس کا تعلق ہندو مذہب سے ہے' مجھے در حقیقت اپنا تبصرہ اسی سے شروع کرنا چاہئےتھا۔ کبیر پنتھیوں' سکھوں' جینیوں اور ویشنویوں کی تصانیف بہ کثرت ہیں۔ کچھ کچھ شیوائیوں کی کتابیں بھی ہیں مثلاً مہادیو چرتر' شولیلا مرتم' گورا منگل وغیرہ —

مسلمانوں کے مذہبی فلسفے یا دینیات میں ان کے مذہب یا عبادت کی کتابیں ہیں۔ شاعرانہ تالیفات' آنحضرت صلعم' حضرت فاطمہ' امام حسن' امام حسین کی منقبت میں ہیں یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی شان میں بھی نظمیں پائی جاتی ہیں۔ حالانکہ مسلمان تثلیث کے مخالف ہیں مگر وہ انہیں بھی دوسرے پیغمبروں کے برابر سمجھتے ہیں۔

اگرچہ ہندوستان میں شیعوں کی تعداد بہت ہے' لیکن میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں کی مذہبی تصانیف زیادہ تر سنیوں ہی کی لکھی ہوئی ہیں۔ تاہم بعض کتابیں شیعوں کی تصنیف سے بھی ہیں' لیکن ان میں عجیب تصانیف ان مسلمان

فرقوں کی ہیں جو ہندوستان ہی سے مخصوص ہیں ' مثلاً " سید احمدیوں" یا ہندوستانی وہابیوں اور " روشنائیوں" کی تصانیف اور ان کی تردیدی کتابیں —

قانون کا تعلق مذہب سے جیسا ہندوؤں میں ہے ویسا ہی مسلمانوں میں ہے - دیوانی قانون مذہبی قانون (فقہ) سے بالکل ملا ہوا ہے - ہندوستانی ادب میں اس کے متعلق بعض کارآمد کتابیں پائی جاتی ہیں - مگر وہ عموماً ترجمے ہیں -

سائنس اور دیگر علوم و فنون پر ایسی کتابیں نہیں ہیں جو قابل ذکر ہوں - اس قسم کی کتابیں تقریباً سب کی سب جدید اور انگریزی طرز پر لکھی ہوئی ہیں - بہر حال یہ ترجمے اور تالیفات ان لوگوں کے لئے مفید ہیں جن کی خاطر لکھی گئی ہیں - اور اس قسم کی تمام کتابیں اہل ہند کو ہمارے عقائد اور جدید اختراعات اور ایجادات سے باخبر رکھتی ہیں —

ایسی تصانیف میں جو ترجمے نہیں ہیں بعض فن تعمیرات پر ہیں ' بعض سنگ تراشی پر ؛ کچھ طبی نباتات پر ' جیسے چوب چینی کے خواص پر؛ اسی طرح شاہین اور باز کے فن پر (جو ڈی ہیمر آنجہانی کی کتاب کے مماثل ہیں) ' فن بیطاری پر ؛ موتیوں * کی قیمت اور وزن پر ؛ شطرنج پر ؛ خوابوں

---

* رسالۂ موتی' مطبوعۂ حیدرآباد سنۂ ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ - ۱۸۳۶ ء) —

کی تعبیر اور طباخی کے فن پر —

ہندوستانی ادب کی اہم شاخ مشرقی زبانوں کی تصانیف کا ترجمہ ہے - یہ ترجمے سنسکرت ' فارسی اور عربی کی قدیم اور مشکل تصانیف کے سمجھنے کے لئے بہت کار آمد ہیں ' کیونکہ یہ اصل کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں اور انہیں قدرتی مناظر اور انہیں عادات و رسوم کے درمیان بیٹھ کر لکھے جاتے ہیں - میں اس سے قبل ایسی بہت سی کتابوں کا نام لکھ چکا ہوں جس کا اعادہ یہاں نہیں کروں گا —

مجھے اس کی اطلاع نہیں کہ ویدوں کا ترجمہ ہندوستانی زبان میں ہوا ہے یا نہیں - البتہ ایک اعلان اس مضمون کا چھپا تھا کہ ہندوؤں کی مقدس کتابوں کے ترجمے کا ایک سلسلہ شایع کیا جائے گا اور ویدوں کا ترجمہ اس کا ایک جز ہوگا - قرآن کے ترجمے بہت سے ہو چکے ہیں جن کا خاص امتیاز یہ ہے کہ بہت صحت اور احتیاط کے ساتھ کئے گئے ہیں —

سید احمد نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین کے ترجموں کا ذکر کیا ہے - اکثر ترجموں کے ساتھ تفسیر اور شرح بھی ہوتی ہے - ایک ترجمہ جو دہلی میں چھپا ہے اس سے بڑی رواداری کا اظہار ہوتا ہے ' کیونکہ اس میں اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کے عقائد کے مطابق تفسیر دی گئی ہے - قرآن کی ایک تفسیر منظوم بھی ہے جس

کا مصنف اشرف ہے - ضمناً میں یہ بھی بیان کرنا چاہتا ہوں
کہ ایرانیوں کی تقلید میں ہندی مسلمان برخلاف ترکوں
کے اپنی مقدس کتاب کا ترجمہ عوام کی زبان میں کرنے سے
خائف نہیں ہیں - ہندوستان کی عورتیں جمعہ کے روز اسی
طرح قرآن پڑھتی ہیں جیسے انگریز عورتیں اتوار کے روز
بائبل - عام طور پر ہندوستان کی عورتیں ترکی عورتوں سے
جو حسن میں زیادہ مشہور ہیں' زیادہ تعلیم یافتہ ہوتی ہیں-
سنسکرت کے ترجموں میں مہا بھارت' ہتوپدیش اور
ترکاسنگرہ کے ترجمے ہیں- آخری کتاب ہندی فلسفے کی ہے اور
اس کا مصنف اونم بھٹ ہے * - ہندوستانی ڈراموں میں وہ
خاص خاص ڈرامے جن کا ترجمہ ولسن نے کیا ہے' سنسکرت
ناٹک' دہلی' سنہ ۱۸۴۵ ع —

مہمنا ستوترا کا ترجمہ سنسکرت سے سمر سنگھہ نے کیا ہے
حالانکہ یہ شیوائیوں کی کتاب ہے' وغیرہ —

سنہ ۱۸۴۵ ع دہلی میں بھگونس کا ترجمہ ہو رہا تھا - یہ
نظم بھگو خاندان پر ہے اور کالیداس سے منسوب کی جاتی ہے؛
ادیاتما کی راماین اور سنسکرت کی دوسری کتابوں کے
ترجمے بھی ہو رہے تھے مگر مجھے اس کا علم نہیں کہ یہ شایع

---

* یہ کتاب ۱۸۵۲ ع میں بنارس میں سنسکرت کے عالم بے لن ٹائن Ballantyne کی نگرانی میں طبع ہوئی - اس میں اصل متن' ہندی اور انگریزی ترجمہ ہے —

بھی ہوے کہ نہیں - میں اس رسالے کی ابتدا میں متعدد ترجموں کا ذکر چکا ہوں —

سنسکرت کے ضمن میں مجھے ہندوستان کی جدید زبانوں یعنے تامل ' بنگالی اور مرھٹی کے ترجموں کا بھی ذکر کرنا چاہئے - مرھٹی میں منجملہ دوسری کتابوں کے سہتانرون نے اچھی خاصی شہرت حاصل کی ہے -

عربی سے جن کتابوں کا ترجمہ ہوا ہے ' ان میں خاص خاص کتابیں یہ ہیں : تاریخ ابوالفدا ' مترجمہ کریم وعرشی : ابن خلکان ' مترجمہ سبحان بخش : اخوان الصفا ' اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے : مشکوٰۃ شریف ' فقہ * کی مشہور کتاب : ادب القاضی' یہ فقہ کی دوسری مشہور کتاب ہے جس کا مصنف قدوری ہے ' اس کا ترجمہ " مختصر " سے کیا گیا ہے —

مقامات حریری کا لفظی ترجمہ دہلی میں شروع ہوا تھا ' لیکن جس وجہ سے مجھے فرانسیسی ترجمہ ترک کرنا پڑا ' اسی وجہ سے ہندوستانی مترجموں کو بھی دست بردار ہونا پڑا ' بات یہ ہے کہ مصنف نے جو لفظی تلازمے اور صنعت کی رعایت رکھی ہے' اور جو کتاب کا اصلی حسن ہے' وہ ترجمے میں قائم نہیں رہ سکتی —

الف لیلیٰ عربی ادب میں بے نظیر کتاب ہے ' ہندوستانی

---

* مصنف کو مغالطہ ہوا ہے - فقہ کی جگہ حدیث ہونا چاہئے (عبدالحق)

میں اس کے مترجم هندو مسلمان دونوں هیں - مسلمانوں میں ایک مولوی حسن علی خاں هیں جو اسی زمانے کے مصنف هیں ' دهلی کالج میں پروفیسر رہ چکے هیں اور کئی اور کتابوں کے مترجم بھی هیں ؛ دوسرے شمس الدین احمد هیں جنهوں نے مدراس میں پہلی دو سو راتوں کا ترجمه شایع کیا ' انهوں نے کلکته اڈیشن کی پیروی کی هے - جو هے بغمت اور فیشر سے بہت مختلف هے - هندؤں میں دیا شنکر نسیم هیں جن کا ترجمه * لکھنؤ میں سنه ۱۲۴۴ ھ (۱۸۲۸ - ۱۸۲۹ ع) میں تین جلدوں میں چھپا - حال هی میں دهلی میں پچاس راتوں کا ترجمه عربی سے اردو میں چھپا هے ' اسی میں اس کتاب کے دوسرے قصے بھی منتخب کر کے شامل کردیے گئے هیں - سوداگر بچے کا قصه بھی چھپ چکا هے —

"ورنیکلر ترانسلیشن سوسائٹی" نے ابوالفدا کے جغرافیے کا ترجمه شایع کیا هے - اس کے علاوہ رشیدالدین کی تاریخ مغلاں اور تاریخ ابن خلدون اور بعض مشهور و معروف کتابوں کے ترجموں کا اعلان کیا هے ' مگر میرا خیال هے که یه ترجمے یونهیں رہ گئے اور کبھی شایع نهوے —

فارسی کے ترجمے به کثرت هیں - بعض مقبول فارسی کتابوں کے کئی کئی ترجمے هوے هیں - مثلاً گلستاں کے کئی ترجمے هوے

---

* یه غلط هے - یه ترجمه اصغر علی نسیم کا کیا هوا هے - (عبدالحق)

اور کئی بار چھپے- بوستان سعدی کا ترجمہ مغل نے کیا' جس سے بعض مشکل مقامات کے حل میں مدد ملتی ہے- شاہنامے کے خلاصے کا ترجمہ نظم میں ملشی* نے اور نثر میں ایک تو محمد علی ترمزی نے اور دوسرا سرور نے سرور سلطانی کے نام سے کیا' سہراب کے قصے کا ترجمہ کاظم نے کیا' جلال الدین رومی کی مشہور نظم کے بھی جو مثنوی شریف' کے نام سے مشہور ہے ترجمے ہوے ہیں' پند نامۂ عطار اور پند نامۂ سعدی؛ منطق الطیر اور حسن وعشق کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں: اظہار دانش کا ترجمہ دوست نے کیا ہے: بہار دانش کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے- محمد اعظم کی تاریخ کشمیر کا ترجمہ شرافت نے کیا جو کئی بار چھپ چکا ہے؛ تاریخ طبری کا ترجمہ جعفر شاہ نے کیا ہے' ان کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہیں —

ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ بعض ہندی کتابوں کا ترجمہ مشرق کی دوسری زبانوں میں کیا گیا ہے- مثلاً ست سئی بہاری† کا ترجمہ سنسکرت میں ہوا ہے- باغ و بہار کا ارمنی زبان میں؛ راگ درشن‡ کا فارسی میں ترجمہ ہو چکا ہے؛ اُردو کی بہت

* خسروان عجم کے نام سے —

† اس کے کامل ترجمے کے متعلق' جو نشاط نے کیا ہے' کریم نے ذکر کیا ہے - ایک دوسرا ترجمہ شاہ مستان نے کیا ہے - یہ پوری کتاب کا نہیں بلکہ ملخص کا ترجمہ ہے - یہ دونوں نظم میں ہیں اور سنہ ۱۸۳۵ ع میں کلکتے میں طبع ہوے —

‡ یہ کتاب مان سنگھ راجۂ گوالیار کے حکم سے مرتب ہوئی - نظم میں ہندوستانی راگوں کا بیان ہے- فارسی میں اس کا ترجمہ فقیراللہ نے کیا W. ousely oriental collections' Vol. III p. 75

سی کتابوں کا ترجمہ اس زبان میں جو جدید ہندوستان میں لاطینی کا درجہ رکھتی ہے، ہو چکا ہے - مثلاً دھرم سنگھہ کا قصہ اور سراج پور کی کہانی، یہ اخلاقی قصے ہیں جو فارسی میں ترجمہ ہوگئے ہیں؛ پہلا ترجمہ قصۂ صادق خاں کے نام سے اور دوسرا قصۂ شمس آباد کے نام سے ہوا ہے —

اسی کے ساتھہ میں ان بے شمار ترجموں کا بھی اضافہ کرنا چاہتا ہوں جو انگریزی سے اردو میں ہوے ہیں اور یہ ہندوستان کے جدید آقاؤں کے حق میں تعریف کی بات ہے - فرانسیسی زبان سے بھی بہت سے ترجمے ہوے ہیں مثلاً فلوری کی تاریخی کتاب عقائد بصورت سوال و جواب، جس کے ترجمے کے لئے ہم کیتھولک مشنریوں کے ممنون ہیں؛ یا نامور مستشرق دی ساسی کی عربی صرف و نحو کا ترجمہ جو کئی سال سے دھلی کے مطبع کے لئے تیار ہو رہا ہے اور رولان کی مخلص تاریخ قدیم کا ترجمہ وغیرہ - لیکن فرانسیسی کتابوں کے ترجمے جو ہندوستانی میں ہوے ہیں وہ انگریزی سے ہوے ہیں اور ہمارے ہاں کے بہت سے فضلاً مثلاً ایلی دی بوماں یہ نہیں جانتے کہ ان کی کتابیں اس بدیسی لباس میں آگرے اور دلی میں پڑھی جاتی ہیں ٭ عجیب بات یہ ہے کہ سید احمد نے اپنی عجیب تفسیر انجیل میں انجیل کا ترجمہ عبرانی سے کرنا شروع کیا ہے —

ان ترجموں کے افادے سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا، اِن

کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان والوں کو ہمارے علوم و فنون ' ہماری قدیم و جدید تاریخ' یونان و روما کی تاریخ اور مشہور کتابوں مثلاً رسالیس (Rasselas) قزلباش (Cazilbach) وکار آف ویکفیلڈ (Vicar of Wakefield) ' رابنسن کروسو (Robinson Crusoe) ' بنین کی پلگرمس پروگرس (Bunyan's Pilgrim's Progress) ' دی اکانمی آف ہیومن لائف (The Economy of Human life) وغیرہ سے آشنا کیا جائے - سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ عیسوی مذہب سے انہیں باخبر کیا جائے جو ایک زندہ درخت ہے جس کا سایہ بیت المقدس سے لے کر تمام عالم پر پھیلا ہوا ہے- ایسے ترجمے جو عیسوی مذہب سے متعلق ہیں ۔ ان میں سے بعض میں ہمارے عقائد سادہ طور سے بیان کئےگئے ہیں اور ہماری کتب مقدسہ کو جابجا نقل کیا گیا ہے ؛ اور بعض مناظرے کی کتابیں ہیں جن میں خاص طور پر مسلمانوں سے بحث ہے جو عیسائی مذہب سے علانیہ تعصب رکھتے ہیں —

اس قسم کی مطبوعات میں سب سے دلچسپ قرآن کا ایک اڈیشن ہے جسے ایک پرسبی ٹیرین امریکن نے سنہ ۱۸۴۴ ع میں الہ آباد میں طبع کرایا - اس کے شروع میں ایک دیباچہ ہے جس میں مسلمانوں کی غلطیوں اور عیسائی مذہب کے خلاف ان کے اعتراضوں کی تردید کی گئی ہے ' متن کے ساتھہ

تفسیر بھی ہے جو اسی قسم کی ہے جو مراچی (Maracci) نے لکھی ہے - باقی کے لئے ہندوستان میں اس کا دروازہ پہلے ہی ایک پراتسٹنٹ مشنری بلجمن نے اپنی کتاب " Compendiosa Alcorani refutatio, Indice " لکھہ کر کھول دیا ہے ، یہ کتاب ہالے (Halle) میں سنہ ۱۷۴۴ ع میں چھپی تھی —

مذھبی کتابوں میں Anglicane Liturgie کا ترجمہ بھی ہے- یہ ترجمہ صرف ہندوستانیوں کی واقفیت کے لئے نہیں بلکہ ان نو عیسائی ہندیوں کے استعمال کے لئے ہے جن کی خاطر کلکتے اور بلا شبہ بعض دوسرے شہروں کے گرجوں میں ہندوستانی زبان میں عبادت ہوتی ہے ' جیسے نو عیسائی یہودیوں کے لئے لندن اور یروشلم میں عبادت کے رسوم عبرانی میں ادا ہوتے ہیں - یہاں تک کے نغمات بھی ہندوستانی میں لکھے گئے ہیں لیکن بحریں انگریزی ہیں تاکہ ویست منسٹر ایبے یا سینٹ پال کے گرجوں میں ایک ہی راگ میں گاے جاسکیں' جیسا کہ پیرس کے لوتھری فرانسیسی الفاظ کو جرمانی لے میں لے آے ہیں —

کچھہ دنوں قبل تک ہندوستانی کتابیں قلمی ہوتی تھیں کیوں کہ مطبع عام نہیں ہوے تھے - ان کتابوں کے حروف کی نسبت یہ خیال ہے کہ یہ بھاری اور بے ڈول ہیں ' نہ تو یہ خط پورا نستعلیق ہے جو اعلیٰ درجے کی قلمی کتابوں اور قطعات

کے لئے استعمال ہوتا ہے اور نہ شکستہ اور نہ مشرقی خوشخطی اور نہ خوبصورت عنوانات اور زیبائش کے لئے موزوں ہے - خوشی کی بات ہے کہ ان دشواریوں کو سنگی مطبع نے رفع کر دیا اور لوگوں نے اس کو بڑے شوق سے رواج دینا شروع کر دیا ہے - سب سے پہلا لیتھوگراف مطبع سنہ ۱۸۳۷ ع میں دھلی میں قائم ہوا اور سنہ ۱۸۵۰ ع میں ممالک مغربی و شمالی کے شہروں میں ایسے مطابع کی تعداد ۳۴ تک پہنچ گئی تھی۔ شمال کے ہر شہر میں اور ھندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں اس قسم کے مطبع قائم ہو گئے ہیں - مثلاً صرف لکھنؤ اور کانپور میں ۲۳ ہیں جن میں کئی سو کتابیں چھپ چکی ہیں، ان میں سے بعض دس دس بار طبع ہو چکی ہیں - آگرہ گورنمنٹ گزٹ بابت یکم جون ۱۸۵۰ ع میں تقریباً دو سو ھندوستانی مطبوعات کی فہرست دی تھی جس میں نقشے وغیرہ شریک نہ تھے، اور اگرچہ یہ ادب اور علوم و فنون پر ھندوستانیوں کے استعمال کے لئے محض ابتدائی کتابیں ہیں تاہم بعض ایسی ہیں جن سے علمائے یورپ بھی اغماض نہیں کر سکتے، مثلاً انوار سہیلی اور گلستان کے خلاصے جو کریم الدین نے مرتب کئے ہیں؛ سفر نامۂ امین چند، جس میں پنجاب، کشمیر، سندھ، دکن، خاندیس، مالوا اور راجپوتانے کی سیاحت کا حال ہے، اور ایک کتاب چندو دپکا، جس کا علم

اب تک یورپ کو نہ تھا ' وغیرہ —

"ورنیکلر ترانسلیشن سوسائٹی" ایک قابل تعریف جماعت ہے جس نے ادبی معلومات اور لیتھوگرافی کی اشاعت میں بہت بڑا کام کیا ہے - اس انجمن کا پہلا سکرٹری ہمارا ہم وطن موسیو بوترو (M. Boutros) تھا جو اُس وقت دھلی کالج کا پرنسپل تھا - اس انجمن نے سنسکرت' عربی ' فارسی کے اعلیٰ درجے کی تصانیف نیز انگریزی کی مفید کتب کے دیسی زبان میں عمدہ ترجمے کر کے اہل ہند کی بڑی خدمت کی ہے —

چھپائی کے ذکر سے خود بخود میرا خیال ایک دوسرے مضمون کی طرف پہنچا جس کا تعلق بھی ایک طرح ادب سے ہے اور جوپہلے ایشیا میں ناپید تھا مگر اب ہندوستان میں ترقی کر رہا ہے - میرا مطلب پریس (اخبار و رسائل) سے ہے جس کی حکومت روز بروز پھیلتی جاتی ہے اور جس نے فارغ البال بے فکرے ہندوستانی کو بھی اپنا غلام بنا لیا ہے - پانچ سال ہوے کلکتے میں سولہ اخبار ایسے تھے جو دیسی نکالتے تھے ' یعنے پانچ فارسی یا ہندوستانی میں اور نو بنگالی میں اور دو انگریزی میں * - کچھہ دنوں تک مولوی نصیر الدین مارتلد اخبار شایع کرتے رہے جس کے پانچ کالم ہوتے تھے اور جو پانچ زبانوں میں ہوتا تھا ' یعنے ہندی ' ہندوستانی '

* ولسن - دی ایتھنیم ' دسمبر سنہ ۱۸۳۸ ع -

بنگالی ' فارسی اور انگریزی میں * اور تھوڑے ہی دن ہوے کہ ایک دیسی اخبار خاص کر عورتوں کے لئے شائع ہوا ہے - بمبئی میں تین یا چار ہندوستانی † اخبار ہیں جو عام طور پر سب ہندیوں کے لئے ہیں اور دو خاص مسلمانوں کے لئے ' ان کے علاوہ چار گجراتی میں ہیں جو پارسیوں کے لئے ہیں اور دو مرہٹی میں مرہٹوں کے لئے - مدراس میں بھی کئی ہندوستانی اخبار ہیں ‡ اور اس سے زیادہ دہلی ' میرٹھ ' آگرہ ' لاہور بنارس اور لکھنؤ میں ہیں $ - چند اخبار سری رام پور ' کدار پور ' مرزا پور ' بھرت پور ' ملتان ' بریلی ' اندور وغیرہ میں بھی ہیں —

اگر یہ اخبار آسانی سے یورپ میں پہنچ سکیں تو بہت سی دلچسپ معلومات ان میں ایسی ملیں گی جو ہمارے اخباروں میں نقل کرنے کے قابل ہوں گی اور جس پر ہوریس کا یہ قول صادق آسکتا ہے —

" یہ سب ایک دوسرے کو مدد دیں گے اور ان میں باہم ایک خوش گوار اتحاد پیدا ہو جاے گا " —

---

* سنہ ۱۸۳۶ ع میں -

† بمبئی کا ہرکارہ ' اخبار دفتر جزیرۂ بمبئی ' تازۂ بہار وغیرہ -

‡ مراۃ الاخبار ' قاصد مدراس وغیرہ -

$ رپورٹ انجمن ترقی تعلیم دیسی زبان - سنہ ۱۸۴۵ ع ' از ڈاکٹر سپرنگر -

چھٹا خطبہ

(۲ - د سمبر سنہ ۱۸۵۵ ع)

حاضرین !

اپنے لکچروں کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے میں ہر سال ہندوستان کی ادبی تحریک کی ترقی آپ حضرات کے سامنے بیان کرتا ہوں - کم از کم اس زبان کی ترقی جو خصوصیت کے ساتھہ ہندوستانی کہی جاتی ہے اور جس کی دونوں شاخوں یعنی ہندو (ہندی) اور مسلمانی شاخ (اُردو) کے سیکھنے کے لئے آپ لوگ یہاں آئے ہیں —

اس سال اپنا یہ فرض ' کم سے کم ' صوبجات مغربی و شمالی کے متعلق میں اس وجہ سے اور بھی زیادہ آسانی کے ساتھہ انجام دے سکتا ہوں کہ صوبجات مغربی و شمالی کی سرکاری رپورٹ مجھے حال ہی میں پہنچ گئی ہے جس میں دیسی چھاپے خانوں اور گزشتہ سال کے شایع شدہ اخبارات و کتب کا ذکر کیا گیا ہے - اس کے علاوہ میرے پاس گزشتہ پہلی جون کے آگرہ گورمنٹ گزٹ کی ایک جلد بھی موجود ہے ' جس میں ان کتابوں کی مکمل فہرست شائع ہوئی ہے —

حضرات ! اِن چھاپے خانوں کی پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۲ ع تک کی حالت میں نے اپنے کسی لکچر میں بیان کی تھی- سرکاری رپورٹ کے مطابق صوبجات مغربی و شمالی میں اس وقت دیسیوں کے ۳۲ چھاپے خانے تھے جہاں سے ۲۹ هندوستانی اخبارات شائع ہوتے تھے - سنہ ۱۸۵۱ ع میں ان چھاپے خانوں سے ۱۲۹ مختلف کتابیں شائع ہوئیں جو تقریباً سب کی سب هندوستانی زبان میں تھیں - پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۳ ع تک چھاپے خانوں کی تعداد ۳۷ تک پہنچ گئی اور هندوستانی اخبارات کی تعداد ۳۰ ہوگئی - اور ان تمام کتابوں کی تعداد جو سنہ ۱۸۵۲ ع میں چھپیں ۱۳۰ تھی - بہر حال هم کو معلوم هے کہ پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۴ ع تک جب کہ میرے لکچر ختم ہوے چالیس چھاپے خانے اور ۳۳ اخبارات اِن صوبجات میں موجود تھے ، اور سنہ ۱۸۵۳ ع میں ۱۹۰ کتابیں شائع ہوئیں - اس وقت چند پرانے اخبارات جن سے میں آپ حضرات کا تعارف کرا چکا ہوں بند ہوگئے هیں - لیکن پھر بھی جدید اخبارات کی تعداد بمقابلہ اُس تعداد کے جو پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۲ ع میں دی گئی تھی بقدر ۳ کے زیادہ تھی - اخبارات جو بند ہوگئے ان کے نام یہ هیں :- " زا بدین هند " بنارس کا ، جس کے متعلق میں ایک مفصل آرٹکل " Debats " مورخہ ۱۹ جنوری ۱۸۵۱ ع میں شائع کرا چکا ہوں - " باغ و بہار " بھی

اِسی شہر سے شائع ہوتا تھا نیز " بنارس گزٹ " جو باوجود اپنے انگریزی نام کے اردو میں شائع ہوتا تھا ؛ دہلی کا " فوائد الناظرین " ' میرٹھ کا " مفتاح الاخبار " ' لاہور کا " دریاے نور " ' " شملہ اخبار " لدھیانہ کا " نور[69] علی نور " اور امرتسر کا " باغ نور " —

صوبجات مغربی و شمالی میں پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۴ ع تک جو چالیس چھاپے خانے موجود تھے ان کی تقسیم اس طرح پر ہوئی تھی کہ ان سے دس آگرہ میں تھے ' سات بنارس میں ' ایک بریلی میں ' ایک بھرتپور میں ' دو لاہور میں ' دو ملتان میں ارو ایک سیالکوٹ میں —

نئے اخبارات جن سے ابھی میں نے آپ کو آگاہ نہیں کیا یہ ہیں :— آگرہ میں " نور الاخبار " اور " بدھی پرکاش " یہ دونوں پرچے حقیقت میں ایک ہی ہیں اور ایک ہی شخص کی ادارت میں شائع ہوتے ہیں ؛ پہلا مسلمانوں کی اور دوسرا ہندؤں کی زبان میں - ان دونوں کا اڈیٹر " سدا سکھہ " نامی ایک لائق ہندو ہے ' جو انگریزی میں بھی خاصی لیاقت رکھتا ہے اور کئی کتابوں کا مصنف بھی ہے - یہ اخبار بہت کامیاب ہوے کیونکہ ان میں دلچسپ مضامین اور خبریں شائع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور تاریخ ' جغرافیہ ' ارضیات اور تعلیم پر اکثر پر مغز و مفید مضامین نکلتے رہتے

هیں - ان اخبارات کا طرز تحریر بہت پاکیزہ ہوتا ہے لیکن بہت پر تکلف نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں بڑے بڑے اور شاندار الفاظ و استعارات کا استعمال نہیں کیا جاتا جیسے مشرقی لوگ عام طور سے استعمال کرتے ہیں —

بنارس سے ایک اردو اخبار جاری ہوا ہے جس کا نام " آفتاب ہند " ہے - اس کے اڈیٹر بابو گوبند رگھوناتھ ہیں جو سکھوں کی تاریخ اور دوسری قابل قدر تصانیف کے مصنف ہیں - یہ اخبار اپنے مخصوص طرز تحریر اور اعلیٰ علمی اور ادبی مضامین کی وجہ سے جو ہمیشہ اس میں شائع ہوتے رہتے ہیں، بہت مشہور ہے —

سنہ ۱۸۵۳ ع سے ایک اُردو جریدہ " فتح الاخبار " ضلع علی گڈہ کے قصبہ کول سے نکلتا ہے، جو باوجود اپنے شاندار نام کے بہت سادہ اور سلیس زبان میں شائع ہوتا ہے - اس میں علاوہ خبروں اور آگرہ کے سرکاری اخبار کے انتخابات کے، عدالتوں کے مقدموں کی کارروائی بھی چھپتی ہے —

مغلیہ سلطنت کے قدیم دارالسلطنت دھلی سے باوجود ان پانچ اخباروں کے جو وہاں پہلے ہی سے موجود تھے، تین اردو اخبار سنہ ۱۸۵۳ ع سے اور جاری ہوے ہیں جن سے ان کی تعداد آٹھ ہوگئی ہے - حالانکہ قسطنطنیہ میں ترکی زبان کے صرف پانچ اخبار شائع ہوتے ہیں - نئے اخباروں کے

تفسیر بھی ہے جو اسی قسم کی ہے جو مراچی (Maracci) نے لکھی ہے - باقی کے لئے ہندوستان میں اس کا دروازہ پہلے ہی ایک پراتسٹنٹ مشنری بلچمن نے اپنی کتاب " Compendiosa Alcorani refutatio, Indice " لکھہ کر کھول دیا ہے ۔ یہ کتاب ہالے (Halle) میں سنہ ۱۷۴۴ ع میں چھپی تھی —

مذہبی کتابوں میں Anglicane Liturgie کا ترجمہ بھی ہے۔ یہ ترجمہ صرف ہندوستانیوں کی واقفیت کے لئے نہیں بلکہ ان نو عیسائی ہندیوں کے استعمال کے لئے ہے جن کی خاطر کلکتے اور بلا شبہ بعض دوسرے شہروں کے گرجوں میں ہندوستانی زبان میں عبادت ہوتی ہے ' جیسے نو عیسائی یہودیوں کے لئے لندن اور یروشلم میں عبادت کے رسوم عبرانی میں ادا ہوتے ہیں - یہاں تک کے نغمات بھی ہندوستانی میں لکھے گئے ہیں لیکن بحریں انگریزی ہیں تاکہ ویسٹ منسٹر ایبے یا سینٹ پال کے گرجوں میں ایک ہی راگ میں گاے جاسکیں' جیسا کہ پیرس کے لوتھری فرانسیسی الفاظ کو جرمانی لے میں لے آے ہیں —

کچھہ دنوں قبل تک ہندوستانی کتابیں قلمی ہوتی تھیں کیوں کہ مطبع عام نہیں ہوے تھے - ان کتابوں کے حروف کی نسبت یہ خیال ہے کہ یہ بھاری اور بے ڈول ہیں ' نہ تو یہ پورا نستعلیق ہے جو اعلیٰ درجے کی قلمی کتابوں اور قطعات

کے لئے استعمال ہوتا ہے اور نہ شکستہ اور نہ مشرقی خوشخطی اور نہ خوبصورت علوانات اور زیبائش کے لئے موزوں ہے - خوشی کی بات ہے کہ ان دشواریوں کو سنگی مطبع نے رفع کر دیا اور لوگوں نے اس کو بڑے شوق سے رواج دینا شروع کر دیا ہے - سب سے پہلا لیتھوگراف مطبع سنہ ۱۸۳۷ ع میں دہلی میں قائم ہوا اور سنہ ۱۸۵۲ ع میں ممالک مغربی و شمالی کے شہروں میں ایسے مطابع کی تعداد ۳۴ تک پہنچ گئی تھی. شمال کے ہر شہر میں اور ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں اس قسم کے مطبع قائم ہو گئے ہیں - مثلاً صرف لکھنؤ اور کانپور میں ۲۳ ہیں جن میں کئی سو کتابیں چھپ چکی ہیں' ان میں سے بعض دس دس بار طبع ہو چکی ہیں - آگرہ گورنمنٹ گزٹ بابت یکم جون ۱۸۵۵ ع میں تقریباً دو سو ہندوستانی مطبوعات کی فہرست دی تھی جس میں نقشے وغیرہ شریک نہ تھے ' اور اگرچہ یہ ادب اور علوم و فنون پر ہندوستانیوں کے استعمال کے لئے محض ابتدائی کتابیں ہیں تاہم بعض ایسی ہیں جن سے علماے یورپ بھی اغماض نہیں کر سکتے ' مثلاً انوار سہیلی اور گلستاں کے خلاصے جو کریم الدین نے مرتب کئے ہیں ' سفر نامۂ امین چند ' جس میں پنجاب ' کشمیر ' سندھ ' دکن ' خاندیس ' مالوا اور راجپوتانے کی سیاحت کا حال ہے ' اور ایک کتاب چندودیکا ' جس کا علم

اب تک یورپ کو نہ تھا ' وغیرہ —

"ورنیکلر ترانسلیشن سوسائٹی" ایک قابل تعریف جماعت ھے جس نے ادبی معلومات اور لیتھوگرانی کی اشاعت میں بہت بڑا کام کیا ھے - اس انجمن کا پہلا سکرٹری ھمارا ھم وطن موسیو بوترو (M. Boutros) تھا جو اُس وقت دھلی کالج کا پرنسپل تھا - اس انجمن نے سنسکرت' عربی ' فارسی کے اعلیٰ درجے کی تصانیف نیز انگریزی کی مفید کتب کے دیسی زبان میں عمدہ ترجمے کرکے اهل هند کی بڑی خدمت کی ھے —

چھپائی کے ذکر سے خود بخود میرا خیال ایک دوسرے مضمون کی طرف پہنچا جس کا تعلق بھی ایک طرح ادب سے ھے اور جوپہلے ایشیا میں ناپید تھا مگر اب هندوستان میں ترقی کر رھا ھے - میرا مطلب پریس (اخبار و رسائل) سے ھے جس کی حکومت روز بروز پھیلتی جاتی ھے اور جس نے فارغ البال بے فکرے هندوستانی کو بھی اپنا غلام بنا لیا ھے - پانچ سال ھوے کلکتے میں سولہ اخبار ایسے تھے جو دیسی نکالتے تھے ' یعنے پانچ فارسی یا هندوستانی میں اور نو بنگالی میں اور دو انگریزی میں * - کچھہ دنوں تک مولوی نصیر الدین مارتند اخبار شایع کرتے رھے جس کے پانچ کالم ھوتے تھے اور جو پانچ زبانوں میں ھوتا تھا ' یعنے هندی ' هندوستانی '

* ولسن - دی ایتھنیم ' دسمبر سنہ ۱۸۳۸ ع -

بنگالی، فارسی اور انگریزی میں * اور تھوڑے ہی دن ہوے کہ ایک دیسی اخبار خاص کر عورتوں کے لئے شائع ہوا ہے - بمبئی میں تین یا چار ہندوستانی † اخبار ہیں جو عام طور پر سب ہندیوں کے لئے ہیں اور دو خاص مسلمانوں کے لئے، ان کے علاوہ چار گجراتی میں ہیں جو پارسیوں کے لئے ہیں اور دو مرہٹی میں مرہٹوں کے لئے - مدراس میں بھی کئی ہندوستانی اخبار ہیں ‡ اور اس سے زیادہ دہلی، میرٹھ، آگرہ، لاہور بنارس اور لکھنؤ میں ہیں $ - چند اخبار سری رام پور، کدار پور، مرزا پور، بھرت پور، ملتان، بریلی، اندور وغیرہ میں بھی ہیں —

اگر یہ اخبار آسانی سے یورپ میں پہنچ سکیں تو بہت سی دلچسپ معلومات ان میں ایسی ملیں گی جو ہمارے اخباروں میں نقل کرنے کے قابل ہوں گی اور جس پر ہوریس کا یہ قول صادق آسکتا ہے —

" یہ سب ایک دوسرے کو مدد دیں گے اور ان میں باہم ایک خوش گوار اتحاد پیدا ہو جاے گا " —

---

* سنہ ۱۸۴۶ ع میں -

† بمبئی کا ہرکارہ، اخبار دفتر جزیرۂ بمبئی، تارۂ بہار وغیرہ -

‡ مراۃ الاخبار، قاصد مدراس وغیرہ -

$ رپورٹ انجمن ترقی تعلیم دیسی زبان - سنہ ۱۸۴۵ ع، از ڈاکٹر سپرنگر -

چھٹا خطبہ

(۴ - ۵ سمبر سنہ ۱۸۵۵ ع)

حاضرین !

اپے لکچروں کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے میں ہر سال ہندوستان کی ادبی تحریک کی ترقی آپ حضرات کے سامنے بیان کرتا ہوں - کم از کم اس زبان کی ترقی جو خصوصیت کے ساتھہ ہندوستانی کہی جاتی ہے اور جس کی دونوں شاخوں یعنی ہندو (ہندی) اور مسلمانی شاخ (اُردو) کے سیکھنے کے لئے آپ لوگ یہاں آئے ہیں —

اس سال اپنا یہ فرض ' کم سے کم ' صوبجات مغربی و شمالی کے متعلق میں اس وجہ سے اور بھی زیادہ آسانی کے ساتھہ انجام دے سکتا ہوں کہ صوبجات مغربی و شمالی کی سرکاری رپورٹ مجھے حال ہی میں پہنچ گئی ہے جس میں دیسی چھاپے خانوں اور گزشتہ سال کے شایع شدہ اخبارات و کتب کا ذکر کیا گیا ہے - اس کے علاوہ میرے پاس گزشتہ پہلی جون کے آگرہ گورمنٹ گزٹ کی ایک جلد بھی موجود ہے ' جس میں ان کتابوں کی مکمل فہرست شائع ہوئی ہے —

حضرات! اِن چھاپے خانوں کی پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۲ ع تک کی حالت میں نے اپنے کسی لکچر میں بیان کی تھی- سرکاری رپورٹ کے مطابق صوبجات مغربی و شمالی میں اُس وقت دیسیوں کے ۳۲ چھاپے خانے تھے جہاں سے ۲۹ ہندوستانی اخبارات شائع ہوتے تھے - سنہ ۱۸۵۱ ع میں ان چھاپے خانوں سے ۱۲۹ مختلف کتابیں شائع ہوئیں جو تقریباً سب کی سب ہندوستانی زبان میں تھیں - پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۳ ع تک چھاپے خانوں کی تعداد ۳۷ تک پہنچ گئی اور ہندوستانی اخبارات کی تعداد ۳۰ ہوگئی - اور ان تمام کتابوں کی تعداد جو سنہ ۱۸۵۲ ع میں چھپیں ۱۳۰ تھی - بہر حال ہم کو معلوم ہے کہ پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۴ ع تک جب کہ میرے لکچر ختم ہوے چالیس چھاپے خانے اور ۳۳ اخبارات اِن صوبجات میں موجود تھے' اور سنہ ۱۸۵۳ ع میں ۱۹۵ کتابیں شائع ہوئیں - اس وقت چند پرانے اخبارات جن سے میں آپ حضرات کا تعارف کرا چکا ہوں بند ہوگئے ہیں - لیکن پھر بھی جدید اخبارات کی تعداد بمقابلہ اُس تعداد کے جو پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۲ ع میں دی گئی تھی بقدر ۳ کے زیادہ تھی - اخبارات جو بند ہوگئے ان کے نام یہ ہیں :- " زایرین ہند " بنارس کا ، جس کے متعلق میں ایک مفصل آرٹکل " Debats " مورخہ ۱۹ جنوری ۱۸۵۱ ع میں شائع کرا چکا ہوں - " باغ و بہار " بھی

اِسی شہر سے شائع ہوتا تھا نیز " بنارس گزٹ " جو باوجود اپنے انگریزی نام کے اردو میں شائع ہوتا تھا ؛ دھلی کا " فوائد الناظرین " ، میرٹھ کا " مفتاح الاخبار " ، لاھور کا " دریائے نور " ، " شملہ اخبار " لدھیانہ کا " نور[69] علی نور " اور امرتسر کا " باغ نور " ۔

صوبجات مغربی و شمالی میں پہلی جنوری سنہ ۱۸۵۴ ع تک جو چالیس چھاپے خانے موجود تھے ان کی تقسیم اس طرح پر ہوئی تھی کہ ان سے دس آگرہ میں تھے ، سات بنارس میں ، ایک بریلی میں ، ایک بھرتپور میں ، دو لاھور میں ، دو ملتان میں ارو ایک سیالکوٹ میں ۔

نئے اخبارات جن سے ابھی میں نے آپ کو آگاہ نہیں کیا یہ ھیں :۔ آگرہ میں " نور الاخبار " اور " بدھی پرکاش " یہ دونوں پرچے حقیقت میں ایک ھی ھیں اور ایک ھی شخص کی ادارت میں شائع ہوتے ھیں ؛ پہلا مسلمانوں کی اور دوسرا ھندؤں کی زبان میں ۔ ان دونوں کا اڈیٹر " سدا سکھہ " نامی ایک لائق ھندو ھے ، جو انگریزی میں بھی خاصی لیاقت رکھتا ھے اور کئی کتابوں کا مصنف بھی ھے ۔ یہ اخبار بہت کامیاب ہوے کیونکہ ان میں دلچسپ مضامین اور خبریں شائع کرنے کی کوشش کی جاتی ھے اور تاریخ ، جغرافیہ ، ارضیات اور تعلیم پر اکثر پر مغز و مفید مضامین نکلتے رھتے

هیں - ان اخبارات کا طرز تحریر بہت پاکیزہ ہوتا ہے لیکن بہت پر تکلف نہیں ہوتا کیونکہ ان میں بڑے بڑے اور شاندار الفاظ و استعارات کا استعمال نہیں کیا جاتا جیسے مشرقی لوگ عام طور سے استعمال کرتے هیں —

بنارس سے ایک اردو اخبار جاری ہوا ہے جس کا نام " آفتاب ہند " ہے - اس کے اڈیٹر بابو گوبند رگھوناتھ هیں جو سکھوں کی تاریخ اور دوسری قابل قدر تصانیف کے مصنف هیں - یہ اخبار اپنے مخصوص طرز تحریر اور اعلیٰ علمی اور ادبی مضامین کی وجہ سے جو همیشہ اس میں شائع ہوتے رہتے هیں ' بہت مشہور ہے —

سنہ ۱۸۵۳ ع سے ایک اُردو جریدہ " فتح الاخبار " ضلع علی گڈھ کے قصبہ کول سے نکلتا ہے ' جو باوجود اپنے شاندار نام کے بہت سادہ اور سلیس زبان میں شائع ہوتا ہے - اس میں علاوہ خبروں اور آگرہ کے سرکاری اخبار کے انتخابات کے ' عدالتوں کے مقدموں کی کارروائی بھی چھپتی ہے —

مغلیہ سلطنت کے قدیم دارالسلطنت دهلی سے باوجود ان پانچ اخباروں کے جو وهاں پہلے هی سے موجود تھے ' تین اردو اخبار سنہ ۱۸۵۳ ع سے اور جاری ہوے هیں جن سے ان کی تعداد آٹھ ہوگئی ہے - حالانکہ قسطنطنیہ میں ترکی زبان کے صرف پانچ اخبار شائع ہوتے هیں - نئے اخباروں کے

نام یہ ھیں :—

" صادق الاخبار " جسے مصطفیٰ خاں مصطفائی پریس کے منیجر نکالتے ھیں - یہ پریس پہلے لکھنؤ میں تھا لیکن چند خاص وجوہ کی بنا پر یہ کارخانہ وہاں بند کردیا گیا - اس کے بعد مصطفیٰ خاں نے اُس کی دو نئی شاخیں ایک کانپور اور دوسری دھلی میں قائم کیں - یہ پرچہ دھلی سے شائع ھوتا ھے - اسی نام کا ایک دوسرا اخبار فارسی زبان میں بھی شائع ھوتا ھے - دھلی کے دوسرے نئے اخبار " نور مشرقی" و " نور مغربی " ھیں - ان دونوں کا ایک ھی مقصد ھے ' یعنی اھل ملک میں مفید معلومات کی اشاعت کی جائے اور ان کو حب بنی نوعِ انسان کے خیالات اور اصول سے باخبر کیا جائے - لیکن اپنے ناموں کے لحاظ سے پہلا مشرقی خیالات کا اظہار کرتا ھے اور دوسرا مغربی یعنی یورپین خیالات کا —

گوالیار سے ایک شخص لکشمی پرشاد جو وھاں کی حکومت کا ملازم ھے سنہ ۱۷۵۴ ع سے ایک سرکاری اخبار نکالتا ھے جس میں دو کالم ھوتے ھیں - ایک اردو میں دوسرا ھندی میں - یہی لائق شخص اس سے قبل بریلی سے ایک اخبار نکالتا تھا جس میں اکثر حقیقی ادبی دلچسپی کے مضامین شائع ھوتے تھے ' مثلاً ایک مضمون میں دھلی اور لکھنؤ کی اردو کا مقابلہ کیا گیا تھا —

ملتان سے علاوہ اس اخبار کے جو وہاں پہلے سے موجود تھا سنہ ۱۸۵۳ ع سے ایک اور اُردو اخبار شائع ہو رہا ہے - اس کا نام " شعاع شمس " ہے اور یہ مہاراجہ ھلکر کی سرپرستی میں ایک لائق درویش علام نصیرالدین کی ادارت میں شائع ہوتا ہے —

سب سے آخر میں سیالکوٹ سے ایک اخبار " چشمۂ فیض " کے نام سے ماہ جون سنہ ۱۸۵۳ ع سے جاری ہوا ہے - پنجاب کے اس شہر اور ضلع (سیالکوٹ) میں جس قدر تعلیم کے فوائد کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے غالباً تمام ہندوستان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی - کیونکہ " دی فرنڈ آف انڈیا " (The Friend of India) کے حال ہی میں یہ خبر شائع کی تھی کہ اس قرب و جوار کے نو سو پچاس دیہات میں وہ خاص ٹیکس جو حکومت برطانیہ نے جو دیسیوں کی تعلیم کے لئے قائم کیا تھا پیشگی ادا کر دیا گیا ، جس کی وجہ سے مجوزہ مدارس بغیر کسی توقف کے فوراً کھول دیے گئے -

حضرات ! میں ابتدائی یا اس سے بھی دم درجے کی سائنس کی کتابوں کے بارے میں جو سنہ ۱۸۵۱ و ۱۸۵۳ع میں صوبجات مغربی و شمالی میں شائع ہوئیں کچھ نہیں عرض کروں گا - میں صرف اُن کتابوں کا تذکرہ کروں گا جو ادب، تاریخ اور فلسفے کے زمرے میں شامل ہو سکتی ہیں - لہذا اس

حیثیت سے میں ''چراغ حقیقت'' کا نام لونگا جس میں صوفیوں کے مذہبی اصول سے بحث کی گئی ھے - یا " تذکرۃ التمکین " کا ' جس میں مظاہر قدرت قابل قدر آثار اور غیر معمولی جانوروں کا تذکرہ ھے - اس کتاب میں کسی قدر اخلاق و تاریخ سے بھی بحث کی گئی ھے - یا " عجائب روزگار " کا ' جو در حقیقت اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن معلوم ھوتا ھے مگر نام بدل دیا گیا ھے - یا ''مخزن قدرت'' اور ''خیالات الصانعی'' کا جو ایک ھی قسم کی کتابیں ھیں اور ان میں مذھبی نقطۂ نظر سے فطرت کی تصویر پیش کی گئی ھے —

مجھے آپ کے سامنے قوانین منو (Laws of Manu) کے اردو ترجمے " منوسن ھتا " کا ' عربی کے فاضل ادیب ابوالحسن بغدادی المعروف بہ قدوری کے رسالۂ فقہ کا ' جس کا نام " مختصر قدوری'' ھے اور رام چند کے رسالۂ " بھوت نہلگ " کا تذکرہ بھی کرنا چاھئے - یہ ھندو ادیب جس کا میں آپ لوگوں سے تعارف کرا چکا ھوں عیسائی ھو گیا ھے - اس کی اس کتاب کا مقصد ھندوستانیوں کو بھوت پریت پر عقیدہ رکھنے سے باز رکھنا ھے - یعنی دراں حالیکہ یورپ میں لوگ اس قسم کی ارواح سے حقیقی تعلقات قائم کرنا چاھتے ھیں' ھندو لوگ یورپین اور عیسائی خیالات سے متاثر ھو کر اپنے ھم وطنوں کو ان پر عقیدہ رکھنے سے روکنے کی حتی الوسع کوشش کرتے ھیں-

میں اس موقع پر اخلاقی ناولوں کو فراموش کرنا بھی نہیں چاہتا - مثلاً " سندھی کبدھی " جس میں برے اور بھلے اخلاق کا فرق بتایا گیا ہے - یا "بنجارا " جس میں صاف طور سے دنیاوی چیزوں کی بے ثباتی ثابت کی گئی ہے - یا فارسی " تاریخ کشمیر " مولفۂ محمد عظیم کا اردو ترجمہ - یا سبحان کی " تاریخ فقہائے اسلام " یا " یوسف علی خاں کا سفرنامۂ یورپ " یا اس سے بھی زیادہ دلچسپ " ہندوستان کے غیر معروف حصوں میں فرماں روائے اندور کی سیاحت" - آخر کی دونوں کتابوں کا شائع کرنے والا امین چند ہے —

سب سے آخر میں ' قابل ذکر کتابیں امام بخش صہبائی کی تصانیف ہیں جن کے نام " حدیقة البلاغت" " انتخابات نظم " اور " قواعد اردو " ہیں - ان کی قواعد اردو اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل قدر ہے کہ اس کے آخر میں ضرب الامثال اور محاورات کی ایک فہرست درج ہے - مولانا صہبائی ' منشی عبدالکریم کے ہم عصر ہیں اور منشی صاحب اپنے تذکرۂ شعرا میں بیان کرتے ہیں کہ یہ قابل مصنف دہلی میں فارسی کے سب سے زیادہ فاضل ادیب تصور کئے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے دہلی کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر کئے گئے - یہ دہلی کے مشہور محلے " چیلوں کے کوچہ " میں رہتے ہیں - وہ ہمیشہ پرانی وضع کا لباس پہنتے ہیں ؛

ان کی ڈاڑھی سرخ رنگی ہوتی ہے اور چہرے پر چیچک کے نشان ہیں - اس وقت ان کی عمر ساٹھ برس کی ہے —

سنہ ۱۸۵۲ - ۵۳ ع میں جو کتابیں ایسی شایع ہوئی ہیں جن کا تعلق تخیل سے ہے، خواہ وہ اصل تصانیف ہوں یا دوسری ایشیائی زبانوں کے ترجمے ' ان میں سے میں صرف ذیل کی چند کتابوں کا ذکر کرتا ہوں :- " کرشن بالپن " جس میں کرشن کے بچپن کا حال نظم میں بیان کیا گیا ہے : محمد حسین کی " لیلیٰ مجنوں " : " سفینۂ ظرافت " جو ظریفانہ نظم و نثر کا مجموعہ ہے ؛ " شرح قصائد سودا " جو ہندوستان کے زمانۂ حال کے شعرا کا بادشاہ مانا جاتا ہے؛ " دیوان درد " جو گذشتہ صدی کے بہترین شعرا میں تسلیم کیا جاتا ہے ؛ راماین " کا ایک خوبصورت ہندی اڈیشن اور " انوار سہیلی " کا خلاصہ - انوار سہیلی فارسی ادب کی بہترین کتاب ہے جس کا حال ہی میں بہت صحیح ترجمہ مسٹر ایسٹ وک نے انگریزی میں کیا ہے جس سے ان کے ذوق سلیم کا پتہ چلتا ہے اور جن کو ہم ان کے متعدد ادبی خدمات کی وجہ سے ایک نیا " ڈی ہیمر " (De Hammer) خیال کرتے ہیں -

حضرات ! میں یقین کرتا ہوں کہ آپ لوگ ہندوستان کے اس انگریز حاکم کی رائے سے اتفاق نہ کریں گے جو اپنی رپورٹ مورخہ ۲۳ ستمبر سنہ ۱۸۵۴ ع میں ان کتابوں کا اور

خاص کر "باغ و بہار"، "گل بکاولی"، "اخلاق جلالی"، "زبدۃ الخیال"، "پریم ساگر"، "ست سئی" اور "راج نتی" کا (جو میری رائے میں ہندوستانی ادب میں بہت نفیس کتابیں ہیں) نہایت حقارت سے ذکر کرتا ہے اور بچوں کا کھیل سمجھتا ہے جن سے دل و دماغ میں ہرگز اعلیٰ اور شریفانہ خیالات پیدا نہیں ہو سکتے —

یہ آگے چل کر کہتا ہے کہ "راج نتی" کے پڑھنے سے دماغ پر وہی اثر ہوتا ہے جو ایک مدہوش شرابی کو دیکھ کر ہو سکتا ہے - حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ کتاب "ہتوپدیش" کا صرف ہندی ترجمہ ہے، جس کی فضیلت کا ہر شخص معترف ہے - اس انگریز کا خیال ہے کہ ہندوستانی لٹریچر کو انگریزی زبان کے ترجموں سے نیا جنم لینا چاہئے - غالباً وہ بھولتا ہے کہ انہی کتابوں میں بعض اس قدر دلچسپ ہیں کہ یورپ میں انہیں اس قدر قبولیت اور شہرت حاصل ہوئی کہ خالص یورپی کتابیں بھی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتیں - مثال کے طور پر میں صرف "الف لیلیٰ" کا نام لیتا ہوں - یہ دنیا کی نہایت دلچسپ کتابوں میں سے ہے اور پھر لطف یہ کہ اس سے ہمیں مسلمانوں کے رسم و رواج کا بھی علم ہو جاتا ہے - یہ صحیح ہے کہ یہ کتاب محض تفنن طبع کے لئے ہے، لیکن کم از کم "گلی ورس ٹریولس" (Gullivers Travels) سے یقیناً

کہیں زیادہ قابل وقعت ہے جس کے بارے میں ایک دوسرے انگریز افسر نے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کئے جانے کی راے دی ہے —

حضرات! میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ جو کتابیں اس قدر حقارت سے دیکھی گئی ہیں وہ محض افسانے ہیں' لیکن تاریخ بھی بسا اوقات غلط ہوتی اور اس کی غلطیاں زیادہ خطرناک ہوتی ہیں- جیسا کہ "بائی رن" اپنی نظم "لارا" میں لکھتا ہے-

"...... تاریخ کا قلم اس کی برائی یا بھلائی کو پورا کرتا ہے - وہ سچ کی طرح جھوٹ بولتا ہے اور اس کا جھوٹ بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے — "

انگریزی زبان سے جو کتابیں ہندوستانی میں ترجمہ ہوئیں ان میں ذیل کی کتابیں قابل ذکر ہیں : - ریورنڈ جے اے شرمن کی "تاریخ متقدمین و متاخرین " گولڈ اسمتھ کی تاریخہاے روم و یونان یا زمانۂ قدیم کے فلسفیوں مثلاً اسکندر' ڈی ماس تھنیز' سسرو وغیرہ کی سوانح زندگی جو پلوتارک کے انگریزی ترجمے سے ترجمہ کی گئی ہیں - ایک کتاب جس کا نام "بحری و بری انکشافات " ہے ' مارش مین کی تاریخ انگریزوں کا تسلط بنگال' سلطنت چین کی تاریخ جس کو جے - ایف کارکورن نے جو ایک اینگلو انڈین اور پر جوش کیتھولک تھا جسوئٹ مشنریوں کے یک طرفہ معلومات سے مرتب کیا تھا —

مشرقی علم و فضل نیز ہندوستانیوں کی دلچسپی کے نقطۂ نظر سے (جن کے لئے یہ کتابیں شائع کی گئی ہیں)، یہ بات بہت ہی قابل افسوس ہے کہ جن کتابوں کا انگریزی سے ترجمہ ہوا وہ تاریخ، سیاست، اور مشرقی ممالک کے مذاہب جیسے مضامین پر مشتمل ہیں۔ مثال کے طور پر ایک کتاب کا ایڈن برا کیبنٹ لائبریری سے ترجمہ ہوا ہے اور وہ شاہان مغلیہ کی تاریخ ہے، یا مثلاً ہندوستان کا جغرافیہ "مرے" کی "اِن سایکلوپیڈیا آف جیاگرفی" سے کیا گیا ہے، یا تاریخ فارس جو "ماڈرن ٹریولر" کا ترجمہ ہے اور اسی قسم کی اور کتابیں ہیں۔ اس قسم کی کارروائی کے معنی حقیقتاً ہندوستان کو وحشی ملک سمجھنا ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہندوستانیوں کی بہ نسبت ان کے ملک کو زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ اگر ہندوستان میں تحریری چیزیں نہ بھی ہوتیں تو اس صورت میں بھی ہم اسے صحیح تسلیم نہ کرتے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ ہم کو جو کچھ بھی معلومات مشرق کے بارے میں ہے وہ مشرقی اہل قلم ہی کی بدولت ہے —

بعض اوقات یہ بھی ہوا ہے کہ اصل کا مطلب غلط سمجھا گیا ہے۔ نیز اعلام میں بھی بہت کچھ گڈ مڈ ہوگئی ہے۔ اگر ان خامیوں کے ساتھ اُن خامیوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے

جو ترجمے کے ساتھ لازمی ہیں تو ترجمے کا ماحصل حقیقتاً ایک بہت ہی نامکمل کتاب ہوگی جس سے ملک کے باشندوں کو اپنے وطن کی تاریخ کے متعلق غلط معلومات پیدا ہوں گی - اگر ہندوستانی زبان میں تاریخی کتابیں نہیں ہیں تو بھی کوئی وجہ نہیں کہ انگریزی کو فارسی پر ترجیح دی جائے، کیوں نہ فارسی تاریخوں کا ترجمہ کیا جائے یا کم سے کم فارسی تاریخوں پر ان کی بنیاد قائم کی جائے - اور جو باتیں اس میں صراحت کے ساتھ غلط ثابت ہوں یا خلاف اخلاق تصور کی جائیں ان کو حذف کر دیا جائے - اس قسم کا ترجمہ آسان بھی ہوگا اور دیسی اہل قلم حضرات کی طبیعت کے موافق بھی - اس طریقے سے اُن کے خیالات اپنے ہی ماخذوں پر مبنی ہوں گے اور ترجمے میں جو فاش غلطیاں ہوتی ہیں اس سے محفوظ رہیں گے ورنہ ہوتا یہ ہے کہ مفہوم پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے مکھی پہ مکھی مار دیتے ہیں اور ہندوستانی الفاظ کا غلط استعمال کیا جاتا ہے، خاص کر ان مترجموں کے ہاتھوں ایسے یورپی خیالات اور تلمیحات کی بڑی مٹی خراب ہوتی ہے جن سے وہ بالکل نابلد ہیں --

مثلاً آنریبل مسٹر ڈ بلیو میور نے جو صوبجات مغربی و شمالی کی انگریزی حکومت کے سکریٹری ہیں تھلر کی "ہسٹری آف محمدن ازم" کے ترجمے کو جسے دہلی کالج کے

چار معلموں نے کیا ہے، بڑے غور سے ملاحظہ فرمایا، وہ بھی میری طرح انہیں نقائص کے شاکی ہیں۔ اس تاریخ کے پہلے ہی باب میں ان کو ایسے جملے ملے جو بالکل مبہم ہیں اور جن کا کوئی مطلب نہیں اور جو یقیناً غلط ہیں۔ ان میں سے اکثر کے متعلق انہوں نے اپنے نسخے کے حاشیے پر اشارہ کردیا ہے۔ اس لائق عہدہ دار کا بیان ہے کہ "یہ اور بھی زیادہ قابل افسوس اس وجہ سے ہے کہ وہ تمام مسلمان جو اپنے ادب میں اچھی استعداد رکھتے ہیں ان غلطیوں کو فوراً معلوم کرلیں گے اور اس سے ہماری تمام تصانیف اور ترجموں پر بڑا حرف آئے گا"۔

ایک بات اور بھی ہے کہ اس ترجمہ کا کام محض مسلمانوں ہی کے سپرد نہیں کیا گیا بلکہ چار میں سے صرف دو مترجم مسلمان تھے اور باقی دو ہندو۔ جن حصوں کا مسلمان پروفیسروں نے ترجمہ کیا ہے وہ خاصے صحیح ہیں، لیکن یہ حالت اس حصے کی نہیں جسے ہندوؤں نے ترجمہ کیا ہے، اس میں عربی الفاظ کا املا تک غلط ہے۔ اس کے علاوہ ان ابواب میں ہندو مترجموں نے یورپی مصنف کے اس طرز تحریر کو جو اس نے قرآن اور اسلام کے متعلق استعمال کی ہے، نرم کرنے کی کوشش نہیں کی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جو مسلمان اسے پڑھے گا وہ برہم ہوگا، حالانکہ پیغمبر (صلعم) اور مکے کے ساتھ معمولی تعظیمی الفاظ برابر استعمال کئے گئے ہیں، لیکن ان کا کتاب

کے متن سے جوڑ نہیں بیٹھتا —

حضرات! میں اس سے غافل نہیں ہوں کہ اس قسم کی مطبوعات کی سرپرستی سے حکومت برطانیہ کا مقصد محض یورپین خیالات کی اشاعت نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ مسیحی خیالات کی اشاعت بھی ہے - آخری مقصد نہایت قابل قدر ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا ' مگر میرے خیال میں یہ مقصد دوسری طرح بھی حاصل ہوسکتا ہے یعنی جیسا میں نے ابھی کہا ہے' مشرقی کتابوں کی اصلاح سے - فلسفہ اور مسیحی اخلاق کی کتابوں کے ترجمے میں کوئی ہرج نہیں' بلکہ اس قسم کا ترجمہ درحقیقت ہندوستان والوں کے لئے مفید اور نفع بخش ہوگا - اسی وجہ سے میں " رابن سن کروسو " (Robinson Crusoe) کے ترجمے کو اور خاص کر " خدا کے وجود پر فنلن کے خیالات " (Thoughts of Fenelon on the Existence of God) جس کا ترجمہ " ای راونشا " (E. Rwenshow) کی انگریزی کتاب سے ہندوستانی میں بہت لیاقت کے ساتھ کیا گیا ہے ' بہت پسند کرتا ہوں - در صورت امکان میں یورپ کے بہترین ادبی کارناموں کے ترجمے کا بھی بڑا موید ہوں - چنانچہ مجھے اس بات کے معلوم ہونے سے بڑی خوشی ہوئی کہ بنارس کے " سدھاکر " اخبار میں شکسپیر کے " مڈسمر نائٹس ڈریم " کا ہندی ترجمہ شائع ہوا

ھے - یہ ترجمہ "مرچنٹ آف وینس" کے بنگالی ترجمہ سے جسے خفیف ترمیمات کے بعد بالکل مشرقی بنا لیا گیا ھے، بہت اچھا ھے - اس میں شبہ نہیں کہ بہت جلد ھندوستانی میں اس نامور انگریز ڈرما نویس کی بہترین کتابوں کا ترجمہ ہو جائے گا اور کہا تعجب ھے کہ اس وقت دھلی اور آگرے کے تھیٹروں میں بہ مقابلہ پیرس کے زیادہ کامیابی کے ساتھ "میکبتھ" کا قابل قدر المیہ کھیلا جا رہا ہو، اور ھندوستانی اپنی ھی زبان میں ان پاکیزہ اشعار کی داد دے رہے ہوں جو نامور شاعر نے ڈنکن کے قتل کے بعد "میکبتھ" کی زبان سے ادا کئے ہیں ـــ

"میں سمجھا کہ کسی نے آواز دی کہ "بس، اب سونا ختم کرو"!
میکبتھ نے نیند کو، معصوم نیند کو قتل کر ڈالا،
وہ نیند جو افکار انسانی کی گرھوں کو سلجھاتی ھے،
جو روز مرہ کی زندگی کی موت ھے، اور تھکاوٹ کے لئے بمنزلہ غسل، جو زخمی دماغ کے لئے اکسیر مرھم اور فطرت کا بہترین علاج ھے، زندگی کی ضیافت کی لذتیں اسی کی رھین منت ہیں"

ساتواں خطبہ

۴ دسمبر سنہ ۱۸۵۶ ع

حضرات! ہمارے گزشتہ جلسے کے انعقاد کے بعد، ہندوستان کی ایک ایسی سلطنت میں جہاں تمام تر ہندوستانی زبان ہی بولی جاتی ہے، ایک نہایت اہم واقعہ پیش آیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان کی انگریزی حکومت نے سری رام چندر جی کی گدی کے مالک، اودھ (قدیم اجودھیا) کے فرمانروا اعلیٰ حضرت واجد علی شاہ کو تخت سے اُتار دیا ہے۔ مجھے اس موقع پر اس خالص سیاسی انقلاب پر تبصرہ یا بحیثیت بادشاہ کے واجد علی کی اچھائیوں یا برائیوں سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ مجھے واجد علی شاہ کے ساتھ اس وجہ سے کسی قدر دلچسپی ہے کہ وہ ایک ممتاز ادیب اور بلند پایہ شاعر ہیں 'اختر' ان کا تخلص ہے، اور وہ آج کل ہندوستان کے آسمان شاعری کے چند درخشاں ستاروں میں سے ہیں۔ میں اس سے پہلے

دوسرے موقعوں پر آپ سب کے سامنے ان کی تصنیفات اور نتائج افکار کا ذکر کر چکا ہوں۔ وہ اپنے خاندان کے شاہان سلف کی روایتوں کے حامل اور تخت و تاج کے ایک لائق وارث ہیں - ان کا سارا خاندان ہندوستانی ادبیات کا محسن تھا ' اور اس کے اکثر افراد خود بھی ادبی ذوق رکھتے تھے - صفدر جنگ ' شجاع الدولہ ' آصف الدولہ ' جو ہندوستانی زبان کے شاعر تھے اور آصف' تخلص کرتے تھے' سعادت علی خاں ' غازی الدین حیدر' جومشہور فارسی لغت ہفت قلزم کے مولف تھے '' ا; جن کی کتاب کا یہ نام اس وجہہ سے ہوا کہ وہ سات جلدوں پر مشتمل ہے - نصرالدین حیدر ' ناصر الدولہ ' اور خود واجد علی شاہ معزول کے والد امجد علی شاہ' ان سب کے احسانات ہندوستانی ادبیات پر ہیں - واجد علی کو ایسی شریف اور باہمت ملکہ کے بیٹے ہونے کا شرف حاصل ہے ' جس نے اگرچہ اپنی عمر میں کبھی سمندر نہ دیکھا تھا ' اور جہاز کا نام تک نہ سنا تھا لیکن محض اپنی نسل کے حقوق کی حفاظت کے لئے سات سمندر پار کا سفرکیا' اور انگلستان پہنچ کر حکومت کے اس طرز عمل کے خلاف احتجاج کیا ' جس کا شکار ان کا بیٹا واجد علی بنایا گیا تھا ۔

اس تمہید کے بعد اب میں اپنے سالانہ خطبے کے موضوع کی طرف متوجہ ہوتا ہوں' یعنی ہندوستان کی اس ادبی تحریک کا

یہاں جو ہندوستانی زبان کے توسط سے ہوئی ہے - میں نے کسی موقع پر ہندوستانی زبان کو فرانسیسی کی بہن * کہا ہے لیکن دراصل وہ اس کی خالہ زاد بہن ہے ' جس طرح اطالوی † زبان فرانسیسی کی خالہ زاد بہن ہے ' اور سنسکرت لاطینی کی بہن اور " ہندوستانی " یا " ہندی " یا " جدید ہندوستانی " کی ماں ہے —

حضرات ! لفظ " ہندوستانی " جیسا کہ میں متعدد بار آپ سے عرض کر چکا ہوں ' اسم جنس ہے اور اس سے ہندوستان کی اور خصوصاً ممالک مغربی و شمالی اور پنجاب کی زبان مراد لی جاتی ہے- اُردو' جسے کسی قدر فارسی آمیز اور عربی آمیز ہندوستانی کہنا چاہئے ' تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی زبان ہے' اور ان کی راجدھانیوں مثلاً دہلی ' آگرہ ' لکھنؤ اور حیدر آباد میں نہایت کھری اور خالص شکل میں بولی جاتی ہے - ہندی کو ہندوؤں کی ہندوستانی کہنا چاہئے اور یہ زیادہ تر سنسکرت لفظوں سے' خواہ خالص ہوں یا مخلوط ' بھری ہوئی ہے- ہندی کے لئے عام طور پر دیوناگری رسم الخط

---

* ملاحظہ ہو میرے خطبۂ افتتاحیہ بابت سنہ ۱۸۵۳ م کا آخری پارہ (مصنف) —

† ملاحظہ ہو میکس مولر (Max Muller) کی کتاب (ہدایات دربارۂ تحصیل السنہ Suggestions inleraning the language کا صفحہ ۹)-(مصنف)

استعمال کیا جاتا ہے ' جس کے معنے میں دیوتاؤں کی تحریر اور جسے عرف عام میں محض ناگری کہتے ہیں - لیکن اس کے علاوہ هندو دوسرے رسم الخط بھی استعمال کرتے ہیں مثلاً کایتھی اور صرافی ' جو دونوں کی دونوں ناگری کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں - صرافی رسم الخط متھرا ' علی گڈھ اور مین پوری کے اضلاع کی هندی تحریر میں استعمال کیا جاتا ہے - آگرے میں ناگری مدرسوں کی تعداد کایستھی سے کسی قدر زیادہ ہے ' لیکن دوسرے اضلاع میں زیادہ تر کایستھی هی کا استعمال ہوتا ہے - کایستھی تحریر کو کایتھی ناگری بھی کہتے ہیں ' یعنی کایتھوں کی تحریر - کایتھ ' مقامی بولی میں کایستھ کو کہتے ہیں ' یعنی وہ ذیلی ذات جس میں محرر داخل ہیں ' مثلاً پٹواری وغیرہ - صرافی رسم الخط کا دوسرا نام مہاجنی ہے ' اور اس کا استعمال زیادہ تر مہاجنوں اور صرافوں میں ہوتا ہے - یہ رسم الخط صرف تجارتی اغراض کے لئے مخصوص ہے اور ایک قسم کے آنکڑوں میں لکھا جاتا ہے جسے صرف جاننے والے هی سمجھ سکتے ہیں - لیکن اگر کوئی شخص ناگری حروف تہجی سے تھوڑا بہت واقف ہو تو اس کو صرافی کا حرف شناس بننے میں کچھ زیادہ دقت نہ ہوگی - ہاں ایک ایسے هندیات * کے ماہر کو جس نے بجز

---

* معلومات متعلق هندوستان ' جیسے مصر سے مصریات (مترجم) —

خوشنما، اور نوک پلک سے درست سنسکرت تحریر کے اور کچھہ نہ پڑھا ہو، دیہات کے بنئے * کی بد خط گوسیٹ پڑھنے میں البتہ بہت دقت ہوگی - اُردو کی خوش خط تحریروں میں عام طور پر " نستعلیق " کا استعمال ہوتا ہے جو دو لفظوں نسخ اور تعلیق سے مرکب ہے - معمولی اُردو تحریروں میں زیادہ تر " شکستہ " کا استعمال ہوتا ہے - خود اس لفظ " شکستہ " هی سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ تحریر کتنی بے احتیاطی کے ساتھہ ہوتی ہوگی —

سنہ۱۸۰۴ع میں ممالک مغربی و شمالی اور پنجاب میں اهل هند کے ۳۷ مطبع اور ۳۳ رسالے تھے - رسالوں کی اشاعت ۲۲۱۹ + تک پہنچ گئی تھی - اخباروں اور رسالوں میں سب سے زیادہ مقبول اور کثیرالاشاعت لاهور کا اُردو اخبار ' کوہ نور ' تھا، لیکن اس کے خریداروں کی تعداد بھی ۳۲۹ سے زیادہ نہ تھی! اس کے اڈیٹر هرسکھہ راے تھے جو مطبع کوہ نور کے مالک بھی تھے - میں اس موقع پر اُن اخبارات کا ذکر نہیں کر رہا ہوں جو سال زیر بحث میں انگریزی زبان میں نکلتے تھے - اگر ان کی تعداد بھی دیسی زبانوں کے رسالے اور اخبارات میں شریک کر دی جاے، تو اس سال سب کی

---

* ملاحظہ هو H. S. Reid Report. Agra pp 69 and 70 (مصنف)

† ملاحظہ هو Allens Indian mail No - of August 16th 1836 (مصنف) —

اشاعت مل کر ایک لاکھ باسٹھ ہزار چار سو آٹھ ہو جاتی ہے - یعنی پچھلے سال کی اشاعت سے اٹھاون ہزار سات سو ترانوے زیادہ' اس لئے کہ پچھلے سال کی تعداد صرف ایک لاکھ تین ہزار چھ سو پندرہ تھی * —

جن مطبعوں کا میں نے ذکر کیا ہے' ان میں سال زیر بحث کے اندر اخباروں اور رسالوں کے علاوہ دو سو سات کتابیں مشرقی زبانوں میں چھپ چکی ہیں - سنہ ۱۸۵۵ ع کے متعلق میرے پاس صحیح اعداد موجود نہیں ہیں ' لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ پچھلے سالوں کی طرح اس سال بھی کتابوں کی اچھی خاصی تعداد شائع ہوئی ہے - غالباً ان کتابوں میں انگریزی زبان کی خالص ادبی تصانیف کے ترجمے بھی شامل ہیں - انگریزی زبان کی ادبی تصانیف کے جو ترجمے آئندہ کئے جائیں گے ' وہ مستحق تعریف ضرور ہوں گے ' لیکن اس شرط پر کہ وہ کوئی ایسی ترمیم یا اصلاح نہ کریں جس سے اُردو ادبیات کی خصوصیت میں کوئی تبدیلی یا کمی واقع ہو جائے' بقول ملٹن " اتنے زیادہ نفیس مذاق نہ بنو کہ غیر یقینی برائیوں کا فیشن ہو جائے " —

چند ہفتے ہوئے ' مسٹر فرانسیس ٹے لر (Francis Taylor) نے جو دہلی کے ایک دیسی کالج کے پرنسپل ہیں مجھے ان

---

*Allens Indian Mail' 31st July 1856. (مصنف) -

هندوستانی تصانیف کی ایک فہرست بھیجی ہے جو حال میں سلطنت مغلیہ کی راجدھانی (دلی) میں شائع ہوئی ہیں - اس فہرست میں چند ایسی کتابوں کا بھی ذکر ہے جو میں نے اب تک آپ حضرات کو نہیں بتائی ہیں - یہ کتابیں اردو ادب کے لیے ایک قابل قدر اضافے کا حکم رکھتی ہیں - آگرہ گورنمنٹ نے بھی ادارۂ فرانسہ (Institute of France) کو ایک سو پچھتر کتابوں کا ایک ذخیرہ تحفتاً بھیجا ہے، اور اس میں بھی مجھے چند کتابیں نظر آئی ہیں- یہ ذخیرہ میرے قابل فخر احباب مسٹر ولیم میور (William Muir) معتمد حکومت ممالک مغربی و شمالی ہند، اور مسٹر ایچ- ایس - ریڈ (H. S. Reid) ناظم تعلیمات ممالک مغربی و شمالی کے توسط سے وصول ہوا ہے - یہ دونوں حضرات هندوستانی ادبیات کے جو ایک نہ ایک دن هندوستان میں سنسکرت اور فارسی ادبیات کی جگہ لے کر رہے گا، بڑے سرگرم معاون اور سرپرست ہیں - اگرچہ ان کتابوں کو انگریزی حکومت نے دیسی کالجوں اور مدرسوں کے نصاب میں شریک کرنے کی غرض سے شائع کیا ہے، لیکن یہ یورپی حضرات اور خصوصیت کے ساتھ سول اور فوجی محکموں کے اعلیٰ افسروں کے لیے بھی بہت مفید ہیں، جن کے لیے بنگال جیسے صوبے میں رہ کر بھی جہاں کے اکثر اضلاع میں بنگالی

بولی جاتی ہے ، ہندوستانی زبان سے واقف ہونا ضروری ہے -
اس لیے کہ یہ زبان (ہندوستانی) نہ صرف بنگال کے اکثر
مقامات میں بولی جاتی ہے بلکہ کلکتہ ، نیز صوبۂ بنگال کے
دوسرے شہروں * کی عدالتوں میں صرف یہی زبان
استعمال ہوتی ہے —

حضرات! جن دو فہرستوں کا میں نے ابھی آپ کے سامنے
ذکر کیا ہے اب ان میں سے میں ایک نئے تذکرے کا حال
آپ کو سناتا ہوں - اس تذکرہ کا نام " گلستان سخن " ہے ،
اس کے مصنف مرزا قادر بخش المتخلص بہ ' صابر ' ہیں -
جو خاندان شاہی کے ایک شہزادے مرزا مکرم بخت کے لڑکے
ہیں - اس خاندان کا ایک سر برآوردہ شخص سراج الدین†
اب تک شاہ بلکہ بادشاہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے - صابر
مولوی امام بخش ' صہبائی ' کے شاگرد ہیں ، جو آج کل کے
اعلیٰ درجے کے ہندوستانی مصنفین میں سے ہیں —

شعر کا شوق آج تک ہندوستانیوں میں بدستور باقی

---

* H. H Wilson Clossry ot Indian Terms, Preface P. 20.

† یعنی ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ - مترجم

چلا آتا ھے ' لیکن اس پر کسی کو اعتراض نہیں ھو سکتا ھے - ارسطو اپنی کتاب شعریات' باب نہم میں لکھتا ھے کہ " شاعری' بمقابلہ تاریخ کے کہیں زیادہ فلسفیانہ اور سبق آموز ھوتی ھے " لیکن جو فہرستیں اس وقت میرے پیش نظر ھیں ان میں ' نظم کی بہت کم نئی کتابیں نظر آتی ھیں ۔ یعنی ایک تو " گیان چالیسی " (چالیس اقوال) جو ھندی دوھوں کی شکل میں ھے اور پنڈت شری لال کی لکھی ہوئی ھے جو کئی مفید کتابوں کے مصنف ھیں ' اور دوسری " پشپ باٹیکا " (گلستان) جو گلستان کے باب ھشتم دربارۂ سیرت بادشاھاں کا ترجمہ ھے اور ہندی دھر کا کیا ھوا ھے - یہ کتاب آگرے میں طبع ھوئی ھے ' اور اشاعت اول میں تین ہزار نسخے چھاپے گئے ھیں - ایک اور مصنف قمرالدین نامی نے " گلستان اردو " کے نام سے گلستان کی تلخیص کی ھے اور ساتھ ساتھ فارسی عبارت بھی دے دی ھے - انہوں نے بوستاں کے اقتباسات کا بھی اسی طرح ترجمہ کیا ھے - ان کا ترجمہ نہایت فصیح اور صحیح ھے ۔

ان فلسفیانہ اور اخلاقی کتابوں میں جو حال میں ممالک مغربی و شمالی میں چھپی ھیں ' سب سے زیادہ قابل ذکر " صفات رب العالمین " مصنفۂ بابو شری داس ھے - ان مصنف کا نام اگرچہ ھندوؤں کا سا ھے اور اس کے معنی

" لکشمی کے غلام " کے ہیں ' لیکن وہ دراصل عیسائی ہیں اور جن چند ہندوستانی عیسائی مصنفین کا ذکر میں نے ابھی کچھہ زمانے ٭ ادھر آپ سے کیا تھا ' ان میں ان کے نام کا بھی اضافہ کر لینا چاہئے —

ایک اور قابل ذکر کتاب 'بھوج پر بند سار' ہے یعنی بھوج کے اقوال کا انتخاب - اس پر بنسی دھر نے حاشیہ بھی لکھا ہے - آپ سب واقف ہیں کہ بھوج ' جسے ہندوستان کا سلیمان کہنا چاہئے' مالوے کا ایک مشہور راجہ تھا - اس نے پانچویں صدی میں اجین میں حکومت کی؛ اور ہندوستانی تصنیفات میں اس کا ذکر اکثر آتا ہے —

'ددھی و دیو دیوت ' (کتاب دربارۂ علم عقل) ایک ہندی کتاب ہے ' اور اس میں تعلیم و تربیت کے فوائد کو تفصیل کے ساتھہ بیان کیا گیا ہے —

شکشا منجری (گلدستۂ معلومات) - یہ چند اقتباسات کا ہندی ترجمہ ہے جو ایچ - سی ' ٹرنر (H C. Turner) نے ٹاڈ (Tod) کی کتاب " Hints on Self improvemen " سے لیے ہیں - ہندی ترجمہ بنسی دھر کا کیا ہوا ہے —

میں اس موقع پر ان اخلاقی قصوں کا بیان بھی مناسب

٭ صفحہ ۱۲۳ کتاب ہذا -

سمجھتا ہوں جو حال میں لکھے گئے ہیں - مثلاً ' فرخ آباد کی کہانی ' ' سورج پور کی کہانی ' اور ' بدھ پھل و دیا ' (درخت عقل کے پھل) - یہ آخری کتاب جو پنڈت کشن دت ' اسسٹنٹ پروفیسر سنٹرل اسکول ' آگرہ کی تصنیف ہے ' ایک اردو کتاب ' کنّد ھی سنّد ھی ' کا ہندی ترجمہ ہے ' اس کتاب کا ذکر میں پچھلے سال کر چکا ہوں —

تاریخی کتابوں میں ' جن کی تعداد میری پیش نظر فہرستوں میں سب سے زیادہ ہے' مجھے 'میر خوند' کی مشہور کتاب 'روضۃ الصفا'' کا اردو ترجمہ نظر آتا ہے- اس کتاب میں نہایت قدیم زمانے سے لےکر مصنف کے زمانے یعنی سولھویں صدی عیسوی تک کی ایرانی تاریخ بیان کی گئی ہے —

ایک اور کتاب جو ایک مسلمان' عالم مولوی عبیداللہ ابو مسلم کی تصنیف ہے '' تحفۃ الہند ' ہے - اس میں ہندوؤں کے مذہب کی تشریح کی گئی ہے - یہ جاننا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ مسلمان ہندو عقائد کی تشریح کس طرح کرتے ہیں- وہ اگرچہ ان کے عقائد کی شکل کو بالکل نہیں بدلتے' لیکن اُن کو بہت کامیابی کے ساتھ اپنے ذاتی عقائد میں ضم کردیتے ہیں- میں تاریخی سلسلے کی دو اور کتابوں کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں- ان میں سے ایک تو ' تذکرۃ المشایخ' ہے' جس کے مصنف سدا سکھ لال ہیں - یہ کتاب سوانح سے تعلق رکھتی ہے' اور

انگریزی سے ترجمہ کئی گئی ہے - دوسری کتاب ولسن کی Manual of Ancient History کا اردو ترجمہ ہے جو تاریخ عالم کے نام سے کیا گیا ہے - اس کتاب کا ایک ہندی ترجمہ بھی 'جگت ورتانت' (تاریخ عالم) کے نام سے شائع ہوا ہے -

جدید مطبوعات میں 'اخلاقی تصانیف کا حصہ بھی اہم ہے - میں سب سے پہلے 'چھند دیپک' (عروض کا چراغ) کا ذکر کروں گا - یہ رسالہ ہندی عروض پر ہے 'اور سنہ ۱۸۵۴ ع میں آگرے میں چھپا ہے - اب تک ہندی زبان کے عروض سے کوئی واقف بھی نہ تھا 'اور جس طرح اردو عروض فارسی عروض کی کسی قدر بدلی ہوئی شکل ہے اسی طرح ہندی عروض 'تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ بالکل سنسکرت عروض کی طرح ہے - لیکن اس موضوع (ہندی عروض) پر ایک رسالے کی پھر بھی ضرورت تھی' اور بنسی دھر نے اس کمی کو پورا کردیا ہے-

صرف و نحو کی ان کتابوں کا ذکر جو حال ہی میں ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں شائع ہوئی ہیں ' طوالت سے خالی نہ ہوگا - یہ قواعد جتنے اردو اور ہندی سے متعلق ہیں 'اتنے ہی فارسی اور سنسکرت سے ' پھر بھی مجھے امید ہے کہ اگر یورپی حضرات انہیں پڑھیں گے تو انہیں ان سے کئی نئی باتیں حاصل ہوں گی :—

مذکورۂ بالا کتب کے بعد انشا کی کتابوں کا نمبر ہے - ان

میں حسب ذیل کتابیں نظر آتی ہیں :۔

پھول مالا (پھولوں کا ہار) مصنفۂ شری لال' ہندی زبان میں' 'انشاے خرد افروز' مصنفۂ قمرالدین' اردو میں۔ اس کتاب کے متعدد اڈیشن نکل چکے ہیں' اور ہزاروں نسخے فروخت ہو چکے ہیں۔

انشاے خلیفہ' یہ فارسی کتاب 'انشاے شاہ محمد' کا اردو خلاصہ ہے' فارسی عبارت بھی ساتھ ساتھ دی گئی ہے۔ انشاے شاہ محمد' ہندوستان میں بہت مستند مانی جاتی ہے اِس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ممالک مغربی و شمالی کے فاضل ناظم تعلیمات مسٹر ریڈ نے جب سنہ ۱۸۵۳ - ۱۸۵۴ء میں دیہی مدارس کا دورہ کیا' تو انھیں تین سو تیتالیس مدرسوں کے طلبا کے ہاتھوں میں یہی کتاب نظر آئی —

ایک اور کتاب 'شدھ درپن' (پاکی کا آئینہ) ہے۔ یہ ہندوستانی زبان میں ہے اور اس میں آداب و اخلاق کے متعلق ہندوؤں کے نقطۂ خیال کا بیان کیا گیا ہے۔ اس کے مصنف سیٹھہ بدھی چند نارائن انسپکٹر مدارس متھرا ہیں۔ یہ صاحب کئی کتابوں کے مصنف ہیں —

'بدیانکار' ہندی زبان میں شری لال کی تصنیف ہے۔ اسی کو بنسی دھر نے حقائق الموجودات' کے نام سے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ اس میں موجودات عالم' ستارے' نظام شمسی

حرارت، روشنی، کرۂ ہوا، کہر، بادل، دنیائے حیوانات، نباتات، معدنیات وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے —

اب میرا فرض ہے کہ فن زراعت پر جو چند کتابیں تصانیف ہوئی ہیں، ان کا بھی ذکر کروں۔ ان کا مطالعہ ہماری زراعتی انجمنوں کے لئے یقیناً پر از معلومات ہوگا - یہ کتابیں حسب ذیل ہیں -

" کرشت کرن " اس کے مصنف کالی رائے ڈپٹی کلکٹر فتح گڈہ ہیں - یہ آج کل کے ایک مشہور مصنف ہیں - کتاب ہندی میں ہے اور اس میں ممالک مغربی و شمالی کے ہندوستانی کاشتکاروں کے دستور اور طریقوں کا حال درج ہے- یہ رسالہ آگرہ اور دہلی دونوں جگہہ کئی کئی بار اردو اور ہندی میں چھپ چکا ہے - اس میں مختلف قسموں کی مٹی، طرح طرح کے اوزاروں اور آب پاشی کے مختلف طریقوں کا بیان کیا گیا ہے- نیز تحصیل مالگذاری کے طریقوں کا حال اور زائد تحصیل کے متعلق چارہ جوئی کرنے کی ہدایتیں بھی کی گئی ہیں - اس رسالے میں نقشے بھی ہیں اور اصطلاحیں فارسی اور دیوناگری دونوں تحریروں میں دی گئی ہیں -

" کسان اپدیش " - اس کے مصنف بنسی دھر ہیں - کتاب ہندی میں ہے ' اور اس میں بھی آبادی ' ملکیت کے کھاتوں ' نیز پٹواریوں کے سالانہ حساب وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے - میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہی کتاب ہے جو موہن لال

اور روشن علی کی متفقہ کوشش سے اردو میں ' پند نامۂ کاشتکاراں ' کے نام سے چھپ چکی ہے۔ یہ دونوں حضرات تعلیم یافتہ ' اور آج کل کے ممتاز اہل قلم ہیں ' اس کتاب کا ایک فارسی اردو اڈیشن بھی ہے —

اگرچہ مجھے اس کا احساس ہے کہ اختصار کی بہت کچھہ کوشش کے باوجود بھی اسماے کتب کی فہرست بہت طویل ہوگئی ہے' لیکن میں اس میں ایک کتاب کے اضافے کی جسارت اور کروں گا۔ اور وہ میری کتاب " ہندوستانی زبان کے مصنفین کا تذکرہ " * کا اردو ترجمہ ہے ' یہ ابھی حال ہی میں دلی سے شائع ہوا ہے اور اس کے مترجم محمد ذکاءاللہ ہیں۔ ابھی تین دن ہوے اس ترجمے کی چند جلدیں مجھے وصول ہوئی ہیں۔ مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے اور مجھے یہ دیکھہ کر بہت خوشی ہوئی کہ دلکش ہندوستانی زبان پر میری یہ ادنیٰ درجہ کی تصنیف خود ہندوستانیوں میں مقبول ہوئی۔ میری تصنیف کے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کئے جانے کا یہ پہلا موقع نہیں ہے۔ چند سال پہلے میری ایک اور کتاب " تاریخ ادبیات ہندوستان " (History of Hindustani Literature) کا " طبقات شعراے ہند " کے نام سے اردو ترجمہ ہو چکا ہے —

---

* مطبوعہ Journal Institute بابتہ اکتوبر سنہ ۱۸۵۵ ع۔

دیسی مدارس کے لئے جو کتابیں لکھی گئی ھیں وہ بہ یک وقت ھندی اور اردو دونوں زبانوں میں شایع ہوئی ھیں تاکہ ھندو اور مسلمان دونوں یکساں طور پر ان سے مستفید ہو سکیں - اکثر یہ فارسی زبان میں بھی شایع ہوئی ھیں، جسے ھندوستانی مسلمانوں کی لاطینی سمجھنا چاھئے اور جسے مدارس میں (اور ھندؤوں کے مدارس میں بھی) اردو کے ساتھہ ساتھہ سکھایا جاتا ھے اصلیت یہ ھے کہ اردو سیکھنے کے لئے فارسی زبان سے واقف ہونا ناگزیر ھے —

حضرات میں نے آپ کو ان مذھبی کتابوں کا حال نہیں سنایا جو سر گرم مبلغین دیسیوں میں اپنے مذھب کی تبلیغ کے لئے شایع کرتے رھتے ھیں - ایسی کتابوں میں عہد نامۂ قدیم اور خصوصیت کے ساتھہ عہد نامۂ جدید کے ترجمے نمایاں حیثیت رکھتے ھیں - چاھے ان مقدس کتابوں کو پڑھ کر بہت کم ھندوستانیوں نے اپنا مذھب تبدیل کیا ہو تاھم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جن لوگوں نے انہیں پڑھا ھے ان کی زندگی پہلے سے بہتر اور زیادہ خوشی کی ضرور ہو گئی ھے، کیوں کہ بقول ینگ (Young) —

" کش مکش حیات سے گوشہ نشین ہونے کے بعد انجیل پڑھو اور خوش رھو، اس میں ایسے حقائق کی کثرت ھے جن سے زندگی کا سکون بدرجہ اتم

حاصل ہوتا ہے - اس کے مقدس صفحے کو پڑھو،
اور اس کا احترام کرو، وہ ایک ایسا صفحہ ہے
جہاں "ابدیت" کی فتح نظر آتی ہے، ویسا ایک
صفحہ ساری مخلوقات مل کر بھی کوشش کرے
تب بھی پیدا نہیں کر سکتی - اور زبردست سی
زبردست آگ بھی اسے برباد نہیں کر سکتی" —

آٹھواں خطبہ

۱۰ دسمبر سنہ ۱۸۵۷ ع

اس سال ہندوستان میں افسوس ناک حوادث رونما ہوے ہیں خاص کر صوبجات شمال و مغربی جو اردو کا مرکز ہیں اور جہاں اردو زبان نے سب سے زیادہ فروغ پایا ہے ' یہ علاقہ بہت پامال ہوا - ان ہنگاموں نے ادبی اور علمی مشاغل کو ملیا میٹ کر دیا - اور اسی سبب سے میں اپنے اس خطبے میں حسب معمول اردو اور ہندی کے اخبارات اور جدید مطبوعات کی فہرست اور اعداد و شمار پیش کرنے سے قاصر ہوں - حضرات ! آپ سے مخفی نہیں کہ انگریزوں کے خلاف اس شورش کا آغاز ایک ایسے ہیبت ناک قتل و غارت سے ہوا ' جس کی مثال فرانس میں یوم سینٹ بار تھیلو میو اور صقلیہ میں واقعات ویپرس ہیں - انگریزی حکومت کے طرز عمل کے متعلق اتنی بات تو مسلم ہے کہ اہل ہند اس حکومت کی قدر کرتے تھے - اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جاے کہ اس کا رویہ

پدرانہ شفقت کے اصول پر مبنی نہ تھا تاہم یہ ضرور ہے کہ انگریزی حکومت قاعدے کی پابند ہے اور قوانین نافذہ کا احترام اس کا شعار رہا ہے۔ درآں حالیکہ خود ملکی حکومتیں متلون اور ظالمانہ تھیں۔ اور اس حقیقت کا اعتراف خود ان ہندوستانیوں نے کیا ہے جن سے میں ملا ہوں اور ان کی تصانیف بھی اس کی تائید کرتی ہیں جو میرے مطالعہ سے گزریں —

بہرکیف انگریزوں کی یہ شاندار مملکت جس کی ۱۳۱۹۸۶۹۰۰ آبادی اور ۸۳۷۳۱۲ مربع میل رقبے کو دیکھ کر دیگر اقوام فرنگ کو رشک اور حسد پیدا ہوتا تھا۔ اس بغاوت نے اس میں ایک تہلکۂ عظیم برپا کر دیا۔ اس سانحہ کو دیکھ کر 'سر تامس مور' کا یہ شعر یاد آجاتا ہے جو اس نے مشرقی طرز میں لکھا ہے : —

"جو پھول حسن و دل فریبی میں سب سے بہتر
ہوتا ہے وہ جلدی سے مرجھا جاتا ہے' اور چمکدار
(رنگ) جلد اُڑ جاتا ہے" —

انگریزی حکومت پر یہ الزام عاید کیا جاتا ہے کہ یہ بغاوت
س نے باشندگان ہند کو نصرانی بنانے کی بدولت خود مول
ی۔ مگر یہ الزام بالکل غلط ہے۔ خود مذہبی حرارت رکھنے
الے انگریزوں کو حکومت ہند سے ہمیشہ یہ گلہ رہا ہے کہ

حکومت نے تبلیغی مساعی سے نہ صرف سرد مہری برتی بلکہ اشاعت مذہب کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کیں - چنانچہ اخباروں میں یہ شکوے برابر نظر سے گذرے کہ جو ہندوستانی سپاہی عیسائی مذہب اختیار کر لیتے ہیں حکومت ان کو ملازمت سے علاحدہ کر دیتی ہے تاکہ ہندوستانیوں کو یہ اندیشہ پیدا نہ ہونے پائے کہ حکومت تبدیل مذہب کی محرک اور تبلیغ نصرانیت میں معین اور مددگار ہے - مزید برآں پر جوش عیسائی تو خود کمپنی پر الزام دھرتے ہیں کہ کمپنی امور دینی میں مداہنت کی مرتکب ہے، شرمناک رسوم کفر کا ولیہ رکھاؤ کرتی ہے اور خالص موحد مسلمانوں اور مشرک ہنود میں ذرا فرق نہیں کرتی- پراتسٹنٹ مبلغین اور رومن کیتھلک مبلغین کے درمیان بھی کسی قسم کا کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا، دونوں سے یکساں برتاؤ کیا جاتا ہے - پہلے انگریزی حکومت نے رومن کیتھلک کو پوری آزادی دے رکھی تھی - فوجی چھاونیوں میں رومن فرقے کے مذہبی پیشواؤں کو رہنے کے لئے مدد معاش دی جاتی تھی - اور خود آگرہ شہر میں جو مقبوضات انگریزی کے بیچوں بیچ واقع ہے ایک خانقاہ عورتوں کے لئے بھی بنانے کی اجازت دے دی تھی - علاوہ ازیں رومن کیتھلک تعداد میں پروتسٹنٹوں سے زیادہ تھے - اول الذکر فرقے کے دو اسقف احاطہ بنگالہ میں تھے ،

دو بمبئی کے لئے، پھر مدراس، حیدرآباد، وزیگاپٹم، میسور، کوئمبٹور، سردھنا، آگرہ، پٹنہ، ویروپلی اور منگلور، کویلن اور مہدورا میں بھی الگ الگ اسقف تھے۔ مجموعی تعداد ان رومن اساقف کی ۱۹ تھی۔ برخلاف اس کے خود انگریزی چرچ یعنی انگلیکن کلیسا کے ہندوستان بھر میں صرف تین بڑے پادری رہتے تھے - ایک کلکتہ ایک مدراس ایک بمبئی میں ــــ

بلا شبہ دهلی میں عہدۂ بشپ قائم کرنے کا سوال در پیش ہے اور یہ بھی تجویز ہے کہ شاہ جہانی مسجد جامع کو گرجا میں تبدیل کر دیا جائے، بشرطیکہ وہ موجودہ شورش کے شدید حملے سے محفوظ رہ گئی - علاوہ ازیں کنٹربری کا لاٹ پادری مطالبہ کر رہا ہے کہ تین بڑے پادریوں کا جدید تقرر عمل میں لایا جائے- ایک لاہور میں دوسرا آگرے میں ممالک مغربی و شمالی کے لئے اور تیسرا تناولی میں کرناٹک کے لئے۔ رومن کیتھلک اور پروتستنت اس وقت ایک دوسرے سے تبلیغ کے باب میں سبقت لے جانے کی کوششوں میں سرگرم نظر آتے ہیں - رومن کیتھلک ہندوؤں کو عیسائی بناتے ہیں اور پروتستنٹوں کی نظر مسلمانوں پر ہے کیوں کہ مسلمانوں کو بت پرستی سے بہت نفرت ہے ــــ

بغاوت کے اسباب بعید کچھ ہی ہوں مگر ظاہری قریبہ

ترین سبب چربی کے کارتوسوں کا سپاہیوں کو دیا جانا اور الحاق سلطنت اودھ ہے - ہر چند کہ ہند کے نظام سیاسی کے رو سے بادشاہ اودھ کی منزلت نواب وزیر اور صوبیدار کی تھی اور اُس کے اِدعاے خسروی کو 'تیمور' و 'اکبر' کے وارث نے جو براے نام تخت 'دہلی' پر متمکن تھا تسلیم بھی نہیں کیا تھا - ان منحوس کارتوسوں کی تقسیم کے موقع پر ہندوستانی اخبارات نے' جو بد دلی پھیلا نے میں پہلے ہی سے مستعدی دکھا رہے تھے' اپنی غیر محدود آزادی سے فائدہ اُتھایا اور اہل ہند کو کارتوسوں کو ہاتھہ لگانے سے انکار کرنے پر آمادہ کر دیا اور یہ باور کرایا کہ اس حیلے سے انگریز ہندوستانیوں کو عیسائی بنانا چاہتے ہیں' یہ حیلہ تھا یا اصل واقعہ' ہم سمجھہ نہیں سکتے- ان لوگوں کی بے احتیاطی ضرور قابل افسوس ہے جنھوں نے یہ سمجھہ لیا تھا کہ وہ قومی تعصبات کو بے کھٹکے کچل سکتے ہیں اور یہ نہ جانا کہ یہی تعصبات تو اہل ہند کے مذہب کی جان ہیں —

بہر کیف بغاوت کے شعلے اس سال ہندوستان کے طول و عرض میں مشتعل ہوگئے ہیں - جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے مئی کے مہینے کی ابتدا میں میرتھہ میں اول اول تلنگا پلٹن نے بغاوت کا علم بلند کیا - میرتھہ سے یہ سیدھے دہلی کی طرف بڑھے اور شہر پر قابض ہوگئے- جنگی کارروائی کی باگ

مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی جو ہندوستان کے فاتح اور مالک تھے۔ علاوہ ازیں ان میں ایسا دم خم تھا کہ وہ خود بخود اس بغاوت کے سرغنہ بن گئے - اب انہوں نے نئے سرے سے شاہنشاہ مغلیہ کا تخت جمایا اُنہوں نے اُسی بادشاہ کو جسے کمپنی بہادر نے بادشاہی القاب و خطاب سے محروم نہ کیا تھا اور ۱۵ لاکھ سالانہ وظیفہ جاری رکھنا گوارا کرلیا تھا، پشت و پناہ خلافت بنایا اور ہندوؤں کے سامنے' نو راجا' کر دکھایا - اس بادشاہ کا نام سراج الدین محمد بہادر شاہ ثانی ہے - بادشاہ نے اب پھر سراج الدین حیدر شاہ غازی کا لقب اختیار کیا اور اپنی عارضی بادشاہت کے دوران میں مشرقی دستور کے مطابق جو سکہ رائج کیا تھا اُس پر بھی یہی لقب کندہ کر دیا "بزرزد سکۂ نصرت طرازی سراج الدین حیدر شاہ غازی" بادشاہ کی چار ماہ کی بادشاہی کا کیا حشر ہوا، اور دہلی کی لوٹ اور تاراج کے بعد کس طرح اُنہوں اور بیگم نواب زینت محل کو قید کیا گیا اور پانچوں شہزادے ایک ایک کرکے کس طرح طعمۂ اجل ہوے (تین تو فوراً گولیوں کا نشانہ بنائے گئے دو دار پر لٹکائے گئے) - یہ سب واقعات مشہور اور معلوم ہیں لیکن اب تک بادشاہ اور ملکہ کی جان محفوظ ہے ــــ

اُمید ہے دہلی میں سپاہ کا قتل عام اور مغرور سپاہیوں کی گرفتاری جو کرشن کے پوتر مولد متھرا کی طرف بھاگ گئے اور

وہیں گرفتار ہوئے اور دیگر انگریزی فتوحات غالباً ضرور بغاوت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے میں کامیاب ثابت ہوں گی اور بتدریج امن قائم ہو جائے گا - یہی آرزو ایسے شخص کی ہے جو بنی نوع بشر کا درد دل میں رکھتا ہے اور جو انگریزوں سے تو اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ نصرانیت کے نمائندے اور تہذیب مغرب کے علم بردار ہیں - اور اہل ہند سے اس لئے ہمدردی کرتا ہے کہ باوجود اُن سخت بے رحمانہ بداعمالیوں اور خوف ناک مظالم کے جس کے وہ اس بغاوت میں مرتکب ہوئے ہیں، پھر بھی عمدہ لوگ ہیں- ہندوؤں سے تو اس لئے کہ ان کا تمدن بہت قدیم ہے اور مسلمانوں سے اس لئے کہ ایک طرح سے وہ بھی نصرانیت کے خاندان میں شمار ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہتے ہیں اور توریت و انجیل کو کتب آسمانی مانتے ہیں -

دہلی کے بادشاہ کا سن انگریزی اخبارات میں ۹۲ سال بتایا جاتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں، ان کا سن اس وقت ۸۴ سال ہے - کیونکہ سنہ ۱۸۳۷ع میں ان کی عمر ۶۴ سال تھی (ملاحظہ ہو خطبہ نمبر ۱) اور اس کے چند ہی سال بعد (ملاحظہ ہو خطبہ نمبر ۲) بیان کیا گیا کہ ان کا چہرہ مہرہ خوشنما، اخلاق و اطوار پسندیدہ اور دل کش ہیں اور جو کوئی ان سے ملتا ہے ان کا گرویدہ ہو جاتا ہے- یہ اکبر شاہ ثانی

کے بیٹے ہیں جن کو مرہٹوں نے سنہ ۱۸۰۶ع میں سریرِ حکومت پر بٹھایا تھا - ان کی وفات کے بعد یہ ۲۸ ستمبر سنہ ۱۸۳۷ع میں تخت نشین ہوے —

ولی عہدی کے زمانے میں جب کہ ان کے والد زندہ تھے مرزا ابو ظفر خاں بہادر کہلاتے تھے - اسی مناسبت سے انہوں نے اپنا تخلص ' ظفر ' کیا تھا اور شعر شاعری ان کا ایسا مشغلہ تھا جو عنفوان شباب سے لے کر مسند آرائی اور غدر کے ہنگامے تک برابر جاری رہا —

' ظفر ' شاہ عالم کے پوتے تھے جو ' آفتاب ' تخلص کرتے تھے اور ان کے چچا کا نام سلیمان شکوہ اور تخلص شکوہ تھا - حضرت ظفر نے شعر گوئی میں اپنے دادا اور چچا کی تقلید بڑی خوبی سے کی اور ان کے نقش قدم پر چل کر کمال پیدا کیا - فن شاعری میں ان کے استاد شیخ ابراہیم ذوق تھے جو بڑے پایے کے شاعر ہوے ہیں - انہوں نے ' ظفر ' کی شاعری میں بڑی اصلاح کی - ' شیفتہ ' اور کریم ' نے جو باکمال شاعر تھے اپنے تذکروں میں ' ظفر ' کی جودت طبع اور اوصاف حمیدہ کی بڑی ستائش کی ہے - یہ دونوں مصنف ' ظفر ' کو اپنے عصر کے شعرا کی صف اول میں جگہہ دیتے ہیں اور اس میں کلام نہیں کہ ظفر کی شاعری میں خاص جدت پائی جاتی ہے اور ان کا کلام زبان کے اعتبار سے بھی اہمیت رکھتا ہے - ظفر نے ہر صنف

سخن پر قلم اٹھایا ہے - ان کی اکثر غزلیں ' گیت اور ٹھمریاں ہندوستانی گھروں میں پڑھی جاتی ہیں - دیگر تصانیف کے علاوہ ان کا ایک ضخیم دیوان ہے جس کے بہت سے اقتباسات شیفتہ اور کریم الدین نے اپنے تذکروں میں دئیے ہیں - انہوں نے ' گلستان ' کی شرح موسوم بہ " شرح گلستان " بھی یادگار چھوڑی ہے جو چھپ چکی ہے - ' ظفر ' کو فن خطاطی میں بھی کمال حاصل تھا اور مسجد جامع دہلی کی آرائش کے لئے انہوں نے اپنے ہاتھ سے قرآن شریف کی آیات لکھ کر بھیجی تھیں - ان کے صاحبزادے مرزا دارا بخت بہادر کو بھی شعر گوئی کا شوق ہے اور انہوں نے بھی اپنے والد ماجد کی طرح اس طرف توجہ کی - ان کی اردو غزلوں پر سے " قاسم " ' سرور ' اور ' کریم ' نے یہ رائے قائم کی ہے کہ وہ شعرائے معاصرین میں اعلیٰ پایہ رکھتے ہیں - ہماری تمنا ہے کہ وہ قتل و ہلاکت سے محفوظ رہیں اور نہیں تو پرامن فقر و درویشی ہی اختیار کر کے علمی اور ادبی خدمت کرتے رہیں —

نہ معلوم اس وقت بد بخت شہر دہلی پر کیا گذر رہا ہوگا ! اس کا بڑا اندیشہ ہے کہ آج اس کی ایک یادگار بھی غارت گری سے محفوظ و مامون نہ رہی ہوگی - ہنگامۂ غدر سے پہلے ہی اس شہرۂ آفاق شہر کی بہت سی یادگاریں لڑائیوں اور ہنگاموں کی بدولت مٹ چکی ہیں یا کھنڈر ہوئی پڑی تھیں - اس کے

"آبشار اور فوارے جو فرانس" کے متصل ورسائی' کے آبشاروں اور فواروں کی ٹکر کے تھے اب ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا - یہی حال شہرکی اور بہت سی عمارات کا ہے- ان عمارات کی جگہ اُن کے حالات " آثارالصنادید" میں باقی رہ جائیں گے جو مولوی سید احمد نے حال میں لکھی ہے - میں اس کتاب کا کامل ترجمہ عنقریب شائع کرنے والا ہوں - ضمناً میں اتنا بتا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ کتبوں کے نقشے جو لیتھو کے چھپے ہوے ہیں کتاب مذکور میں شامل کئے گئے ہیں اور یہ سب کے سب عربی اور فارسی ہیں اور یہی زبانیں مسلمانان ہند کے علمی حلقوں میں رائج ہیں- سنسکرت میں صرف اشوک کی لاٹ کے کتبے کا نقش ہے اور اردو میں صرف ان کتبوں کے چربے ہیں جو عالمگیر ثانی نے حضرت نظام الدین اولیا کے مزار پر سنہ ۱۷۵۵ ع میں کندہ کراے تھے- آپ ہندوستانی کے برآمد صوفیا میں سے ہیں —

انگریزی روز ناموں میں حال ہی میں دہلی کے دلچسپ حالات شایع ہو چکے ہیں اور میں نے خود اپنی تاریخ میں ان کی تفصیل اور وضاحت کر دی ہے —

ذیل کی چند سطور ایک تحریر سے مقتبس ہیں جس سے اس بد نصیب و فلاکت زدہ شہرۂ آفاق دارالخلافہ کی موجودہ تباہ حالت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اگرچہ اس میں مبالغے

کی جھلک بھی نظر آتی ہے جو اہل مشرق کی عادت ہے - یہ نقشہ اُس دھلی کا ہے جو کبھی آباد و بارونق تھی —

دھلی شہر کی سب عمارات پر تکلف اور نظر فریب ھیں - اُس کے باغات اپنی حسن و شادابی میں دنیا میں نظیر نہیں رکھتے - گھر گھر نہریں اور فوارے جاری ھیں - جا بجا حوض ھیں جو پانی سے کٹورے کی طرح پڑے جھلکتے ھیں ' اگر رضوان بھی ایک دفعہ اس کی جھلک دیکھ لے تو بہشت کی دربانی سے اس کا جی پھر جائے - اس شہر کا گوشہ گوشہ ایسا وسیع و معمور ھے کہ ھفت اقالیم میں سے ایک ایک اقلیم اس میں سما جائے ' اس کی تنگ سے تنگ گلی بھی اتنی فراخ اور کشادہ ھے کہ پورا شہر اس میں سما جائے - ھر جگہ چھل پہل اور گھما گھمی ھے اور جدھر نظر جائے اُلجھ کر رہ جائے - بھانت بھانت کا انسان یہاں پایا جاتا ھے ' دور دور کے قصبات اور دیہات سے آفاقی یہاں آکر رہ پڑے ھیں - ضرورت کی کوئی چیز ایسی نہیں جو یہاں نہ ملے اور ھر طرح کا آرام و راحت یہاں میسر ھے - ھر ملک کی جنس اور ھر قلم رو کا آدمی یہاں موجود ھے - یوں تو ھر بازار لاثانی ھے مگر ' چاندنی چوک ' جو شہر بھر میں سب سے بڑا بازار ھے اپنی خوبی میں اپنا آپ ھی جواب ھے - اس کی ھر دکان بھر پور ھے اور اپنا نظیر نہیں رکھتی وہ وہ مال و اسباب فراھم ھے

بادشاہوں کا دل دیکھ کر للچائے - خاص چوک ایسا کشادہ ہے کہ جس کے دیکھنے سے دل کشادہ ہو جائے پھر وہ صفائی اور ستھرائی کہ خشکہ بکھیر کر دانہ دانہ اٹھا لو - ایک ایک تاجر یہاں کا وہ شان رکھتا ہے کہ اچھے اچھے امیر اُمرا اس سے ملنے میں عار نہیں کرتے - یہاں کے ادنیٰ کباڑی کے وہ دماغ ہیں کہ بڑے بڑے جوہریوں کو خاطر میں نہیں لاتا - بساطی کے پاس وہ مال کی کثرت ہے کہ استنبول کا سارا بساط خانہ ایک طرف اور اس کا اسباب ایک طرف - صرافے کی ایک ایک دکان ایسی ہے کہ اُس کے ایک صندوق میں سارے ایران کے صرافے کی دولت سما جائے —

الغرض جس دوکان کی طرف جاؤ برابر روپیے کی جھنکار سنائی دیتی ہے - اور ایسا ایسا ساہوکار پڑا ہے جو تنہا ایک پوری سلطنت کی سربراہی کر سکتا ہے - اگر ایک لشکر کے لئے گولی بارود درکار ہو تو دن کے دن پورا سامان یہاں سے فراہم کر لو - اہل پیشہ اور ہنرمند کو کام کی کمی نہیں ' رات دن لین دین بنج بیوہار ہوتا رہتا ہے - جوہری کی ادنیٰ سی دوکان کو دیکھو تو ایک کانِ جواہر معلوم ہوتی ہے - اگر خطۂ ارض کی ساری دولت کسی نہج یہاں لے آئیں تو کھڑے کھڑے ایک اکیلا ساہوکار اُس کو اپنی تحویل میں امانت رکھنے کو تیار ہو جائے' ہر دوکان اپنی آرائش اور زیبائش میں رنگین

ور هم رنگ بہار ہے اور کسی شے کی کمی کا وہم بھی یہاں نہیں
د رتا - ہر جگہ خلقت کا ازدحام ہے اور ہر طرف میلے ٹھیلے کی
ی چہل پہل ہے - اس شہر کا ہر حصہ خوش منظر اور آباد ہے -
انقا هیں' مدرسے اور عالی شان مکانات اس شہر میں بکثرت ہیں" -

اُس غدر کے جگر خراش اور اندوہ گیں مناظر کے بڑے بانی
انیوں میں نانا صاحب ایک تعصب کی آگ میں بجھا ہوا
دو تھا - یہ شخص پیشوا باجی راؤ کا لے پالک تھا - نانا
احب نے ویٹھور میں اقامت اختیار کر لی تھی اور یہ مقام
ن پور کے پاس ہے - سنا ہے کہ یہ خوں خوار انسان انگریزی
ریر و تحریر میں ید طولیٰ رکھتا ہے - انگریزی کی واقفیت
دوستانی تعلیم یافتہ لوگوں میں عام ہو چلی ہے - اس شخص
' شیکسپیر ' کے مشہور ڈرامے ' ہیملٹ کا ترجمہ بھی کیا تھا۔
چہ بہت سے ہندوستانی ایسے تھے جنھوں نے اس ہنگامے
ں بڑے ظلم ڈھائے مگر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ بہت سے
دوستانیوں نے اپنے بدیسی آقاؤں کا ساتھ دیا اور اپنی
نوں پر کھیل کر ایسے فرنگیوں تک کو پناہ دی جن سے کبھی
صاحب سلامت بھی نہ تھی- علاوہ اس کے خود لارڈ پامرسن
رڈ میور آف لندن کی دعوت کے موقع پر تقریر کرتے ہوے
حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے :-

" اگر باغی اور مجرمین کا شمار ہزاروں کی تعداد میں

ہے تو بے گناہ بھی لاکھوں کی تعداد میں گنائے جاسکتے ہیں "۔

جرائد و اخبارات نے وفاداری کے عجیب و غریب واقعات بیان کئے ہیں - ہندوستانی راجہ نوابوں نے انگریزوں کا اپنی اپنی حیثیت کے موافق پورا ساتھ دیا - انھوں نے انگریزوں کو فوجی کمک بھیجی اور روپے سے بھی مدد دی - خود اودھ میں راجاؤں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر انگریزوں کی جانیں بچائیں -

گوالیا کے مہاراجہ سندھیا فرنگی تہذیب و تمدن کی بہت قدر کرتے تھے چنانچہ اپنی ریاست میں غدر سے پہلے ۱۳ مدرسے جاری کئے تھے جن میں ۸۰ اُستاد تھے اور ۲۵۰۰ طالب علم - ان کو ایسی تعلیم دی جاتی تھی کہ وہ انگریزوں سے ملنے کے قابل ہو جاتے تھے - سندھیا اپنی رعایا کے آدمی لے کر گوالیار کی باغی فوج کے سر پر آموجود ہوا اور باغیوں کا محاصرہ کر کے ہتیار رکھنے کا حکم دیا - سپاہیوں نے اپنی خیر اسی میں دیکھی کہ ہتیار رکھ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے - میں اس مقام پر ایک دوسرے مرہٹہ سردار یعنی مہاراجہ ہولکر کے ان شریفانہ الفاظ کا بھی تذکرہ کرنا مناسب خیال کرتا ہوں جو اُس نے اپنی باغی فوج کو مخاطب کر کے کہے جس کا مضمون یہ تھا کہ "عورتوں اور بچوں کا قتل کسی مذہب میں روا نہیں " - اور میں اس امر کا بھی

اظہار کر دینا چاہتا ہوں کہ بہت سے انگریز جن کے متعلق یہ مشہور ہو گیا ہے کہ وہ مارے گئے (بقول Examiner کے) اُن میں سے بہت سے وفادار ہندوستانیوں کے گھروں میں پناہ گزیں ہیں - جب دوبارہ امن و امان قائم ہو جائے تو اپنی پناہ گاہوں سے نکل آئیں گے —

بعض ہندوستانی جو عملی طور پر کچھ کرنے سے قاصر رہے انہوں نے کھلم کھلا مصیبت زدہ انگریزوں سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا ایسے ہی لوگوں میں سے ایک شخص سید عبداللہ نامی ہے جو بیوہ ملکہ اور شہزادگان اودہ کے ساتھیوں میں سے ہے - جب اُس کو جنرل ہنری لارنس کی مرگ کی خبر معلوم ہوئی جو اس غدر کے ایک معرکے میں ہلاک ہوا تو اُس نے ایک اردو مثنوی لکھ کر شایع کی- عبداللہ ایک زمانے میں پنجاب کے کسی انگریزی دفتر میں مترجم رہ چکا تھا اور لارنس سے خاص طور سے واقف تھا - اس نے اسی نظم کا مختصر ترجمہ خود نظم انگریزی میں کیا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس روانی کے ساتھ انگریزی زبان لکھنے پر قادر تھا - ذیل میں سید مذکور کی نظم کا لفظی ترجمہ کیا جاتا ہے جو اصل نظم سے کیا گیا ہے : -

" لارنس ہندوستانیوں کا بڑا رفیق تھا اور وہ
ہمیشہ ان کی ترقی اور برتری کا خواہاں تھا اور

وہ ہر کس و ناکس کی مصیبت رفع کرنے میں کوشاں رہتا تھا - اور ہر چشم تر سے آنسو پونچھتا تھا - ہنگام رزم میں اس کی آنکھیں انگارے کی طرح لال ہو جاتی تھیں ' اگرچہ دل اس کا موم سے بھی زیادہ نرم تھا - وہ احکام ربانی کا شیدائی اور دنیاوی مشاغل سے دور رہتا تھا - خدا کی خوشنودی اور بندوں کی خوشی اور ہر دل کو خوش رکھنے کی بڑی تمنا تھی - مگر گردش زمانہ پر صد حیف کہ تیرہ بختی اور بد نصیبی نے اس کو نشانۂ اجَل بنایا اور خون میں نہلایا - اگرچہ یہ شخص اس جہاں سے رخصت ہوا مگر اُس کا نام اُس کے بعد شہرت کے ساتھ رہا - اُس کے قابل تعریف اوصاف کی یاد دلوں سے اسی طرح امٹ ہے جس طرح پتھر کی لکیر " —

اس نظم کے آخری شعر سے اس سورما کی تاریخ وفات ۹ فروری سنہ عیسوی و ہجری نکلتی ہے - اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ " شریف و نجیب سر ہنری لارنس مر گیا - اُس کا نام نامی اُس کی یادگار ہے " - اس شعر کے پہلے مصرعہ کے حروف کے اعداد جوڑو تو سنہ ۱۸۵۷ ع نکلتا ہے اور دوسرے مصرعہ سے ۱۲۷۴ ہجری —

اس ہنگامے میں نہ صرف بہادر اور جری انگریز فوجیوں کا ہی ماتم کرنا پڑتا ہے بلکہ دہلی میں تالنگوں کی لوٹ مار، کان پور کے قتل عام اور اس شورش کے دیگر خوف ناک حوادث میں ہر طبقے کے غیر مسلم اور غیر حربی بڑی کثرت سے تہ تیغ ہوے - ان مقتولین کے انبوہ میں سے جو لوگ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں ان میں میرا ایک دوست مسٹر فرانسس ٹیلر ہے - میں نے اپنے گذشتہ سال کے خطبے میں اُس کا تذکرہ کرتے ہوے کہا تھا کہ اُنھوں نے میرے لئے جدید اُردو کی تازہ ترین مطبوعات کی فہرست فراہم کر کے بھیجی تھی - مسٹر فرانسس ٹیلر دیسیوں کے کالج کا پرنسپل تھا جو اس بد نصیب دارالحکومت دہلی میں واقع تھا - اس کالج میں ۳۰۰ طلبا تھے - ان طلبا کو ریاضی، ہئیت یورپی اُصول پر پڑھائے جاتے تھے اور مشرقی علوم السنہ کی تعلیم ایشیائی اُصول پر دی جاتی تھی - اضلاع شمال و مغربی کی علمی و ادبی ترقی کی تمام اطلاعات مجھے مسٹر ٹیلر کی عنایت سے حاصل ہوئی تھیں - حقیقت میں یہ شخص بڑے لطف و کرم اور تندہی سے مجھ سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھتا تھا اور چونکہ ہندوستانی زبان کا وہ بڑا ماہر تھا اور اہل علم ہندوستانیوں کے پاس اس کی آمد و رفت تھی کہ جن سے وہ اُردو میں بلا تکلف بات چیت کر سکتا تھا، اس لئے اب تم خود

اندازہ کر سکتے ہو کہ میرے لئے اُس کا وجود ہندوستان کی علمی اور ادبی ترقیات کے متعلق کس قدر کارآمد اور فائدہ رساں تھا ——

دیسیوں سے اُس کا میل جول کچھ کام نہ آیا اور دہلی کے قتل عام میں ۱۰ مئی کو نشانۂ اجل ہوگیا اور جوان بیوہ اور خورد سال بچہ چھوڑ مرا - اس کی موت ہندوستانی ادبیات کے حق میں ایک حادثہ ہے - ادب اُردو سے اُس کو عشق تھا اور اس نے اس کی بڑی خدمات انجام دیں - اول تو یہی خدمات کچھ کم نہ تھیں کہ ' دہلی کالج ' کے صدر کی حیثیت سے ' بوترو ' اور ' سپرنگر ' جیسے لائق اساتذہ کے کام کو جاری اور برقرار رکھا اور اُن کی جانشینی کے حق کو خوبی سے ادا دیا - اُردو اور ہندی میں تصنیف و طباعت کے کاموں میں ہمت افزائی کرکے لوگوں کی مدد کی ' اسی طرح عربی ' فارسی' انگریزی اور سنسکرت کتابوں کے ترجموں کی بھی سرپرستی کی ——

صرف غدر ہی نے مشرقی علوم کو نقصان نہیں پہنچایا - حال ہی میں طہران میں مرزا محمد ابراہیم کا انتقال ہوا ہے جو ایسٹ انڈیا ہلسبری کالج کے پرنسپل تھے ' جہاں میری اُن سے سنہ ۱۸۳۷ ع تک ملاقات رہی - پھر شاہ ' ایران ' نے اُن کو عہدۂ فرماں روا (گورنر) پر تقریر کرکے طلب کرلیا - وہ

نہایت عمدہ انگریزی بولتے اور لکھتے تھے اور بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کے لئے مشہور تھے۔ ہم ان کے احسان مند ہیں کہ انہوں نے ایک عمدہ فارسی صرف و نحو لکھی اور بہت سے دلچسپ مضامین فارسی علم ادب کے متعلق یادگار چھوڑے۔ ۴۰ برس ہوے کہ یہ مضامین ایک رسالہ موسوم بہ " اے تھی نیم" میں شایع ہوے تھے۔ انہوں نے یشعیا نبی کی کتاب کا اور تاریخ روما کا ترجمہ اپنے شاگرد یعلی شاہ ایران کے لئے کیا تھا۔ خود یوروپ میں عین عالم شباب میں مسٹر نیوتن کا انتقال ہوگیا جو ممتاز مستشرق اور ہندوستانی زبان کا بڑا ماہر تھا۔ اور ھرفورڈ کے ممتاز اڈیٹر سٹفن آسٹن کا شریک ذوق ادب تھا۔ 'نیوتن' کا انتقال اپریل میں ہوا اور مئی میں کپتان آدم گورڈن چل بسا۔ یہ شخص سالہا سال مشہور چلتن ہم کالج میں زبان ہندوستانی کا معلم رہا۔ اردو اس نے ہندوستان کے ایام قیام میں سیکھی تھی۔ اچانک موت نے اُس کو علم کی آغوش اور اپنے کلبے سے چھین لیا۔

آخر الامر پیرس کو بھی ۱۸ ستمبر کو کاتر میر کی موت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ یہ اچھا بچھا تھا کہ صبح کے وقت اپنے بستر استراحت پر مردہ پایا گیا۔ وہ اپنے زمانے کا بڑا زبردست مستشرق تھا غالباً اپنے عصر کا سب سے بڑا جید عالم تھا۔ یہ فاضل محترم ۲۵ سال تک زبان فارسی کا درس دیتا

رها اور اپنی ساری زندگی اس نے زبان فارسی کے لئے وقف کردی تھی - وہ دنیا سے همیشه کناره کش رها اور آخر دم تک اُس نے قدیم سید هے سادے اخلاق و آداب کو بحفاظت بر قرار رکھا اور شرافت اور انسانیت کو کبھی هاتھه سے نه دیا - سنه ۱۷۸۴ ع میں پیدا هوا اور ۲۹ برس کی عمر میں مصری زبان اور مصری ادبیات پر اُس نے ایک اهم تصنیف کی جس کی وجه سے وہ بہت جلد مشہور هوگیا - ۳۳ سال کی عمر میں وہ شعبۂ کتبات (Academy of Inscriptions) کا رکن بنایا گیا اور دس سال بعد کالج آف فرانس میں عبرانی کا معلم اول مقرر هوا اور اسی وقت سے باقاعدہ سبق دینا اور شعبۂ مزکور کے علمی مذاکروں اور جلسوں میں شریک هونا اس کے مشاغل میں داخل هوگیا - نیز اکادمی مذکور میں وہ بیرن داسیر کی جگه سکریٹری کی خدمات بھی انجام دیتا رها - اپنے اوقات کا بقیه حصه وہ اپنے مخصوص کام (یعنی علوم مشرقیه) پر صرف کرتا تھا اور چونکه وہ تجرد کی زندگی بسر کرتا تھا اور عیال و اطفال کی فکر سے فارغ تھا اس کام کو وہ آخر دم تک جاری رکھه سکا - چنانچه اس کی یادداشت مصریه مشتمل بر تواریخ و جغرافیه مصر اور یادداشت دربارۂ ناباتھین (Nabatheens) کی بڑی قدر هوی - علامه مقریزی کی تاریخ مملوک سلاطین مصر کا ترجمه، رشیدالدین کی اصل

تاریخ مغول ایران مع فرانسیسی ترجمہ، مقدمہ علامہ ابن خلدون (Academy of Inscriptions) کے نوتیسز آن مینو سکرپٹس (Notices of Manuscripts) کی جلدوں میں شائع ہوتا رہا۔ متعدد مضامین اخبار (journal of savants) کے ذریعہ شائع ہوے۔ دیگر تالیفات بھی اس کے قلم سے نکلیں۔ اور انہیں ایام میں وہ پانچ لغات کی کتابوں کی تصنیف اور تالیف پر برابر مشغول کرتا رہا جس کا بہت سا مواد قلمی لکھا ہوا اُس نے چھوڑا ہے۔ یہ لغات عربی، فارسی، ترکی، قبطی اور سریانی زبانوں کی تھیں۔ اس کی تفریح اور سیر صرف یہ تھی کہ پرانی کتابوں کی دوکان میں جاتا، پرانی اور کمیاب کتابوں کی تلاش کرتا اور جہاں کتب خانے فروخت ہوتے وہاں پہنچ جاتا۔ نیز اپنے معزز خاندان کے لوگوں اور چند چیدہ احباب سے ملاقات کرکے بھی اُسے بے حد خوشی ہوتی تھی۔ وہ اپنے مہمانوں کی تواضع اور آو بھگت بڑے تپاک سے کرتا تھا۔ ان کو اپنی میز کے گرد یا دھکتی ہوئی انگیٹھی کے پاس جمع کرکے اپنی تحقیقات کے سربستہ رازوں سے آشنا اور خبردار کیا کرتا تھا۔ جو اُس سے ملاقات کے لئے آتے اُن سے بڑے لطف و اخلاق سے پیش آتا تھا۔ درماندہ لوگوں سے فیاضی کا برتاو کرتا اور جو کچھہ خیر خیرات کرتا تھا اُس کی خبر کسی کو کانوں کان نہ ہوتی۔ اس کی گفتگو ہر حال میں سبق آموز ہوتی مگر ساتھہ ھی ساتھہ بے تکلفی اور

زندہ دلی سے خالی نہیں ہوتی تھی- ایک فہمیدہ اور ہوشیار عورت نے اس کی گفتگو کا حال سچ سچ یوں بیان کیا ہے " جب باتیں کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حکیم و فلسفی کی جگہ دنیا دار آدمی بیٹھا بول رہا ہے ' اُس کی گفتگو ہمیشہ پر لطف ہوتی ہے اور اُس کے سامنے سے لبوں پر مسکراہٹ آجاتی ہے - وہ نہایت خوش طبع اور اعلیٰ درجہ کا ذوق رکھتا ہے اور اس میں خواہ مخواہ علمی نخوت کی آمیزش نہیں پائی جاتی- دوسروں کی بات التفات سے سنتا ہے بلکہ لغو اعتراضات تک سے بھی بے اعتنائی نہیں کرتا اور کلام لطایف و حکایات کا ایک ایسا شیریں سرچشمہ جاری ہو جاتا ہے جس سے عالم و جاہل دونوں لذت اندوز ہوتے ہیں " —

کہا جاتا ہے کہ مسٹر گارسیر کے مذہبی عقائد عام رومن کیتھولک طریق سے جدا گانہ اور جانسینی تھے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان خدا کی مدد کے بغیر نجات نہیں حاصل کرسکتا - اگر اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ ملحد تھا اور برکات خارجی کی ضرورت تسلیم کرتا تھا تو یہ حکیم قطعاً اس عقیدے سے کوئی سروکار نہ رکھتا تھا - کیوں کہ وہ دل سے کیتھولک عقائد کو تسلیم کرتا اور اُن کا قائل تھا - اور اگر یہ الحاد کا الزام ان لوگوں کے لئے تراشا گیا ہے جو مسیحی اخلاق کے شدت سے پابند اور گرجا کے اصول پر کاربند اور بدل و جاں فرانسیسی گرجا کی سنگت میں

محدثات کے مخالف ہیں تو اس معنی میں اس کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ملحدانہ یا جانسینی عقیدہ رکھتا تھا۔

کاتر میر میں دنیاوی شہرت کی ہوس نام کو نہ تھی۔ غیر ممالک کی چند ہی ایسی علمی انجمنیں تھیں جن کی رکنیت اس نے قبول کی تھی اور نشانات امتیاز میں محض اس کے پاس ایک تمغہ موسومہ " شیوالئے دے لا لیژوں دی آنر " (Chevalier de la Legion d' honneur) کا تھا اور یہ اعزاز بھی اس کو اس طرح حاصل ہوا کہ جب وہ انجمن کتبات کا صدر منتخب ہوا جس کا رکن وہ چودہ سال سے تھا اور اس کی عمر اس وقت ۴۷ سال کی ہو چکی تھی تو اس کے احباب نے بغیر اس کے علم کے اس کے لئے نشان امتیار کا مطالبہ کیا۔

حضرات! کاتر میر کے مرنے کے بعد ہمارے ہاں مسند علم جو خالی ہو گئی تھی اس کو چارلس شیفر نے سنبھالا ہے جو کاترمیر کے خاص تلامذہ میں سے ہے اور جس پر اس کی نظر اور توجہ خاص طور پر مبذول رہی ہے۔ شیفر کی نشو و نما بڑے عمدہ علمی ماحول اور استوار ادبی اصولوں کے زیر اثر ہوئی ہے۔ علاوہ بریں اس کو اپنی تحقیقات علمی اور سیاحت کے سلسلے میں زبان فارسی میں تحریر و تقریر کی مشق بڑھانے اور اس میں شستگی پیدا کرنے کا بڑا موقع ملا اور خوش قسمتی سے وہ زبان کے درس تدریس کے کام پر مقرر ہوا ہے۔ لہذا جو حضرات میرے سامنے موجود ہیں اور زبان اردو کے متعلق

میرے خطبات میں شریک ہیں ان سے میں پر زور تاکید اور سفارش کرتا ہوں کہ وہ شہر کے خطبات میں جو زبان فارسی کے متعلق ہوتے ہیں ضرور شرکت کریں- کیوں کہ فارسی کا اس اُردو سے جو مسلمانوں میں رائج ہے ایسا گہرا تعلق ہے کہ اُردو کی تہ کو پہنچنا فارسی جاننے پر موقوف ہے اس طرح یہ بھی یقینی بات ہے کہ فارسی سمجھنے کے لئے اردو کا جاننا ضروری ہے کم از کم ہندیوں کی فارسی کا علم ' کیوں کہ ہندوستان کی ترکیبیں اسی سے ماخوذ ہیں - فارسی اگر اُردو کی سرچشمہ ہے تو ہندی کی ماتا سنسکرت ہے - گویا ہندی ہندوستانی کی ہندو شاخ ہے - چنانچہ میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ اس قدیم زبان کی طرف بھی توجہ کریں جس کی تعلیم اسی مدرسہ میں کسی نامور ماہر لسانیات کے سپرد کی جائے گی - میں زبان اُردو کے فوائد اور اس کی اہمیت پر بارہا زور دیتا رہا ہوں اس میں مجھے ذرا شبہ نہیں کہ ہندوستانی زبانوں کے حاصل کرنے کی اہمیت کا احساس خاص کر اُس زبان کا جس کی میں تعلیم دیتا ہوں روز بروز زیادہ بڑھتا جائے گا کیوں کہ اس زبان کی ضرورت فوجی اور ملکی عہدوں کے لئے خاص طور پر پیش آئے گی —

کچھہ مہینے ہوتے ہیں کہ ایک ہوشیار انگریز مستشرق مسٹر نسولیس (Nassau Less) نے جو اپنی عربی عالمانہ

لغات کے کے لئے بہت کچھ مشہور ہوئے ایک رسالہ السنۂ
شرق کی حمایت میں تصنیف کیا - لارڈ میکالے نے جو
صلاحات نظام تعلیم کے متعلق پیش کی تھیں اور جن کی تائید
نسؤ ے کرتے ہوے اس پر زور دیا تھا کہ ہندوستان میں صرف
طینی حروف استعمال کئے جائیں اور آیندہ سے انگریزی کو
رکاری زبان قرار دے دیا جائے ' نسولیس کے خیال میں یہ
حریکات تحصیل علوم مشرقیہ کے حق میں مضر اور خطرناک
ھیں - اس کے رسالہ کا عنوان یہ ھے Instructions in the Oriental
Languages Considered - اس رسالہ میں یہ حقیقت از سر نو
اضح کی گئی ھے کہ السنۂ مشرقیہ کی تحصیل اور خاص کر
ہندوستانی زبان کی ملکی اور فوجی خدمت کے لئے از بس
ضروری ھے - اور یہ ایک خیال خام ھے کہ انگریزی زبان
ہندوستان میں ایسی مقبول ہو جائے گی کہ تھوڑے عرصے میں
نگریز السنۂ مشرقیہ سے بے نیاز ہو جائیں گے - اس رسالہ کا
صنف شکایت کرتا ھے کہ اس مسئلے پر انگلستان اور ہندوستان
ے اہل الرائے میں ابھی تک کوئی مفاہمت کی صورت پیدا
نہیں ہوئی - خاتمۂ کتاب میں وہ انگلستان کے سیاسی مفاد کو
پیش نظر رکھتےہوے جملہ السنۂ مشرقیہ کی تحصیل کی حمایت
رتا ھے اور مطالبہ کرتا ھے کہ جس طرح روس و آسٹریا میں
علوم وفنون مشرقیہ کی تحصیل باقاعدہ مدارس میں اسی

طرح اس قوم کا بھی فرض ہے جو اپنے آپ کو ملکۂ بحر کہتی ہے کہ السنۂ مشرقیہ کی تعلیم کے لئے ایک ایسی درس گاہ قائم کرے -

اس خیال کی داد دینے پر ہر شخص مجبور ہوگا ' خصوصاً بحالت موجودہ کہ انگریز غدر کے بعد از سر نو اپنی حکومت کو ہندوستانیوں سے تسلیم کرانا چاہتے ہیں - محض فوجی قوت کے برتے پر ان قوموں پر حکومت کرنا محال ہے جن کی زبان اور رسم و رواج میں اختلاف ہے- ایسی صورت میں محکوم قوم کی ہمدردی حاصل کرنی بھی ضروری ہے - اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب مفتوح و محکوم قوم سے براہ راست تعلق پیدا ہو - اور اس حقیقت کا انکشاف لطف اللہ * کے واقعات سے ہوتا ہے کہ جوں ہی انگریزوں سے اسے بات چیت کا موقع ملا وہ انگریزوں کے ساتھ ہو گیا —

اگر مشرقی علوم سے بے اعتنائی کا الزام انگریزی حکومت پر کسی حد تک درست بھی ہے تو یہ الزام قوم انگریزی پر ہرگز عاید نہیں ہو سکتا - علاوہ ان کثیر مطبوعات کے جو انگلستان میں مشرقی علوم کے متعلق شایع ہوتی ہیں اور کون سا ملک ہے جہاں ایک انجمن مشرقی علوم کی کتابوں کی تدوین و اشاعت اور دوسری ترجمہ کے لئے باقاعدہ طور

* خود نوشت سوانح عمری لطف اللہ (دیکھو Journal des Debats نمبر ۱۰ اکتوبر ۱۸۵۷ ع) -

پر قائم ہے - کلکتے میں ایک انجمن قائم ہے جہاں سے سنسکرت، عربی، فارسی کی غیر مطبوعہ کتابیں شایع ہوتی ہیں اور اب تک ۱۳۹ کتابیں مشرقی علوم کی چھپ چکی ہیں - خود ہندوستان والے بھی غدر کے زمانے تک برابر مختلف تصانیف و رسائل شایع کرتے رہے - دہلی پر باغیوں کے استیلا سے کچھ ہی پیشتر آئین اکبری کا اردو ترجمہ ہوا - یہ کتاب نامور شہنشاہ اکبر کے حکم سے تحریر ہوئی تھی اور اس کتاب میں نہایت صحیح اور برار معلومات اعداد شمار دولت مغلیہ کے متعلق موجود ہیں - اردو ترجمے میں بہترین ہندوستانی مصوروں کے ہاتھ کی لیتھو کی چھپائی کے نقشے اور مختلف سکوں، ہتیاروں اور میووں کی تصویریں شامل ہیں —

اب بغاوت نے ہندوستان کی ساری زندگی تہ و بالا کر ڈالی - ہمیں امید بندھتی ہے کہ اب امن و امان قایم ہونے کے بعد اہل ہند از سر نو اپنی فرصت کے اوقات میں شعر و شاعری کے دلچسپ مشغلہ میں منہمک ہو جائیں گے اور پھر سے اپنے جدید جلیل القدر شاعروں کی یاد کو زندہ کریں گے جو والمکی، اور ویاس سے کسی اعتبار سے کم نہیں ہیں - ہمیں یقین ہے کہ سودا اور ولی کے چرچے پھر ہر طرف سنائی دینے لگیں گے - ولی تو ان سبھوں کو دل سے پسند ہے - اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ولی ہی پہلا شاعر ہے جس نے انہیں ایرانی شاعری

کا چسکا لگایا اور اسے ہندوستان میں پہلی مرتبہ رائج کیا۔ ولی نے حافظ کا اس طرح ہندوستان میں تعارف کرایا ہے جس طرح سے کہ Horace نے سب سے پہلے اہل روما سے Archilopue کا تعارف کرایا تھا ـــ

ہمیں یہ امید ہے کہ بہت جلد اہل ہند اپنی قومی شاعری کی روایات کے مطابق شاعری کو ترقی دیں گے اور ایسی غزلیں کہیں گے جنھیں سن کر کبھی تو عشق مجازی کا مزہ آے گا اور کبھی عشق حقیقی سے دل مسرور ہوگا اور کبھی ان دونوں کو ایک ہی کوزے میں بند کر کے پیش کیا جاے گا۔ جس طرح کہ Minnesinger یا ازمنہ وسطیٰ کے بھاٹوں کے گیتوں میں یا دانتے کی نظموں اور پٹرارک اور شیکسپیر کے Sonnets میں ہمیں لطف آتا ہے ویسا ہی ان غزلوں میں آے گا۔ بقول والٹر اسکاٹ ـــ

"عشق ہر جگہ کار فرما ہے۔ دربار ہو، میدان کارزار ہو، گوشۂ چمن ہو، ہر جگہ اسی کا ڈنکا بجتا ہے۔ یہی ہے جو دنیا کے انسانوں اور ملاءاعلیٰ پر حکمرانی کرتا ہے، اسی کا دوسرا نام فردوس ہے اور فردوس اس کے سوا کچھ نہیں" ـــ

نواں خطبہ

۵ مئی سنہ ۱۸۵۹ ع

نیشنل لائبریری کی آرائش کی وجہ سے جو طویل وقفہ واقع ہوا اُس کے بعد آج میں پھر اپنے لکچروں کا سلسلہ شروع کرتا ہوں - یہ اعادہ ایسی حالت میں کیا جارہا ہے جب کہ اِس امر کا اطمینان ہو چکا ہے کہ ہندستان میں سنہ ۱۸۵۷ ع کا منحوس فساد جس کا مقصد انگلستان سے ایسے ملک کے چھین لینے کا تھا جو اُس کے تاج کا سب سے خوبصورت نگینہ ہے اب فرو ہو گیا ہے اور پھر امن و امان قائم ہو گیا ہے —

ہمیں امید ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ اس تباہی کی تلافی اور اہل ہند کی (جن پر خدا نے اسے حکمراں کیا ہے) فلاح و بہبود میں ساعی رہے گی - ہندوستانیوں میں یقیناً برائیاں ہیں لیکن ان میں خوبیاں بھی ہیں سب سے بڑھ کر ان میں ایک ایسی چیز ہے جس نے انھیں انگریزوں سے قریب تر کر دیا ہے یعنی اپنے خوشنما ملک کی الفت یا حب وطن -

اس امر تیقن بآسانی ان کے اپنے کلام سے ہو سکتا ہے - افسوس کو سنئے :—

" هندوستان کی سرزمین کا عالم سب سے نرالا هے کوئی ولایت اس کی وسعت کو نهیں پهنچتی، اور کسی مملکت کی آبادی اس کو نهیں لگتی، یهاں کی هر ایک بستی میں گهما گهمی، جا بجا ایک نئی طرح کا عالم، هر شهر و قصبے میں ستهری پاکیزه پخته و متعدد سرائیں، مسافر کے واسطے هر موسم کے اوڑهنے بچهونے اور اقسام کی غذائیں، اکثر بستیوں میں مسجدیں، خانقاهیں، مدرسے، باغات، مریدوں، بے کسوں، مسافروں کے لئے متعدد مکانات - قلعے بڑے بڑے مضبوط وسعت میں ایسے که سیکڑوں گاوں ان میں بسیں اور رفعت میں اس قدر که بادل ان کے نیچے برسیں - ندی نالے تالاب کوئے لطیف و پاکیزه هزار ها، پانی ان میں میٹها ٹهنڈا ستهرا بهرا هوا - بڑے بڑے دریاؤں میں کشتیاں نواڑے بجرے وغیره بے شمار، شاه راه کے ندی نالوں پر بیشتر مقاموں میں پل بندهے هوے تیار، اکثر رستوں میں کوسوں تلک سایه دار درختوں کی دورسته قطار - ایک ایک کوس کی مسافت پر ایک مینار نمودار - هر ایک چوکی پرهمه چیزمهیا، سودے والوں کی دوکانیں جا بجا، مسافر خوش وخرم کهاتے پیتے اٹهتے بیٹهتے دن بهر چلے جاتے هیں، اور شام کو منزل پر بهی سب طرح کا آرام پاتے هیں"-

ایک هندوستانی مصنف مقبول * هندوستان کے متعلق

---

* هیر رانجها صفحه ۴ - ۵

اسی انداز سے رطب اللساں ہے لیکن اس نے تشبیہات و استعارات سے بہت کام لیا ہے :—

"ہندوستان ربع مسکون کا پانچواں حصہ ہے، میں اس کا ذکر کیا کروں وہ بذات خود ایک عالم ہے۔ اس نے تمام ملکوں کو شان و شوکت میں مات کر دیا ہے۔ اس کی بے شمار خوبیوں کے منجملہ ایک آب و ہوا ہے جو دوسرے ممالک سے بالکل مختلف ہے۔ علم و ہنر صنعت و حرفت زبان و ذکاوت، تعمق و تدبیر میں یہ ملک محل شہرت کا محراب * ہے۔ اگرچہ دوسرے ممالک میں بھی بعد تلاش یہ صفات پائے جاتے ہیں لیکن ان ممالک اور ہندوستان کے مابین ویسا ہی فرق ہے جیسا سورج اور دب اکبر کے تمتاتے تاروں میں یا زمین و آسمان میں۔ ہندوستان میں جو لوگ دوسرے ممالک کی اشیاء کی تقلید کرنا چاہتے ہیں وہ در حقیقت موجد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ زبان اس عمدگی سے سیکھتے ہیں کہ خود اہل زبان سے بڑھ جاتے ہیں۔ ترک، عرب، حبشی، ایرانی اور انگریز جو عرصے تک ہندوستان میں رہے بسے وہ یہاں کی

---

* یعنی سب سے ممتاز جگہ۔ مشرقی مکانوں میں دیواروں میں بہت سے طاق ہوتے ہیں اور ان میں اسی طرح سجاوٹ کا ساماں رکھا جاتا ہے جس طرح مغربی ممالک میں آتش دان کے اوپر کے حصے پر۔ مساجد میں محراب کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو گرجاؤں میں قربان گاہ کی۔ یہاں شمعیں روشن کرکے رکھی جاتی ہیں جن کی طرف منہ کرکے لوگ عبادت کرتے ہیں —

زبان بآسانی سیکھہ سکتے اورآتش حسد میں سوخت ہوتے رہتے ہیں"۔

ہندوستان کی خوف ناک شورش نے انگلستان کو بددل نہیں کیا - اس نے اس کو فرو کر لیا اور تقریباً تمام ملک میں پورا نظم قایم ہو گیا ہے —

گدہ کا غیظ اور کچھوے کا عشق

کبھی رنجیدہ کرتے اور کبھی جرم کے ارتکاب پر ابھارتے ہیں *

علاوہ بریں اب ہندوستان کا تعلق براہ راست تاج برطانیہ سے ہو گیا ہے - ایسٹ انڈیا کمپنی † کی جگہ اب ایک شفیق ملکہ حکمراں ہے - اہل ہند بجاے اس ہستی کے جسے وہ آنریبل کمپنی بہادر کے نام سے موسوم کرتے تھے اور جس کے متعلق اکثر اہل ہند کا خیال تھا کہ وہ ایک ہمیشہ رہنے والی مخلوق ہے اور دور دراز ملک میں رہ کر اپنے نائبین کے ذریعہ حکمرانی کرتی ہے - یقیناً اس ملکہ کی اطاعت برضا و رغبت کریں گے -

یکم نومبر گزشتہ کو اس تبدیل حکومت کا اعلان ‡ بڑی

* لارڈ بایرن کی نظم " ابیدوس کی دلہن " (Bride of Abydos) باب (۱)-

† سنہ ۱۶۰۱ ع میں ملکہ الزبتھ نے تجار کی ایک جماعت کو مشرقی ہند میں تجارت کرنے کی اجازت عطا کی تھی —

‡ میرے پاس دو نسخے اس شاہی اعلان کے دو مختلف خطوں میں ہیں جو بعض احباب نے اپنی عنایت سے مجھے بھیجے تھے - فارسی حروف میں مسلمانوں کے لئے اور شاستری یا جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے دیوناگری حروف میں ہندوؤں کے لئے - میری راے میں ان کی عبارت بہت آسان ہے جسے عام لوگ بھی بسہولت سمجھہ سکتے ہیں - بریں ہم میرے پاس جو نسخہ ہے الہ آباد کا مطبوعہ ہے ' اس کی طباعت میں بہت بےپروائی سے کام لیا گیا ہے —

شان کے ساتھ کلکتہ میں کیا گیا جو برٹش انڈیا کا دارالسلطنت اور هندوستان کا ایک بڑا شہر ہے - اس کا بہت اچھا اثر پڑا جس کا ثبوت ان ایڈرسوں سے اور نظموں سے ملتا ہے جو بعد میں لکھی گئیں —

میرے پیش نظر ایک هندوستانی نظم * ہے جو آگرہ میں چھپی ہے - یہ ایک قصیدہ ہے جس کا عنوان "تہنیت جلوس" ہے - یہ مرزا حاتم علی خاں کا لکھا ہوا ہے جن سے هندوستان کا ادبی حلقہ مہر کے نام سے آشنا ہے ' یہ مسلمان فاضل اور یورپین تہذیب کا حامی سنہ ۱۸۵۷ ع کے غدر سے قبل چنار میں منصفی کے عہدے پر مامور تھا - غدر میں خوش قسمتی سے اس نے سات مرد اور بہت سے یورپین بچوں کی جانیں بچائیں ' جن کا ذکر اس خط میں ہے جو نظم کے ساتھ شائع ہوا ہے - اگرچہ اس نظم کی دہلی کے مشہور هم عصر شاعر مرزا اسداللہ خاں مضطر † نے بہت داد دی لیکن مجھے اس

* اس طرح کی اور نظمیں بھی شایع ہو چکی ہیں - مثلاً راجہ کالی کرشنا بہادر نے ایک نظم شایع کی ہے جس کا ذکر یہاں محض بطور حوالہ کیا گیا ہے کیونکہ یہ نظم سنسکرت میں ہے جو هندوؤں کے لئے بمنزلۂ لاطینی کے ہے - راجہ نے اس زبان کا استعمال مناسب سمجھا —

† یہ یقیناً جناب پروفیسر کی غلطی ہے اسداللہ غالب ہونا چاہئے -

(عبدالحق)

میں کوئی ندرت معلوم نہیں ہوتی ابتدا میں مصنف یہ استفسار کرتا ہے کہ یہ تمام انتظامات جو نظر آرہے ہیں کس غرض سے ہیں - اس کا جواب وہ یہ دیتا ہے کہ یہ اس لئے ہے کہ شاہی فرمان پڑھا جاے - اس کے بعد بالکل مشرقی رنگ میں ملکۂ لندن کی مدح سرائی ہے جس کا چمکتا ہوا چہرہ لولیء فلک (زہرہ) میں منعکس ہے؛ اس کے بعد ہی لارڈ کیننگ کی تعریف شروع ہو جاتی ہے اس کے بعد دوسرے عہدہ داروں کی مثلاً مسٹر ایڈم نستی اور صاحب علم وعزت ولیم میور کی جن کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ تمام علوم و فنون میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں، جنھیں روے زمین کے تمام بادشاہوں سے لے کر آج تک کے فرماں رواؤں کی تاریخ سے واقفیت ہے —

اعلان میں وکٹوریا نے اپنے لئے یہ خطاب اختیار کیا ہے: ملکۂ مستعمرات و نوآبادیات یورپ، ایشیا، افریقہ، امریکہ و اسٹریلیا "- اس نے لارڈ کیننگ کو برٹش انڈیا کا پہلا وائسراے وگورنر جنرل اس غرض سے مقرر کیا کہ وہ اس کی بجاے بتوسط وزیر ہند لارڈ استینلی اس ملک کا انتظام کریں- لارڈ استینلی کی مدد کے لئے ایک کونسل معین ہوئی جس میں ہندوستان کے بہی خواہوں کو یہ معلوم کرکے مسرت ہوگی کہ سر هنری والن سن، مسٹر ایچ پی پرنسپ Mr. H. P. Prinsap

جو مشہور عالم جیمس پرنسیپ James Prinsap متوفی کے بھائی ہیں اور مسٹر ڈبلیو، آئی، ایسٹ وک شریک ہیں جو بی، ایسٹ وک مشہور مستشرق کے بھائی ہیں جس کا تقرر اس وقت ایسٹ انڈیا ہاوس کے محکمۂ خفیہ میں نائب وزیر کی خدمت پر ہوا ہے —

پنجاب نیا صوبہ بنایا جائے گا اور سرجان لارنس، جو سر ہنری کے بھائی ہیں جن کی افسوس ناک موت ہمیشہ یاد رہے گی مستقل طور پر اس کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیں گے جو فی الوقت عارضی طور پر آنریبل رابرٹ منٹگمری کے ہاتھ میں ہے —

صرف انہیں تغیرات پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ہیلسبری Haulsbury کا ایسٹ انڈیا کالج قطعی طور پر ۱۴ دسمبر سنہ ۱۸۵۷ع کو مسدود کردیا گیا اور اس موقع پر ایک سنجیدہ مجلس تقسیم انعامات کی منعقد کی گئی جس کے صدر نشین ریورنڈ مسٹر میلول Mr. Malwill پرنسپل کالج تھے - یہ کالج پچاس سال سے قایم تھا، اس میں سے ۳۰۵۵ * تلامذہ فارغ ہو کر نکلے جن میں ایسے افراد بھی ہیں جن کی شہرت یورپ بھر میں ہے - اس کالج کے پروفیسروں میں میکن تاش،

---

* ایلینز انڈین میل Allen's Indian Mail

اسپ سن' جرمی' اور مشرقی السنہ کے لئے ہاٹن' اسٹوارٹ' جانسن اور ایسٹ وک جیسے افراد تھے۔ ایسے فاضل پروفیسروں کے ہوتے ہوے یہ امر باعث تعجب نہیں کہ یہاں سے کیسے کیسے قابل لوگ نکلے —

ہیلسبری کالج کی مسدودی سے جو نقصان مشرقی علوم کی تحصیل میں واقع ہوا ہے اب اسے محسوس کیا جا رہا ہے۔ توقع ہے کہ انڈیا کونسل جدید کالج ان نوجوانوں کے لئے قائم کرے گی جو انڈین سول سروس کے لئے نامزد کئے جاتے ہیں کیونکہ اس نے ایڈسکومپ Addiscombe کا رائل ملٹری کالج فوجی خدمات کے لئے ایسے تغیرات کے ساتھہ برقرار رکھا ہے جو دوران تعلیم میں ہندوستانی کو عام زبان کی حیثیت سے برقرار رکھنے میں معاون ہوں۔ سنڈھرسٹ Sandshurst کے رائل ملٹری کالج میں بھی ہندوستانی زبان پڑھائی جاے گی اور سنہ ۱۸۹۰ میں اس کا دروازہ بلا امتیاز ایسے خواہش مندوں کے لئے کھول دیا جاے گا جو ان شرائط کی تکمیل کر سکیں جو اس درس گاہ کے داخلے کے لئے عاید کی گئی ہیں۔ بالآخر یہ بھی فیصلہ ہو چکا ہے کہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں جو انگلستان کی ممتاز ترین یونیورسٹی ہے ہندوستانی کی تعلیم دی جاے گی اور اس کے لئے ایک خاص مسند قائم کی جاے گی —

حضرات! ہندوستان کی اصل حالت سے آپ نے کافی طور

پر یہ اندازہ لگایا ہوگا کہ فی الحال مجھے کوئی ادبی واقعات یا کوئی مستقل تصنیف ایسی دستیاب نہ ہوئی جس کا میں آپ سے ذکر کرتا۔ اس بغاوت نے ادبی ترقی کو روک دیا جو چند سال سے ہندوستانیوں میں نمایاں تھی اور جس نے طویل مذہبی تنازع کے باوجود لوگوں کو اپنے بچوں کو قومی مدارس کے فقدان کی وجہ سے انگریزی مدارس میں بھیجنے پر مائل کر رکھا ہے کیونکہ بغاوت کے وقت ہزاروں مدارس عیسائی مشنری انجمنوں کے قائم کئے ہوئے موجود تھے اور ستر ہزار طلبہ ان میں شریک تھے۔ یہاں انگریزی کی عام تعلیم عام طور پر ہندوستانی کے توسط سے دی جاتی تھی* —

عرب شاعر کاسروکے الفاظ کی مخالفت میں یہ کہنا فضول ہے کہ خدا کی مشیئت ہے کہ کلام ترکیب پانے کے بعد اس کے عبد (مخلوق) کے لئے نوک دار تلوار بن جاتا ہے†۔ اس لڑائی نے کلام کو بے کار بنا دیا اور گنگا کی شعر و ادب کی دیویاں گزشتہ دو سال سے عالم سکوت میں ہیں۔ بہر حال مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ ادبی تحریک جو لڑائی کی وجہ سے معطل تھی اب پھر جنبش میں آچلی ہے اور اس کی پہلی بہار چند

---

* غالباً قمرالدین طیب جی جو یورپ میں اپنی تعلیم ختم کرکے بمبئی میں بیرسٹری کرنے کے لئے واپس ہوئے ہیں ایسے ہی کسی ایک مدرسے سے ولایت تعلیم حاصل کرنے کے لئے گئے تھے —

† ملاحظہ ہو تصنیف عبدالقادر ترجمہ ایم جی ڈحیق صفحہ ۱۱۸

نظمیں، تاریخیں اور بعض رسالے ہیں جو حالیہ شورش کے متعلق تالیف کئے گئے ہیں۔ اس قصیدے کے علاوہ جس کا میں اس سے قبل ذکر کرچکا ہوں ایک رسالہ ایک مسلمان کا لکھا ہوا ہے جو آگرہ میں حقیقت الجہاد کے نام سے شایع ہوا ہے یعنی یہہ کہ گزشتہ بغاوت کے مدنظر جہاد و فساد میں کیا فرق ہے۔ ایک ہندوستانی نظم بھی انگریزوں کی فتح دھلی کے متعلق لکھی گئی ہے جو "فتح دھلی" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ راحت کی مصنفہ ہے جن کی اور بھی تصنیفات ہیں۔ مجھے یہہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایم، ای، ڈی لوتور نے ایک اردو ترجمہ عدالتی اصولوں کی یادداشت کا شائع کیا ہے اور سنسکرت کے عالم بابو راجندر لال متر کے باپ کا ایک جدید ہندوستانی تذکرہ (اشخاص اور کتب کے حالات پر) اس وقت کلکتہ کے ایک مطبع میں زیر طبع ہے —

اِس کے ماسوا ایک رسالہ موسوم بہ "بامداد" بمبئی سے اسی سال جاری ہوا ہے۔ یہ یورپین خیالات کا موید ہے کیونکہ ایک قریبی اشاعت میں اس نے اپنے ان ناظرین سے جنھیں فرصت ہے اور تین ہزار کے اخراجات کے متحمل ہوسکتے ہیں انگلستان جانے کی استدعا کی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ جن لوگوں سے میں مخاطب ہوں اُن میں سے بعض یہ اعتراض کریں گے کہ ہمارا مذھب معرض خطر میں پڑجائے گا یا ہم اسے

بالکل کھو بیٹھیں گے - لیکن وہ مذہب ہی کیا جسے تم زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ساتھ نہ لے جا سکو * —

بہت سے ہندوستانی رسالے جن کے متعلق میں اس سے قبل بیان کر چکا ہوں سنہ ۱۸۵۷ میں بغاوت کے رونما ہونے پر ناپید ہوگئے - رسالہ خیر خواہ ہند جو مرزا پور سے سنہ ۱۸۳۷ سے فارسی اور لاطینی حروف میں شائع ہوتا تھا بند ہوگیا - یہ رسالہ لندن کی مشنری سوسائٹی کے پادری ماتھر کے زیر ادارت سترہ سال سے جاری تھا - یہ صاحب بہت سی مذہبی کتابوں کے مصنف ہیں جو ہندوستانی میں لکھی گئی ہیں - اور اس بائبل کے مرتب ہیں جو ہندوستانی زبان میں رومن خط میں لکھی گئی ہے جس کی ۳ ہزار کاپیاں لندن میں شایع ہوی ہیں اور اُس کے حاشیے پر اصل انجیل † ہے - نہ صرف امریکن مشنری سوسائٹیوں نے اس اخبار کو چلایا جیسا کہ میں نے اپنے

---

* ایلنس انڈین میل (Allen's Indian mail) سنہ ۱۸۵۲ صفحہ ۸۶۹ - اسی رسالہ میں (سنہ ۱۸۵۸ صفحہ ۹۳۳) یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ اجمیر کے اکثر سر بر آوردہ طلبہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایک رسالہ دو کالموں میں اردو و ہندی کا شایع کریں ' اسی میں بمبی کے رسالہ موسوم راست گفتار کا ذکر ہے - اس اخبار کے وجود کا مجھے اس سے قبل تک علم نہ تھا اور لکھا ہے کہ اس میں منجملہ اور مضامین کے ایک مضمون دو سا بھائی فرامجی پارسی کا لندن کے سینٹ پال کے حالات کے متعلق ہے —

† اس نسخے کے چند صفحات میرے پیش نظر ہیں ' میری رائے میں بڑی احتیاط سے یہ نسخہ معقول ہندوستانی عبارت میں شائع ہوا ہے جسے اہل ہند آسانی سے سمجھ نہ سکتے ہیں —

سنہ ۱۸۵۳ کے لکچر میں بیان کیا تھا بلکہ ہر فرقے کے پراتستنت مشنریوں کے مضامین بھی فراخ دلی سے شایع کئے جاتے تھے - اس رسالے کا مقصود تبلیغ مذہب اتنا نہ تھا جتنا کہ دیسیوں میں علم کی اشاعت - ہمیں امید ہے کہ وہ پھر اسی طرح دوبارہ شائع ہونے لگے گا جس طرح دہلی گزٹ جس کا مدیر سال بھر کے وقفے کے بعد اس قابل ہو گیا کے اس نے اپنے بربا د شدہ مکان کی از سر نو تعمیر اور مطبع کی تجدید کرلی اور مطبوعات کی اشاعت پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے —

صوبۂ پنجاب فساد سے بے تعلق رہنے کی وجہ سے اثر پذیر نہ ہوا - وہاں ادبی اشاعت میں خلل نہیں پڑا - میرے دوست سید عبداللہ نے حال میں میرے پاس ایک فہرست دو سو مختلف مطبوعات کی بھیجی ہے جو لاہور سے شائع ہوئی ہیں- ان میں نئے دیوان ہیں : نیز تحفۃ کی ایک تضمین ہے گلستاں کی نظموں پر- امانت کا ایک مرثیہ اور مخزن العشق مصنفہ تلسی رام اور غنچۂ آرزو (ان آخری دو کتابوں کی حقیقت سے میں ناواقف ہوں) غالباً یہہ منظوم افسانے * ہیں لیکن کوہ نور جو لاہور سے ہفتے میں دو بار شائع ہوتا ہے بدستور جاری ہے اور اب دس جلدوں تک اس کی نوبت پہنچ گئی ہے- میرے روبرو ۱۷ جنوری سنہ ۱۸۵۹ ع کا پرچہ ہے جو سولہ صفحے کی چھوٹی تقطیع پر دو کالموں میں ہے لیکن اس میں خاص طور پر کوئی

* غنچۂ آرزو میر وزیر علی صبا کا دیوان ہے (ع) –

بات دلچسپی کی نہیں ہوتی —

مجھے معلوم نہیں کہ دہلی کا بڈھا بادشاہ باوجود بغاوت کے ان نتائج کے جو اس کے لئے باعث تباہی ہوے اور جس میں اس کی شرکت بحیثیت سرغنہ متصور کی جاتی تھی اب بھی شعر و سخن سے شوق رکھتا ہے یا نہیں۔ بہرحال وہ اپنی قلیل المدت حکومت کے زمانے میں شاعری کا شغل رکھتا تھا - ذیل میں اس کے تین شعر درج ہیں جن کا انگریزی اخبارات کے ذریعے سے ہمیں علم ہوا ہے :—

مجھے حق کی قوت کی ستائش کرنے دو - عیسائی
اپنے ہی ہتھیاروں سے پسپا ہوے نہ روس سے نہ روم
سے تمھیں کوئی مدد ملی - خود انگریزوں کے
کارتوسوں نے انہیں ہلاک کیا ہماری فوجوں نے
انہیں گھیر لیا اب ان کے لئے نہ نیند ہے نہ چین۔
ان کی موت فیصل شدہ امر ہے وہ صبح میں انجام
پائے یا شام میں *

---

* اصل نظم حسب ذیل ہے جس میں بحر و معانی کے لحاظ سے تصحیح کی گئی ہے ۔—

دلا گواہی حق پہ کر تو نظر	نصاریٰ کی حوتی نصاریٰ کا سر
کچھ کام روم نے کیا اور نہ روس نے	انگریز کو تباہ کیا کارتوس نے
فوج نے آکر گھیرا ہے نیند گئی آرام گیا	جی کا جانا ٹھیرا ہے صبح گیا یا شام گیا

اشعار مختلف بحروں میں ہیں

[یہ مہمل اشعار بہادر شاہ کے نہیں ہوسکتے - غدر کے زمانے میں بعض لوگ ان کے نام سے اس قسم کے اشعار لکھ کر مشہور کردیا کرتے تھے (عبدالحق)]

یہ اشعار جون یا جولائی سنہ ۱۸۵۷ میں لکھے گئے ہوں گے کیوں کہ اگست میں سراج الدین بالکل ناأمید ہوگیا تھا اور اس نے ایک سیدھی سادی نظم میں نواب جھجر کولکھا تھا کہ میں مکہ کو ہجرت کرنا چاہتا ہوں میں بڈھا ہوگیا ہوں اور میری صحت خراب ہے- دنیا اُلٹ پلٹ گئی، ہر جگہ بد عملی پھیلی ہے - کوئی کسی کا حکم نہیں مانتا اس لئے میں نے حج کرنے کا تہیہ کرلیا ہے * —

وہ حاجی تو نہ ہوا حکومت کا قیدی ہوگیا اور دہلی گزٹ نے اس کے اپنے محل کے دروازہ سے جو لاہوری دروازے کے نام سے موسوم ہے رنگون جلا وطن کئے جانے کی خبر شائع کی جہاں وہ کلکتہ سے جہاز پر سوار ہوکر ۴ دسمبر گذشتہ کو پہنچا - اس اندوہ ناک سفر میں اس کی ملکہ بیگم زینت محل ایک اور بیوی بیگم تاج محل اور اس کے فرزند جواں بخت و شاہ عباس اور شاہی خاندان کے چند ارکین اور بہت سے حوالی موالی اس کے ساتھ تھے —

بعض تصانیف هندوستانی زبان کی تعلیم کے متعلق شایع هوئی هیں جن میں غلام محمد کا مکالمہ بھی ہے - کلکتہ سے اجمیر کے مسٹر ایس، ڈبلیو فیلن† S. W. Fallon نے ایک انگریزی

* ایلنس انڈین میل سنہ ۱۸۵۸ ع صفحہ ۲۵۶ -

† یہ مستشرق وہی ہے جس نے میری کتاب " تاریخ ادب هند " کا ترجمہ بہ امداد کریم الدین کیا -

هندوستانی لغت قانونی و تجارتی اصطلاحات * کی شایع کی - یہ بہت مفید کتاب ھے جس کی ابتدا میں ایک مقدمہ ھے جس میں تاریخی و لسانی لحاظ سے انگریزی کا هندوستانی سے مقابلہ کیا گیا ھے - لندن میں ریورنڈ مسٹر اسمال (Rev. Mr. Small) نے مسٹر ایسٹ وک (Mr. Eastwick) کی هندوستانی قواعد کا جدید نسخہ مفید اضافوں کے ساتھہ شایع کیا ھے † —

همارے مدرسے کے طلبہ کے استادے کے خیال سے ابی برترانڈ (Abbe Bertrand) نے پیرس میں میری کتاب کا مروپ کی ایک فرهنگ شائع کی ھے —

حضرات ! دوسری تصانیف جن کا ذکر مجھے آپ سے کرنا ھے رومن یعنی انگریزی حروف میں ھیں - مشہور ڈاکٹر گلگریسٹ هندوستانی قواعد کے موجد کو اس صدی کے آغاز میں سب سے پہلے یہہ خیال گزرا کہ هندوستانی کو انگریزی حروف میں بالالترام لکھا جائے- حروف علت کے متعلق انھوں نے انگریزی زبان کے رسم خط کو اختیار کیا جو انگریزی کے لئے تو بہت مناسب ھے لیکن یورپ کے دوسرے ممالک کی اقوام کے لیے کارآمد نہیں ھے - اس امر پر زبردستی اصرار کیا گیا

* An English -Hindustani law & commercial Dictionary &c. Calcutta, 1858 –

† ملاحظہ هو اعلان جو میں نے جرنل ایشیاٹک دسمبر سنہ ۱۸۵۸ع میں اس مصنف کے متعلق کیا تھا –

ھے کہ u کی آواز بجاے خفیف کے A ؛ ee کی آواز بجاے طویل i ؛ اور oo کی آواز بجاے طویل u کے متصور کی جاے۔ فرانسیسی زبان میں بجاے ایک کے دو حروف علت استعمال کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا —

Pundeet بجاے Pandit کے اور Sutee بجاے Sati کے اس سے زیادہ کوئی بات مضحکہ خیز نہیں ہو سکتی کہ فرانسیسی زبان میں مشرقی الفاظ لکھنے کے لیے انگریزی رسم الخط کو برتا جاے - یہہ وہی صورت ہوئی کہ انگریزی اصوات کے مطابق لاطینی الفاظ تحریر کئے جائیں —

خوش قسمتی سے یہہ رسم الخط ' سر ولیم جونس کے مجوزہ سم الخط کے مقابلے میں متروک کردیا گیا - یہہ لاطینی سم الخط یورپ کے دوسرے ممالک کی عادات سے زیادہ مطابق ور ایشیا والوں کے لیے زیادہ سہل ھے —

اس لیے بجاے اس کے کہ ھندستانی حروف علت و دو روف علت کی بلی ہوئی آوازوں کے لیے a کی بجاے ee ؛ u بجاے i ؛ oo کی بجاے ue ؛ oo کی بجاے e ؛ uo کی بجاے o یسا کہ گلکرسٹ نے تجویز کیا ھے ان آوزوں کو حقیقتاً a ' a ؛ i ' ú ؛ * e ' ai ؛ o ' au سے تعبیر کیا جاتا ھے- لیکن یہ اعتراف

(*) یا دو اصل حروف علت کے لئے a ' i ' u اور انھیں حروف پر ایک علامت ; جلی آواز جس کا ذکر بعد میں آے گا —

کرنا پڑے گا کہ انگریزوں کو نیز ان ہندوستانیوں کو بھی جو انگریزی داں ہیں اور جن میں سے اکثر نے گلکریسٹ کے مجوزہ رسم الخط کو اختیار کرلیا ہے اس میں مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہوگی کیوں کہ وہ ایسے رسم الخط سے غیرمانوس ہیں۔ اس نئے طریقے میں ایک اور دشواری حروف علت کی کھنچی ہوی آواز کے لئے ایک مقررہ نشان لگانے کی ہے جو قدیم طریقے میں نہیں ہے - دونوں طریقۂ املا میں حلق اور تالو سے نکلنے والے حروف صحیح جن کا عربی کا ع اُس حرف علت سے ظاہر کیا جاتا ہے جس سے اُس کے تلفظ کا اظہار ہوتا ہے اور اُس کے نیچے ایک نقطہ دے دیا جاتا ہے - شین انگریزی رسم الخط کے لحاظ سے sh سے اور نون غنہ کو ایک نقطےیا شوشے سے۔

انگریزی حکومت سے لازماً ہندوستانی ادب پر قوی اثر پڑے گا اور وہ صورت بدل کر آدھا تیتر آدھا بٹیر بن جاے گا یعنی آدھا ہندوستانی آدھا انگریزی - انگریزی ترجمے اور انگریزی تقلید کی کثرت ہو جاے گی - بہت سے ہندوستانی عیسائی ہو جائیں گے اور اُن کا خاص ہندی عیسائی ادب ہوگا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لاطینی حروف تہجی کی لازماً ترقی ہوگی اور وہ غالباً دوسری دو اقسام کے حروف پر سبقت لے جائیں گے - اس طرح ہندوستانی کی یہ خصوصیت اور بھی مسلم ہو جاے گی کہ وہ ہندوستان کی عام زبان ہے اور کم از کم

دوسری زبانوں کے بعض اجزا کو جو مختلف صوبہ جات میں بولی جاتی ہیں اپنے میں جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے ۔

لندن میں ۲۰ مئی گزشتہ کو زیر صدارت لارڈ سالسبری ایک جلسے میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایک انجمن جس کا نام کرسچین ورنیکیولر ایجوکیشن سوسائٹی آف انڈیا Christian Vernacular Society of India (انجمن عیسائیان ہند برائے تعلیم السنۂ ملکی) ہو قائم کی جائے اور وہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں درس گاہیں قائم کرے جن میں عیسویت کے اصول اس ملک کی زبان میں سکھائے جائیں اور وہ کتابیں عیسائی مذہب کو ملحوظ رکھ کر مرتب کی جائیں۔ شرکا میں مہاراجہ دلیپ سنگھ سابق بادشاہ لاہور جو عیسائی ہوگئے ہیں ، لارڈ جان رسل (John Russel)، سر چارلس تریولیلین جو اب صوبۂ مدراس کے گورنر ہیں اور بہت سے ممتاز اشخاص شامل تھے ۔ صرف ہندوستان ہی میں یوروپین لوگوں نے اپنے حروف تہجی رائج نہیں کئے ہیں بلکہ جاوا امبائن (Amboyne) اور ملحقہ جزیروں کے عیسائیوں نے جن کو ڈچ مشنریوں نے عیسائی بنایا تھا ، ملائی زبان کی تحریر کے لئے لاطینی حروف اختیار کر لئے ہیں * ملگاچیس Malgachas نے

* ڈاکٹر گری اس امرکا یقین دلاتے ہیں کہ صرف امبائن میں ۴۰ ہزار دیسی لاطینی حروف میں لکھی ہوئی بائبل استعمال کرتے ہیں - ملاحظہ ہو " یادداشت دربارۂ استعمال رومن حروف برائے السنۂ ہند " صفحہ ۱۷

بھی اب لاطینی حروف کے استعمال کرنے کا قطعی فیصلہ کر لیا
ہے - بات یہ ہے کہ خود اہل مشرق نے یورپ والوں کو اس
راستہ پر لگایا ہے - عرب ہسپانی زبان کو عربی حروف میں
لکھتے تھے اہل شام اکثر عربی کو سریانی حروف میں لکھتے
ہیں اور ارمنی اور یونانی ترکی زبان لکھنے کے لئے اپنے اپنے
حروف تہجی سے کام لیتے ہیں - یہودیوں کا بھی یہی حال ہے
جو عربی ' جرمن اور ہسپانی زبانوں کو عبرانی حروف میں
لکھتے ہیں - رسالہ "یاد داشت دربارہ استعمال حروف
رومن برائے السنۂ ہند ' میں ایک خط موسومہ سر چارلس
تریویلین کا شائع ہوا ہے جس میں مرزا پور کے پادری ماتھر
Rev. Mathur نے یہ اطلاع دی ہے کہ لاطینی حروف ہندوستان
میں اس درجہ مقبول ہیں کہ نہ صرف صوبہ مغربی و شمالی
کے ہندوستانی ہی اسے پسند کرتے ہیں جنھوں نے انگریزی
سیکھی ہے بلکہ اور سب وہ لوگ بھی جن کا تعلق مشنریوں سے
ہے - یہ حروف تہجی انگریزی متصور نہیں کئے جاتے بلکہ
صوبۂ شمالی و مغربی کے عیسائیوں کے حروف تہجی سمجھے
جاتے ہیں - متعدد دیہی مدارس میں ان کا رواج ہو چکا
تھا اور بغاوت سے قبل ۹ ہزار ہندی نو جوانوں نے اسے اختیار
کرلیا تھا - منجملہ ان کے دہلی کالج میں بھی یہ رواج پاچکے تھے
جہاں ۲۶۰ طلبہ اس زبان کو نئے یوروپین لباس میں لکھنے پڑھنے

کے عادی ہوگئے تھے —

انجیل اور کل بائبل کے بہت سے نسخے ان حروف میں شائع * ہوے اس طریقے پر جو کتابیں شایع ہوتی ہیں ان میں "پلگرمس پراگرس" (Pilgrim's Progress) کا ایک خلاصہ ریورنڈ مسٹر باولی (Rev. Mr. Bowley) کا ہے - ایک مکمل ترجمہ اس کتاب کا بابو ہری نے مرتب کیا ہے - یہ صاحب ہندو مصنف ہیں جو اپنے متعدد ادبی تصانیف اور بعض عیسوی کتب کی وجہ سے بہت مشہور ہیں † —

ان کتابوں میں سے انجیل کے نسخے زیادہ کارآمد ہیں جو لندن بائبل سوسائٹی دوہرے کالم میں شایع کر رہی ہے - ایک کالم میں ہندوستانی اور دوسرے میں انگریزی - اس کے بیس ہزار نسخے طبع کئے جائیں گے اور اس کے ساتھ

---

* سابق میں اور اب بھی انجیل اور کل بائبل کے نسخے فارسی اور دیوناگری حروف میں شائع ہوے - اس وقت لندن کی بائبل سوسائٹی ایک ہندوستانی نسخہ انجیل کا تیار کر رہی ہے جس میں رومن حروف کے ساتھ ساتھ فارسی حروف میں بھی تحریر ہے - اس کی نگرانی مسٹر ہورن Mr. Horn کے تفویض ہے جن کا تعلق چرچ مشنری سوسائٹی سے ہے - آگرہ سے یہ صاحب بھیجے گئے ہیں موخرالذکر نسخہ نیز وہ نسخہ جو مسٹر ماتھر کی زیر نگرانی رومن حرف میں شائع ہوا ہے دونوں جدید ہیں ' اسی لحاظ سے سابقہ نسخہ کے مقابلے میں یہ زیادہ صحیح اور ٹھیٹ ہندوستانی زبان میں ہے —

† ان کی ایک فہرست " یادداشت بابتہ استعمال حروف رومن بہ السنۂ ہند " سنہ ۱۸۵۸ صفحہ ۵۵ و مابعد پر موجود ہے —

ایک فرہنگ ہندوستانی الفاظ کی ہوگی جو ہندوستانی حصے میں استعمال کئے گئے ہیں - اس کی نگرانی مسٹر کاٹن ماتھر (Mr. Cotton Mathar) کے تفویض ہے جو ایڈ یسکومب میں ہندوستانی پروفیسر ہیں —

کیتھولک مشنریوں نے بھی لاطینی حروف اختیار کر لئے ہیں - میرے پاس ایک مذہبی سوال و جواب کا رسالہ ہے جو سنہ ۱۸۵۲ ع میں بمبئی میں حسب الحکم وکار اپاسٹلک آف پٹنہ نہایت عمدہ ہندوستانی زبان میں طبع ہوا ہے - لیکن مشکل یہ ہے کہ عیسوی خیالات کا لاطینی * الفاظ میں اظہار کرنا ہندوستانیوں کے لئے بالکل اجنبی اور غیر موزوں ہے برخلاف اس کے عربی سے جو الفاظ مستعار لئے گئے ہیں وہ کثرت استعمال کی وجہ سے مشرق میں ان خیالات کے اظہار کے لئے نہایت موزوں اور مناسب خیال کئے جاتے ہیں —

ہندوستانی مطبوعات لاطینی حروف میں عام طور پر مشنریوں نے اپنے مدارس اور ہندوستانی عیسوی اداروں کے لئے تیار کی ہیں - بہر حال ان میں بھی بعض ایسی کتابیں ہیں جن کا تعلق دنیاوی ادب سے ہے مثلاً رومن حروف میں لکھی ہوئی " باغ و بہار " اور اُردو کی " گلستاں " - اس کے علاوہ " باغ و بہار " کا رومن حروف میں لکھا ہوا نسخہ جس کی

* مثلاً الفاظ ذیل :- کیتھولک اکلیشیا ' ایس کاب ' سکرمنت' بپتسمہ' پاسکا ' الٹر ' ہوستی ' انول جنس —

مسٹر منیر ولیمس (Mr. Monier Williams) نے نظر ثانی کی ہے' زیر طبع ہے - نیز " پریم ساگر " کا ایک نسخہ جو منجملہ ان ہندوستانی تصانیف کے ہے جن کی اشاعت مسٹر ایڈورڈ بی ایسٹ وک نے کی ہے اور ان میں یہ کتاب شہ کار ہے - وہ بھی اس وقت زیر طبع ہے - مسٹر ایڈورڈ بی ایسٹ وک کا احسان ہے کہ انھوں نے دیوناگری حروف میں اس کا ایک نسخہ شائع کیا اور انگریزی میں بہت اچھا ترجمہ کیا - میرے لایق شاگرد ایبے برترانڈ (Abbay Bertrand) رومن حروف میں لکھا ہوا ایک نسخہ " کامروپ " کا شائع کررہے ہیں تاکہ جو لوگ میرے زیر تعلیم رہ کر ہندوستانی حروف پڑھنے کی زحمت گوارہ نہ کر سکیں وہ مستفید ہوسکیں اور اس نظم کے مفہوم کے سمجھنے میں انھیں آسانی ہو —

ابتدائی تصانیف جو رومن حروف میں لکھی گئی تھیں وہ بھی اب شائع ہو چکی ہیں - اس ضمن میں مجھے مسٹر ولیمس اور ماتھر کی کتاب Easy Introduction to the Study of Hindustani (آسان طریقۂ حصول تعلیم ہندوستانی) کا ذکر کرنا چاہئے - جس میں قواعد کے علاوہ اقتباسات مع فرہنگ اور مکالمات درج ہیں* لاطینی حروف میں روزیریو (Rosario) تامسن (Thampson) کی لغات پہلے

---

* ملاحظہ ہو جنرل ایشیاٹک دسمبر سنہ ۱۸۵۸ -

Students' مثلاً کتب ابتدائی متعدد علاوہ کے ان ہیں موجود سے
Assistant (معین طلبہ) ہندوستانی ریڈر وغیرہ بھی لاطینی حروف
میں ہیں - پروفیسر ڈی فاربس ایک لغت اور
لغت کا ایک خلاصہ رومن حروف میں تیار کر رہے ہیں - یہ
بھی اعلان کیا گیا ہے کہ ملکۂ انگلستان نے اب فارسی حروف
تمغوں اور دوسرے کتبوں میں استعمال کرنے کی ممانعت کردی
ہے - مسٹر ٹکر (Tucker) سابق کمشنر بنارس جو ایک مشہور و
معروف شخص ہیں اور جو اس وقت کرسچین ورنیکیولر
ایجوکیشن سوسائٹی (انجمن تعلیم عیسائیاں بہ السنۂ ملکی)
کے سکرٹری کی حیثیت سے کام انجام دے رہے ہیں جس کا ذکر
میں اس سے قبل کر چکا ہوں ' لارڈ اسٹینلی کے
بیان کے مطابق اس امر پر مصر ہیں کہ گورنمنٹ گزٹ ضوابط
و قوانین لاطینی حروف میں طبع ہوں فارسی حروف میں
نہ ہوں - نیز دیسیوں کو اجازت دی جائے کہ ہندوستانی
عدالتوں اور دوسرے سر رشتہ جات میں اپنی درخواستیں
اور دستاویزات ہندوستانی زبان لیکن لاطینی حروف میں
تحریر کی ہوئی پیش کر سکیں —

حضرات! ہندوستانی حروف تہجی کے ترک کرنے کا
رجحان علانیہ پایا جا رہا ہے - نئے طریقے میں یقیناً دشواریاں
ہیں لیکن اس میں فوائد بھی ہیں - میرے خیال میں اس

کے رواج کے لئے جو امر بہت زیادہ موید ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستانی تحریر کے لئے کوئی یکساں حروف تہجی نہیں ہیں کیوں کہ وہ مقامی حالات اور اشخاص کے مذاق کے لحاظ سے مختلف طریقوں پر فارسی اور شاستری یا دیو ناگری حروف میں تحریر کی جاتی ہے۔ فارسی حروف بھی ہندوستانی زبان کے لئے ایسے ہی اجنبی ہیں جیسے لاطینی' اور ہندوستانی حروف فارسی یا عربی الفاظ کو ہمارے حروف سے زیادہ اچھی طرح ظاہر نہیں کر سکتے —

لاطینی حروف میں لکھنے کی تحریک کی ابتدا انگلستان و ہندوستان میں ہوئی' اس کا اثر فرانس پر بھی پڑا - ایک ایک بذلہ سنج سائینس داں جو شاعر و عالم بھی ہے اس نے فلورس دی لینڈ — (ہندوستان کے پھول) کے نام سے ایک عمدہ منظوم ترجمہ فرانسیسی زبان میں راماین کے ایک حصے اور بعض دوسری نظموں کا کیا ہے اور ترجمہ کے ساتھ اصل کو لاطینی حروف میں دیا ہے جو نہایت صحت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ اس شخص نے اس اشاعت سے نیز اپنی تصنیف اوریئنٹلزم راندیو کلاسک (علوم مشرقیہ بہ حیثیت کلاسک) سے سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچایا ہے کہ فرانس میں مشرقی زبانوں خصوصاً سنسکرت کے مطالعے کا مذاق پیدا ہو گیا ہے - اس لئے نہ صرف پیرس میں جہاں ہر شخص کو اس مطالعے کا موقع حاصل ہے

بلکہ دوسرے بڑے شہروں میں بھی جن کے منجملہ لورین کا قدیم دارالسلطنت بھی ہے، اس کی تحریک پر عمدہ مثال قائم ہو چکی ہے، کیوں کہ وہاں سنسکرت کی صرف و نحو رومن حروف میں شائع ہوتی ہے اور عنقریب سنسکرت کی لغت انہیں حروف میں شائع ہوگی —

اس صدی کے آغاز سے جس شخص نے کامیابی کے ساتھ مشرقی ادب کا مذاق عام طور پر پھیلا دیا تھا، افسوس کہ ایسے فاضل کے وجود سے ہم حال میں محروم ہوگئے- یہ شخص ہندوستانی کو لاطینی حروف میں لکھے جانے کا شدید مخالف تھا- میری مراد جان شیکسپیر سے ہے جن کا اس موقعے پر کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں جو ہندوستانی زبان میں میرے اُستاد تھے، جس طرح مشہور ایس ڈی- ساسی میرے عربی و فارسی کے اُستاد تھے —

جے- شکسپیر ۱۴ اگست سنہ ۱۷۷۴ع کو اسٹینٹن ہرالڈ (Staunton Harold) میں پیدا ہوئے جو لیسٹر کا ایک قصبہ ہے- یہاں ان کے اجداد کئی صدیوں سے سکونت گزین تھے اور ان کے ہاں یہ روایت چلی آتی تھی کہ وہ لوگ اسی نام کے شاعر کے خاندان سے ہیں اور جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے یہ شاعر اسٹریٹ فورڈ آن ایون میں جو واروک شائر کا قصبہ ہے اور اس قصبے سے متصل ہے، پیدا ہوئے تھے- لیکن یہ ولیم شیکسپیر

William Shakespeare کی اولاد میں سے نہ تھے اور وہ یقیناً اس خاندانی نام کے آخری وارث نہ تھے جیسا کہ بعض اخبارات کا بیان ہے کیونکہ مشہور اور دردانگیز المیہ نگار نے کوئی اولاد ذکور نہیں چھوڑی —

جان شیکسپیر کم عمری ہی کے زمانے سے مشرقی السنہ خصوصاً عربی فارسی وہندستانی کے حصول کی جانب متوجہ ہوے - سنہ ۱۸۰۵ ع میں بحری فوجی کالج میں السنۂ مشرقی کی پروفیسری کے لئے نامزد کئے گئے - اس خدمت کے موقوف ہو جانے کے بعد وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی کالج موقوعۂ ایڈسکومب میں ہندوستانی کی پروفیسری کی خدمت پر مامور ہوے - سنہ ۱۸۳۲ ع تک وہ اس خدمت کو انجام دیتے رہے، اس کے بعد اولاً رچرڈ ہاتن اس جگہ پر مامور ہوے جو اسی مدرسے کے ایک طالب علم اور سرگریوس کے بھائی تھے جو ہمارے انسٹیٹیوٹ کے رکن ہیں - اس کے بعد ان کی بہن کے لڑکے مسٹر باولس کی ماموری عمل میں آئی بالآخر کرنل رولینڈسن (Col. Rowlandson) مامور ہوے جواب تک اس خدمت پر فائز ہیں - رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے قیام پر وہ اس کے لائبریرین مقرر ہوے اور اس اعزازی خدمت کو انہوں نے اپنی وفات تک انجام دیا —

سنہ ۱۸۴۵ ع میں وہ پیرس آے اور اس سال کے موسم

سرما میں میرے سلسلۂ تعلیم میں شریک ہوے - میں نے ان
کی ایم - دی ساسی سے ملاقات کرائی انھوں نے اس سے قبل
صرف ان کی تصانیف کے ذریعے سے ان سے واقفیت حاصل کی
تھی اوران کی علمیت کی وہ بے انتہا قدر کرتے تھے - ہم دونوں
ارگون تھول گئے جہاں عام قبرستان میں ان کے حقیقی
بھائی کی قبر تھی - ان کا بھائی افواج برطانیہ کا اسسٹنٹ
کمیسری جنرل تھا اور گھوڑے سے گرنے کے صدمے سے ہلاک ہوا -
اس کی قبر کی لوح سے ان حالات کا پتا چلتا ھے - جے- شیکسپیر
پیرس میں صرف اسی وقت آے تھے - مجھے خاص طور
پر انگلستان میں ان سے گفتگو کرنے کا موقع ملا - ان کی
پہلی تصنیف "اسپین کے عربوں کی تاریخ" ھے جو عربی سے
ترجمہ کی گئی ھے - یہ تصنیف اسپین کی مجلس عریبین
اینٹی کوری آف اسپین (اندلس کے عربی آثار) میں لندن
کے جے ' سی ' مرفی نے سنہ ۱۸۱۶ میں طبع کرائی تھی - اس
کے بعد انھوں نے اپنی ہندوستانی کی صرف نحو" "ہندوستانی
کے انتخابات" "ہندوستانی لغت" اور "مقدمۂ تعلیم
ہندوستانی" متعدد بار طبع کرائے - انھوں نے شادی نہیں
کی تھی لینگلی پرائری واقع ایشبی ڈی لا سے زوش میں
جوزمین انھوں نے چند سال قبل خریدی تھی وھیں ۸۴ سال
کی عمر میں ۱۰ جون سنہ ۱۸۵۸ کو ان کا انتقال ہوا انھوں

نے ۲ لاکھ پچاس ہزار پونڈ ترکہ چھوڑا - یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اس رقم کے منجملہ انھوں نے ڈھائی ہزار پونڈ اسٹریٹ فورڈ آن اے ون کے مکان کی ترمیم و نگہداشت کے لئے چھوڑے جہاں شیکسپیر پیدا ہوا تھا - اپنی زندگی میں بھی تقریباً اسی قدر رقم انھوں نے اس کام پر صرف کی تھی - اس مرتبہ انھوں نے خاص طور پر یہ وصیت کی تھی کہ سوان آف ایون کے منتظمین سے اس امر کا فیصلہ کرلیا جائے کہ وہاں ایک شیکسپیر میوریم قایم کیا جاے - اس کے علاوہ انھوں نے ۶۰ پونڈ سالانہ اس مکان کے چوکی دار اور زائرین کے کتاب معائنہ کی نگہداشت کے لئے وصیت کئے تاکہ جو لوگ وہاں آئیں وہ اس کتاب میں کوئی شعر یا جملہ اپنے نام کے ساتھ لکھہ جائیں —

اس قدر کثیر دولت جو اس مستشرق نے چھوڑی وہ اس کی ہندوستانی ادبی تصانیف خصوصاً لغت کی کامیابی کی وجہ سے جمع ہوی تھی - یہ لغت چار مرتبہ طبع ہوئی اور ہر بار کئی ہزار تعداد میں - یہ مزید ثبوت ہندوستانی زبان کی عام مقبولیت اور اہمیت کا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان و ہندوستان دونوں ملکوں میں اس کی کیسی قدر ہے - شیکسپیر کی تصانیف گراں قیمت ہیں اور اپنی نوعیت میں منفرد بھی نہیں ہیں - اسی طرح کی

اور تصانیف بھی ھیں جن کی اشاعت بھی شیکسپیر کی تصانیف کے ساتھہ ساتھہ بہت کامیابی سے ہوئی ھے —

حضرات! ہمیں ہندوستان کی زمانۂ حال کی اس دل پذیر زبان کا مطالعہ کرنا چاھئیے اور جس طرح شیکسپیر نے اپنی صرف و نحو میں حسن کے دو شعر نقل کئے ھیں جو اس موقع کے حسب حال ھیں ہمیں بھی اس کا اتباع کرنا چاھئیے - وہ شعر یہ ھیں :—

سخن کے طلب گار ھیں عقل مند　　سخن سے ھے نام نکویاں بلند
سخن کی کریں قدر مردان کار　　سخن نام ان کا رکھے برقرار

دسواں خطبہ

(مورخہ ۷ فروری سنہ ۱۸۹۱ ع)

سنہ ۱۸۵۷ ع کی شورش عظیم نے انگریزی عمل داری کو زیرو زبر کرنے کے بجائے اُس کو اور زیادہ مستحکم کردیا - آج انگریزی حکومت کا ہندوستان میں کوئی حریف نہیں جو مقابلے پر آسکے اور بظاہر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقبل میں انگلستان اور ہندوستان آپس میں چولی دامن کی طرح وابستہ رہیں گے - بقول شیکسپیر :

"چیری کے دو دانوں والے پھل کی طرح جو بظاہر باہم دگر علحدہ نظر آتے ہیں مگر دراصل اُنہیں فصل میں وصل کا لطف حاصل ہے ' بالکل اِسی طرح جیسے دو جھاڑیاں کسی ایک تلے پر ملذھی ہوئی ہوں چاہے اُن کے جسم دو ہوں مگر دل ایک ہے" —

ہمیں پوری توقع ہے کہ ہندوستان میں امن و امان قایم ہونے کے بعد عہد جدید کی ادبی تحریکیں جنھیں قومی حیثیت

حاصل ہے خوب پھلے پھولیں گی - ہمارا روے سخن خصوصاً ہندوستانی زبان کی طرف ہے جو اس ملک کے طول و عرض میں عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہے اور ہندوستان کی آبادی میں ۵ کروڑ کی مادری زبان ہے- اِس موقع پر مئی سنہ ۱۸۵۹ ع میں میں نے جو تقریر کی اُس کے بعد مجھے اطلاعیں ملی ہیں کہ اردو اور ہندی مطبعے از سر نو سرگرمی سے کام کر رہے ہیں اور ان زبانوں کے متعدد اخبارات بھی شایع ہونا شروع ہوگئے ہیں —

چنانچہ سورت میں جہاں سے کبھی کوئی اردو کا اخبار شایع نہیں ہوا تھا اور جہاں سوائے ایک قدیم طرز کے فارسی اخبار کے اور کوئی اخبار نہ تھا ۔ مئی سنہ ۱۸۶۰ ع سے باقاعدہ ایک اردو ہفتہ وار جاری ہوا ہے- اس کی زبان نہایت فصیح ہے - اس کے چند پرچے مدیر نے از راہ کرم میرے پاس بھی بھیجے ہیں - یہ اصل میں میرزا لطف اللہ کی میرے حال پر نوازش کا نتیجہ ہے - موصوف اپنی دل چسپ خود نوشت کی بدولت یورپ میں پہلے سے روشناس ہو چکے ہیں- ہاں اس سورت کے اخبار کا نام "منظور الاخبار" ہے - ممکن ہے اس میں خود مدیر کے نام کی رعایت منظور ہو- ان کا نام محمد منظور ہے- یہ مطبع قادری میں چھپا ہے - اس مطبعے میں اردو کی اور دوسری کتابیں بھی طبع ہو چکی ہیں۔ * اس کی تقطیع چھوٹی

* ان میں ایک " قاعدۂ صرف و نحو " بھی ہے —

ہے - حجم بارہ صفحوں کا ہے اور ہر اتوار کو شایع ہوتا ہے - اس کے سر ورق پر اردو کا ایک شعر لکھا ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے —

" منظور الاخبار معلومات کا آئینہ اور گہرہائے وعظ وارشاد کا چمن ہے "

میرے پیش نظر جو پرچے ہیں ان میں اشتہارات کے علاوہ سورہ الحمد کی چند آیات ہیں جن میں انجیل مقدس کی جھلک نظر آتی ہے- اس کے بعد ہندوستان کے مختلف صوبوں اور مشرقی ممالک کی خبریں ہوتی ہیں پھر یورپ کے علوم حکمت پر تبصرے ہوتے ہیں اکثر مضامین کا خاتمہ اشعار پر ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ سارے ایشیا کے ادب میں شعر و شاعری غالب ہے - یہ لوگ معمولی معمولی چیزوں کو بھی شاعرانہ آب و رنگ کے ساتھ بیان کرنے کے عادی ہیں اور ادنیٰ ادنیٰ باتوں کو اپنے حسن بیان سے آراستہ کر دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے چنانچہ اس اخبار میں ایک ملاح اور اس کی کشتی کے ڈوبنے کا ذکر اسی انداز میں کیا گیا * ہے —

اس کے علاوہ اس میں بعض نہایت دل چسپ تاریخی اور جغرافیہ کے متعلق مضامین ہیں- ایک مضمون دہلی کے آخری

* یہاں عبارت کے ایک ٹکڑے کا فرانسیسی ترجمہ بطور مثال پیش کیا گیا ہے —

بادشاہ کے فرزند کی نسبت ہے - اس میں کہاوتیں ، متفرق اشعار ، مرثیے ، غزلیں وغیرہ بھی ہوتی ہیں - اکثر نمبروں کے ساتھہ اُن کے ضمیمے بھی ہیں —

اجمیر میں ایس' ڈبلو فیلن نے جو وہاں کے مدرسۂ اعلیٰ کے نگرانکار اور ضلع اجمیر کے ناظر مدارس ہیں ' ایک لیتھو مطبع اور ایک ہندوستانی اخبار جاری کیا ہے —

اس علاقے میں اُردو زبان کا یہ پہلا اخبار ہے - اس کی ادارت دو ہندو حضرات سوہن لال اور اجودھیا پرشاد کر رہے ہیں - یہ دونوں اجمیر کالج کے طلباے قدیم ہیں جہاں اُنہوں نے انگریزی زبان پر پورا عبور حاصل کیا - ان کی اُردو تحریر میں سادگی اور لطف بیان کے ساتھہ ساتھہ ہندوستانیت اور انگریزی اثر دونوں موجود ہیں - اس اخبار کا نام "خیر خواہ خلق" ہے - یہ ہفتہ وار شایع ہوتا ہے اور چھوٹی تقطیع کے آتھہ صفحات پر مشتمل ہے - روز مرہ کی عام خبروں کے علاوہ اس میں مختلف عنوانات پر بھی مضامین ہوتے ہیں- مثلاً اس میں ایک مضمون ہندوستانیوں کو اسلحہ سے محروم کرنے' دوسرا ذات پات کے عام توہمانہ خیالات اور جبریہ تبدیل مذہب کے متعلق شایع ہو چکے ہیں - لیکن حکومت نے اس اخبار کے مدیروں کی آزادانہ روش کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا چونکہ بغاوت کے بعد سے ہندوستان میں آزادی باقی

نہیں رہی لہذا حکومت نے اس اخبار کی اشاعت کو ممنوع قرار دیا —

مجھے اچھی طرح علم نہیں کہ آیا آگرے کا " ہندوستانی گزٹ " دوبارہ چھپنا شروع ہوا یا نہیں - ہاں ایک رسالہ " مفید خلایق " کے نام سے شایع ہو رہا ہے - اس کے مدیر شیو نراین ہیں جو دہلی کالج کے قدیم طالب علم ہیں- شورش عظیم سے پہلے یہ اس کالج میں پروفیسر کی خدمات بھی انجام دے چکے ہیں- اُنھوں نے انگریزی سے کئیایک اُردو میں ترجمے بھی کئے ہیں- اس کے علاوہ پشاور میں ایک طبی ماہوار رسالہ جاری ہوا ہے - اس کا نام " اخبار طبابت " ہے - اس رسالہ کا نصب العین یہ ہے کہ ہندو بید اور مسلمان حکیموں کے لئے چاہے وہ اپنا نجی کام کرتے ہوں یا انگریزی حکومت میں ملازم ہوں ' تبادلۂ خیالات کا ایک ذریعہ بہم پہنچایا جاے اور طبابت اور جراحت کی معلومات میں اضافہ کیا جاے - اِس لئے کہ یورپی نقطۂ نظر سے ان کا علم بہت پستی کی حالت میں ہے —

اس زمانے میں نئی تصنیفات کی تعداد بہت کم ہے - حال میں ایک دل چسپ رسالہ " تاریخ بغاوت ہند " کے نام سے شایع ہوا ہے جس میں سنہ ۱۸۵۷ ع کے غدر کے حالات تفصیلی طور پر موجود ہیں مسٹر فیلن کی بدولت ' جن کا

میں ابھی ذکر کر چکا ہوں اس کی ۱۳ جلدیں جو سنہ ۱۸۵۹ع اور سنہ ۱۸۶۰ ع میں شایع ہوئیں، میرے پاس موجود ھیں ' یہ اهم رسالہ مکند لال کی جانفشانی کا نتیجہ ھے جو دھلی کالج کے قدیم طلبہ میں سے ھیں اور آج کل آگرہ میڈیکل کالج میں سب اسسٹنٹ سرجن اور علم التشریح کے مدرس ھیں۔ پنڈت شیو نراین نے اسے طبع کیا ھے —

سید احمد خان نے ابھی حال میں اِسی مضمون کا ایک رسالہ شایع کیا ھے۔ موصوف آثارالصنادید کے مصنف ھیں جس کا ترجمہ میں آج "کل ژورنال ایشیا تک" (Journal Asiatique) میں شایع کر رھا ھوں - میں نے سنا ھے کہ اِس مذکورۂ صدر رسالہ کا انگریزی میں بھی ترجمہ ھوگیا ھے - انگریزی میں اس کا نام An account of the loyal Mahomedans In india (وفادار ھندی مسلمانوں کی سرگزشت) ھے —

مسٹر فیلن نے مجھے ایک اور کتاب بھی بھجوائی ھے جس کا نام " رسیدن شہ" ھے یہ شیو نراین کی ایک انگریزی اخلاقی کہانی کا ترجمہ ھے - اس کا تمثیلی طرز بیان مشرقی مذاق کے بالکل مطابق ھے۔ یہ سچ ھے کہ اس قسم کی ادبیات ھماری ذھنیت سے کوئی نسبت نہیں رکھتیں مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس میں ایک خاص حسن و لطف ھے۔ بقول ایک فارسی شاعر: —

ھر گلے را رنگ و بوے دیگر است

علاوہ ازیں مہا راجہ اپروا کرشن بہادر نے جو دھلی کے آخری شہنشاہ کے درباری شاعر تھے اور جن کا شمار اُردو کے مشہور مصنفین میں ہوتا ھے ' ھندو تہذیب کے ویدانتی عہد پر ایک کتاب لکھی ھے ۔ اس موضوع پر آج تک کسی یورپی محقق نے قلم فرسائی نہیں کی —

حکومت مدراس نے نیل کی کاشت اور یورپی ڈھنگ پر اس سے رنگ نکالنے کے متعلق ایک رسالہ مقابلہ کے بعد لکھوایا ھے چنانچہ اس موضوع پر دو رسالے موصول ھوے ان میں ایک پر انعام دیا گیا ۔ بعد میں اس کا اُردو تامل اور تلگو ' میں ترجمہ کیا گیا ۔ ۱۲ جنوری سنہ ۱۸۶۰ ع کی تجویز کی رو سے گورنمنٹ نے ترجمے کے اخراجات منظور کئے —

صوبۂ شمال مغربی کے ناظم تعلیمات نے سنہ ۱۸۵۹ ع اور ۱۸۶۰ ع میں بعض کتب شائع کرائی ھیں ۔ میرے پیش نظر الہ آباد کے ایک کتب فروش کی فہرست ھے جو ۳۰ اپریل سنہ ۱۸۶۰ ع کی چھپی ھوئی ھے ۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ھوتا ھے کہ اس میں ۱۶۰ کتابیں بالکل نئی ھیں جن میں اُردو ھندی کی کتابوں کے علاوہ اُردو سے انگریزی ھندی سے انگریزی اور اُردو سے فارسی کی شرحیں ھیں ۔ موخرالذکر کتب کے کچھ نسخے یورپ آسکتے تو یقیناً وہ بہت کارآمد ھوتے۔ ان میں "گلستاں" "بوستاں" "انوار سہیلی" اور ابوالفضل

کے اقتباسات شامل ھیں- زیادہ تر کتابیں ھندوستانی لوگوں کی ابتدائی تعلیم کی غرض سے لکھی گئی ھیں - بعض کتابیں صوبۂ شمالی مغربی کے نظم و نسق کے متعلق بھی ھیں مثلاً کلید گنج امتحان مال اور دستور العمل - یہ دونوں کتابیں امرتسر کے رابرٹ کسٹ (Robert Cust) نے نہایت محنت سے انگریزی میں لکھی ھیں - اول الذکر محصولات کی بیاض ھے جسے رام پرشاد نے اردو کا جامہ پہنایا ھے - اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ھیں - آخری ایڈیشن جو میرے پاس ھے لکھنؤ میں سنہ ۱۸۵۹ ع میں طبع ھوا ھے- دوسری کتاب مالیات کے رسمی قانون سے بحث کرتی ھے اس کا ترجمہ منشی حکم چند نے انگریزی سے اردو میں کیا- یہ بھی بمقام لکھنؤ سنہ ۱۸۵۹ ع میں طبع ھوئی ھے —

ان دونوں کتابوں کے علاوہ اور دوسری کتابیں اور ترجمے رابرٹ کسٹ نے از راہ کرم مجھے بھیجے ھیں - ان میں بعض نہایت دل چسپ اردو اور فارسی کی کتابیں شامل ھیں جو شاھی محل کی تاخت و تاراج کے بعد نیلام کی گئیں - ان کتابوں کی فہرست میں بعض ایسی تصانیف بھی ھیں جو میرے میں علم میں نہ تھیں —

مسٹر فیلن جلھوں نے قانون و تجارت کی ھندوستانی لغت تیار کی ھے اب علاقۂ مارواڑ کے ھندی گیت بھی جمع کر رھے ھیں

جو عنقریب شائع ہوں گے - وہ ساتھ ہی ہندی اور اردو کے محاورے بھی یکجا کر رہے ہیں - جب یہ کتابی شکل میں شائع ہوں گی تو روبک (Roebuck) کی محاوروں کی کتاب سے کہیں زیادہ بڑی کتاب پر مشتمل ہوں گے —

مسٹر Fitz E. Hall نے حال ہی میں سنگھاسن بتیسی کا ایک ایڈیشن شائع کیا ہے - موصوف نے مجھے لکھا ہے کہ عنقریب وہ اپنی یورپ و امریکہ کی سیاحت بعد کے ادب ہندی کی تاریخ طبع ہونے کے واسطے دے دیں گے - وہ کہتے ہیں کہ اس میں دو ہزار ہندی شعرا کے حالات درج ہیں - میں نے اپنی کتاب " تاریخ ادب اردو و ہندی " میں جو حالات جمع کئے ہیں ' اُن کی اس کتاب سے تکمیل ہو جائے گی —

لیکن ایچ' جی ریورٹی نے ایک نہایت مفید کتاب "خزینۂ اصطلاحات انگریزی و ہندوستانی" شائع کی ہے اور ڈبلو رائٹ پروفیسر ڈبلن یونیورسٹی نے ایک انگریزی ہندوستانی لغت تیار کی ہے - اس کی تدوین میں بہترین ماخذوں سے کام لیا گیا ہے اور موصوف نے اصل کتابوں سے ذاتی طور پر پورا استفادہ کیا ہے —

مثل مشہور ہے کہ موسیقی شاعری کی بہن ہے - چنانچہ بے محل نہ ہوگا اگر میں گانے بجانے کی ایک صنف کاہی صحبت کا ذکر کروں جس کے متعلق مدراس کے اخباروں میں آج کل

بڑے جوش سے ذکر کیا جا رہا ہے —

یہ بزم موسیقی دسمبر سنہ ۱۸۵۹ ع میں منعقد ہوئی۔ مشہور شاعر دیا رام کے ایک شاگرد نے جو فن موسیقی کے بڑے ماہر ہیں لوگوں کی سمع نوازی کی۔ ماہر فن ہونے کے علاوہ وہ مصنف بھی ہیں - چنانچہ دیا ولاس اور دوسرے گیتوں وغیرہ کے مجموعے اُس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں - اس کی نظموں میں مذہبی، ماتمی، عشقیہ سب رنگ موجود ہیں بعض میں ہندوستانی مناظر قدرت کی تصویر کھینچی گئی ہے اور بعض میں قدیم ہند و راج کماروں اور پرانے معبودوں کے روایتی قصے ہیں - ان گیتوں کی زبان نہایت فصیح ہے اور شاعرانہ آب و رنگ کی بدولت اُسے عوام میں شرف قبول بھی حاصل ہے —

ہندوستانی قدیم کتب میں جو حال میں چھپی ہیں " بیتال پچیسی " قابل ذکر ہے - اس کتاب میں مسٹر ڈنکن فوربس نے بڑی محنت سے لغات کے معنی بھی درج کر دیے ہیں، نیز اسی کے ساتھ بی۔ بارکر مرحوم کا بین السطور ترجمہ بھی ہے جس کی مدد سے طالب علم کو اس قدیم کتاب کے سمجھنے میں زیادہ زحمت نہ ہوگی —

اب ذیل میں میں جن ہندوستانی کتابوں کا ذکر کروں گا، اِن میں صرف انہیں کا ذکر کروں گا جو لاطینی رسم خط میں

لکھی گئی ہیں - میں نے اپنے پچھلے لکچر میں جس انجیل کا ذکر کیا تھا اس کے تیس هزار نسخے طبع هو چکے هیں - اس کی ترتیب میں ایک صفحے پر اردو ترجمه اور دوسری طرف انگریزی هے- یه ترجمه سنه ۱۸۶۰ ع میں شایع هوا مسٹر کاٹن ماتھر نے اس کے مشکل لغات کے معنوں کا ضمیمه تیار کیا هے جو عنقریب شایع هوگا- یه ترجمه انجمن انجیل برطانوی و ممالک غیر کی طرف سے بنارس میں " مجلس ترجمه " نے شایع کیا هے - غالباً M. Martyn کے ترجمه سے بھی اس میں مدد لی گئی هے مگر وہ اس سے کہیں بہتر هے- کیونکه وہ براہ راست یونانی زبان سے منتقل کیا گیا هے ' کہا جاتا هے که اس سے پیشتر اس کے تین اڈیشن نکل چکے هیں —

اس ترجمے کا اسلوب بیان وهی هے جو خالص اردو زبان کا طرز انشا هونا چاهئے اور اسے عام طور پر مقبولیت حاصل هے - میں ته دل سے مترجمین کی خدمت میں مبارک باد کا هدیه پیش کرتا هوں- منجمله اور دوسرے الفاظ کے "ابراهام" "پطرس" "یرو سلم" " سوریا " وغیرہ اجنبی معلوم هوتے هیں اور ترجمے میں اچھی طرح نہیں کھپتے - مجھے یه الفاظ اس جگه اس لئے نا پسند هیں که تمام مشرقی مسیحی ممالک میں انهیں" ابراهیم " " پطروس " " یرو شلم " اور " شام " کہتے هیں- مقدس انجیلی محاورات و اصطلاحات کی نسبت میں

س وقت اس قسم کی تنقید نہیں کرنا چاہتا جو کسی دوسرے
وقع پر میں نے "سوال و جواب نامہ" (Catechisn) مطبوعہ
بئی کے مرتب پر عاید کی تھی کہ اس نے بے وجہ ایسے لاطینی
ھاورے استعمال کئے ہیں جو اہل مشرق کے لئے چیستان کا
کم رکھتے ہیں مگر کہیں کہیں اس قسم کی لغزشیں اس ترجمے
بں بھی موجود ہیں۔ مثلاً 'بپتسما' اور 'ھلبیسیا' کی بجاے
بی الفاظ "معمودیت" یا "اعتماد" اور "بیعت" مشرقی
مالک کے مسیحیوں میں عام طور پر لکھے جاتے ہیں، دوسرے
مطلاحی لفظوں کے اُردو مترادفات قابل فہم ہیں ––

لندن کے اخبار "ٹائمز" نے گذشتہ جنوری کی ۲۹ تاریخ
نمبر میں اردو زبان کی انجیل کا ذکر کیا ہے جو لاطینی
م خط میں ہے۔ اس کے پہلو بہ پہلو انگریزی متن ہے۔ آر۔سی
تھر کی سعی و فکر سے یہ کتاب تیار ہوی۔ موصوف نے اپنے
یل دوران قیام ہند میں اردو زبان پر کافی عبور حاصل
لیا ہے - "انجمن انجیل برطانیہ و دیگر ممالک" کے ہاں
اصل ترجمے کا علمی نسخہ موجود ہے اس کے دیکھنے سے
وم ہوتا ہے کہ اس کی تکمیل میں لکھنؤ کے ایک مشہور
لف محمد مخدوم بخش کا بڑا حصہ ہے موصوف کا نام
ذکرہ گلشن بے خار" میں ہم عصر شعرا کی فہرست
، موجود ہے ––

انگریز مبلغین عیسائیت صرف مقدس عبادت کی کتابوں کا اردو ترجمہ تقسیم کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس زبان میں وعظ و تلقین بھی کرتے ہیں - اس کی وجہ یہ ہے کہ اُردو زبان ہندوستان کے ہر گوشے میں سمجھی جاتی ہے - چنانچہ مقامی اخبارات میں کلکتہ کے اسقف کے وعظ کا ذکر نہایت جلی حروف میں لکھا گیا ہے جو اس نے ان لوگوں کے روبرو کیا تھا جنھوں نے بریلی میں گزشتہ ماہ نومبر میں عیسائی مذہب قبول کیا —

خالص ادبی کتابوں میں جو حال میں شائع ہوئی ہے " باغ و بہار " کے دو ایڈیشن قابل ذکر ہیں - یہ بھی لاطینی رسم خط میں ہیں - ایک ایڈیشن ڈنکن فوربس کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے اور دوسرا مونیر ولیم نے تیار کیا ہے جو اب آکسفورڈ یونیورسٹی میں ولسن کی جگہ پر سنسکرت کے پروفیسر ہے —

" مدراس جرنل " کے آخری نمبر میں لاطینی رسم تحریر پر دو نہایت دلچسپ مضامین نکلے ہیں- پہلا مضمون دراصل والٹر لہٹ' ڈبلو- اے بیلی اور ایم- نارمن کی اُس رپورٹ پر مشتمل ہے جو اُنہوں نے اردو الفاظ کی لاطینی تحریر کے متعلق مرتب کی ہے- دوسرا مضمون پادری کالڈول (Rev. Dr. Caldwel) کا ہےجو تامل زبان کے مشہور عالم ہیں - اس کا موضوع

بحث یہ ہے کہ اردو حروف کی صوتیاتی خصوصیات کو لاطینی حروف سے کیوں کر ادا کیا جاسکتا ہے - میں خود اپنے پچھلے لکچر میں اس مسئلے کی نسبت اپنی رائے ظاہر کر چکا ہوں ' اس واسطے اب پھر دوبارہ اسے نہ چھیڑوں گا - اس میں مطلق شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ لاطینی حروف کی کتابیں تاجروں اور ان لوگوں کےلئے جو اردو زبان سے سطحی واقفیت رکھنا چاہتے ہیں مقابلتاً زیادہ سہل ہوتی ہیں - یہ بھی درست ہے کہ فارسی رسم تحریر ناقص ہے - اس میں چھوٹے حروف، علت مطلق نہیں اور دیو ناگری خط میں عربی فارسی الفاظ کے مخارج بخوبی ادا نہیں ہو سکتے جو مسلمانی اردو میں بھرے پڑے ہیں- چنانچہ مذہبی نقطۂ نظر سے ہندوستانی کی دو تقسیمیں ہو گئی ہیں- ایک اردو یا دکھنی ہے جو عام طور پر مسلمانوں کی زبان ہے اور بہ نسبت ہندی کے زیادہ دل چسپ ہے جو ہندوؤں کی زبان سمجھی جاتی ہے اور دوسری ہندی —

اسلامی ہند کے فارسی خط کے نقائص اور لاطینی خط کی خوبیوں کو مدراس کے غلام علی نے اپنے ایک مضمون میں اچھی طرح سے واضح کیا ہے - موصوف متعدد مکالموں اور کتابوں کے مصنف ہیں - ان دونوں رسوم خط کے فرق کو بتلانے کے لئے انھوں نے پہلو بہ پہلو اردو زبان کی مثالیں دی ہیں جنھیں

بعد میں مونیر ولیم نے ۲۵ اکتوبر کے "ٹائمز" میں اپنے خط میں هوبہو نقل کر دیا ہے - اس مقابلہ سے صاف ظاہر هو جاتا هے کہ همارا رسم تحریر یقیناً عربی رسم تحریر سے اعلیٰ مرتبہ رکھتا هے - مشہور مستشرق اے- اسپرنگر نے اِس ضمن میں ایک جگہ لکھا هے کہ " ایسی تحریر کے پڑھنے سے مسرت هوتی هے جس میں سب حروف علت موجود هوں اور نقطوں کو گننے کی زحمت نہ گوارا کرنی پڑے - فارسی رسم خط ' باوجود اس کے عادی هونے کے انسان کو تھکا ڈالتا هے اور اس کے لئے بڑی توجہ کی ضرورت هوتی هے " —

ابھی حال میں ملک هندوستان ایک نہایت روشن خیال مدبر اور لاطینی رسم خط کے بڑے حامی (خصوصاً اُردو کے واسطے) کی خدمات سے محروم هوگیا - میری مراد سر ٹریولین (Sir Ch. Trevelyan) کی ذات گرامی سے هے- موصوف مدراس سے انگلستان واپس آگئے هیں - همیں پوری توقع هے کہ وہ اپنا جوش اور حسن سلوک هندوستانیوں کے ساتھہ باقی رکھیں گے - موصوف کو هندوستانیوں سے جس قدر هم دردی هے اتنی هی اُن کی دلپذیر زبان سے انھیں دلچسپی هے —

کچھہ عرصے سے سیاحت یورپ کے لئے هندوستانیوں کی تعداد میں برابر اضافہ هورها هے- هر جہاز پر آپ کو انگلستان جانے والے هندوستانی نظر آئیں گے- بعض سیر تفریح

کی خاطر، بعض علم طب و قانون کی تحصیل کی غرض سے اور بعض اس لئے آتے ہیں کہ انگلستان کے طریق تعلیم کا مطالعہ کریں - خود انگلستان میں اُردو زبان کا چرچا دن بدن بڑھ رہا ہے، اس لئے کہ اس زبان کی اہمیت کا لوگوں کو احساس ہوتا جاتا ہے - آکسفورڈ یونیورسٹی میں اُردو کی مسند قایم ہوگئی ہے جس کا منشا یہ ہے کہ اس زبان کی تحقیق کی طرف توجہ کی جاے چنانچہ جے چیمبرس (J. Chambers) اس جگہ پر آجکل رونق افروز ہیں- کیمبرج میں بھی اس کی پروفیسری (چیر) قایم کر دی گئی ہے اور اس کے لئے گذشتہ ۲۸ نومبر کو میجر سٹیفن (J. G Stephen) نام زد کئے گئے - اُن کے مقابلے میں سید احمد نے بھی اس جگہ پر تقرر کی کوشش کی - سید احمد پہلے سے ایف فالکونر (F. Falcponer) کی جگہ لندن کے یونیورسٹی کالج میں پروفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں- * بہتر ہوا گر کیمبرج یا آکسفورڈ میں کہیں ایک پروفیسر رکھا جاے جو اردو کا صحیح تلفظ اور تحریر و تقریر کی مشق کراے -

* اس جگہ کے لئے میجر ایم ' ایس ' ائلے ' بھی کوشاں تھے جن کی نسبت میں تھوڑا سا ذکر کر دینا چاہتا ہوں - موصوف میرے لکچروں میں شریک رہ چکے ہیں اور ان کی بعض تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اردو زبان پر کافی عبور حاصل ہے - ملاحظہ ہوں موصوف کے خطوط بنام لارڈ اسٹینلی جو انھوں نے اردو زبان اور ادب کے متعلق لکھے ہیں - اور جو مارننگ کرانیکل کے ۲۸ مارچ ' ۱۲ اور ۲۵ اپریل سنہ ۱۸۵۹ع کے پرچوں میں شایع ہوے ہیں -

جیسے کہ ہمارے ہاں (پیرس کے مدرسۃ السنہ میں) ایک زمانے میں دی ساسی (De sacy) کے ساتھہ ساتھہ مصری فاضل رفائل موناشس اہل زبان ہونے کی حیثیت سے عربی کا تلفظ وغیرہ سکھاتے تھے —

انگلستان کی قدیم ترین یونیورسٹیوں میں نیز لندن میں اردو زبان کی تعلیم کو ناگزیر سمجھہ کر رائج کیا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ڈبلن یونیورسٹی ، اسکاچستان کی یونیورسٹیوں اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں بھی اس کی طرف جلد توجہ کی جائے گی - ولوچ (Woolwich) کی شاہی عسکری اکاڈمی میں اُردو زبان کا پروفیسر مقرر کرنے نیز ایڈس کول (Addiscowl) کمپنی کے ہندی کالج کو اس کے ساتھہ ملحق کرنے کی تجویز کی گئی ہے —

ایسٹ انڈیا ہاؤس کے کتب خانہ کا نگران کار ہندوستانی زبان کے ماہر ڈاکٹر جے۔ بیلنٹائن کو مقرر کیا گیا ہے - علوم سنسکرت میں موصوف کی معلومات اپنے پیش رووں ولکنس اور ولسن سے کسی لحاظ سے کم نہیں ہیں - چنانچہ ان کی متعدد مشہور تصانیف سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے —

یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ آئندہ سے ان انگریزوں کے لئے جو ہندوستانی افواج میں نوکری کرنا چاہتے ہیں یہ لازمی قرار پایا ہے کہ اُردو کے تین اقتباسات جن سے پہلے سے

وہ واقف نہیں ' انگریزی زبان میں ترجمہ کریں - اس کے ساتھ انہیں نظم و نسق کے متعلق کسی عبارت کا اردو سے انگریزی اور انگریزی سے اردو اور ہندی میں ترجمہ کرنا ہوتا ہے - یہ ترجمہ ایسا ہونا چاہئے کہ ہندوستانی آدمی بھی اس کی عبارت کا مفہوم سمجھ سکے - اس امتحان میں کسی ایک انگریزی خط کا اردو میں فی البدیہ مطلب بھی دریافت کیا جاتا ہے- ساتھ ہی امتحاناً ہندوستانیوں کے ساتھ اردو زبان میں گفتگو کرائی جاتی ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آیا ہندوستانیوں کو سمجھلے اور اپنے مفہوم کو انہیں سمجھانے کی صلاحیت موجود ہے یا نہیں —

میرے پچھلے لکچر کے بعد سے اب تک متعدد فاضل راہیء ملک عدم ہو چکے ہیں جنہیں ان مشہور زبانوں پر پورا عبور حاصل تھا جو آج ہماری جاذب توجہ ہیں- ان میں سب سے پہلے ایچ ' ایچ ولسن کا نام آتا ہے- یہ اپنے عہد کا نہایت متبحر عالم تھا - ایم ' جے موہل نے پیرس کی ایشیا تک سوسائٹی کی سنہ ۱۸۶۰ ع کی رپورٹ میں اس کی سوانح حیات پوری تفصیل اور صحت سے درج کر دی ہیں - میں نے بھی " ریویو اوریانتال" میں ایک مضمون اس کے علمی کارناموں کی نسبت شایع کیا ہے* - اس وقت میں اس کا ذکر ہندوستانی زبان

* اکتوبر سنہ ۱۸۶۰ ع

کے ماہر کی حیثیت سے کرنا چاہتا ہوں - اُس نے ہندی مصنفین سے معلومات کا ذخیرہ بہم پہنچا کر اپنی کتاب "ہندو فرقے" شایع کی - اسی طرح اس کی کتاب "قانون و مالیات کی ہندی مصطلحات" بھی قابل ذکر ہے - ان کتابوں کی وجہ سے میری دانست میں اسے ہندوستانی زبان کا ماہر کہنا بے جا نہ ہوگا ـــ

گزشتہ ماہ مئی میں دو انگریز مستشرق جنھوں نے اپنی تحقیقات کے باعث خاصا امتیاز حاصل کرلیا تھا ' ہمیں عین جوانی میں داغ جدائی دے گئے - میری مراد واہم ' ایچ مارلے اور کاکبرن تامس سے ہے جنہیں اس زبان سے خاصا لگاو تھا - آخرالذکر نے میرے درسوں میں بھی شرکت کی تھی -

میں اس موقع پر ان دو شخصوں کا بھی ذکر کردوں جو عمر بھر ہندوستان کے سچے بہی خواہ رہے - ہم سب لارڈ میکالے کے نام سے واقف ہیں - یہ مورخ ' خطیب ' مضمون نگار اور شاعر کی حیثیت سے مشہور ہیں ' ان کا انتقال ۱۸ دسمبر سنہ ۱۸۵۹ ع کو ہوا - انہوں نے اپنی زندگی کا کچھ زمانہ خاص ہندوستان میں گذارا - وہ اس ملک کے حالات سے بخوبی واقف تھے اور ساتھ ہی اس کی مرفہ الحالی کے لئے عمر بھر کوشاں رہے - "سپریم کونسل" کے رکن رہ چکے تھے - انہیں ہندوستانی قوانین مدوّن کرنے کی خاص خدمت تفویض ہوئی - وہ اپنی عمر میں صرت

تعزیرات کی تکمیل کر سکے- یہ دراصل ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے - اس تعزیرات کا نقص یہ ہے کہ قابل عمل نہیں اور اس وجہ سے اسے حرف غلط سے زیادہ وقعت نہیں حاصل ہوئی ہے

دوسرے موسٹورٹ الفنسٹن کی ذات گرامی تھی - وہ سنہ ۱۷۷۸ ع میں پیدا ہوے اور سنہ ۱۸۵۹ ع میں ان کا انتقال ہوا - وہ موجودہ صوبۂ بمبئی کے گورنر لارڈ الفنسٹن کے چچا ہوتے تھے - میں سمجھتا ہوں ان کے تدبر و جہاں بانی کی داستاں کا اس وقت اعادہ کرنا تحصیل حاصل ہے - ہمارا واسطہ اس وقت صرف ان کی اردو دانی اور علم پروری سے ہے - انھوں نے اردو زبان کے فروغ دینے میں بڑی مدد کی- علمی دنیا میں وہ سنہ ۱۸۰۹ ع میں بہ حیثیت سفیر کابل اور اپنی کتاب " تاریخ ہند " کے باعث شہرت حاصل کر چکے ہیں - ان کی تاریخ اگرچہ غیر مکمل ہے مگر پھر بھی اس کی قدر دانی کا یہ حال ہے کہ اس کے اب تک متعدد اڈیشن شایع ہو چکے ہیں - مدتوں صوبۂ بمبئی کے گورنر رہے - محمد ابراہیم مقبہ نے سنہ ۱۸۲۳ ع میں اپنی ہندوستانی صرف و نحو پر ایک کتاب ان کے نام پر معنون کی ہے اور اس کا نام " تحفۂ الفنسٹن " رکھا ہے --- اس ہندوستان پرست شخص کی نسبت ہم وہی کہہ سکتے ہیں جو کسی نے امریکی مورخ "پریسکاٹ" کی نسبت کہا ہے کہ : بہت ---

" جس کسی سے اس کی ملاقات ہوئی تو یہ ناممکن تھا کہ وہ اس کا گرویدہ نہ ہوگیا ہو' جس کسی نے اُس کا نام لیا ہمیشہ تعریف کے سلسلے میں لیا "

میں اس سال " باغ و بہار " فارسی اور لاطینی ہر دو رسم تحریر میں پڑھاؤں گا - یہ کتاب خالص اردو زبان میں لکھی گئی ہے- ساتھ ہی " کامروپ کے کارناموں " کی تحسین الدین والے ایڈیشن سے تشریح کروں گا - یہ کتاب دکنی زبان میں ہے - حضرات ! میں اپنے کسی پچھلے درس میں " باغ و بہار " کا خلاصہ پیش کر چکا ہوں (سنہ ۱۸۵۳ ع) - دوسری کتاب ایک افسانے پر مبنی ہے جسے گیتے ناقابل فہم بتاتا ہے - یہ افسانہ اصل میں ہندوستان کی سرزمین سے وابستہ ہے ' مگر ایران اور ہندوستان میں مسلمانوں نے متعدد افسانے اسی کے اسالیب کو مستعار لے کر لکھے ہیں- عربی قصہ " سند باد جہازی " اس سے بہت ملتا ہے - اس میں Ulysses کی جان جوکھوں اور کارناموں کے حالات بھی نظر آتے ہیں - میں مختصراً اسے آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں - آپ خود اس کے متعلق اندازہ کر سکیں گے —

اس نظم کی ابتدا ایک طرح کی دعا سے ہوتی ہے جس میں آپ عشق مجازی و حقیقی دونوں کی جھلک پائیں گے - ہمیں جو مشرقی ادبیات کا مطالعہ کرنا اور سمجھنا چاہتے ہیں اس

طور کا عادی ہوجانا چاہئیے * —

مصنف نے اپنی دعا چند جملوں پر ختم کی ہے جن میں لفظ عشق کی تشریح کی گئی ہے - لفظ " عشق " کے ہر حرف میں ایک معنی بتائے گئے ہیں - پھر اس کے بعد فوراً قصہ شروع کر دیا گیا ہے - قصہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ تھا جو ملک اودھ پر حکومت کرتا تھا - وہ مسلمان نہیں تھا جس طرح آج کل اس علاقے کے نواب ہیں - وہ " رام " کی اولاد میں تھا ' مگر شاعر نے اس کا نام نہیں بتایا کہ کیا تھا ، وہ ہمیشہ اس کا ذکر مہاراجہ پت (پتی) کے نام سے کرتا ہے - اس کے کوئی اولاد نہیں تھی - اولاد کی خاطر اس نے اپنے دارالسلطنت اودھ پور میں فقیر فقرا کو خوب خیرات تقسیم کرائی - دیس دیس کے درویش اس کے ہاں جمع رہتے تھے - بالآخر ایک درویش نے اُسے " شری " کے پھل کا تحفہ دیا اور رانی سے اُسے کھانے کی درخواست کی - رانی کا نام " سندر روپ " تھا اُس نے یہ پھل چکھا اور معاً اُسے اس کا اثر محسوس ہوا - اس کے ساتھ اعلیٰ عہدہ داروں کی چھ بیویوں نے بھی اس پھل کو چکھا - وہ سب کی سب بھی حاملہ ہوگئیں - رانی کے ہاں جب ایک شہزادہ روشن جبیں تولد ہوا اُسی روز اُن سبھوں کے ہاں بھی لڑکے پیدا ہوئے - شہزادے کا نام " کام روپ " تجویز ہوا - اس مبارک گھڑی کے بعد کئی

* یہاں مثال کے طور پر عبارت ہے —

ن تک خوشی کے شادیانے بجے اور سونے چاندی کے ڈھیر بطور
ذرانہ بادشاہ کو پیش کئے گئے - رقص و سرود کی محفلیں
منعقد ہوئیں - نوخیز لڑکوں اور خوش ادا ناچنے والوں نے
پے ناچ رنگ سے اہل محفل کے دلوں کو خوب گرمایا - پنڈتوں
، شہزادے کا جنم پتر دیکھ کر بتایا کہ بارہ سال کی عمر میں
س کا دل محبت کی کسک سے آشنا ہوگا اور ساتھ ہی اسے
ری بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا - اس سے بادشاہ کے
ل کو بڑی تشویش ہوئی - دن رات اسی اُدھیڑ بن میں
ھتا - چنانچہ اُس نے حکم دیا کہ شہزادے کو بارہ سال کے
ن تک ایک قصر عالی شان میں اُن چھ بچوں کے ساتھ رکھا
ائے ' جو اُس کے ساتھ تولد ہوے تھے - اس محل کے چاروں
رف باغات تھے - یہاں ہر وقت اس کی حفاظت
ی جاتی تھی - کامروپ اور اس کے چھ ساتھیوں کی تعلیم
تربیت کا بھی پورا خیال رکھا گیا - جب شہزادے نے عمر کے
انچویں سال میں قدم رکھا تو اُسے ننھی سی سونے کی تختی
ر لکھنا سکھایا گیا - اسے پہلا سبق فن حکومت پر دیا گیا -
زیر کے بیٹے " مترچند " کو انتظام ملکی ' بادشاہ کے طبیب
، بیٹے "کنول روپ" کو فن طب' اور جوہری کے بیٹے " مانک"
و ھیرے جواہرات کی پرکھ سکھائی گئی - دربار کے منجم
، بیٹے " اچھا راج " کو اختر شناسی اور دینیات کی تعلیم

دی گئی۔ بادشاہ کے نقاش کے بیٹے "چتر مان" کو فن نقاشی سکھایا گیا اور درباری گویے کے بیٹے "رس رنگ" کو فن موسیقی کی تعلیم دی گئی - یہ سب بچے خوش وقتی سے اپنا وقت صرف کرتے، کبھی پڑھتے لکھتے، کبھی سیر تفریح کو جاتے اور کبھی شکار کھیلتے - مگر قسمت کا لکھا مٹائے نہیں مٹتا جب شہزادہ نے بارھویں سال میں قدم رکھا تو ایک دن ہونے والی بات، گرمی بڑی شدت کی تھی، کامروپ کی آنکھ لگ گئی - خواب میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ وہ ایک دلفریب باغ میں بیٹھا ہے - اس باغ میں ایک شہزادی رہتی تھی جو اپنے حسن و جمال میں نظیر نہیں رکھتی تھی - اس کا نام کلا تھا - وہ سرندیپ کے راجہ کی بیٹی تھی، اس کی گردن ھنس کی سی، منہ کنول کا سا اور قد و قامت شیرنی کے مثل تھا، اس کے پاؤں میں گھنگرو پڑے ہوئے تھے - جب وہ چلتی تھی تو ان سے آواز نکلتی تھی - اس کے ہاتھوں پر حنا لگی ہوئی تھی، سر کے بال جواہرات سے آراستہ تھے، اس کی ہرنی جیسی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا اور اس کے ہونٹوں کو مسی نے باکیف بنا دیا تھا - اس کی حسین سہیلیاں باغ کے گھنے درختوں میں چہلیں کرتی پھرتی ہیں اور وہ سب کی سب سرخ جوڑا زیب تن کئے ہوئے ہیں - یہ عجیب بات ہے کہ ادھر تو کامروپ نے کلا کو خواب میں دیکھا - اور ادھر کلا نے شہزادے کو خواب میں دیکھا -

دونوں ایک دوسرے پر دل و جان سے فریفتہ ہو گئے ۔ عشق کے تیر نے دونوں کو گھایل کیا ۔ پہلے ان دونوں نے اپنا اپنا احوال ایک دوسرے کو سنایا اور پھر وہ دونوں ابدی محبت کی زنجیر میں جکڑ گئے —

کامروپ کی آنکھ کھلی تو وہ بوکھلایا ہوا سا تھا ، اس کے دل میں کلا کے سوا کسی کی جگہ نہیں تھی ۔ اس کی نظروں کے سامنے اس کی تصویر پھرتی تھی اسے اس کی میٹھی سریلی آواز رہ رہ کے یاد آتی تھی ۔ باوجود ان تمام باتوں کے "کامروپ" کے ذہن سے اس پری جمال کا نام بالکل محو ہو گیا ۔ اسے کلا کے خط و خال بخوبی یاد تھے ۔ وہ تو اس کے دل میں ایسے نقش ہو گئے تھے جیسے پتھر پر لکیر ۔ ادھر کلا کی بھی یہی حالت تھی ۔ شہزادے کے ہم جلیسوں نے جب اس کا یہ حال دیکھا اور جب انھیں اس کی اندرونی کیفیت کا حال معلوم ہوا تو وہ بہت پریشان ہوے ۔ شہزادے کی آنکھیں ہر وقت آنسوؤں سے تر رہتی تھیں ۔ کوئی اس سے بات کرتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ سنتا ہی نہیں ۔ بالآخر بڑی کوششوں سے "متر چند" نے شہزادے کے دل کا بھید معلوم کر لیا ۔ اسے شہزادے سے بڑا اُنس تھا ۔ بادشاہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اُس نے اسی تدبیر پر عمل کرنے کی ٹھانی جو وہ پہلے بھی ایک دفعہ کر چکا تھا ۔ اس نے حکم دیا کہ

اس کی ساری دولت خیرات میں بے دریغ لٹا دی جائے ملک ملک کے پردیسیوں کو دعوتیں دی جائیں - جب پردیسی لوگ اُس کے ہاں جمع ہوے تو اُس نے ان سے فرمائش کی کہ کامروپ کے روبرو اپنی اپنی سرگزشت بیان کریں - اسی سلسلہ میں ایک برھمن بھی آیا - یہ برھمن اس مندر کا نگران تھا جہاں کلا خواب کے بعد پوجا کرنے گئی تھی - کلا نے اس برھمن سے درخواست کی کہ وہ اس کی خاطر گم گشتہ شہزادہ کو ڈھونڈھ لاے - یہ برھمن اودہ پور کے چودھری کے سامنے جب پہنچا تو اس نے دریافت کیا کہ تو کون ھے ؟ برھمن نے جواب دیا کہ مجھے سُمت کہتے ھیں اور سرندیپ میں ھردوار کا جو مندر ھے اس میں میری پرورش ھوئی ھے ' کامروپ نے جب یہ سنا تو بےساختہ وہ چلا اُٹھا کہ ھاں! سرندیپ اسی ملک کا نام ھے جہاں میں پہلے پہل درد محبت کی کسک سے آشنا ھوا تھا - برھمن نے جواب دیا کہ میرے بادشاہ کا نام کامراج ھے - کامروپ یہ نام سنتے ھی ھکا بکا سا رہ گیا - یہ ھو نہ ھو اُسی پری جمال کے باپ کا نام ھے جو اسے خواب میں نظر آئی تھی تھوڑی دیر بعد یہ راز کھل گیا کہ کلا نے اس برھمن کو بھیجا ھے تاکہ اس شہزادے کو کہیں سے ڈھونڈھ لاے جس نے اس کے دل کو سپنے میں موہ لیا تھا - چنانچہ بادشاہ راجپت نے کامروپ کو مع اس کے چھ رفیقوں کے سُمت کے

همراه سرندیپ جانے کی اجازت دے دی، تاکہ وهاں پہنچ کر وہ پری جمال کلا سے شادی کی بہ نفس نفیس درخواست کر سکے - پنڈتوں نے روانگی کی نیک گھڑی مقرر کی۔ شہزادہ اپنی ماں سے رخصت لینے کی غرض سے گیا - ماں نے نیک شگون کے لئے اس کے ماتھے پر دهی کا نشان لگادیا اور اس کے بعد وہ اپنے سفر پر روانہ هوگیا - پہلے وہ سب مقام هگلی گئے- اس مقام پر سے سرندیپ نظر آتا هے' بلکہ سُمت نے دور سے وہ مندر بھی دکھا دیا جس میں کلا پوجا کیا کرتی هے - اسی دوران میں سمندر میں بلا کا طوفان اٹھا - ان کا جہاز موجوں کے تھپیڑوں سے پاش پاش هوگیا - همارے آٹھوں مسافر جہاز کے ایک ایک تختے پر بیٹھے رہ گئے اور سمندر کی لہریں اُنہیں کبھی ادھر اور کبھی اُدھر لئے پھرتی تھیں —

کچھہ عرصے کے بعد کامروپ کاتختہ کنارےپر آلگا - وہ خشکی پر اُترا تو کیا دیکھتا هے کہ وهاں سوائے جنگل کے کچھہ نہیں - جنگلی پھل کھاکر رات میں وہ ایک درخت پرچڑہ گیا- دوسرے دن پھرتا پھراتا ایک باغ میں میں پہنچا' یہہ باغ تریا راج رانی راوتا کا باغ تھا - یہاں کسی آدمی کو آنے کی اجازت نہیں تھی - کامروپ کی خوش قسمتی کہ اُس نے راوتا کو اپنا گرویدہ بنا لیا - اس کی یہہ حالت تھی کہ وہ خود کلا کو اس نئی صحبت میں بھی بھول چلا تھا-ایک رات کلا خواب میں آئی

اور اس نے کامروپ کو خوب لعنت ملامت کی اور کہا کہ وہ عزت، سچائی اور انصاف کے اصول سے بالکل بے گانہ ھے - اس خواب کے بعد کامروپ راوتا کے باغ سے نکل بھاگا - کچھ دور چل کر وہ بے ھوش ہو کر زمین پر گر پڑا - ایک پری اُسے کوہ قاف اٹھا لے گئی - کوہ قاف دیوؤں اور راکششوں کا مسکن ھے - اس پری کا جو کامروپ کو اٹھا کر لے گئی تھی ایک چاھنے والا تھا اس کے سینے میں آتش حسد بھڑک اُٹھی - ایک دن موقع پا کر وہ کامروپ کو اُٹھا لے گیا اور اُسے سمندر میں پھینک دیا - سمندر کی موجیں اسے کبھی ادھر لے جاتیں اور کبھی اُدھر - بالآخر وہ سر ندیپ کے ایک جزیرہ کے کنارے آلگا - اس جزیرے میں "تسما" رھتا تھا - اس جزیرے والوں کی یہ خصوصیت ھے کہ اگر وہ کسی بھولے بھٹکے مسافر کو پکڑ پاتے تو اس سے سواری کا کام لیتے - چنانچہ 'کامروپ" کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا، ایک شخص اس کے کاندھے پر سوار ھوگیا اور کوڑے مار مار کر اسے ھانکنے لگا - اتفاق کی بات ایک دن کامروپ کو کچھ انگور مل گئے - اس نے ان کا عرق نکال کر شراب بنائی اور اھل جزیرہ کو پلائی - اس جزیرے والوں کو شراب کا چسکا لگ گیا تو ایک دن ان سبھوں نے خوب جی بھر کر پی - کامروپ اور ان بدقسمت لوگوں نے جو اس سے پہلے یہاں گرفتار ھوچکے تھے اس موقعے کو غنیمت سمجھا - جس

س نے شراب پی تھی ' اس کی عقل توتھکانے رہی نہیں تھی'
ر کیا تھا ' ان لوگوں نے دهمت بد مستوں کو چن چن کر قتل
ا اور پھر خود آزاد ہوکر بھاگ نکلے' ان میں سے ایک شخص
جب شہزادۂ کامروپ کو دیکھا تو وہ اس کے پاؤں پر آکر
مت گیا - یہ شخص "متر چند" وزیر کا بیٹا تھا - جو کامروپ
جگری دوست تھا - اسے ایک دیو اتھا لے گیا تھا - بہت دنوں
ہ ایک غار میں رہا اس کے ساتھ جو دوسرے ' غار میں تھے
نہیں سب کو دیو چٹ کر گئے مگر اسے چھوڑ دیا - اس کی
جہ یہ تھی کہ اسے اپنی جان کی زیادہ فکر اور پروا نہیں
ی - راکشسوں کو اس کی یہ ادا پسند آئی - انہوں نے اسے
ھا کر دیا - اور ایک نے اپنے سر کے تھوڑے سے بال دیے اور کہا
ہ جب کبھی تجھے کوئی مصیبت پیش آے تو ان بالوں کو جلانا
ور وہ فوراً اس کی مدد کو پہنچ جائے گا کامروپ اور متر چند
پس میں باتیں کر رہے تھے کہ ایک طوطا اُڑ کر شہزادے کے
اتھہ پر آ بیٹھا ' جیسے وہ پہلے سے اُس سے واقف تھا - طوطے
ی ٹانگ میں ایک دھاگا بندھا ہوا تھا - اس کے کُھلتے ہی وہ
طوطا آدمی بن گیا - ان دونوں دوستوں نے پہچان لیا کہ ہو
ہ ہو یہ "اچھا راج " ہے - اس نے اپنی سرگزشت یوں بیان
ی کہ اسے ایک پری اُتھا لے گئی - اپنی خوشی سے اُس نے اسے
طوطے کی صورت میں تبدیل کردیا اور اس کی ٹانگ میں

ایک طلسمی دھاگا خوب مضبوطی سے باندھ دیا۔ ایک دن وہ پری کو دھوکا دے کر اُس کے پاس سے آ ز آیا۔ اب یہ تینوں دوست چلے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک برھمن سے مٹ بھیڑ ہوگئی۔ برھمن نے ان تینوں نوجوانوں سے خطاب کیا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں؟ جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ " کامروپ " اسی رانی کا بیٹا ہے جسے اُس نے پر اسرار پھل کھلایا تھا جس کے بعد اُس کے اولاد ہوئی تو وہ بہت خوش ہوا اُسے اس جزیرے کے جنگل میں سنگ کیمیا ہاتھ لگ گیا تھا مگر چونکہ اس نے افلاس کی زندگی بسر کرنے کا عہد کرلیا تھا اس لئے وہ اس کے لئے بے کار چیز تھا اس نے وہ کامروپ کے حوالے کر دیا اور کہا " لے ، اس پتھر کو سنبھال کے رکھنا۔ اگر تو اس سے لوہے کو چھوئے گا تو وہ سونا ہوجائے گا۔ سونے سے دنیا کے سارے معاملات بسہولت سلجھ جاتے ہیں اور اس سے آدمی کو کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ اس پتھر کے چھونے سے جو سونا بنے گا وہ جس کسی کے قبضے میں ہوگا عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جائے گا " —

تینوں دوست چلے جا رہے تھے کہ آگے پہنچ کر انہیں ایک اور نیا مسافر ملا۔ یہ مسافر " چترمن " نقاش تھا۔ طوفان کی موجوں نے اس کے تختہ کو " سرندیپ " کے ساحل پر پہنچا دیا تھا —

سرندیپ کے راجہ " کامراج " پدرِ " کلا " کو جب اس

کی ھنر مندی کی اطلاع ھوئی تو اُس نے اسے اپنے شاھی محل کو نقش و نگار سے آراستہ کرنے کے لئے نوکر رکھہ لیا - اِس دوران میں وہ سخت بیمار ھوگیا - راجہ نے علاج کی غرض سے اسے ایک طبیب کے حوالے کیا - اتفاق دیکھئے کہ یہہ طبیب کنول روپ نکلا جو کامروپ کے ساتھیوں میں سے تھا - اس کی سرگزشت بہت طویل ھے اس لئے یہاں ھم نظر انداز کرتے ھیں- مختصر یہ ھے کہ وہ جب سرندیپ پہنچا تو بحیثیت طبیب حاذق ' دربار میں اس کا تعارف کرایا گیا - کامراج نے اس سے کہا کہ " کلا " کے مرض کی تشخیص کرو - اس نے بتایا کہ " کلا " کا مرض کامروپ کی محبت کے سوا کچھہ نہیں- کنول روپ نے جب کلا کے مرض کی تشخیص کرلی تو " چتر من" سے کہا کہ وہ چند تصویریں بنائے جن میں کامروپ اور اس کے چھہ رفیق اور " سُمت " برھمن موجود ھوں - اور ایک تصویر ایسی ھو جس میں یہ سب کے سب سرندیپ کے لئے روانہ ھو رھے ھوں - " کلا " نے جب ان تصویروں کو دیکھا تو اُس کے دل کو بڑی تسلی ھوئی اور اس کی حالت سنبھل گئی - راجہ کامراج یہ حال دیکھکر بہت خوش ھوا - اُس نے سوئمبر منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ اُس کی شہزادی اپنا شوھر منتخب کر سکے - یہ طریقہ راجپوتوں میں پرانے زمانے سے چلا آتا ھے - چنانچہ برھمن " سمت " نے جب کامروپ

کو یہ حال سب کہہ سنایا تو اُس نے اپنے دوست اچھراج سے کہا کہ وہ طوطا بن کر کلا سے کہہ آئے کہ کامروپ فقیر کے بھیس میں سوئمبر کے موقع پر آئے گا - کلا کو اچھراج پر پورا اعتماد اس لئے تھا کہ اُس کی شبیہہ کامروپ کے چھہ ساتھیوں کی تصویر میں موجود تھی —

چنانچہ جب سوئمبر رچایا گیا تو کلا نے موتیوں کا ہار کامروپ کے گلے میں ڈال دیا - اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ اسے اپنا شوہر بنانا چاہتی ہے - کامراج کامروپ کو سچ مچ فقیر سمجھا - اُسے بڑا غصہ آیا اور اُس نے حکم دیا کہ کامروپ کے گلے میں سے ہار اُتار لیا جائے اور اسے اور اس کے رفیقوں کو تالاب میں پھینک دیا جائے - تھوڑی دیر بعد سنگ کیمیا اور دیو کے بالوں کے ذریعے سے کامروپ شہزادے کی طرح زر و جواہر سے لدا ہوا اور بڑھیا لباس زیب تن کئے ہوئے کامراج کے سامنے آیا - کامراج کو جب سارا حال معلوم ہوا تو اُس نے بڑی خوشی سے کامروپ کو دامادی میں قبول کیا - چنانچہ اس طرح کامروپ اور کلا کے خواب پورے ہوتے ہیں اور اُن کی سرگزشت ختم ہوتی ہے —

حضرات! ایک اعتبار سے اس قصے میں ہمارے لئے علم الانسان کی معلومات پوشیدہ ہیں - ممکن ہے کہ اس مضمون کی خاص کتابوں میں، ہمیں اس قدر مواد نہ

ملے جتنا کہ اس قصے سے۔ اس قسم کی خیالی کہانیاں ہمیں اہل مشرق کی زندگی سمجھنے میں بہت مدد دے سکتی ہیں اور مزید تحقیق کے کام میں سہولت پیدا کر سکتی ہیں۔

ہمارے ان نوجوانوں کے لئے جو بے کاری میں اپنا وقت گزار رہے ہیں - مشرقی زبانوں کا مطالعہ نہایت دلچسپ شغل ہو سکتا ہے، بقول کوپر:—

"عدم شغل اور آرام ایک بات نہیں
وہ دماغ جس کا کوئی خاص شغل نہیں ہو عموماً کُلفت میں رہتا ہے" —

میں اپنے اس درس کو ایرانی شاعر عطار کے اس قول پر ختم کرتا ہوں جو آپ کو "منطق الطیر" میں ملے گا —

"دنیا، دارالمحن ہے، اُس کی تاریکی کو صرف شمع علم سے راستہ مل سکتا ہے - انسان کی رہبری یہاں علم و حکمت کے لعل کی روشنی سے ہوتی ہے اور علم و حکمت سے ہی انسان کے دل میں وسعت پیدا ہوتی ہے" -

گیارھواں خطبہ

۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۱ ع

جن صاحبوں کو ہندوستان کے ساتھ انس ہے انہیں یہ دیکھکر مسرت ہوگی کہ اب وہاں ہر طرف ادبی اور علمی مشاغل کی ترقی رونما ہو رہی ہے - سنہ ۱۸۵۷ ع کی شورش کے دوران میں اردو زبان کی کتابوں کی اشاعت بالکل رک گئی تھی مگر اب پھر کثرت سے کتابیں طبع ہو رہی ہیں - اردو کی اشاعت میں انگریزی حکومت بھی حتی المقدور مالی امداد کر رہی ہے اور ہر طرح سے اس کی ہمت افزائی میں کوشاں ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو زبان ہندوستان میں حرفت و تجارت اور سیاست میں بہت کام آتی ہے - اس کے علاوہ ہندوستان میں جتنے یوروپین اور یوریشین ہیں وہ اسی زبان کے توسط سے اہل ہند کے ساتھ تعلقات پیدا کرتے ہیں - ظاہر ہے اس صورت میں حکومت کا فرض ہے کہ اس زبان کی پرورش اور ترقی میں کوشاں ہو - ساتھ ہی ہمیں یہ بھی مد نظر رکھنا چاہئے کہ اگرچہ اکثر تعلیم یافتہ ہندوستانی انگریزی زبان کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں

مگر باوصف اس کے وہ شاید بقول شیکسپیر یہ کہنے کی جرأت نہ کریں گے کہ " میں اپنی بولی سے باز آیا " -

صوبۂ شمال مغربی میں اُردو اور ھندی دونوں زبانوں کے اخبارات میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے اور ان کی تعداد اور اہمیت اس کے لگ بھگ ہو چلی ہے جو سنہ ۱۸۵۷ع سے پہلے انہیں حاصل تھی - ان صوبجات کے ناظم تعلیمات مسٹر ایچ - استورٹ ریڈ نے از راہ عنایت ان سترہ اخباروں کی فہرست مجھے بھیج دی ہے ' جو اس سال کے شروع سے شائع ہو رہے ہیں - ممکن ہے اس سال میں اور ایک آدہ کا اضافہ ہوا ہو - ان سترہ اخباروں میں گیارہ اردو کے ہیں اور چھہ ھندی کے - ان میں سے آٹھ آگرہ میں طبع ہوتے ہیں ' دو اجمیر میں ' دو اٹاوہ میں اور ایک لدھیانہ میں ' ایک میرٹھہ میں ' ایک جونپور میں ' ایک سہارن پور میں ' ایک الہ آباد میں اور ایک کانپور میں - تعجب ہے کہ اس فہرست میں دھلی کا نام کہیں نہیں ملتا - شورش سے پہلے وہاں آٹھ اخبار شایع ہوا کرتے تھے مگر ان میں سے اب ایک بھی باقی نہیں رہا - یہ سب کے سب شورش کے دوران میں ختم ہوگئے - مگر امید ہے کہ اس سال کے دوران میں پھر نئے سرے سے دوسرے اخبار جاری ہوں گے یا یہ کہ پرانے اخباروں کے مدیر دوسرے ناموں سے نئے اخبار نکالیں گے —

آگرہ کے نورالابصار اور بدھی پرکاش کئی سال سے جاری ہیں اور ان کی نسبت میں پہلے کہیں ذکر بھی کر چکا ہوں۔ مفید خلائق بھی چل رہا ہے۔ اس کے مدیر شیو نرائن جی کا شمار اردو کے اچھے لکھنے والوں میں ہے، اب یہ کرتے ہیں کہ اردو کے پہلو بہ پہلو ہندی زبان کے مضمون بھی شایع کرتے ہیں۔ ہندی کے مضامین سروپ کارک کے عنوان کے تحت ہوتے ہیں۔ اس سے ان کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان ہندوؤں کو خوش کریں جو مسلمانوں کی زبان سے اپنی زبان کو تحریر کے ذریعہ الگ کرنا چاہتے ہیں۔ ان اخباروں کے علاوہ آگرہ میں "بغاوت ہند" کے نام سے ایک ماہوار رسالہ اور نکلنا شروع ہوا ہے۔ اس کے مدیر مکند لال ہیں۔ آگرہ کے اور دوسرے نئے اخبار حسب ذیل ہیں —

آفتاب عالمتاب، یہ اردو کا اخبار ہے۔ اس کے مضامین ہندی رسم خط میں سورج پرکاش کے نام سے شائع ہوتے ہیں ایک ہندو جن کا نام گنیش لال ہے اس کی ادارت کرتے ہیں۔

"اخبار حیدری" اور "اخبار حسینی" دونوں اردو کے اخبار ہیں۔ پہلے کے مدیر مرزا علی حسینی حیدری ہیں اور دوسرے کے سید حسین علی جو دلی کالج میں پروفیسر ہیں اور انہوں نے الف لیلہ کا اُردو ترجمہ بھی کیا ہے —

اجمیر کے دو اخبار "جگ لبھہ چلتک" اور "خیر خواہ

خلایق" میں پہلا اخبار هندی کا ہے اور اس کے مدیر سوهن لال هیں۔ دوسرا اردو کا ہے اور اس کے مدیر کا نام اجودهیا پرشاد ہے جو اس وقت اردو کے مشہور لکھنے والوں میں شمار هوتے هیں۔ انهوں نے علم الحساب اور دوسرے موضوعوں پر متعدد کتابیں تصنیف کی هیں۔

اٹاوہ سے پندرہ روزہ گزٹ شائع هوتا ہے جس کا نام "پرجاهت" ہے۔ یہ مطبع "مصدر التعلیم" میں طبع هوتا ہے۔ اس کے اردو ایڈیشن کا نام محبت رعایا ہے اور انگریزی ترجمہ جو اس کے ساتھ شائع هوتا ہے اس کا نام People's Friend ہے۔ اس کے مدیر حکیم جواهر لال هیں۔ انهوں نے متعدد کتابیں تصنیف کی هیں اور انگریزی زبان سے ترجمہ بھی کئے هیں۔ اس گزٹ کو آگرہ کے گزٹ "اخبار النواح" کا قایم مقام سمجھنا چاهئے۔ "اخبار النواح" بھی حکیم جواهر لال هی کے زیر ادارت نکلتا تھا۔ ان دونوں اخباروں کا مقصد یہ رها ہے کہ اپنے مضامین کے ذریعہ سے اخلاقی اصول کی نشر و اشاعت کی جائے اور مختلف ملکوں کی ٹھیک ٹھیک خبریں درج کی جائیں اور یوں هی سنی سنائی باتوں کو بطور سند نہ پیش کیا جائے۔

لدهیانہ کا هفتہ وار اخبار "نور[۶۹] علی نور" اب نهیں شائع هوتا۔ اس کی جگہ اخبار "مجمع البحرین" نکلنا شروع

ہوا ہے ۔ اس کے مدیر اصغر حسین ہیں —

جونپور سے " نسیم جونپور " شائع ہوتا ہے - اس کے مدیر سید مظفرالدین ہیں - سہارنپور سے " وکٹوریہ گزٹ " نکلتا ہے - اس کے مدیر ایک انگریز ہیں اور اگرچہ اس کے نام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاید انگریزی کا اخبار ہے ' لیکن نہیں ' یہ اخبار نہایت شستہ اُردو زبان میں نکل رہا ہے - الہ آباد سے امین الاخبار عزیز الدین خاں کے زیر ادارت شائع ہوتا ہے - موصوف کا شمار مشہور و معروف مسلمانوں میں ہوتا ہے - کانپور سے اخبار " شعلۂ طور ' جمنا پرشاد کے زیر ادارت شائع ہوتا ہے - یہ اخبار روزانہ ہے —

افسوس کہ اس سب اخباروں کی اشاعت بہت تھوڑی ہے - اور صوبۂ شمال مغربی کی تین کروڑ تیس لاکھ آبادی میں سے بہت کم لوگ ایسے ہیں جو انہیں پڑھتے ہیں —

ہندوستان کے اور دوسرے صوبوں کے اردو اخباروں کے متعلق میری معلومات محدود ہیں - میں صرف آپ صاحبوں کو اس قدر بتا سکتا ہوں کہ سنہ ۱۷۹۰ع میں سورت سے ایک اُردو اخبار نکلتا تھا جس کا نام " منظور الاخبار " تھا - اب آج کل اس کا نام " نجم الاخبار " ہے - اتفاق سے کلکتہ کے اُردو گائڈ (Urdu Guide) کا ایک نسخہ مجھے مل گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہفتہ وار ہر جمعہ کے روز شائع ہوتا ہے —

سنہ ۱۸۹۰ع کی ابتدا تک صوبۂ شمالی مغربی میں ۵۹ مطبے کام کر رہے تھے - اس تعداد میں مرزاپور مشن اور Medical Press کے مطبے بھی شامل ھیں - مسٹر ایچ - استورت رید نے جو میرے لئے معلومات فراھم کی ھیں ان سے ظاھر ھوتا ھے کہ سال گزشتہ ۳۸۹ مطبوعات اس صوبہ سے شائع ھوئیں - اور یہ مطبوعات کل ۶۵۳ ۵۴۳ نسخوں پر مشتمل تھیں - ان میں ۴۶ مطبوعات جو ۳۵۱ ۹۰۰ نسخوں پر مشتمل تھیں نظامت تعلیمات کی طرف سے طبع ھوئیں - باقی ۳۴۱ مطبوعات جو ۹۴۳ ;۲۰ نسخوں پر مشتمل تھیں انہیں ھم حسب ذیل اقسام میں تقسیم کر سکتے ھیں —

(۱) ابتدائی مدارس کی کتابیں جیسے قاعدے، صرف نحو، فصاحت و بلاغت کی کتابیں- ۳۸ کتابیں اس قسم کے تحت آتی ھیں - ان کے کل مطبوعہ نسخوں کی تعداد ۸۷۰۰۰ تک پہنچتی ھے -

(۲) مذھب و اخلاق، فلسفہ اور دیومالا سے متعلق ۱۰۵ کتابیں طبع ھوئیں - کل نسخوں کی تعداد ۱۲۷۷۰۰ ھے -

(۳) فلکیات اور اختر شناسی پر ۱۵ مطبوعات - نسخوں کی تعداد ۷۰۵۰ -

(۴) شعر و شاعری پر ۴۱ کتابیں- کل نسخوں کی تعداد ۸۰۴۳

(۵) تاریخ پر ۹ کتابیں کل نسخوں کی تعداد ۳۵۵۰ -

(۶) اصول قانون اور فقہ پر ۵۵ کتابیں - کل نسخوں کی تعداد ۲۶۲۲۹ -

(۷) طب پر ۷ کتابیں - کل نسخوں کی تعداد ۵۳۰۰ -

(۸) جغرافیہ پر ۷ کتابیں - کل نسخوں کی تعداد ۲۸۴۰ -

(۹) علم الحساب، اقلیدس اور جبر و مقابلہ پر ۴۰ کتابیں کل نسخوں کی تعداد ۱۸۰۰۰ -

(۱۰) جنتریاں ۲۰ - کل طبع شدہ نسخوں کی تعداد ۱۰۷۳۲۵ -

(۱۱) قواعد ڈاکخانہ - اس کے صرف ۴۰۲ نسخے طبع کئے گئے -

اس فہرست کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ پر مطبوعات کی تعداد بہت کم ہے - انسانی علم کی اس شاخ کو شاید ہندوستانی لوگ زیادہ اہمیت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ شاید ان کے نزدیک بھی تاریخ کی تعریف وہی ہے جو یہاں یورپ میں کسی نے جل کر کی ہے کہ تاریخ چند غیرمعتبر روایات کا مجموعہ ہے جسے انفرادی تعصبات کے رنگ و روغن کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے —

حال کی اردو مطبوعات میں مجموعۂ قوانین تعزیرات ہند کو بڑی اہمیت حاصل ہے - یہ بڑی تقطیع پر ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ہے - ہندوستانی فاضلوں کی جماعت نے اس کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے - مسٹر ایچ - اسٹورٹ ریڈ نے بھی اس کی تکمیل میں بڑی مدد کی اور صوبۂ شمال مغربی

کےلفٹننٹ گورنر جی- ایڈمنسٹن صاحب نے خود بہ نفس نفیس
اس ترجمہ پر نظر ثانی فرمائی ہے - اس سال کے ختم سے پہلے
مجموعۂ قوانین تعزیرات ہند شائع ہو جائے گا، اس واسطے
کہ نئے تعزیری قوانین کا یکم جنوری سے نفاذ شروع ہوگا -
ہندوستان سے میرے نام اس کا ایک نسخہ بھیجا گیا ہے جس
کے متعلق مجھے اطلاع تو آگئی ہے مگر ابھی تک وہ پہنچا نہیں-
اس کے علاوہ جمع الذفائس اور عجائبات صنعت شماری کے
نسخے بھی بھیجے گئے ہیں مگر ابھی تک مجھے نہیں پہنچے -
آخر الذکر انگریزی کتاب The Phenomena of Industrial Life and conditions of industrial success سے خوشہ چینی کرکے لکھی
گئی ہے - اس کتاب میں ہندوستان کے موجودہ معاشی حالات
کو پیش نظر رکھا گیا ہے —

ناصر خاں نے ڈاکٹر W. Anderson کی مدد سے ڈاکٹر Abercrombie کی کتاب " Inquiries on the intellectual Powers "
کو اردو جامہ پہنایا ہے - اسی ترجمہ کا نام "رہنمائے حکمت"
رکھا ہے - اس کا پہلا حصہ اسی سال آگرہ سے شائع ہوگیا —

ہمیں یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ صرف صوبۂ شمال مغرب
ہی میں اردو زبان کی ترقی کی کوششیں ہو رہی ہیں بلکہ
اردو کی ترقی میں سارا ہندوستان شریک ہے- چنانچہ حال
ہی میں لاہور میں پنڈت رام دیا نے مدرسے کے بچوں کے لئے

ایک کتاب لکھی جس کا نام " ورتلت وفادار سلکھہ اور غدار سلکھہ " رکھا ہے - سورج بھان نجر نے "وقائع بابا نانک" لکھی ہے- ایک اور ہندو اجودھیا پرشاد نے جغرافیہ پر ایک کتاب لکھی ہے- یہ دوسری کتابیں بھی تصنیف کرچکے ہیں- مولوی کریم الدین نے جن کی نسبت میں اپنے پچھلے خطبوں میں ذکر کرچکا ہوں پنجاب کا جغرافیہ لکھا ہے - ان مذکورہ بالا چاروں کتابوں میں پہلی دو سنہ ۱۸۶۰ ع میں طبع ہوئی ہیں اور آخری دو سنہ ۱۸۶۱ ع میں - یہ کتابیں مجھے امرتسر کے پر جوش مستشرق مسٹر روبرت کسٹ نے حال میں بھیجی ہیں- فرانسیسی سفیر مقیم کلکتہ موسیو لمبار (Lombard) نے از راہ نوازش میرا تعارف مسٹر روبرت کسٹ سے کرادیا چنانچہ موصوف نے اردو کی تقریباً بیس کتابیں مجھے روانہ فرمائی ہیں - ان میں بیشتر خود موصوف کی کتابوں کے اردو ترجمے ہیں - ان میں پنجاب کا اردو نقشہ بھی شامل ہے - یہ تقریباً ایک مربع گز ہے اور لاہور کے مطبع کوہ نور میں سنہ ۱۸۶۰ ع میں طبع ہوا ہے —

اردو زبان کے ادبی اور علمی مشاغل کا ذکر اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں آپ صاحبوں کے سامنے مسیحی مبلغین کی انجمنوں کی کارگزاری کی نسبت کچھ نہ کہوں - جیسا کہ میں اپنے پچھلے خطبے میں

کہہ چکا ہوں کہ "برطانیہ اور ممالک غیر کی انجمن انجیل" نے انجیل کا جو دلپذیر ترجمہ گزشتہ سال شائع کیا اسے یقیناً اردو زبان کی چوٹی کی کتابوں میں سمجھنا چاہئے - یہ ترجمہ اس لئے اور بھی عمدہ اور معتبر ہے کہ ایک مشہور ہندوستانی فاضل نے اس کام میں ہاتھ بٹایا ہے - کہا جاتا ہے کہ اس ہندوستانی فاضل کو اپنی زبان اردو کے علاوہ انجیل مقدس پر پورا عبور حاصل تھا- اس ترجمے کی ترتیب میں سلیقے کو ملحوظ رکھا گیا ہے - اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ لوگ بھی اسے پسند کریں گے جو کہتے ہیں کہ مسیحی انجمنیں بالعموم انجیل مقدس کو غیر مسیحی لوگوں اور جاہل عیسائیوں کے سامنے نہایت بھونڈے طریقے سے پیش کرتی ہیں- اس ترجمے میں حواشی کا بھی التزام کیا گیا ہے- ان حواشی میں ہم مضمون عبارتوں اور استعاروں کی تشریح کی گئی ہے- اس کے ساتھ واقعات کی تاریخیں، مختلف ترجموں کے فرق اور بعض جگہ عبرانی یا یونانی کی لفظ بہ لفظ عبارتیں درج ہیں- ہر باب کے شروع میں اُس باب کے زیر بحث موضوع کا خلاصہ اور اسی طرح ہر صفحے پر زیر بحث مضمون کے اشارے موجود ہیں - جہاں جہاں نئے موضوع شروع ہوتے ہیں وہاں خاص خاص نشان کردیے گئے ہیں جن کی حیثیت وہی سمجھنی چاہئے جو مختلف جملوں کو جدا کرنے کے نشانات کی ہے- یہ

کام نہایت دیدہ ریزی سے پایۂ تکمیل کو پہنچا اور اس سے انجمن اور مسٹر ماتھر دونوں کی شہرت کو چار چاند لگیں گے جنھوں نے انتہائی جانفشانی سے اس کی چھپائی کا انتظام کیا -

ان مبلغین مسیحیت کی مختلف مطبوعات کے متعلق میں تفصیل سے ذکر نہیں کرونگا اس واسطے کہ پھر مضمون بہت طویل ہو جائیگا - یہ لوگ انجیل مقدس کی تعلیمات کی بڑے جوش سے نشر و اشاعت کر رہے ہیں ان لوگوں کے لیے مسلمان فقرا کی طرح "شاہ" کا لقب استعمال کرنا ٹھیک ہوگا کیونکہ واقعی یہ سب لوگ روحانی بادشاہ ہیں - انھوں نے یہ بادشاہی اپنے جذبات کو مغلوب کر کے حاصل کی ہے - ان کی بعض مطبوعات نہایت دلچسپ ہیں چنانچہ ایک مذہبی افسانہ "نیا کاش کھنڈ" کے نام سے طبع ہوا ہے - یہ ہندی میں ہے - اس افسانے کی تمہید میں یہ بتایا گیا ہے کہ شہر بنارس کا ایک بوڑھا باشندہ اس فکر میں غلطاں پیچاں ہے کہ کسی تدبیر سے اس مقدس شہر کے سارے باشندے مسیحی مذہب قبول کرلیں اگر ایسا ہو جائے تو ان کے شہر کی قسمت جاگ جائے - اس عالم فکر میں وہ خواب دیکھتا ہے کہ اس کی دلی تمنا بر آئی - جب اس کی آنکھ کھلی تو دیکھتا ہے کہ ایک کتب خانہ ہے جہاں جاکر اس نے "نیا کاش کھنڈ" کا ایک نسخہ خریدا - اس کتاب میں اسے اپنے خواب کی تعبیر مل گئی - اس میں ایک

ہندو اور اس کے بیٹے کے درمیان جس نے مسیحی مذہب قبول کرلیا تھا فرضی گفتگو کا حال درج تھا۔ چنانچہ اس گفتگو کے دوران میں مسیحیت، اسلام اور بت پرستی کا مقابلہ کیا گیا ہے، اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسیحی مذہب ہی انسان کی نجات کا ضامن ہے۔ ساتھ ہی ہندوؤں کے بعض ناکارہ رسوم اور ذات پات کے نقصانات واضح کئے گئے ہیں —

مذہبی قسم کی مطبوعات میں جو حال میں شائع ہوئی ہیں اور جن کا مجھے علم ہے، حیات پال (پولس) قابل ذکر ہے۔ اصل میں یہ کتاب مسٹر آر۔کسٹ نے انگریزی میں لکھی تھی پھر اسکا پنڈت سورج بھان نجر * اور اجودھیا پرشاد نے اردو میں ترجمہ کیا۔ اس میں ایک نقشہ بھی ہے جس میں اس نامور شخص کے سفر کے متعلق معلومات درج ہیں اسی قسم کی ایک کتاب سچے اوتار کے متعلق لکھی گئی ہے، ایک حقیقی تثلیث اور نری مورتی کے متعلق ہے، ایک کتاب میں مسیحی مبلغ اور ہندو جاتری کے درمیان مباحثہ ہے، ایک میں قرآن اور انجیل کی تعلیمات

---

* یہ نام اسی خطبے میں پہلے بھی آیا ہے وہاں بھان لکھا ہے۔ یہاں چھاپے کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ نیز نام کے آخری جز میں بھی کچھ غلطی ہوگئی ہے پہلے نجر لکھا ہے یہاں نیجر ہے (مترجم) —

کا مقابلہ کیا گیا ہے - ایک میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت مسیح کی تعلیمات کا فرق بیان کیا گیا ہے - ایک کتاب میں اسلام کی ابتدا، عروج اور زوال پر تبصرہ ہے - ان کتابوں کے علاوہ اور بہت ساری انگریزی کتابوں کے ترجمے ہیں جو فرانسیسی میں بھی موجود ہیں* ' حضرت سلیمان کی کہاوتوں ' اور "پہاڑی وعظ" کا اردو نظم میں ترجمہ کیا گیا ہے —

بمبئی کی مسیحی انجمن بھی اپنے کام میں مشغول ہے - اس انجمن نے اردو زبان میں ۲۳۰ چھوٹی بڑی کتابیں شائع کی ہیں - اردو کے علاوہ اس صوبے کی دوسری زبانوں میں بھی اس کی مطبوعات ہیں - اس انجمن کا رسالہ "بامداد" برابر نکل رہا ہے جس کی نسبت میں اپنے سنہ ۱۸۵۹ والے خطبہ میں ذکر کرچکا ہوں —

اس قسم کی تبلیغی کتب کو طبع کرنے کے علاوہ مبلغین مسیحیت ملک کے طول و عرض میں کلیساؤں کی بنائیں ڈال رہے ہیں اور مدرسے قائم کر رہے ہیں - یہ سب کچھ ان انجمنوں اور ان افراد کی فیاضی کا طفیل ہے جن سے ہندوستان کی تبلیغی انجمنوں کا

---

* مثلاً "The goidmake,s village" ; "Life of Mahammad" †
"Account From Universal History" –

تعلق ہے- میں سمجھتا ہوں اس ضمن میں اس کا ذکر کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ مسٹر "لیوپولٹ" کو جن کا تعلق چرچ مشن (Church Mission) سے ہے ۵ ہزار پونڈ کی رقم بطور عطیہ پیش کی گئی ہے تاکہ اس سے وہ شہر بنارس میں ایک مدرسہ قائم کریں جہاں اُردو زبان کے ذریعہ سب تعلیم دی جائے —

جن ہندوستانیوں نے مسیحی مذہب قبول کیا ہے ان میں اچھی خاصی تعداد تعلیم یافتہ لوگوں کی ہے اور ان میں بعض اُردو زبان کے انشا پرداز بھی ہیں - مسلمان لوگ حضرت مسیح کو عیسیٰ کہتے ہیں اور ہندو لوگ عیسیٰ کو سیوا (مہادیو) سے تعبیر کرتے ہیں - مسیحی دین کی اکثر یورپی اصطلاحوں کو اُردو میں نہایت سلیقے سے سمو لیا گیا ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ اُردو زبان میں سامی اور یافسی دونوں قسموں کی زبانوں کے عناصر پائے جاتے ہیں - دونوں زبانوں کی ترکیبیں اس میں نہایت خوبی سے کھپ جاتی ہیں - اسلامی اور سنسکرتی عناصر سے مل کر اُردو کی شاعری میں بڑی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے - یہاں تک کہ انگریزی طرز کی نظمیں اس میں لکھی جاسکتی ہیں - اور انگریزی مناجات کی لے تک

اردو بولوں میں اچھی طرح کھپ سکتی ھے * —

۱۰ اگست گزشتہ لکھنؤ میں یوسف خاں بہادر کا انتقال ھوا - یہ عسائی ھونے کے ساتھہ ھی اُردو زبان کے بڑے عمدہ انشا پرداز تھے - ان کا لقب "کملی پوش" مشہور تھا - موصوف واجد علی شاہ بادشاہ اودہ کے توپ خانے میں تقریباً ۳۰ سال خدمت انجام دے چکے تھے - انھوں نے اردو میں سیر و سفر کے نام سے اپنا سفر نامہ لکھا ھے - یہ سفر نامہ دھلی میں سنہ ۱۸۴۷ ع میں شائع ھوا - استورٹ ریڈ نے اس سفر نامہ کا مقابلہ Morier کی کتاب "Haji Baba in England" سے کیا ھے - اس ضمن میں سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ھے کہ یوسف خاں بہادر ھندوستانی نہیں تھے بلکہ اطالوی تھے - یہ مسلمان بھی نہیں تھے - بلکہ کیتھولک مسیحی تھے - اور مرتے دم تک کیتھولک عقاید پر قائم رھے - اصل میں ان کا نام Delmerich تھا اور کہا جاتا ھے کہ ان کا فلورنس کے مشہور

---

* ستمبر سنہ ۱۸۵۲ کے خیر خواہ ھند میں ایک ھندوستانی مبلغ شرمان کی نظم نکلی ھے جو تین اور چار ارکان میں لکھی گئی : —

هم سجدہ کرتے بہ آداب
سراھتے تیری عطا

کہ تو خدا باپ تا اپن
میرِ فانی حاکم رھتا

Medicis خاندان سے تعلق تھا * - کوئی پندرہ سال ہوے کہ یوسف خاں بہادر سیاحت کی غرض سے انگلستان ' فرانس ' اسپین ' پرتگال ' اور جرمنی گئے تھے - واپسی پر " ترکی " اور عربستان کے راستے سے ہندوستان واپس آے- میں نے ابھی جس سفرنامہ کا ذکر کیا ہے وہ دراصل انہیں ملکوں کے حالات پر مشتمل ہے - انھوں نے یہ سفرنامہ خود اُردو میں لکھا تھا —

میں نے ابھی جن مذہبی کتابوں کا ذکر کیا ان میں ایک اور کتاب کو شامل کرنا ضروری ہے - یہ ہندی سے اردو میں ترجمہ ہے - ساتھہ ہی نہایت قابل قدر حواشی بھی ہیں - کتاب کا موضوع ہندوؤں کے چھہ فلسفیانہ مسلکوں کی تردید ہے - اس کتاب کا مصنف ایک برہمن ہے جس نے مسیحی مذہب اختیار کر لیا تھا - اسے اپنے مضمون پر پورا تبحر معلوم ہوتا ہے - یہ کتاب ۳۶۰ صفحات پر مشتمل ہے- مشہور مستشرق Fitz Edward Hall نے اس کو چھپوانے کا انتظام کیا اور اس پر فلسفیانہ تنقید لکھی - یہ کتاب اور یہ تنقید دراصل اس کام کی تکمیل کرتے ہیں جسے Colebrooke اور دوسرے ماہرین ہندیات نے شروع کیا تھا —

وہ کتابیں جو دوبارہ طبع ہوئی ہیں ان میں " تحفۂ اخوان الصفا " کا ہندی اڈیشن قابل ذکر ہے - کلکتہ' ہگلی '

* اودھ گزٹ (Indian Mail September 1861) -

بمبئی ' اور دھلی میں متعدد مرتبہ یہ کتاب طبع ہو چکی
ہے - مگر یورپ میں اب تک یہ مکمل نہیں چھاپی گئی - یہ
کتاب " باغ و بہار " کی طرح سول امتحانوں کے نصاب میں
داخل ہے - ڈاکٹر ریو نے بڑی محنت اور کاوش سے " باغ و
بہار " کو پھر طبع کرایا ہے - موصوف آج کل یونیورسٹی کالج
میں پروفیسری کے عہدہ پر ممتاز ہیں - مجھے یہ فخر حاصل
ہے کہ وہ بھی میرے خطبات سن چکے ہیں - میرے قدیم
دوست اور مہربان Duncan Forbes نے اس کی طباعت کا انتظام
کیا - موصوف نے اردو پر اور اردو میں متعدد کتابیں
تصانیف کی ہیں —

مسٹر E. H. Rogers نے ایک کتاب "How to speak Hindustani"
لکھی ہے - یہ کتاب نہ صرف فوجی لوگوں کے لیے بے حد مفید
ہے جن کے لئے خاص طور پر یہ تصنیف کی گئی ہے بلکہ ان
انگریز بیرسٹروں کے لئے بھی نہایت کارآمد ہے جن کا ارادہ
ھندوستان میں وکالت کرنے کا ہے - ھندوستان میں آج کل
مقامی عدالتیں ہر جگہ قائم ہو رہی ہیں - ان نوجوان
انگریزوں کے لئے جن کی اپنے وطن میں قدر نہیں ' یہ موقع
ہے کہ وہ اس وقت ھندوستان میں اپنی قسمت آزمائیں -
لیکن اس سے پیشتر کہ وہ ھندوستان جانے کا ارادہ کریں یہ
ازبس ضروری ہے کہ وہ دیسی لوگوں کی زبان کو مطالعہ کے ذریعہ

سیکھہ لیں - انہیں ہندوستانی لوگوں کے ان محاوروں کو جاننا چاہئے جو ہر وقت گفتگو میں استعمال ہوتے ہیں - مسٹر روجر کی کتاب میں ان کے متعلق پوری معلومات مل سکتی ہے - موصوف پہلے Lawrence Asylum کے ناظم تھے اور آج کل Chatham کے Indian Depots میں ہندوستانی کے استاد ہیں —

ہندوستانی صرف و نحو پر انگریزی لاطینی فرانسیسی پرتگالی اور جرمن زبانوں میں جو کتابیں نکل چکی ہیں ان میں دو کا اور اضافہ ہوا ہے - میری مراد Duncan Forbes کی کتاب سے ہے - اس میں صرف و نحو کے ساتھہ چھوٹی سی لغت بھی ہے - یہ کتاب اردو میں ہے مگر اس کا رسم خط رومن ہے - دوسری کتاب Monier Williams کی "Hindustani Primer" ہے - یہ بھی رومن رسم خط میں لکھی گئی ہے - اس میں بھی ابتدائی صرف و نحو کے ساتھہ ساتھہ کثیرالاستعمال الفاظ کے معنی اور کہاوتیں درج ہیں - اگرچہ موصوف آج کل اکسفورڈ یونیورسٹی میں سنسکرت زبان کے پروفیسر ہیں مگر انہیں ہندوستانی زبان سے جو ہمیشہ سے شغف اور لگاؤ رہا ہے وہ بدستور قائم ہے —

مسٹر سی - ماتھر کی ہندوستانی انگریزی لغت دوبارہ چھپ چکی ہے - اس میں انجیل مقدس کی ساری اصطلاحوں

کے معنی دیے ہیں - جو صاحب اس کتاب کو خریدنا چاہیں خرید سکتے ہیں - خود انجیل مقدس کا جو اڈیشن موصوف نے تیار کیا تھا جس میں ایک طرف اردو ترجمہ ہے، وہ ان کا بڑا کارنامہ سمجھنا چاہئے - اس ترجمہ کی قدر و قیمت میں اس لغت کی وجہ سے اور بھی اضافہ ہوجائے گا - ہندوستانی اور یورپین دونوں اسے قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے - بالخصوص وہ یورپین جو ہندوستانی زبان کا مطالعہ کر رہے ہیں اس کا بڑی خوشی کے ساتھ خیر مقدم کریں گے - انہیں ہندوستانی زبان سیکھنے میں اس سے بڑی سہولت ہوگی اگر وہ ذراسی بھی استعداد رکھتے ہیں تو اس کی مدد سے بآسانی آگے چل سکتے ہیں —

آپ صاحبوں پر اب یہ روشن ہوگیا ہوگا کہ ہندوستان میں رومن رسم خط کا آہستہ آہستہ استعمال بڑھ رہا ہے - خود ہندوستانیوں میں ایسے اشخاص موجود ہیں جن کا خیال ہے کہ عام طور پر انگریز لوگ جو رومن رسم خط استعمال کرتے ہیں اسے تھوڑی بہت تبدیلیوں کے بعد ہندوستان میں رائج کیا جاسکتا ہے - بابو شیو پرشاد نے جو بڑے فاضل آدمی ہیں اور "شملہ اخبار" کے مدیر بھی رہ چکے ہیں اور متعدد کتابیں تصنیف کرچکے ہیں، حال میں کلکتہ میں ایک رسالہ شائع کیا ہے جس میں اردو کے رسم خط سے بحث کی

ہے۔ ان کا خیال ہے کہ زبان کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ رومن رسم خط اختیار کرلیا جاے اور ولسن نے جو طریقہ رائج کرنے کی کوشش کی تھی اس میں بعض ضروری تبدیلیاں کردی جائیں —

آپ سبھوں کو غالباً معلوم ہوگا کہ ۱۲ مئی سنہ ۱۸۵۷ ع دھلی کالج کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی تھی۔ اس کے کتب خانے کو مشعلوں کے نذر کردیا گیا تھا - اور اس کالج کے نیک دل پرنسپل کو قتل کردیا گیا تھا - مگر خوش قسمتی سے اس کالج کی آمدنی وقف تھی جو اب تک موجود ہے - چنانچہ اس وقف آمدنی سے چاندنی چوک میں ایک دوسرا کالج قائم کیا گیا ہے جسے ہم پرانے کالج کا قائم مقام تصور کرسکتے ہیں - اس کا نام "دھلی انسٹیٹیوٹ" رکھا گیا ہے - ابھی اسے قائم ہوے ایسا زیادہ عرصہ نہیں ہوا مگر اس میں ۴۰۰ طلبہ کے قریب تعلیم پا رہے ہیں - بعض مخیر اشخاص اور گورنمنٹ کی فیاضی کی بدولت اس کالج کے کتب خانہ میں آج تقریباً ۱۲ ہزار کتابیں موجود ہیں - اس کے ساتھ ایک عجائب گھر بھی قائم کیا جارہا ہے - چنانچہ وائسراے لارڈ کیننگ کی سفارش پر اس کی امداد کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی سے دگنی منظور ہوگئی - اس عجائب گھر میں ایک قدم شریف

(پتھر جس پر رسول مقبول کے قدم کا نشان ہے)۔ یہ پہلے ایک صندوق میں بند تھا اس صندوق کی نگرانی پر ایک آدمی مامور تھا جسے ۵۰ روپے ماہوار دیے جایا کرتے تھے۔ ایک قدم حضرت فاطمہ (رض) کا ہے۔ اور دہلی کے آخری بادشاہ کے حمام خانہ کی ایک چوکی بھی ہے۔ ہندوستان Materia Medica کی مختلف جڑی بوٹیاں بھی یہاں موجود ہیں۔ ہندوستانی عطریات، صنعت و حرفت کے نمونے، سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کی بنی ہوئی اشیا، مصوری کے نمونے، موسیقی کے آلات، صندل اور ہاتھی دانت کی صندوقچیاں زمرد و جواہرات کے ڈبے، لکھنؤ کے مٹی کے کھلونے، بچوں کے کھلونے اور سال اور مختلف انواع کے دیسی کپڑے اس عجائب گھر میں ہیں —

کلکتہ یونیورسٹی جس کا اثر پشاور اور لنکا تک ہے آج کل اچھی حالت میں ہے۔ بمبئی میں جو حال میں یونیورسٹی قائم ہوئی ہے اس کی حالت بھی قابل اطمینان ہے۔ اس یونیورسٹی کا آخری سندی امتحان گذشتہ ستمبر کے مہینہ میں ہوا تھا۔ امتحان میں ۱۵ طلبہ نے شرکت کی تھی جن میں سے ۷ کامیاب ہوئے۔ اس امتحان کے نصاب میں Rev. M Mitchell کی اطلاع کے مطابق " باغ و بہار " جس کا میں اپنے ہر خطبے میں عادتاً ذکر کرتا ہوں " اخلاق ہندی "

جو ہتوپدیش کا اردو ترجمہ ہے ' میر حسن کی مشہور مثنوی "سحرالبیان" اور دیوان ناسخ شامل تھے - لطف اللہ سورتی جن کی "خود نوشت سوانح عمری" بڑی مقبول ہوئی کہتے ہیں کہ ناسخ اردو زبان کے بہترین شعرا میں سے ہوا ہے-

Haileybury اور Addiscombe کی درس گاہوں کے بند ہونے سے میری دانست میں ہندوستانی زبان کے شوق مطالعہ کو کوئی صدمہ نہیں پہنچے گا - میں جس زمانہ میں اپنے درس پھر سے شروع کرتا ہوں اسی زمانہ میں ولوچ (Woolwich) کی فوجی اکاڈمی کے طلبہ بھی اپنا اردو کا درس شروع کرتے ہیں - اب ایسٹ انڈیا کمپنی کے مدرسہ کے طلبہ ولوچ کے مدرسہ میں داخل ہوتے ہیں - لیکن ان کی تعلیم دوسرے طلبہ سے مختلف ہے - چونکہ بعد میں ان کا ارادہ ہندوستان میں فوجی خدمات پر جانے کا ہوتا ہے اس لئے خاص طور پر ان کے لئے علحدہ استاد مقرر کئے جاتے ہیں جو انہیں اردو اور دوسری مشرقی زبانیں سکھاتے ہیں جن کی انہیں آئندہ زندگی میں ضرورت پڑےگی-

ایسٹ انڈیا ہاؤس کا کتب خانہ Board of Control (بورڈ آف کنٹرول) کی عمارتوں میں منتقل ہوچکا ہے - اس کتب خانے میں مشرقی علوم و ادب پر چوبیس ہزار کتابیں موجود ہیں - ان میں ۸ ہزار قلمی نسخے ہیں -

میرا خیال ہے کہ ان کتابوں میں اردو کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے جس میں مطبوعہ اور قلمی نسخے دونوں شامل ہیں - ان قلمی نسخوں میں قرآن کا وہ مشہور قلمی نسخہ بھی ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان (رض) کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے - یہ کوفی خط میں ہے - اس پر متعدد مشرقی بادشاہوں کے دستخط اور ان کی مہریں ثبت ہیں جس کی وجہ سے وہ ایک بے بہا اور نادر چیز سمجھی جاتی ہے- قرآن کی چند سورتیں حضرت علی(رض) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اس ذخیرۂ کتب میں ملتی ہیں - اس کے سرورق پر تیمور صاحب قراں کی مہر ثبت ہے اور شاہ جہاں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی چند سطریں ہیں - ان چند سطروں میں یہ تحریر ہے کہ اس نے ڈیرھ ہزار مہر میں اس نسخہ کو خریدا —

ایسٹ انڈیا ہاؤس کا عجائب گھر آج کل Fife House میں ہے جو Whitehall -Yard میں واقع ہے - اس میں جب داخل ہوتے ہیں تو پہلے کمرہ میں ولنگٹن ' کلایو ' ہیسٹنگز اور ان انگریزوں کے مجسمے نصب نظر آتے ہیں جنھوں نے تاریخ ہند میں کارہائے نمایاں کئے ہیں - یہاں ہر کمرے کی ایک خصوصیت ہے- ایک میں ہندوستان کی دھاتیں ہیں' ایک میں سونے چاندی کا کام ہے ' ایک میں ہیرے جواہرات

ہیں ، ایک میں ریشمی کپڑے اور زیورات ، اور ایک میں آلات کشاورزی و جہاز رانی ہیں - ان میں سب سے زیادہ دلچسپی اور بصیرت وہاں حاصل ہوتی ہے جہاں ہندوستان کے مختلف نسلوں کے لوگوں کے مجسمے رکھے ہیں- انہیں دیکھ کر ہندوستانیوں کے رسم و رواج کی نسبت معلومات میں اضافہ ہوتا ہے - اسی طرح ہندوستانی پرندوں اور مختلف قسم کے جانوروں کی نہایت متانت و احتیاط سے تقسیمیں کی گئی ہیں اور انہیں الگ الگ رکھا گیا ہے۔ مسترالیت کے پاس امراوتی کے سرمریں بتوں کے کچھ ٹکڑے تھے وہ بھی یہاں موجود ہیں - یہ بت بدھ مت کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہیں —

میں سمجھتا ہوں اس جگہ موقع نہیں کہ میں اس عالیشان عمارت کے متعلق کچھ کہوں جو وزیر ہند کے دفتر کے لئے بنائی گئی ہے - اس کا طرز تعمیر غیر گوتھکی اور خالص اطالوی ہے - آج کل ازمنۂ وسطیٰ کے طرز کو پروٹسٹنٹ ملکوں میں بھی پسندیدگی سے دیکھا جاتا ہے —

پھر سی میں بدستور ہندوستانی درسوں میں لوگ آتے ہیں - یہ سچ ہے کہ تعداد بہت زیادہ نہیں مگر جو آتے ہیں وہ عموماً اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہیں - میرے درسوں میں بیرونی ممالک کے مشہور لوگوں میں سے جو کبھی

تشریف لاکر مجھے سرفراز فرماتے ہیں' میں مسٹر پت رام روپ رام کا خاص طور پر ذکر کروں گا - یہ برہمن ہیں اور ساتھ ہی نہایت بامذاق آدمی ہیں - صوبۂ بمبئی میں انسپکٹر مدارس کے عہدہ پر ممتاز ہیں - موصوف قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے دیسی تعصبات کی مطلق پروا نہیں کی اور انگلستان کے انتظام تعلیم کی تحقیق کے لئے اتنی دور آئے ہندوستان جاتے ہوے وہ پیرس میں کچھہ دن ٹھیرے تھے - میں نے سنا ہے کہ جب وہ احمدآباد واپس پہنچے تو تعلیم یافتہ ہندوستانیوں اور اس شہر کے اعلیٰ یوروپین طبقے نے ان کے خیر مقدم میں ایک جلسہ منعقد کیا - اس جلسہ میں سفر سے واپسی کی مبارک باد دی گئی - ایک دیسی شاعر نے کہا کہ روپ رام کے سفر یورپ نے یہ ثابت کردیا کہ ہندو لوگوں کو سفر کرنے میں جو تین بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا یعنی اخراجات ' آب وہوا کی سختی اور اپنے دھرم اور رسوم کی پابندی نہ کرسکنے کا ڈر ' یہ تینوں دشواریاں ایسی نہیں جن پر قابو پانا انسانی امکان سے باہر ہو-

حضرات ! اس خطبے کا خاتمہ میں اس مبارک باد پر کرتا ہوں کہ ہندوستانی واقعی خوش نصیب ہیں - ملکہ نے ان کے لئے لارڈ کیننگ کا جانشین جن کا زمانۂ حکومت آئندہ ماہ مارچ میں ختم ہو رہا ہے ' لارڈ الجن کو منتخب کیا ہے -

لارڈ الجن بڑے مشہور مدبر ہیں- موصوف نہایت ہر دل عزیز ہیں اور ہر کوئی ان کی عزت کرتا ہے - موصوف کینڈا اور چین میں اپنی ذہانت اور اپنی بلند حوصلگی کا ثبوت دے چکے ہیں - اُن کے والد فنون لطیفہ کے بڑے قدر داں تھے انھوں نے برٹش میوزیم کو بعض نہایت قابل قدر تحفے عطا کئے- اگر موصوف نے انھیں سیلنٹ سیلنٹ کر نہ رکھا ہوتا تو ممکن تھا کہ ان میں سے بعض تباہ ہو جاتے- لارڈ الجن کی والدہ اپنے خلوص، تقوے اور فیاضی میں مشہور ہیں - موصوفہ کی اعلیٰ قابلیت اور علم دوستی کا انگلستان بھر میں چرچا ہے - مجھے اس بات کا فخر ہے کہ موصوفہ میرے کرم فرماؤں میں سے ہیں اور آج تک اُن کے الطاف کریمانہ میرے حافظے نے فراموش نہیں کئے - مجھے پوری توقع ہے کہ لارڈ الجن لارڈ بلننگ کی طرح ہندوستانیوں کے ساتھ دوستانہ برتاو کریں گے اور اپنے حسن انتظام اور عدل گستری سے اُن کے دلوں کو مسخر کرلیں گے- مجھے پوری توقع ہے کہ وہ اپنے زمانۂ قیام میں ہندوستانی لوگوں اور حکومت برطانیہ کے درمیان نہایت خوش گوار تعلقات قایم کر دیں گے جس کے سایۂ عاطفت میں زندگی بسر کرنا ان کے لئے تقدیر الٰہی معلوم ہوتی ہے —

بارھواں خطبہ

(یکم دسمبر سنہ ۱۸۶۲ ع)

حضرات! گزشتہ ایک سال میں ہندوستان جنت نشان کی زبان میں کافی ترقی ہوئی ہے - اس باب میں مستشرقین اور خود ہندوستان کے علماء و فضلاء نے بڑی جانفشانی کا ثبوت دیا - انھوں نے اردو کے مطالعہ کے لئے بعض سہولتیں بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ اس کے ادب میں بیش بہا نئے اضافے بھی کئے- بقول بلویر (Bulwer) " ادب ھی وہ سب سے بڑی آسمانی نعمت ھے جس کا شمار مذھب کے بعد ہونا چاھئیے — "

راجندر لال متر نے ہندوستان سے اردو کے نئے اخبارات و رسائل کے متعلق میرے لئے بعض معلومات بہم پہنچائی ھیں- میں پہلے اسی کی نسبت کچھ عرض کروں گا - دراصل مجھے میجر جیمس کا مرھون منت ہونا چاھئیے کہ ان کے ذریعہ سے راجندر لال متر کے ساتھ میرا غائبانہ تعارف ہوا - میں ذیل کی سطروں میں ان اخبارات و رسائل کے نام گناتا ہوں جن

کے متعلق پچھلے خطبات میں میں نے ذکر نہیں کیا —

(۱) جام جہاں نما - یہ ایک اردو کا اخبار ہے جو کلکتہ سے نکلنا شروع ہوا ہے - اس میں سوائے سرکاری یا انفرادی اعلانوں کے اور کچھ نہیں ہوتا - اسی نام کا ایک اخبار میرٹھ سے نکلا کرتا تھا جس کی نسبت میں اپنے ۲۹ نومبر سنہ ۱۸۵۳ع کے خطبہ میں ذکر کر چکا ہوں - میرٹھ والے اخبار میں ادبی رنگ غالب تھا - کلکتہ کا جام جہاں نما ٹائپ میں چھپتا ہے اور میرٹھ کا جام جہاں نما ہاتھ سے لکھ کر چھاپا جاتا تھا —

(۲) ایک اخبار بریلی سے نکلنا شروع ہوا ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ صرف روہیلکھنڈ کی خبریں ہوتی ہیں - اس کا نام " روہیلکھنڈ اخبار " ہے - یہ مہینے میں دوبار شایع ہوتا ہے اور چھوٹی تقطیع کے ۱۶ صفحوں پر مشتمل ہے —

(۳) بمبئی سے کشف الاخبار سنہ ۱۸۶۰ع سے نکلنا شروع ہوا ہے - یہ ہفتہ وار ہے اور ہر بدھ کے روز شائع ہوتا ہے - یہ چھوٹی تقطیع کے ۸ صفحوں پر مشتمل ہے - لکھنؤ کے منشی امان علی اس کے مدیر ہیں - ہر نمبر کے شروع میں ایک چھوٹی سی نظم ہوتی ہے جس میں اس نمبر کا پورا پروگرام لکھا ہوتا ہے —

(۴-۵) پنجاب گورنمنٹ کی ابتدائی تعلیم کی رپورٹ میں

ایک اخبار کا ذکر کیا گیا ہےجس کا نام "سرکاری اخبار" ہے - میں اس رپورٹ کی نسبت آگے چل کر پھر ذکر کرونگا- اس میں بتایا گیا ہےکہ پنجاب کے علاقے میں یہ اخبار بہت مقبول ہے- پنجاب کے وسیع صوبے کے دور دراز اضلاع میں اس کے ذریعہ سے سرکاری اعلانات وغیرہ پہنچتے رہتےہیں- ایک اور ماہوار اخبار ہے جو اٹاوہ سے نکلتا ہے، اس کا نام "محب رعایا" ہےمسٹر اے - ہیوم کی سرپرستی اور دیسی لوگوں کی ادارت میں یہ اخبار نکلتا ہے —

(۲) ان اخبارات کی فہرست کے ساتھ میں ایک مجموعۂ مضامین کا بھی ذکر کئے دیتا ہوں جو حال ہی میں گورنمنٹ کی طرف سےشائع ہونا شروع ہوا - اس کا نام "معلم العملہ" ہے۔ اس کا مقصد یہ ہےکہ سرکاری عملہ کےلئےضروری معلومات بہم پہنچائی جائیں - سدا سکھہ اس کے مولف ہیں- اس کا دوسرا نمبر مجھے ملا ہے - اس میں پان کی کاشت سررشتۂ تعلیم کے مسائل مالیات، ہندوستان کےجغرافیہ، رام چندر کی کہانی اور کتب خانے قایم کرنے کے طریقوں پر معلومات درج کی گئی ہیں —

میرے گزشتہ سال کے خطبے کے بعد اس سال کے دوران میں اردو زبان کی متعدد نئی کتابیں شائع ہوئی ہیں - ان سب کے ذکر میں طوالت ہوگی - البتہ ان میں جو اہم ہیں

ان کا یہاں ذکر کروں گا - ادبی لحاظ سے ان میں سب سے زیادہ اہم سودا کا انتخاب ہے۔ ناصر خاں نے یہ انتخاب شائع کرکے اردو داں پبلک پر بڑا احسان کیا ہے- سودا جدید اردو کا مشہور شاعر ہوا ہے لیکن باوجود اپنی شہرت کے اس کا کلام کس مپرسی میں پڑ گیا تھا - ایک اور دوسری کتاب کے متعلق میں پچھلے خطبے میں ذکر کر چکا ہوں - ایچ - اسٹورٹ ریڈ نے مجھے اس کا ایک نسخہ بھیجا ہے- * اس کتاب کا نام "منتخبات اردو " ہے - یہ انتخاب کریم الدین نے کیا ہے - موصوف وہی ہیں جنھوں نے میری کتاب " تاریخ ادب اردو " کا ترجمہ کیا ہے - منتخبات اردو کلکتہ یونیورسٹی کے نصاب کے لئے لکھی گئی ہے- اس میں الف لیلہ میں سے سندباد جہازی کا دلچسپ قصہ بھی لیا گیا ہے - اگرچہ الف لیلہ کے سب نسخوں میں یہ قصہ موجود نہیں ہے- تحفۂ اخوان الصفا کے بعض حصے بھی طبع ہوے ہیں - یہ کتاب تمثیلانہ رنگ میں لکھی گئی ہے- اس کا ترجمہ میں نے فرانسیسی میں کیا ہے جو آج کل "مجلۂ شرقی" (Revuexde Orient) میں شائع ہو رہا ہے- فردوسی کے شاہنامے کا اُسی بحر میں اردو ترجمہ کیا گیا ہے اور اس ترجمے کے ۹۰ صفحے ہیں - درد کی غزلوں کے اقتباسات ہیں - درد اردو

---

* مطبوعہ لکھنؤ - سنہ ۱۸۶۱ ع - پہلی جلد میں ۱۶۲ صفحے ہیں اور ہر صفحہ پر ۱۵ سطریں ہیں - دوسرا حصہ مجھے اب تک نہیں ملا —

زبان کے بہترین شاعروں میں سے ہوا ہے - گلستان اور اخلاق جلالی کے بھی اقتباسات ہیں ان کے علاوہ Pazuysah کی خود نوشت سوانح کے بعض حصے شائع ہوئے ہیں - اس رسالے میں اخلاق و فلسفہ کی تعلیم سے بحث کی گئی ہے اور اس میں یونانی خطابت کی جھلک پائی جاتی ہے - اس کا خلاصہ یہ ہے : اس قصہ کے ہیرو نے طبابت کو اپنا پیشہ اختیار کر لیا تاکہ اس کی وساطت سے خلق اللہ کی خدمت کر سکے - وہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے جس میں بعض اخلاقی باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے - چنانچہ وہ کہتا ہے "جو شخص خود اپنی روحانی زندگی کی پروا نہیں کرتا اور اپنی اولاد کی خاطر دولت جمع کرتا ہے اس کی مثال اس عود کی سی ہے جو خود جلکر دوسروں کو جو قریب بیٹھے ہوں خوشبو پہنچاتا ہے یا اس شمع کی سی ہے جو اس لئے جلتی ہے کہ ضیافت کے سب شرکاء تک اس کی روشنی پہنچ سکے-" بیٹے نے باپ کی نصیحت پر عمل کیا ' بلکہ اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا - اس نے اپنے نفس کو فلسفیانہ غور و فکر کا خوگر کر لیا - اسے یہ معلوم ہوگیا کہ واقعی دنیاوی جاہ و دولت بجلی کی چمک کی طرح بہت جلد غائب ہو جانے والی چیز ہے - اس کی مثال ایسی ہے جیسے ابر کا سایہ یا جیسے ایک خواب - چنانچہ ساری عمر اس نے مذہبی فلسفی کی زندگی بسر کی اور ہمیشہ

اس کو اس ابدی مسرت پر اعتقاد رہا جو نیکی کا نتیجہ ہوتی ہے —

ان نئی مطبوعات میں فارسی زبان کے ترجمے بھی شامل ہیں۔ ہندی میں بھی فارسی سے ایک ترجمہ ہوا ہے۔ بہاری لال نے گلستان کے آٹھویں باب کا ہندی میں ترجمہ کیا ہے - بعض ترجمے فارسی اور اردو میں ہیں اور بعض ہندی اور سنسکرت میں - آخر الذکر کی مثال "بھوج پر بندھ سار" - ہندی میں سنسکرت متن کی شرح دی گئی ہے۔ اسی طرح "بدھ ہر ودیا دیمن" کو پیش کیا جا سکتا ہے - شری لال نے سنسکرت اشلوکوں کی ہندی شرح لکھی ہے ۔ ان کے علاوہ 'منو دھرم سار" ہے ۔ یہ بھی ہندی اور سانسکرت دونوں میں ہے - اس میں منو کے قوانین کا نچوڑ پیش کیا گیا ہے - اسی سال کے دوران میں "خلاصۂ تواریخ" کا ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ یہ تاریخ غلام علی کی لکھی ہوئی ہے - اس میں ان اسلامی بادشاہوں کا ذکر ہے جو انگریزی حکومت کی ابتدا اور اس کے نشو و نما کے دوران میں ہندوستان میں ہوئے ہیں - اسی مصنف نے سلطان ٹیپو کے عہد کی تاریخ قلمبند کی ہے - وہ خود ٹیپو کے ہاں ملازمت کر چکا تھا - موسیو پال دے گوار دی کے پاس اس تاریخ کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے اور انہوں نے اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا ہے - موصوف پانڈی چری

میں جج کے عہدے پر ممتاز رہ چکے ہیں - آج کل ان کا قیام
شہر بایون (Bayonne) میں ہے صرف و نحو پر بھی اردو میں
متعدد کتابیں شائع ہوئی ہیں جن کی نسبت معلومات حاصل
کرنا مستشرقین یورپ کے لئے از بس ضروری ہے- مثال کے طور
پر " اردو مرتند " کو لیجئے پنڈت بنسی دھر نے اسے ہندی
زبان میں تالیف کیا ہے - پنڈت جی اس عہد کے ان مصنفین
میں سے ہیں جو ہر قسم کے موضوع پر قلم فرسائی کر سکتے ہیں
انہوں نے علم معیشت پر ایک کتاب لکھی ہے اور ایک جغرافیہ
پر لکھی ہے جس کا نام " بھوگول سار " رکھا ہے - ہندی میں
جغرافیہ کو "بھرت کھنڈ" کہتے ہیں- بابو شیو پرشاد نے ہندوستان
کا عام جغرافیہ لکھا ہے اور اسے ہندی اور اردو دونوں میں
شائع کیا ہے - اس جغرافیہ کے خلاصے کا نام "چھوٹا جام جہاں
نما" رکھا ہے 'متھرا پرشاد' نے Maun کی کتاب معلومات عامہ
(Lessons in Genearl Knowledge) کا ہندی ترجمہ شائع کیا ہے -

'تھامسن کالج' رڑکی کے مطبع کی ہندوستان میں وہی
حیثیت سمجھنی چاہئے جو انگلستان میں 'ایٹن' کے مطبع
کو حاصل ہے - اس مطبع سے ہندوستانیوں کے واسطے نہایت
کارآمد مطبوعات شائع ہوتی رہتی ہیں- یہ سچ ہے کہ یہ مطبوعات
ادبی نہیں ہیں - جہاں سے متعدد خطوط کے مجموعے شائع
ہو چکے ہیں جیسے 'دستور الارقام' (؟) - اسے منشی 'مہاں

جان ' نے ترتیب دیا ہے منشی ' میاں جان ' کے اشعار کا ذکر تذکروں میں موجود ہے - 'ن کا تخلص ' انیس ' ہے - میں نے ابھی جس بیاض کا ذکر کیا وہ دوسری انشا کی بیاضوں کی طرح نہیں جن میں تشبیہوں اور استعاروں کی بھر مار سے عجیب انداز تحریر اختیار کیا جاتا ہے اہل مشرق کو یہ انداز تحریر بہت پسند ہے - لیکن اس کے بالکل برخلاف اس بیاض میں ایسے خطوط کے نمونے درج کئے گئے ہیں جو کاروباری خطوط اور عرض داشتوں میں مستعمل ہوتے ہیں یہ مسٹر اسٹورٹ کی فارسی بیاض سے بہت کچھہ ملتی جلتی ہے- اسی سلسلہ میں ہم اس جغرافیہ کا بھی ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے جس میں ساگر کے زرخیز ضلع کے نقشے اردو اور دیوناگری دونوں رسوم خط میں درج کئے گئے ہیں - ان نقشوں کی ترتیب بھائی رام نے کی ہے - اس کے علاوہ ایک رسالہ کانوؤں کے خسرے تیار کرنے کے متعلق ہے- اس رسالے کو پنڈت رام پرشاد نے ترتیب دیا ہے اور اس میں کرنل بوالو کی بڑی حد تک تقلید کی ہے - ایک رسالہ سڑکیں تعمیر کرنے کے متعلق اور ایک رسالہ ڈاک بجلی کے نام سے تار برقی کے متعلق شائع ہوا ہے —

ان میں سے بعض کتابیں ایسی ہیں جن کا مطالعہ یورپین لوگوں کے لئے مفید ہوگا - مثلاً ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس

کا نام " آئینۂ اہل ہند " ہے۔ اس میں ہندوستان کے باشندوں کی صنعتوں اور ان کی رسوم سے بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب کے مصنف کا نام کرشن راؤ ہے۔ اس میں مصنف کی تصویر بھی ہے اور بعض مقامات پر عبارت کو واضح کرنے کے لئے بھی مثال کے طور پر تصاویر مندرج ہیں۔ یہ تصویریں حسن ذوق پر دال ہیں۔ میں اس وقت آپ کے سامنے اور دوسرے رسالوں کا ذکر نہیں کروں گا جو علم ریاضی، تعمیرات اور میکانک کے متعلق شائع ہوئے ہیں۔

چند ہفتے ہوئے مجھے اردو اور ہندی کتابوں کا ایک پارسل ہندوستان سے ملا ہے۔ یہ کتابیں میرے کرم فرما مسٹر آر۔ کسٹ نے بھیجی ہیں جو لاہور میں جوڈیشل کمشنر ہیں۔ میں نے ابھی جس شہر کا نام لیا یعنی لاہور وہ ایک تاریخی شہر ہے۔ اور مسٹر ایچ تھارنٹن نے اس شہر کی تاریخ پر ایک نہایت دلچسپ مضمون لکھا ہے۔ مسٹر تھارنٹن سول سروس کے آدمی ہیں۔ ان کتابوں میں ایک " بیتال پچیسی " ہے۔ اسے " بکرم ولاس " بھی کہتے ہیں۔ یہ لاہور میں طبع ہوئی ہے اور اس میں نہایت خوبصورت تصاویر ہیں۔ ایک کتاب " سبھاولاس " (لطف معاشرت) ہے۔ اس قسم کے نام دراصل ہندی میں بہت عام ہیں۔ مگر یہ کتاب جو مجھے بھیجی گئی ہے ہندی اشعار کے انتخاب پر مشتمل

ہے - ایک کتاب " تشریح ظہوری" ہے- اس میں ملاّ ظہوری کی "سہ نثر" کو اردو میں پیش کیا ہے- سہ نثر ظہوری کتاب "نورس" کا دیباچہ ہے جو تین ابواب پر مشتمل ہے " نورس" بیجاپور کے سلطان ابراہیم شاہ کی مشہور نظم ہے - ایک " تعزیرات ہند" کا نسخہ ہے - یہ لاہور کا چھپا ہوا ہے - انگریزی سے یہ ترجمہ نہایت سلیقہ کے ساتھ کیا گیا ہے - اس کا انداز تحریر قریب الفہم اور موضوع کے عین مناسب ہے مسٹر ایچ- ایس ریڈ نے اس ترجمہ میں بڑے اہتمام سے کام لیا ہے - موصوف ہندوستان کی مروج و مقبول زبان اردو کے بڑے پر جوش حامیوں میں ہیں - ایک نسخہ ضابطۂ فوجداری کا اردو ترجمہ ہے - یہ ترجمہ الہ آباد سے سنہ ۱۸۶۲ ع میں شائع کیا گیا - اس میں چھوٹی تقطیع کے ۱۱۴ صفحے ہیں —

ان کتابوں میں جو مجھے بھیجی گئی ہیں بعض فلسفیانہ مباحث سے متعلق ہیں - مثلاً " سدھانتا سنگرہا " جو قدیم نیایا فلسفہ کے اصول پر لکھی گئی ہے ؛ " اپدیش پشپوت " اردو کی کتاب " گلدستۂ اخلاق " کا ہندی ترجمہ ہے —

ان کتابوں میں ہندی کی ایک کتاب " شدھ درشن دریپن" کو اہمیت حاصل ہے - اس کتاب میں ہندوؤں کے فلسفہ کے چھ ضابطوں کو بیان کیا گیا ہے اس کے مصنف نیمیا نولا کنتھہ شاستری گور ہیں - آپ بنارس کے ایک مشہور

پنڈت ہیں اور اب آپ نے مسیحی مذہب قبول کرلیا ہے - جیسا کہ ان کے نام کے پہلے جزو سے ظاہر ہوتا ہے- یہ کتاب دو جلدوں میں ہے - ایڈورڈ فٹز ہال جو ہندی علوم کے بڑے ماہر ہیں' اس کتاب کی بہت تعریف کرتے ہیں موصوف کے نام سے سنسکرت کی متعدد تصنیفات شائع ہو چکی ہیں - آج کل آپ لندن کے کنگز کالج میں اُردو کے پروفیسر ہیں - مسٹر ڈنکن فوربس کی علحدگی کے بعد آپ نے اس خدمت کو منظور فرمایا ہے - آپ نے اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اور بعض بعض مقامات پر رد و بدل بھی کیا ہے اور حواشی درج کئے ہیں - یہ ترجمہ ایک جلد میں ہے - اِسی سال کلکتہ میں طبع ہوا ہے اور اس کا نام A Rational Refutation of the Hindu Philosophical Systems (یعنےہندو نظام فلسفہ کی عقلی تردید) ہے —

انگریزی سے ترجموں کی تعداد آے دن بڑھتی جاتی ہے - اس جگہہ میں صرف چند کی نسبت ذکر کروں گا- ٹاڈ کی کتاب " Hints of Self-improvement " کا اردو میں ترجمہ ہوا ہے اوراس کا نام "تعلیم النفس' رکھا گیا ہے- ہندی میں بھی اس کتاب کا اصل سے ترجمہ ہوا ہے اور اس ہندی ترجمہ کا نام " سکشا منجری" ہے- ' شیو پرشاد' نے ' منی بھلاؤ' کے نام سے ایک کتاب ہندی میں شائع کی ہے اس میں انگریزی

نثر اور نظم دونوں کے ترجمے ہیں —

روبنسن کروسو کے دلچسپ قصے کا اردو ترجمہ پہلے ہی ہو چکا ہے - یہ کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ دنیا کی تقریباً ساری زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا ہے - پنڈت بدری لال نے اس کا ہندی میں ترجمہ کیا ہے اور حال ہی میں بنارس میں یہ کتاب طبع ہوئی ہے - یہ کتاب نہایت ضخیم ہے اور اس میں جابجا تصاویر بھی ہیں —

" دستور المعاش " کا اس سال دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے - ڈبلن کے لاٹ پادری (Arch-bishop) ڈاکٹر وھاتیلے جو ہمارے ' انسٹیٹیوٹ ' کے ارکان میں سے ہیں ان کی کتاب "معاشی حالات" (MoneyMatters) میں تھوڑی بہت تبدیلی کے بعد جے - پی ' لوڈ لی ' نے اس کتاب کو ترتیب دیا ہے - پنڈت بنسی دھر نے اسی کتاب کو ہندی جامہ پہنایا ہے - موصوف ان لوگوں میں ہیں جو کام کے آگے تھکنے کا نام نہیں جانتے —

میرے نزدیک ان سب نئی کتابوں میں " سراپا سخن " ایک نہایت اہم کتاب ہے - مسٹر دنز ' ایڈورڈ ھال ' کی عنایت سے مجھے اس کا ایک نسخہ مل گیا ہے - یہ ایک تذکرہ ہے - اور یہ نہایت وسیع زمانے پر حاوی ہے - غالباً اودہ کے آخری تاجدار کے تذکرے کے بعد اس کا نمبر دوسرا ہے - اس میں بڑی محنت اور دیدہ ریزی کے ساتھ پانچ ہزار نثر و نظم لکھنے والوں

کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں مگر سنہ ۱۸۵۷ ع کی شورش کے دوران میں معلوم ہوتا ہے اس کے سب نسخے ضائع ہوگئے تھے اور اب وہ ایک نایاب چیزوں میں سے ہے - "سراپا سخن" میں جو حالات جمع کئے گئے ہیں وہ سنہ ۱۸۵۲ ع تک آکر ختم ہو جاتے ہیں - یہ تذکرہ گزشتہ سال پہلی مرتبہ لکھنؤ میں طبع ہوا اور آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے اور سات سو سے زاید مصنفوں کے حالات اس میں موجود ہیں - جن میں سے اکثر ہم عصر ہیں - آپ یہ دیکھیں گے کہ اکثر تذکروں میں ان میں سے بہت سے شعرا کا کوئی حال نہیں ملتا ہے - اس تذکرے میں خاص کر کے 'لکھنؤ' اور صوبۂ اودھ کے شعرا کا حال بڑی تفصیل سے ملتا ہے - اس واسطے کہ اس کے مصنف کا وطن لکھنؤ ہے اور یہاں کے متعلق اسے کافی واقفیت حاصل ہے - اودھ میں مصنفوں اور بالخصوص شعرا کی بڑی کثرت ہے - اودھ کے آخری تاجدار واجد علی شاہ کے دربار سے چار سو شعرا کو تنخواہیں ملتی تھیں اور واجد علی شاہ خود بھی شاعر تھے -

اس تذکرے کے مصنف کا نام محسن ہے - یہ حقیقت کے بیٹے اور وزیر * کے پوتے ہیں - محسن کے باپ اور دادا دونوں

* مصنف کو غلط فہمی ہوئی ہے محسن وزیر کے پوتے نہیں تھے بلکہ ان سے کسی قسم کا رشتہ بھی نہ تھا - البتہ وہ وزیر کے شاگرد تھے اور اس کا ذکر خود انھوں نے اپنے تذکرے میں کیا ہے - ان کے دادا کا نام عرب شاہ تھا - رشک اور عشق ان کے

(بقیہ حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

اردو کے مشہور شاعروں میں سے ہوئے ہیں- محسن کے خاندان کے دو بزرگوں ' رشک اور عشقی نے ان کی پرورش کی تھی - رشک بھی شعر کہتے تھے اور عشقی نے شعرائے اردو کا ایک تذکرہ لکھا ہے - ' محسن ' نے اپنا تذکرہ دراصل عشقی ہی کے کہنے پر لکھنا شروع کیا تھا - اس تذکرہ کو لکھتے وقت اس کے پیش نظر پندرہ دوسرے تذکرے تھے اور جیسا کہ اس نے اپنے تذکرے کے دیباچے میں لکھا ہے' اس نے سیکڑوں دیوانوں اور بیاضوں کی مدد سے اپنے کام کی تکمیل کی - چنانچہ انہیں دیوانوں اور بیاضوں میں سے اس نے تقریباً ۶ ہزار اشعار اپنے تذکرہ میں نقل کئے ہیں - دوسروں کے اشعار کے ساتھ ساتھ خود اپنے اشعار بھی نقل کئے ہیں اس واسطے کہ محسن خود اعلیٰ درجے کے شاعروں میں ہیں- اپنے تذکرے کے دیباچے میں محسن نے انگریزی حکومت کی بہت کچھ مدح سرائی کی ہے جس کے سایۂ عاطفت میں پھر سے ہندوستان میں علم وفن اپنی پوری بہار پر ہیں اور ساری مخلوق امن و عافیت کے ساتھ اپنے اپنے مشاغل میں مصروف کار ہے -

---

خانداں کے بزرگ نہ تھے - عشقی ان کے دوست تھے اور رشک سے ان کو تلمذ تھا - ان کو رشک، اور وزیر دونوں کی شاگردی کا فخر حاصل تھا - مولف خطبات کو ان صاحبوں کے تعلقات کے سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے - (عبدالحق)

محسن کا تذکرہ اور دوسرے تذکروں کی طرح بے مزہ نہیں ہے - اور دوسرے تذکروں کی طرح اس کا ہر باب منتخب کلام کا بے ترتیب انبار نہیں جن میں اگر کوئی ترتیب ہوتی ہے تو وہ محض ردیف کی لیکن اس تذکرے میں مضامین کے اعتبار سے اشعار کا انتخاب کیا گیا ہے- اور جس شاعر کے وہ اشعار ہیں اس کی زندگی کے مختصر حالات درج کئے ہیں - اس تذکرے میں یہ خوبی ہے کہ مضمون کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف شعرا کا کلام جمع کیا گیا ہے - چنانچہ سر، بال، چہرہ ، پیشانی، آنکھیں ، ناک ، رخسار ، منہ ، ہونٹ ، دانت ، زبان ، ٹھڈی، کان ، گردن ، شانے ، ہاتھ ، انگلیاں ، ناخن ، پاؤں ، دل ، اور روح وغیرہ پر الگ الگ اشعار نقل کئے گئے ہیں- اگر کسی باب میں سر کا ذکر ہے تو اس باب کا خاتمہ لفظ " سر " پر ہوگا اور اگر کسی باب میں بالوں کا ذکر ہے تو اس کا خاتمہ لفظ "مو" پر ہوگا - اسی طرح ہر باب میں یہی التزام کیا ہے- یہ سب اشعار غزلوں کے ہیں- غزل میں عشق مجازی اور عشق حقیقی دونوں ملے جلے ہوتے ہیں- مشرقی شعراء کے ہاں عورت کی شخصیت خدا کا پرتو ہوتی ہے اور کبھی کبھی وہ ان دونوں کو اپنے بے تکے تخیل سے ایک دوسرے میں ضم کر دیتے ہیں - ٹینیسن نے جو آج کل انگلستان کا سب سے بڑا شاعر ہے کس خوبی سے اس مضمون کو باندھا ہے - وہ کہتا ہے —

تجھے مشکل ہی سے خاکی کہا جاسکتا ہے اور نہ تو پورے طور پر ملکوتی ہی ہے - تیرے حسن کو الفاظ کے توسط سے نہیں ظاہر کیا جاسکتا ' تیرے عنبرین لہلہاتے ہوئے بال * اس کنول کے پھول کے مثل ہیں جن میں سے ہوکر سورج غروب ہوتے وقت جھانکتا ہے —

ان سیکڑوں مصنفوں میں جن کا اس تذکرہ میں ذکر ہے سب کے سب شاعر ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ غالباً ان میں بہت تھوڑے ایسے ہیں جنھیں صحیح معنوں میں شاعر کہا جاسکتا ہے - ان میں بیشتر تک بندی کرتے ہیں - ان کی شاعری ہمارے لئے زیادہ دلچسپی کا باعث نہیں - قدیم یونانی شاعر کالی ماک کا قول ہے کہ " خدائے شعر کا دیدار ہر کس و ناکس کو میسر نہیں آسکتا " —

سراپا سخن سے مجھے بعض ایسی تصانیف کا علم ہوا ہے جن کے متعلق شاید مجھے کہیں اور معلومات نہ ملتیں - مثلاً بعض ایسے دیوان اور تذکرے ہیں جن کا ذکر اس میں موجود ہے اور مجھے پہلی مرتبہ اس کتاب کے ذریعے سے ان کا علم ہوا - جب میں نے اپنی کتاب " تاریخ ادب ہندی

---

* میں نے لفظ (Flaxen کے بجائے Amber) کردیا ہے اس واسطے کہ اہل مشرق عورت کے بالوں کو عنبر سے تشبیہ دیتے ہیں - اس میں رنگ اور خوشبو دونوں کی مناسبت کا خیال پیش نظر ہوتا ہے —

واردو" سنه ۱۸۲۹ء میں شائع کی تھی تو اس وقت ان دیوانوں اور تذکروں سے میں قطعاً لاعلم تھا - اس وقت صرف سات تذکروں کی مدد سے میں نے اپنی کتاب کی تکمیل کی - آج میرے علم میں ۳۴ تذکرے ہیں اور یقیناً ان کے علاوہ بھی اور ہوں گے جن تک میری دسترس نہیں ہوئی چنانچہ آج میرے پاس بہت کافی مواد موجود ہے جسے میں اپنی کتاب کی تکمیل کے لئے استعمال کرسکتا ہوں —

سراپا سخن کے علاوہ جس میں ادب اردو کی تاریخ کے لئے بہت مواد موجود ہے میرے پرانے شاگرد مسٹر جے - ان - کارتر نے ایک اور کتاب بھیجی ہے جو مرہٹی زبان میں ہے - مگر اس میں ہندی کے چوٹی کے شاعروں کا حال مفصل موجود ہے - یہ کتاب سنسکرت اور دوسرے ماخذوں کی خوشہ چینی کے بعد لکھی گئی ہے * - میں افسوس کے ساتھ آج آپ صاحبوں کو یہ خبر سناتا ہوں کہ مسٹر جے - ان - کارتر کا حال ہی میں انتقال ہوگیا - موصوف بمبئی کی ایشیاٹک سوسائٹی کے سکریٹری تھے - موصوف نے از راہ عنایت جو مرہٹی کی کتاب بھیجی ہے اس میں ۳۴ شعرا کا حال موجود ہے - ان میں سے ۳۰ شاعر ایسے ہیں جن کی نسبت میرے پاس پہلے کوئی معلومات موجود نہیں تھیں

* "کوی چرتر" مصنفہ جنارد ن رام چندر جی- مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۸۶۰ع

یوروپین جماعتوں کی طرف سے اردو زبان کی مطبوعات میں " Calcutta Religious Tract Society " کی متعدد شائع کردہ کتابیں قابل ذکر ہیں - ان میں بعض کی نسبت میں یہاں ذکر کرتا ہوں - (۱) مسیحیت اور اسلام کا موازنہ (۲) بعض اشخاص کے مسیحیت قبول کرنے کا بیان (۳) پھامنی اور کرن کا قصہ، وغیرہ —

پادری اون صاحب (Rev. Owen) نے شورش عظیم سے پہلے انجیل مقدس کی تفسیر اردو زبان میں مکمل کرلی تھی - شورش کے دوران میں ان کی اور دوسری کتابوں کے ساتھہ یہ بھی ضائع ہوگئی - چنانچہ موصوف نے اسے پھر از سر نو لکھنا شروع کیا - اب عنقریب وہ شائع ہونے والی ہے - ہمیں یہ سن کر تعجب ہوا کہ ایک مسلمان عالم سید احمد * غازی پوری انجیل مقدس کی تفسیر اسلامی نقطۂ نظر سے لکھہ رہے ہیں - انہوں نے اپنے ذاتی مطبع میں اس کی چھپائی کا انتظام بھی کرلیا ہے - یہ کتاب قسط وار چھپے گی - اور رسالے کی صورت میں صفحہ کے ایک طرف انگریزی ہوگی اور دوسری طرف اردو ترجمہ اور تفسیر کا ہر رسالہ ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہوگا - ہندوستانیوں کی

---

* اس سے مراد سر سید احمد خاں ہیں جو اس زمانے میں غازی پور میں تھے (عبدالحق)-

اس قسم کی کوششیں ہمیں یورپی تاریخ کے اس زمانہ کی یاد دلاتی ہیں جب کہ مسیحیت کے سیلاب کے سامنے یونانی اور رومی مذہبی رسوم پاش پاش ہورہی تھیں اور مقابلہ کی تاب نہیں لاسکتی تھیں —

مسٹر ڈنکن فوربس نے اپنی اردو لغت کا دوسرا ایڈیشن شایع کردیا ہے۔ اس ایڈیشن میں اردو کے الفاظ کو دیوناگری خط میں بھی لکھہ دیا ہے - انھوں نے یہ کام کمال احتیاط اور دیدہ ریزی کے ساتھہ کیا ہے جب ہندی الفاظ فارسی رسم خط میں لکھے جاتے ہیں تو ان کی ہیئت ایسی بدل جاتی ہے کہ انھیں بعض اوقات پہچاننا دشوار ہوجاتا ہے نیز موصوف نے "باغ و بہار" کا چوتھا ایڈیشن فارسی رسم خط میں نکالا ہے۔ (نسولیس Nassau Lees) کے مشورے کے مطابق اس کتاب کے بعض ایسے ٹکڑوں کو خارج کردیا ہے جو ذوق سلیم کی نظر میں کھٹکتے تھے * —

"باغ و بہار" کے وہ ایڈیشن جو لاطینی رسم خط میں

---

* بہت اچھا ہوا اگر موصوف اپنے معاون کار 'چارلس ریو' کی مدد سے "اخوان الصفا" کا بھی اسی طرح ایک ایڈیشن شائع کریں اور اس میں سے بعض حصوں کو خارج کردیں۔ میری رائے میں صفحہ ۱۸ پر جہاں غیر فطری عشق و محبت کا ذکر ہے اسے ضرور خارج کردینا چاہئے - بد قسمتی سے یہ خیال اہل مشرق کے ہاں بہت عام ہے —

شایع ہوے ہیں ہاتھوں ہاتھ بک رہے ہیں - سنہ ۱۸۳۶ء میں ایک پرتگالی پی- ایس- دی روزا ریو نے اس کا ایک ایڈیشن ہندوستان کے دارالسلطنت کلکتہ میں طبع کرایا تھا - موصوف نے ایک لغت بھی لکھی ہے جس میں انگریزی الفاظ کے معنی اردو اور بنگالی میں درج کئے ہیں- افسوس ہے کہ موصوف کا حال ہی میں کلکتہ میں انتقال ہو گیا - مونیر ولیمس نے چارلس تریولین کی فرمائش پر "باغ و بہار" کے اسی ایڈیشن کو تھوڑی بہت تبدیلیوں کے ساتھ دوبارہ طبع کرایا ہے - مجھے بھی ہندوستانیوں کی طرح بڑی مسرت ہے کہ سر چارلس ٹریولین پھر دوبارہ ہندوستان تشریف لے گئے ہیں - ڈنکن فوربس نے بھی لاطینی رسم خط میں اُردو کے پہلو بہ پہلو اس کا ایک ایڈیشن نکالا ہے - اس سے پہلے ایڈیشن کی طرح اس میں بھی متن کے مشکل الفاظ کی تشریح کی ہے —

"باغ و بہار" کی نسبت میں اپنے سنہ ۱۸۵۳ء کے خطبے میں ذکر کر چکا ہوں - اس جگہ پھر ایک امر کی جانب اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو پہلے بھی عرض کر چکا ہوں- وہ یہ ہے کہ اسلامی قصوں میں آپ ہمیشہ دیکھیں گے کہ تبلیغ اسلام کی جانب کسی نہ کسی پیرایہ میں ضرور اشارہ کیا جاتا ہے - اور غنائی شاعری، تصوف، عشق مجازی اور ہمہ اوست کے مسائل سے آگے نہیں بڑھتی - قصوں میں اسلامی

عقاید ابتدائی نوعیت کے ساتھہ پیش کئے جاتے ھیں اور اسلام کی جانب غیر مسلموں کو نہایت موثر انداز میں رجوع کیا جاتا ھے۔ مثلاً باغ و بہار میں جہاں بصرا کے تاجر کا ذکر ھے کہ اسے کیوں کر دختر وزیر کی وساطت سے مصائب سے نجات ملتی ھے، تو وھاں یہ بھی بتایا گیا ھے کہ تاجر دوگانہ شکرانے کا رو بقبلہ ھو کر پڑھنے لگا - وزیر کی لڑکی یہ حرکات و سکنات دیکھہ کر متعجب ھوتی ھے اور اس تاجر سے دریافت کرتی ھے کہ وہ یہ کیا کر رھا ھے؟ تاجر جواب دیتا ھے: "جس خالق نے ساری خلقت کو پیدا کیا اور تجھہ سی محبوبہ سے میری خدمت کروائی اور تیرے دل کو مجھہ پر مہربان کیا اور اوسے زندان سے خلاص کروایا، اس کی ذات لاشریک ھے، اس کی میں نے عبادت کی اور بندگی بجا لایا اور ادائے شکر کیا - یہ بات سن کر کہنے لگی، تم مسلمان ھو؟ - میں نے کہا شکر الحمدللہ - بولی میرا دل تمہاری باتوں سے خوش ھوا میرے تئیں بھی سکھاؤ اور کلمہ پڑھاؤ - میں نے دل میں کہا الحمدللہ کہ یہ ھمارے دین کی شریک ھوئی- غرض میں نے لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ پڑھا، اور اس سے پڑھوایا"۔

ایک اور جگہ بصرے کے تاجر کا اسی طرح ذکر ھے اس کے بھائیوں نے قتل کرنے کی نیت کی تھی - وہ جب بے ھوشی سے ھشیار ھوا تو سر اندیپ کی شہزادی اور اس کی خواصیں

اس کے چاروں طرف جمع تھیں- شہزادی مہربانی سے بولی:" اے عجمی! خاطر جمع رکھہ، کڑہ مت، اگرچہ کسو ظالم نے تیرا یہ احوال کیا لیکن بڑے بت نے مجھہ کو تجھہ پر مہربان کیا ہے"- اس پر تاجر نے پکے مسلمان کی حیثیت سے کہا:- " قسم اُس خدا کی جو واحد اور لاشریک ہے"- کچھہ دنوں ایسا اتفاق ہوا کہ شہزادی نے تاجر کو نماز پڑھتے دیکھا اور اس سے پوچھنے لگی: —

" اے جاہل! ہمارے بڑے بت میں کیا برائی دیکھی جو غائب خدا کی پرستش کرنے لگا؟ میں نے کہا انصاف شرط ہے، ٹک غور فرمائیے کہ بندگی کے لایق وہ خدا ہے جس نے ایک قطرے پانی سے تم سار کا محبوب پیدا کیا، اور یہ حسن و جمال دیا کہ ایک آن میں ہزاروں انسان کے دل کو دیوانہ کر ڈالو بت کیا چیز ہے کہ کوئی اس کی پوجا کرے؟ ایک پتھر سنگ تراشوں نے گھڑکر صورت بنائی اور دام احمقوں کے واسطے بچھایا- جن کو شیطان نے ورغلایا ہے وے مصنوع کو صانع جانتے ہیں- جسے اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں اُس کے آگے سر جھکاتے ہیں- اور ہم مسلمان ہیں جس نے ہمیں بنایا ہے ہم اسے مانتے ہیں، اُن کے واسطے دوزخ، ہمارے لئے بہشت بنایا ہے- اگر بادشاہزادی ایمان خدا پر لاوے، تب اس کا مزا پاوے، اور حق و باطل میں فرق کرے اور اپنے اعتقاد کو غلط سمجھے"-

اس ضمن میں میں یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلامی کتب عقاید و تفاسیر کے متعلق مسیحی دینیات کے علماء کو پوری واقفیت رکھنی ضرور ہے - ہمیں چاہئے کہ ان بیانات کو جو انجیل اور مسیحیت کے متعلق اسلامی عقاید میں ملتے ہیں بیہودہ سمجھ کر ٹھکرا نہ دیں در اصل ان میں ہمیں بہت ساری یہودی اور نصرانی روایات ملیں گی - میں اس باب میں مسٹر راڈول کا ہم خیال ہوں جنہوں نے حال ہی میں قرآن کا انگریزی ترجمہ کیا ہے، کہ قرآن اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بدولت جو تغیرات پیدا ہوئے انہیں فی الحقیقت دنیا کی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت حاصل ہے - لوگوں کو اس بات کا علم نہیں کہ قرآن کا بیشتر حصہ ان روایات پر مشتمل ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے اور ان کے ملک میں مشہور تھیں- توریت کی تالمودی اور یہودی روایات اور وہ قصے جو عرب و شام کے یہودیوں اور عیسائیوں میں مشہور تھے قرآن میں تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ موجود ہیں - اس کے علاوہ جعلی انجیلوں کے بیانات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآن میں شامل کرلئے - بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ان جعلی انجیلوں کا علم تھا - انہیں در اصل مسیحی مذہب کی دیو مالا سے زیادہ وقعت نہ دینی چاہیے تھی مگر

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تخیل کو یہ مبالغہ آمیز قصے ایسے پسند آے کہ انھوں نے انھیں سچ جان کر قابل قبول سمجھہ لیا - میرا خیال ہے کہ باوجود ان تمام باتوں کے ہمیں قرآن کو قطعی طور پر جھوٹ نہیں سمجھنا چاہئے - تاریکیوں میں بھی کہیں نہ کہیں روشنی کی جھلک موجود ہوتی ہے - سیل اور روتول کی طرح میں بھی سینٹ آگستن کے اس مقولہ کا قائل ہوں کہ " دنیا میں کوئی ایسا جھوٹا عقیدہ نہیں جس کی تہ میں تھوڑا بہت سچ نہ موجود ہو" * —

قرآن بھی ہمارے حواریوں (Saints) کی کتابوں کے مثل آیات پر مشتمل ہے - پھر آیات کی بھی دو قسمیں ہیں - محکمات اور متشابہات - مجھے یہ تقسیم بہت پسند آئی - کیا اچھا ہو اگر توریت و انجیل کے لئے بھی اس تقسیم کو اختیار کر لیا جاے - خاص کر انجیل کے متعلق اگر ہم یہ تقسیم قبول کر لیں تو بہت آسانی ہو جاے - انجیل میں بعض جملے ایسے ہیں (خوش قسمتی سے ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے) جنھیں انسانی عقل و فہم سمجھنے سے قاصر ہے اور ان کی کوئی معقول تاویل بھی ممکن نہیں - وہ کٹر عیسائی جو انجیل کو الہامی کتاب سمجھتے ہیں ان جملوں کو پڑھ کر بڑے سٹ پٹاے ہیں - ہمارے نزدیک یہ بہت اچھا

* Quæstiones evangelicæ, xl, 40

ہو اگر ہم کھلم کھلا کہہ دیں کہ ہم ان جملوں کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہیں اس لئے کہ وہ بے معنی ہیں - یا تو یہ ہے کہ ہمارا علم اس قدر محدود ہے کہ ہم ان مخصوص مطالب کو نہیں سمجھ سکتے یا یہ کہ بعد کے تصرفات یا ابتدائی انجیل نویسوں کی غلط نقل کی وجہ سے بعض مبہم جملے انجیل کے متن میں شامل ہو گئے اور بعد میں آنے والوں نے انجیل کے احترام و تعظیم کی خاطر کوئی تبدیلی کرنا گوارا نہ کی - میرے خیال میں یہ بہتر ہوگا اگر ہم صرف آیات بینات کو شمع ہدایت بنائیں - یہ بھی ضرور نہیں کہ مہمل جملوں کو خواہ مخواہ معنے پہنائے جائیں - ممکن ہے کہ خدا کو یہی ملحوظ ہو کہ وہ اسی طرح رہیں - بہر حال ہمیں اس باب میں سینٹ پال کے مقولہ کو یاد رکھنا چاہیے کہ " لفظ باعث ہلاکت ہوتا ہے مگر لفظ کی روح (یعنی اس کا اصلی منشا) زندگی عطا کرتا ہے " —

بہر حال مسیحی مبلغین کے لئے یہ از بس ضروری ہے کہ وہ قرآن کا مطالعہ کریں اگر واقعی وہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی طرف راغب کرنا چاہتے ہیں - ورنہ مسلمانوں کو مسیحی تعلیمات کی جانب متوجہ کرنا بہت دشوار ہے - قرآن میں انجیل و توریت کے الہامی کتابیں ہونے کے متعلق بہت ساری آیتیں ملتی ہیں - خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان دونوں

کتابوں کی صداقت کو تسلیم کیا ھے - ولیم میور نے جن کی کتاب " حیات محمد " (صلی اللہ علیہ وسلم) آج کل بڑی مقبول ہو رہی ھے، قرآن کی ان سب آیتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ھے جن میں انجیل و توریت کے آسمانی کتابیں ہونے کے متعلق تصدیق ہوتی ھے - * وہ لوگ جو اس مضمون سے بے خبر ھیں انہیں یہ دیکھہ کر بہت تعجب ہوگا کہ قرآن نے بارہا توریت و انجیل کی صداقت تسلیم کی ھے —

اب ہم پھر ہندوستان کی جانب رجوع کرتے ھیں —

مجھے کپتان فلر کی مرتب کردہ رپورٹ کا ایک نسخہ حال ہی میں ملا ھے - اس میں پنجاب کے سررشتۂ تعلیم کے متعلق پوری معلومات جمع کر دی گئی ھیں - اس رپورٹ سے ہمیں معلوم ہوتا ھے کہ سنہ ۱۸۶۰ - ۱۸۶۱ ع میں ۳۷ ہزار، ۲ سو ۸۰ طالب علم اُردو زبان میں تحصیل علم کرنے میں مشغول ھیں- اور اُردو کی صرف و نحو کی تعلیم باقاعدہ دی جاتی ھے - اور فارسی سے زیادہ زور اردو کی صرف و نحو پر دیا جاتا ھے - فارسی زبان کا میں نے مقابلتاً اس لئے ذکر کیا کہ ہندوستانی لوگ اور خصوصاً ہندوستانی مسلمان فارسی زبان کو بہت عزیز رکھتے ھیں اور اسے اپنی کلاسک زبان

---

* The Testimony borne by the Coran on the Jewish and Christian Scriptures. Agra, 1856.

خیال کرتے ہیں اسی طرح تحصیلی مدارس میں ہندو اور مسلمان طلبا کی کل تعداد چھ ہزار تین سو ہے - اس میں سے ۴ ہزار تین سو طالب علم اُردو زبان پڑھتے ہیں اور صرف ۲ ہزار دو سو چونتیس طلبا فارسی پڑھتے ہیں - دیہاتی مدارس کا بھی یہی حال ہے - کل طلبہ کی تعداد ۲۲۱۶۵ ہے اس میں سے ۲۱۱۹۰ اردو پڑھنے والے ہیں اور ۱۶۲۳۷ فارسی پڑھنے والے - نارمل اسکولوں میں جہاں اُستادوں کی تعلیم ہوتی ہے طالب علموں کی کل تعداد ۴۵۱ ہے - اس میں سے ۴۱۹ اردو پڑھتے ہیں اور صرف ۵۲ ہندی پڑھتے ہیں- اور فارسی پڑھنے والوں کی تعداد ۳۹۳ ہے اضلاع کے مدارس میں طلبا کی تعداد ۲۲۱۹ ہے - اس میں سے ۱۸۴۹ اُردو پڑھنے والے اور ۴۷۲ فارسی پڑھنے والے ہیں —

ہندوستانی مدارس میں انجیل پڑھانے میں اب کوئی دشواری نہیں ہوتی- چنانچہ بنگال کے ایک ہندو اخبار میں اس مسئلہ کی نسبت ان الفاظ میں اظہار خیال کیا گیا ہے :-

” جس طرح نیشکر کی ہر پور میں جڑ سے چوٹی تک رس بھرا ہوتا ہے اسی طرح انجیل کے ہر حصے میں تعلیم کے جواہر ریزے پنہاں ہیں “ —

صوبہ شمال مغربی کی حکومت قابل مبارک باد ہے کہ اس نے دیسی لوگوں کی تعلیم کی طرف خاص شغف ظاہر کیا - اس صوبے کے مدارس میں محض انگریزی زبان اور یورپی

علوم ہی کی طرف توجہ نہیں کی گئی ہے بلکہ خود دیسی لوگوں کی زبان اور ان کے علوم کا بھی خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا ہے - چنانچہ حکومت کی سرپرستی میں سنسکرت کی کتابوں کے ہندی میں ترجمے کرائے گئے ہیں - ان ترجمہ کرنے والوں کی یہ کوشش ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سنسکرت کے اصلی الفاظ اور محاوروں کو ہندی ترجمے میں کھپایا جائے اس سے یہ ہوتا ہے کہ ترجمے کی مدد سے سنسکرت کی عبارت بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے- اس قسم کے ایک ترجمے کی کتاب میرے پاس ہے- جیمس آر بلنٹائن کے مشورہ اور ہدایت کے مطابق یہ ترجمہ کیا گیا ہے- سنسکرت کتاب ہتوپدیش کی یہ پہلی فصل ہے- اور پنڈت بدری لال نے اس ترجمے میں وہ حصے چھوڑ دئے ہیں جنہیں طالب علموں کی کتاب میں رکھنا کسی طرح مناسب نہ تھا-

حال ہی میں کلکتہ میں ایک انجمن قائم ہوئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ شام کے وقت علمی اور ادبی مجالس منعقد کرے تاکہ ہندوستانی اور یورپین آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اختلاط بڑھا سکیں - اس میں دونوں کا نفع مد نظر ہے - ہندوستانی یورپین لوگوں کے میل جول سے بہت سی ایسی باتیں سیکھ سکتے ہیں جن سے وہ مطلق بےخبر ہیں - یورپین لوگ اگر ہندوستانیوں کے ساتھ میل جول بڑھائیں تو اس سے انہیں ان کے مزاج اور طبیعت کو سمجھنے میں آسانی ہوگی اور ہندوستانی زبان و ادب کا ان میں ذوق پیدا ہوگا —

ہندوستان میں تعلیم نسواں کی طرف بھی توجہ کی جا رہی ہے - شہر دہلی میں مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے لئے چار مدارس کھولے گئے ہیں - لڑکیوں میں بھی علم کا شوق پیدا ہو چلا ہے - ایک پانچواں مدرسہ اور حال ہی میں قائم کیا گیا ہے اس مدرسے میں صرف تیموری خاندان کی شہزادیاں داخل ہو سکتی ہیں اس وقت ۵۰ شہزادیاں تعلیم پا رہی ہیں - شہر بنارس میں با حیثیت ہندوؤں کی ایک انجمن قائم کی گئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ہندو عورتوں میں تعلیم کو رواج دیا جائے - اس کے ساتھ ساتھ انجمن کے پیش نظر یہ بھی ہے کہ ہندی زبان میں لڑکیوں کے لئے کتابیں چھاپی جائیں - کتاب صرف اس وقت انجمن کی طرف سے چھاپی جاتی ہے جب کہ انجمن کا صدر اور ارکان کی اکثریت اس کتاب کے متعلق اپنی پسند کا اظہار کردے* - بمبئی میں ایک دولتمند پارسی مانک جی کرسٹجی نے اپنے خاندان کی لڑکیوں کو یوروپی طرز کی تعلیم دینا شروع کی ہے - موصوف نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصے کو لڑکیوں کے مدرسہ کے لئے وقف کردیں گے - ان کا ارادہ ہے کہ اس میں ایک مدرسہ قائم کریں اور تعلیم دینے کے لئے ایک انگریز استانی کو رکھیں -

* Delhi Journal; Delhi Gazette (Allen's Indian Mail, Nov. 27, 1862) -

ان کی دو صاحبزادیاں بھی اپنے ہم وطنوں کی ہمدردی میں اس مدرسہ میں کام کریں گی۔ بمبئی کے گورنر لارڈ الفنسٹن نے اس تجویز کی پورے طور پر ہمت افزائی کی ہے۔ لارڈ موصوف نے اس مدرسہ کی تجویز کے متعلق فرمایا کہ دنیا میں جہاں کہیں عورتوں کو تعلیم دی گئی ہے وہاں لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت بڑھ گئی ہے اور خود مردوں کے اخلاق پر عورتوں کی تعلیم کا اچھا اثر پڑتا ہے۔ ہم یورپ میں مشکل ہی سے ان عورتوں کی حالت زار کا اندازہ کر سکتے ہیں جو مختلسرا کی زندگی میں بہت جلد اپنا حسن و شباب کھو چکتی ہیں اور ان کے چاہنے والے ان کی طرف سے بے پروائی برتنا شروع کر دیتے ہیں بقول ایک شاعر :—

بژ مردہ اور ذلیل

گلچیں نے انہیں توڑ کر ایک طرف بے پروائی سے پھینک
یا تازگی فنا ہوگئی اور ان کا حسن کمھلا گیا —

اب وہ قابل نفرت چیزیں ہیں۔ سبھوں نے انہیں چھوڑ دیا
اب ان کا ہر قدم بربادی کی جانب اُٹھ رہا ہے —

میری طرح جن صاحبوں کو گزشتہ ماہ ستمبر میں ان دونوں پارسیوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے وہ غالباً میرے اس دعوے کی تائید کریں گے کہ مانک جی کو اپنی بیٹیوں کے انگریزی تعلیم دلانے میں پورے طور پر کامیابی ہوئی - یہ

پارسلیں پہلی ہندوستانی عورتیں ہیں جو یورپ آئی ہیں وہ ہندوستانی میں جو ان کی مادری زبان ہے اور انگریزی اور فرانسیسی میں بلا تکلف گفتگو کرسکتی ہیں۔ مسٹر مانک جی پہلے پہل سنہ ۱۸۴۱ ع میں یورپ آے تھے - اس دفعہ وہ اپنے دو بھتوں کے ساتھہ دوبارہ آے ہیں تاکہ لندن جاکر ان کے تعلیم و تعلیم کا انتظام کریں۔ لندن میں پہلے سے کئی ایک پارسی موجود ہیں جو نہایت دولتمند ہیں - موصوف لندن سے واپسی پر پیرس میں چند روز ٹھہرے تاکہ اپنی صاحبزادیوں کو شہر پیرس کی سیر کرائیں -

حضرات ! ہم یہ دعوی کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اردو زبان دن بدن ترقی کر رہی ہے - چنانچہ بمبئی گزٹ مورخہ ۲۷ فروری سے مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بنگال اور بہار و اُڑیسہ کے زمینداروں اور دوسرے باشندوں نے وائسراے گورنر جنرل بہادر کو ایک عرضداشت بھیجی ہے جس میں یہ درخواست کی ہے کہ جدید ہائی کورٹ میں اردو زبان میں کاروائی کی جاے —

اودہ کے صوبے میں صرف ان وکلاء کو وکالت کی اجازت ملتی ہے جو اور دوسری شرائط کے ساتھہ اردو دانی کی شرط بھی پوری کریں - ان کا امتحان بول چال اور تحریر دونوں میں لیا جاتا ہے تاکہ ان کی اردو دانی کی پوری تصدیق ہو جاے۔

حال میں متعدد اشخاص کو حکومت برطانیہ نے استار آف انڈیا (ستارۂ ہند) کا خطاب عطا کیا ۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جو تقریبیں ہوئیں ان میں اردو زبان ہی میں تقریریں کی گئیں ۔ اسی طرح نومبر سنہ ۱۸۶۱ ع میں مہاراجہ کشمیر کی گدی نشینی کے موقع پر جسوں میں جو دربار منعقد ہوا اس میں مسٹر ڈیوس نے اردو میں تقریر کی ۔ مسٹر ڈیوس اس موقع پر گورنمنٹ ہند کے نمایندہ تھے ۔ جب موصوف نے راجہ کے سینے پر تمغے لگا چکے تو راجہ نے بھی ان کی تقریر کا جواب اردو میں دیا ۔

ہندوستان کے ایک دوسرے حصے بنگال میں جس وقت سر جے پی گرانٹ سابق لفٹنٹ گورنر یورپ واپس جا رہے تھے کلکتہ کے باشندوں نے ۱۶ اپریل کو ایک جلسہ منعقد کیا جس میں موصوف کی ہر دلعزیزی اور خلوص کا اظہار کیا ۔ جلسہ کی صدارت راجہ رادھا کانت دیو بہادر نے کی ۔ موصوف بڑے فاضل آدمی ہیں اور ایک ضخیم سنسکرت کے لغت کے مصنف ہیں ۔ اس موقع پر موصوف نے جو تقریر کی وہ اردو میں تھی ۔ ان کی تقریر کے بعد راجہ کالی کرشن بہادر کھڑے ہوئے ۔ موصوف بھی مشہور مصنف ہیں اور آپ نے (Gay) کی کہانیوں کا اردو نظم میں ترجمہ کیا ہے ۔ آپ بھی حسب موقع اردو میں تقریر کی نہ کہ بنگالی میں

ہندوستان کے اخباروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سر جان گرانٹ کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ اس میں تشکر و احترام کے جذبات کا اظہار تھا۔ اور اُن گرانقدر خدمات کا ذکر تھا جو موصوف نے اس زمانے میں صوبۂ بنگال کی کیں۔ یہ سپاس نامہ تجویز کی شکل میں جلسہ میں متفقہ طور پر منظور ہوا۔ اس کے بعد راجہ اپروا کرشن نے اردو میں تقریر کی اور یہ تجویز پیش کی کہ کلکتہ میں کسی جگہہ سر جان گرانٹ کا مجسمہ نصب کیا جائے —

Haileybury کے کالج کی جگہہ Woolwich کی فوجی اکاڈمی میں مشرقی علوم کی تعلیم کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہاں مسٹر کاٹن ماتھر ہندوستانی زبان کی تعلیم دیتے تھے۔ مگر اب لندن کے کنگس کالج (King's College) میں مشرقی علوم کا ایک علاحدہ شعبہ قایم ہوا ہے Haileybury کالج کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد متعدد اشخاص نے ملکی نظم و نسق اور علم و فضل میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ امید ہے کہ وہی روایات اب بھی قایم رہیں گی۔ King's College کے مشرقی شعبے میں مسٹر فٹز ایڈورڈ ہال اردو زبان کی تعلیم دیتے ہیں اور مسٹر بلنٹائن سنسکرت پڑھاتے ہیں۔ اس شعبے میں صرف درس ہی نہیں ہوں گے بلکہ یہیں سے تحریری اور زبانی امتحانوں کے بعد قابلیت کے اعتبار سے سند ملے گی۔ اس سند

کی بدولت ہندوستان میں سرکاری خدمات بآسانی مل سکیں گی -

میں اپنے پچھلے خطبوں میں ذکر کر چکا ہوں کہ آکسفورڈ اور کیمبرج میں بھی اردو کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے - سنہ ۱۸۵۶ع میں ڈبلن یونیورسٹی میں بھی اردو فارسی اور عربی کی تعلیم شروع ہو گئی ہے - لندن کے یونیورسٹی کالج کی طرح ڈبلن میں بھی ایک ہندوستانی عالم مولوی اولاد علی ان زبانوں کی تعلیم دینے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں —

حضرات! ہمیں چاہئے کہ اپنے سامنے ایک اعلیٰ علمی نصب العین رکھیں- دوسرے ممالک کے لوگ ہم فرانسیسیوں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ سارا عالم فرانسیسی بولتا ہے مگر فرانسیسی سوائے اپنی زبان کے اور کوئی زبان نہیں بولتے* ہمارا فرض ہے کہ اس الزام کو اپنے سر سے دور کرنے کی کوشش کریں - ہمیں غیر زبانیں بولنے کی عادت ڈالنی چاہئے - اور غیر زبانوں سے میری مراد صرف یورپی زبانیں ہی نہیں بلکہ مشرقی زبانیں بھی ہیں - ہمیں اپنے پڑوسیوں (انگریزوں) سے اس باب میں سبق لینا چاہئے —

---

*" فرانسیسی کا خیال ہے کہ سب لوگوں کو چاہئے کہ اس کی زبان سیکھیں خود اس کا یہ فرض ہے کہ سوائے اپنی زبان کے اور کوئی دوسری زبان نہ بولے " (G. P. R. James, the Forgery, chapte1 28) —

مسٹر جان میور نے جو مسٹر ڈبلو - میور کے بھائی ھیں، یہ خوب کیا کہ ۴۰ ھزار روپے کی رقم اپنے شہر اڈنبرا کی یونیورسٹی میں سنسکرت ادب اور تقابلی لسانیات کی "چیر" قایم کرنے کے لیے وقف کردی - حکومت کی طرف سے اس رقم میں اور اضافہ کیا جاے گا اور اس طرح یہ ممکن ہوگا کہ سنسکرت کی تعلیم کے پہلو بہ پہلو یہاں اردو کی بھی تعلیم شروع ہو جائے - ھمیں پوری توقع ہے کہ یہ انتظام جلد مکمل ہو جاے گا اور لسانیات کو ترقی دینے کی ایک شکل پیدا ہو جاے گی - یہ علم کیا بہ اعتبار اپنی دلچسپی اور کیا بہ اعتبار اپنے مفید ہونے کے نہایت اھمیت رکھتا ہے - اس سے فلسفۂ تاریخ اور دینیات دونوں مستفید ہو سکتے ھیں - چنانچہ میرے اس دعوے کا اگر آپ ثبوت تلاش کرنا چاھیں تو وہ میکس ملر کے "لکچروں" میں موجود ہے - موسیو سینٹ هیلیر نے ان لکچروں کا خلاصہ ھمارے سامنے پیش کیا ہے لسانیات کے متعلق میں اس وقت صرف ضمناً اتنا کہنا چاھتا ہوں کہ ھمارے زمانے کے ماھرین لسانیات نے صرف و نحو کے اعتبار سے زبانوں کو تین خاندانوں میں تقسیم کیا ہے - ایک انفرادی (Monosyllabis ، دوسری لاحقی (Agglutinatine) تیسری تصریفی (Amalgamic)

پہلی قسم کے تحت چینی زبان آتی ہے - دوسری قسم کے

تحت ترکی اور دوسری تورانی زبانیں اور تیسری قسم کے تحت آریائی زبانیں آتی ہیں - ان میں ایرانی اور انڈو آریائی زبانیں سب شامل ہیں- اُردو زبان دوسری اور تیسری قسموں کے تحت آتی ہے اس میں تورانی اور ایرانی عناصر پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں - صرف و نحو کے اعتبار سے اُردو زبان ایرانی ہے اور الفاظ کے اعتبار سے سامی * ـــ

موسیو دیو پان نے جو انسٹیٹیوٹ کے رکن اور سوسائٹی کے ممبر ہیں اور ایک فاضل شخص ہیں اپنی کتاب "اقوام کی پیدائشی قوت" میں ہندوستان کے متعلق ایک باب رکھا ہے- اس باب کا عنوان "تصویر ہند" ہے- اس میں وہ کہتے ہیں کہ برطانوی ہند کی مردم شماری سرکاری کاغذات کے مطابق اس وقت ۱۸ کروڑ ۷۰ لاکھ ہے- آپ کو معلوم ہونا چاہئیے کہ ان میں تقریباً ۲۰ کروڑ نفوس کے درمیان جو چیز ایک مشترک رشتے کا کام دیتی ہے وہ اردو زبان ہے- یہ زبان پورے یورپ کے برابر رقبۂ زمین میں بولی جاتی ہے- اس سے بھی زیادہ تعجب اس پر ہے کہ آج یہ بیس کروڑ انسانی نفوس برطانیہ کے اقتدار کو تسلیم کرتے ہیں- اس انتظام میں یقیناً مشیئت ایزدی کو دخل ہے-

---

* 'گارساں دتاسی' کی اس رائے کو آج ماہرین لسانیات تسلیم نہیں کریں گے - لیکن ہمیں یہ ضرور پیش نظر رکھنا چاہئیے کہ جس زمانے میں اس نے اپنی یہ رائے ظاہر کی تھی اس وقت لسانیات کی ابتدا تھی- تقریباً ۸۰ سال کی تحقیق نے پرانے نظریوں کو بالکل درہم برہم کر دیا ہے (مترجم)

تیرھواں خطبہ

۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۳ ع

حضرات !

مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ اس سال کے خطبے میں میں آپ کے روبرو یہ اعلان بلا تکلف کر سکتا ہوں کہ ہندوستانی ادب دن بدن ترقی پر ہے - میں اپنے اس دعوے کی تائید میں اس سرکاری رپورٹ کو پیش کرتا ہوں جو اس سال ماہ مئی میں شائع ہوئی ہے - اس رپورٹ میں ان زبانوں کے متعلق معلومات ملتی ہیں جن کا سیکھنا سول سروس کے نوجوان ملازموں کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے - خاص کر کے ان کے واسطے جو صوبۂ شمال مغربی ' اودھ یا پنجاب میں ملازمت کرنا چاہتے ہیں - سول سروس کے امتحان کی ایک کونسل ہے - اس کونسل کے صدر وزیر مالیات سر چارلس تریولین ہیں - اور دوسرے ارکان میں آر - ایم بنرجی اور مولوی عبداللطیف کے نام قابل ذکر ہیں - اس کونسل نے وزیر ہند سر چارلس وڈ کے مشورے کےبعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ سول سروس کے اُمیدواروں کا ہندوستان کی صرف دو زبانوں یعنی اُردو

اور ہندی میں امتحان لینا چاہئیے۔ ان دو زبانوں کے جاننے سے سول سروس کی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔ اب تک یہ قاعدہ تھا کہ صوبۂ شمال مغربی، اودھ اور پنجاب میں جانے والے اُمیدواروں کی ہندی اور فارسی میں جانچ ہوتی تھی اور بنگال جانے والے اُمیدواروں کا اُردو اور بنگالی میں امتحان لیا جاتا تھا —

سر چارلس تریولین نے انڈیا آفس میں سرکاری ملازموں کے متعلق جو یہ تجویز کی ہے اس سے علوم مشرقیہ کو بہت نفع پہنچے گا۔ موصوف ان سب لوگوں میں ہر دلعزیز ہیں جو ہندوستان سے محبت رکھتے ہیں۔ موصوف کی تجویز کے موافق سول سروس کے ابتدائی امتحان میں ۱۸ سے لے کر ۲۱ سال کی عمر والے شریک ہو سکتے ہیں۔ کامیابی کے بعد انہیں آکسفورڈ یا کیمبرج بھیجا جاتا ہے تاکہ وہ دو سال اس علاقے کی زبان کی تحصیل کریں جہاں ان کا تقرر کیا جائے گا۔ اس علاقے کی زبان کے ساتھ جہاں ان کا تقرر ہوگا ہندوستانی لازمی طور پر سب کو سیکھنی ہوتی ہے۔ چنانچہ آکسفورڈ اور کیمبرج دونوں یونیورسٹیوں میں ہندوستانی کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ آکسفورڈ میں کیپٹن جے۔ چیمبرس اور کیمبرج میں میجر جے۔ جی سٹیفن ہندوستانی پڑھاتے ہیں۔

فوجی خدمت کرنے والوں کے لئے ایشیائی زبانوں کے

سیکھنے کے متعلق قواعد زیادہ سخت نہیں ہیں- یہ بھی ممکن ہے کہ فوجی خدمت سے کوئی اسے تڈیں سول میں یا سیاسیات میں منتقل کرالے - لیکن صیغۂ سیاسیات کی خدمت اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک کہ ہندوستانی کے سخت امتحان میں کامیابی نہ حاصل کر لی جاے - باوجود اس کے کہ فوج میں بھرتی ہونے سے قبل ہندوستانی زبان کا امتحان ہر اُمیدوار کو دینا ہوتا ہے لیکن اگر وہ فوج سے سیاسیات میں منتقل ہو تو اس وقت پھر اس کا امتحان ہوتا ہے - زبان کے علاوہ اُمیدوار سے ہندوستان کے قوانین' تاریخ اور بالخصوص ان عہد ناموں کے متعلق سوالات پوچھے جاتے ہیں جو دیسی رئیسوں کے ساتھہ برطانیہ نے کئے ہیں - وہ افسر جو اس امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں - انھیں سرکاری طور پر ایک سو اسی روپے دیے جاتے ہیں تاکہ وہ کسی منشی سے خاص طور پر بعد میں سبق لے سکیں * —

سر چارلس تریولین نے ہندوستانی زبان کےلئے انعام مقرر کیا ہے - اس سے بھی ہندوستانی کی اہمیت میں اضافہ ہوگا - یہ انعام پانچ سو روپے کا ہے- یہ انعام اس اُمیدوار کو ملےگا جو اُردو زبان میں حسب ذیل موضوع پر بہترین مضمون لکھے — "یونانی علوم کا بغداد کے عباسی اور قرطبہ کے اموی

---

* Allen's Indian Mail Nov. 1863.

خلفاء کے زمانہ میں اثر اس کے ساتھہ وہ اثر بھی نکلایا جائے جو عربوں نے قرون مظلمہ کے بعد یورپ کے نشاۃ ثانیہ پر ڈالا ہے - ان باہمی اثرات سے بطور نتیجہ یہ ثابت کیا جائے کہ اب اس وقت ہندہ کا اہل یورپ اور ہندوستان کے مسلمانوں کے میل جول سے کیا حالات مترتب ہوں گے '' ــــ

مضمون یکم اکتوبر سنہ ۱۸۶۴ ع کو کمیشن کے پتے پر کلکتہ بھیج دینا چاہئے جو خاص طور پر اس مضمون کی جانچ کے لئے نامزد کیا گیا ہے - اس کمیشن میں '' ایڈورڈ بی کاول '' کے علاوہ دو ہندو عالم بھی شامل ہیں - اس ضمن میں میں سر چارلس وڈ کے قول کا نقل کرنا مناسب خیال کرتا ہوں - سر چارلس تریولین بھی ان کے ہم خیال ہیں اور میں بھی متعدد مرتبہ انہیں خیالات کا خود اعادہ کر چکا ہوں - لیکن سر چارلس وڈ نے انہیں خیالات کو نہایت خوبی اور واقف کاری کے ساتھہ پیش کیا ہے - وہ کہتے ہیں ــــ

''پٹنہ سے لےکر پیشاور تک سارے شمالی ہند کی زبان ہندوستانی ہے - شہروں میں ' قصبات میں ' گاؤں میں سول اور فوجی مرکزوں میں ' درباروں میں اور سرکاری دفتروں میں ہر کہیں یہ سمجھی جاتی ہے - ہر تعلیم یافتہ شخص اور ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک سب ہی اسے استعمال کرتے ہیں - جس طرح اطالوی زبان کی اہمیت اٹلی میں ہے یا انگریزی کی انگلستان

میں ہے بس وہی حیثیت ہندوستانی کی شمالی ہند کے وسیع علاقوں میں ہے " —

پھر وہ کہتے ہیں —

" ہندی سے در اصل مراد وہ دہقانی بولیاں ہیں جو شمالی ہند میں بولی جاتی ہیں - سول سروس کے نوجوانوں کو جو ہندی سکھائی جاتی ہے وہ برج کی بھاشا ہے- یہ وہ بولی ہے جو متھرا اور بندرابن کے آس پاس بولی جاتی ہے- ہندی کا پنجابی سے بس اسی قسم کا تعلق ہے جو Somersetshire کی بولی Northumberland کی بولی سے ہے - ان ہندی بولیوں کا (ہندوستانی اردو) سے وہی تعلق ہے جو اصلی انگریزی زبان کا مذکورہ صدر بولیوں سے ہے- ہر کہیں آپ دیکھیں گے کہ گاؤں والے بلا تکلف ہندوستانی میں بات چیت کرتے ہیں - اگر کسی کو ہندوستانی زبان پر پوری قدرت حاصل ہو تو وہ بہت جلد آسانی کے ساتھ ہندوستان کی ہر مقامی بولی کو سیکھ سکتا ہے " * —

* سر چارلس فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں فارسی نہ تو دفتری زبان ہی باقی رہی اور نہ لوگ اس میں گفتگو کرتے ہیں اور اب دن بدن اس زبان کے تحصیل کرنے والوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے - موصوف نے یہ بات اس واسطے بیان کی ہے تاکہ وہ اپنے ان ساتھیوں کو قائل کریں جو فارسی زبان کو صوبہ شمال مغربی کے مدارس میں لازمی قرار دینے کے حق میں ہیں —

مسٹر منٹگمری مارٹن نے اپنی کتاب " مشرقی ہند "
میں اور بھی واضح طور پر یہ بات ثابت کی ہے کہ صوبہ شمال
مغربی کی زبان سوائے ہندوستانی کے اور کوئی نہیں ہوسکتی۔
دھلی، آگرہ، الہ آباد، لاہور اور اودہ کے ملحقہ علاقوں میں
یہی زبان استعمال کی جاتی ہے۔ ہندی بہار اور صوبہ متوسط
کی زبان ہے، لیکن ہندوستانی اردو یا دکھنی ہندوستان کے
ہر بڑے شہر میں سمجھی جاتی ہے —

اس سے آپ حضرات پر یہ روشن ہوگیا ہوگا، جس کی نسبت
میں بار بار آپ کی توجہ مبذول کرا چکا ہوں، کہ ہندوستانی
زبان ہندوستان میں عام طور پر مروج ہے - گزشتہ سال آپ
کو یاد ہوگا کہ میں نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں " کلکتہ "
کے اس جلسہ کی مثال پیش کی تھی جس میں سر جان پی
گرانٹ کو الوداع کہتے وقت اظہار خلوص و ہمدردی کے
لئے متعدد ہندو مقررین نے ہندوستانی زبان میں تقریریں
کیں نہ کہ بنگالی میں جو صوبۂ بنگال کی زبان ہے - اسی طرح
کلکتہ کے ایک اور جلسہ میں جو اس غرض سے منعقد کیا گیا
تھا کہ انگلستان کے کپڑے کے کارخانوں کے مزدوروں سے اظہار
ہمدردی کی جائے، مختلف مقررین نے ہندوستانی میں
تقریریں کیں - فرینڈ آف انڈیا (Friend of India) میں اس
کا ذکر ہے کہ راجہ نرائن سنگھہ نے اس جلسہ میں تجاویز کی

تائید اردو زبان میں کی- موصوف نے اپنی تقریر میں انگلستان کی اس فیاضی کا ذکر کیا جو ہندوستان میں قحط کے موقع پر ظاہر ہو چکی ہے - موصوف نے فرمایا کہ اب ہماری باری ہے کہ ہم اپنے محسنوں کی اعانت کے لئے انہیں جنھوں نے اپنی فیاضی سے مصائب و خطرات سے نجات دلائی - اگر اس وقت ہم کچھہ کریں تو یہ کوئی بڑا احسان نہ ہوگا بلکہ ہمارا ایسا کرنا اس فرض کی ادائی ہوگی جو ہم پر واجب ہے - ہمارے اور انگلستان کے تعلق میں اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا جو ہم پر اس قوم نے کیا ہے - اس کے علاوہ یہ ایک مسلم بات ہے کہ ضرورت مند کی ضرورت رفع کرنا اور اس کی اعانت کرنا ہر صاحب مقدور کا فرض ہے —

اس جلسہ میں ہندو، مسلمان، عیسائی سب نے شرکت کی اور ہر شخص جذبۂ خدمت سے متاثر تھا - بقول شاعر پوپ

" مذہب و نجات کے معاملے میں ہر کوئی اختلاف رکھتا ہے لیکن صرف ہمدردی ہی ایسی چیز ہے جو ساری دنیا کو متحد کر دیتی ہے "-

شہزادہ ویلز کی شادی کے موقع پر ہندوستان میں ہر جگہ جلسے منعقد ہوئے اور ان میں ہندوستانی زبان میں تقریریں کی گئیں- ۱۸ مئی کو کلکتہ میں ایک جلسہ ہوا جس میں منشی امیر علی نے اردو میں نہایت فصیح و بلیغ

تقریر کی- مقامی اخباروں میں اس تقریر کا انگریزی ترجمہ شایع ہو چکا ہے - اس جلسہ میں شہزادہ اور ان کی بیوی کے لئے ایک تحفہ پیش کرنے کی تجویز منظور ہوئی —

اس بات کا ایک مزید ثبوت کہ ہندوستانی ہندوستان کی مروجہ زبان ہے، ہمیں اس سے ملتا ہے کہ گورنمنٹ انگریزی نے ہندوستان میں یہ قاعدہ بنا دیا ہے کہ اگر کسی رجمنٹ میں ترجمان (Interpret) کی ضرورت ہو تو اس افسر کو یہ خدمت دی جاسکتی ہے جس نے صرف ہندوستانی زبان میں امتحان میں کامیابی حاصل کی ہے- لیکن یہ ایسی صورت میں ہوگا جب کہ اور کوئی بہتر شخص نہ ملے جو ہندوستان کی سب زبانیں جانتا ہو - تاہم اس سے آپ کو ہندوستانی زبان کی اہمیت کا اندازہ ہوسکتا ہے —

ہندوستان کے سکوں پر ان کی قیمت لکھنے کا جب مسئلہ درپیش تھا تو یہ فیصلہ ہوا کہ ہندی اور اُردو حروف میں اسے لکھنا چاہئے - یہ سکے ہندوستان کے سب صوبوں میں استعمال کئے جاتے ہیں —

ہندوستانی صرف ہندوستان ہی میں نہیں بولی جاتی ہے - مشرق قریب کے بندرگاہوں اور افریقہ کے ساحل پر بھی لوگ اس زبان کو استعمال کرتے ہیں - مسٹر شیفر نے، جو شاہ البانیہ کے خاص ترجمان (interpret) تھے اس زبان کو

عدن میں سنا اور مسٹر ژول ایپر ے جو ہمارے انسٹیٹیوٹ کے معزز رکن ہیں اس زبان کو بصرہ میں بولتے سنا - میں نے تجارتی سامان کی رسید دیکھی جو بندرگاہ لامو پر زنجبار کے قریب جہاز پر لادا گیا تھا اور عدن بھیجا گیا - یہ رسید ناگری رسم خط میں تھی جو عام طور پر بنئیے لوگ اپنی خط و کتابت میں استعمال کرتے ہیں - میں نے حال ہی میں رنگون ٹائمز میں ایک انگریزی مشن کا ذکر پڑھا جو آوا کرنیل پھر کے زیر سرکردگی گیا تھا - یہ مشن تجارتی معاہدے کی غرض سے بھیجا گیا تھا - چنانچہ راجہ کے لڑکے نے اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار ہندوستانی زبان میں کیا اس واسطے کہ اسے انگریزی نہیں آتی تھی * —

سول سروس کے امتحان کے لئے حسب ذیل ہندوستانی کی کتابیں نصاب میں رکھی گئی ہیں : انتخابات باغ و بہار؛ اخوان الصفا ؛ سیر المتاخرین - آخر الذکر کتاب میں عہد مغل کے زوال اور انگریزی حکومت کی ابتدا کا حال ہے - اس کتاب کا مصنف ایک مشہور مسلمان ہے جو ذاتی طور پر کلایو، وارن ہیسٹنگز اور دوسرے انگریزی اعیان حکومت واقف تھا - اس کتاب کی زبان نہایت سلیس ہے —

ہندی کے نصاب میں حسب ذیل کتابیں رکھی گئی ہیں ۔

---

* انڈین میل جون سنہ ۱۸۶۳ —

انتخاب پریم ساگر، سنگھاسن بتیسی، اور شاید راج نتی اور کالی داس کی راماین - میں نے یہ معلومات مولوی عبد اللطیف سے حاصل کی ہیں —

ان کتابوں کے علاوہ خطوط، سرکاری دستاویزیں، عرضداشتیں، احکام اور تعزیرات ہند کے اقتباسات بھی سول سروس کے اُمیدواروں کو پڑھنے ہوتے ہیں —

سنہ ۱۸۶۲ ع میں ہندوستان میں دیسی مطابع نے مختلف قسم کی چھہ سو کتابیں طبع کیں اور بارہ نئے رسائل و اخبارات جاری ہوے * - ہندوستانی مطابع کی اہمیت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے - چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ حکومت بنگال نے کلکتہ میں ایک سرکاری رپورٹ کنندہ مقرر کیا ہے جس کا کام یہ ہے کہ وہ ارباب حکومت کو عوام الناس کے خیالات سے ہفتہ وار اطلاع دے تاکہ حکام کو اپنی رعایا کی خواہشات اور ان کی ضرورتوں کا علم ہوتا رہے - یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ رپورٹ کنندہ کی حیثیت 'سنسر' کی ہے - اس کے ساتھ ایک پنڈت اور ایک مولوی کام کرتا ہے —

کلکتہ سے لے کر پیشاور تک آپ شمالی ہند کے کسی بڑے شہر

---

* سرکاری رپورٹ کے مطابق سنہ ۱۸۵۸ ع میں صرف صوبۂ شمال مغربی میں اردو ہندی کے ملا کر ۲۲ اخبارات تھے - ان میں زیادہ تر ایسے تھے جو ہفتہ وار شائع ہوتے تھے -

میں جانیے هر جگہ لیتھوگرافی پریس دکھائی دیں گے۔ مجھے
اس کی اطلاع ملی ھے کہ سنہ ۱۸۵۹ ع میں صرف شہر کلکتہ
میں بیس مطابع تھے * —

گذشتہ سال میں نے پنجاب کے دو اخبارات کا ذکر کیا
تھا- اس وقت میرے پاس ان کے نمونے پہنچ گئے هیں -
آپ کو یاد هوگا یہ دو اخبار "سرکاری اخبار" اور "مجمع
رعایا" هیں - اول الذکر کا جس جگہ نام لکھا جاتا ھے اس کے
اوپر برطانیہ عظمیٰ کے آلات حرب کا طغرہ موجود ھے - یہ
اخبار لاهور میں سرکاری لیتھو پریس میں چھپتا ھے - یہ رسالے
کے طور پر چھوٹی تقطیع میں طبع هوتا ھے - هر صفحے میں دو
کالم هوتے هیں - پنڈت اجودھیا پرشاد اس کے اڈیٹر هیں جو
متعدد کتابوں کے مصنف بھی هیں - یہ هر مہینے کی پہلی کو
نکلتا ھے - اس بات کو بھی خاص طور پر لکھا جاتا ھے کہ اس
رسالے کے کاتب کا نام محمد علی خطاط ھے - پہلی اکتوبر کے
نمبر میں دوسری چیزوں کے علاوہ 'راولپنڈی' کے نارمل
اسکول کے نتائج امتحان سہ ماهی ۱۸۶۲ ع درج هیں - پہلی
نومبر کی اشاعت میں ملتان کے اسکول کے افتتاح کا حال
لکھا ھے - یہ رسم ۲۴ اکتوبر کو منائی گئی تھی - اس کے تکمے

---

* اس کی Selections from the Records of Bengal Govt. 23
فہرست میں ملے گی -

کے طور پر ایک اور اخبار شائع ہوتا ہے جس کا نام ہی "تتمۂ سرکاری اخبار" ہے - اسے صوبۂ پنجاب کا پولیس گزٹ سمجھنا چاہئے —

'محب رعایا' میرٹھ میں دوبار نکلتا ہے - مجھے اس اخبار کا ایک نمبر ملا ہے جو ۲۸ فروری سنہ حال کا ہے - یہ بھی چھوٹی تقطیع میں دو کالم پر چھپتا ہے - یہ لیتھو میں نہیں بلکہ ٹائپ میں چھپتا ہے - جہاں تک کہ اخبارات کا تعلق ہے ایسی مثال ہندوستان میں اور نہیں ملے گی - ٹائپ میں نسخ رسم خط استعمال ہوتا ہے - ہندوستان میں نسخ کا مطلق رواج نہیں- نستعلیق عام طور پر مروج ہے - اس اخبار کے سر ورق پر ایک شعر ہوتا ہے * اس اخبار کے مدیر کا نام جواہر لال ہے - ان کا نام شاید آپ پہلے بھی سن چکے ہیں - یہ اخبار مطبع صدرالعلم میں بمقام اٹاوہ طبع ہوتا ہے —

ہندوستانی کے جو جدید اخبار نکلنا شروع ہوئے ہیں ان میں سے میں آپ کی توجہ "خیر خواہ خلق" کی جانب مبذول کراتا ہوں - یہ اس اخبار سے علحدہ ہے جس کا میں ذکر کر چکا ہوں یعنی "خیر خواہ خلائق" اور جو اجمیر سے

---

* یہاں فرانسیسی میں شعر کا مطلب دیا ہے کہ مصنف سے آدمی ادنی درجے سے اعلی درجے پر پہنچ سکتا ہے —

نکلتا ھے " خیر خواہ خلق " مہینہ میں دو مرتبہ آگرہ میں سکندرہ کے چھاپے خانہ سے شائع ہوتا ھے۔ یہ چھوٹی تقطیع میں صرف ایک ورق پر دو کالم میں چھپتا ھے - یہ بالکل مذہبی قسم کا اخبار ھے - اس کا مقصد دین مسیح کی نشر و اشاعت ھے - اس کے سر ورق پر یہ الفاظ لکھے رہتے ہیں —

" خدا کا خوف دانائی کی ابتدا ھے اور مذہبی آدمی کے نزدیک علم اور احتیاط ہم معنی ہیں " - سیاسی خبروں کے علاوہ اس میں مذہبی ' تاریخی ' علمی اور ادبی مضامین ہوتے ہیں اور کبھی کبھی لیتھو میں تصاویر بھی ہوتی ہیں - ۱۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۲ ع کے تتمے میں بڑے دن کے درخت کی ایک تصویر دی ھے اور اس کا مطلب سمجھایا ھے —

ایک اخبار " لوک متر " ھے - یہ ہندی کا رسالہ ھے اور دیوناگری رسم خط میں شائع ہوتا ھے - اور آگرہ میں سکندرہ کے مطبع میں چھپتا ھے جہاں " خیر خواہ خلق " چھپتا ھے - یہ پہلی جنوری سنہ ۱۸۶۳ ع سے نکلنا شروع ہوا ھے - چھوٹی تقطیع میں دو کالم پر ہوتا ھے - یہ رسالہ ماہانہ ھے - اس رسالہ کا مقصد وہی ھے جو " خیر خواہ خلق " کا۔

ایک ہندوؤں میں اور دوسرا مسلمانوں میں مسیحیت کی اشاعت و تبلیغ کی غرض سے شائع کیا گیا ھے - اس کے مدیر کا نام پردۂ خفا میں ھے - لیکن اس کے مضامین کے معیار اور

سنسکرت دوهوں اور هندی چوپائیوں کے حوالے سے معلوم هوتا هے که یقیناً وہ کوئی هندو عالم هوںگے جنهوں نے مسیحی دین قبول کر لیا هے --

مجهے اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں پہنچی که آیا اس سال کلکته سے کوئی نیا اخبار یا رساله شائع هوا یا نہیں ؟ - گزشته سال تو چار اردو کے اخبار وهاں سے نکلتے تهے --

اب هم اخبار و رسائل کے علاوہ اور دوسرے ادبی مشاغل کی نسبت کچهه کہنا چاهتے هیں - ایک مشهور کتاب جو حال میں شائع هوئی هے انجیل مقدس کی شرح هے * - یه سید احمد صدر امین غازی پور کی تصنیف هے - موصوف اس وقت اردو زبان کے اعلیٰ ترین انشا پردازوں میں هیں اور میں نے انهیں کی کتاب " آثار الصنادید " کا فرانسیسی میں ترجمه کیا هے - موصوف آج کل مذهبی مباحث میں مصروف هیں - غالباً چند سال قبل وہ ایسا نه کر سکتے اس واسطے که بادشاہ دهلی نے اپنی رعایا کو ممانعت کر دی تهی که وہ عیسائی مشنری لوگوں سے کسی قسم کا بحث مباحثه نه کریں† - گزشته سال میں نے تذکرتاً کہا تها که عنقریب یه کتاب نکلنے

* Mohomedan Commentary of the holy Bible, Gazipur, 1278 H, 1862.

† Friend of India

،الی ھے - اس کا پہلا حصہ شائع ہو چکا ہے - مصنف نے از راہ
عنایت یہ حصہ مجھے ارسال فرمایا ہے - میں ان کا ممنون
ہوں - اس کتاب کا اصلی نام تبئین الکلام فی تفسیر التوریت
الانجیل علی ملۃ الاسلام " ھے -

میں سمجھتا ہوں آپ کے لیے اس کتاب کے سمجھنے کا
بہترین طریقہ یہ ہوگا کہ میں اس کے چند اقتباسات اس
قت آپ صاحبوں کے سامنے پیش کروں † -

اس کتاب کا یہ پہلا حصہ شہر غازی پور میں مصنف کے
خاص ذاتی مطبع میں چھپا ھے - اور موصوف نے خود اس کے
مارے اخراجات برداشت کئے ہیں - یہ کتاب بڑی تقطیع پر
۴۰۰ صفحات پر مشتمل ھے - اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی
رجمہ بھی ھے - یہ حصہ دراصل تمہید کے طور پر ھے - اس
ے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس پوری کتاب کی وسعت
یا ہوگی - سید احمد کی تحریر سے ظاہر ہوتا ھے کہ ان کی
علومات گہری ہیں اور انہیں صرف قرآن اور توریت و
نجیل ھی پر کافی عبور نہیں ھے بلکہ دوسری مشرقی
سانیف سے بھی وہ پورے طور پر واقف معلوم ہوتے ہیں -
س سے بھی بڑھ کر تعجب اس امر پر ھے کہ موصوف نے یورپین
سانیف سے بھی استفادہ کیا ھے - چنانچہ وہ ان کے جگہ جگہ

---

† اس جگہ اقتباسات کا فرانسیسی ترجمہ ھے —

پر حوالے دیتے ہیں - یہ کتاب وسیع مطالعے اور تحقیق کے بعد لکھی گئی ہے - مجھے زیادہ تر خوشی اس بات سے ہے کہ یہ کتاب اس زبان میں ہے جس کی تعلیم یہاں میرے ذمہ ہے - میرا تو خیال یہ ہے کہ اس قسم کے مطالب شاید پہلی مرتبہ کسی مسلمان نے اردو میں فکر و تحقیق کے ساتھ پیش کئے ہیں - غالباً یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ شاید ہی مشرق کی کسی زبان میں اس کتاب کے شائع ہونے سے پہلے اس نوعیت کے مطالب کو ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہو ـــ

اس پہلی جلد میں دس ابواب ہیں- پہلے باب میں انبیاء کے مشن اور انسانیت کے لئے ان کی ضرورت کو ثابت کیا ہے - دوسرے باب میں وحی اور کلام الٰہی کی اصلیت بتائی ہے - سید احمد اپنی بحث میں اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ انجیل مقدس میں تعلیم وحی حضرت مسیح کی زبان سے ادا کی گئی ہے ـــ

تیسرے باب میں توریت، صحف الانبیاء، زبور اور انجیل کے متعلق اظہار خیال ہے- چوتھے باب میں ان آسمانی کتابوں کی نسبت جو مسلمانوں کے عقاید ہیں انہیں بیان کیا ہے - پانچویں باب میں ان آسمانی کتابوں سے بحث کی ہے جو بائیبل میں شامل ہیں- اس باب میں ان سب مقدس کتابوں کی صحیح فہرست درج ہے جن میں سے بعض کو مسیحی کلیسا

تسلیم کرتا ہے اور بعض کو ماننے سے انکار کرتا ہے - اس فہرست میں بعض کتابیں ایسی ہیں جنھیں مسیحی کلیسا "گم شدہ" یا جعلی بتاتا ہے - مصنف نے ان کتابوں میں سے ہر ایک کی نسبت جو رائے ظاہر کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ان مسائل پر کافی غور و فکر کیا ہے —

چھٹے باب میں سید احمد نے مسلمانوں کے اس طریقۂ تحقیق کا ذکر کیا ہے جو وہ آسمانی کتابوں کی صداقت پرکھنے کے لئے استعمال کرتے ہیں - وہ طریقہ یہ ہے کہ ہمیں باوثوق لوگوں کے ایک سلسلہ کا علم ہونا چاہئے جن کا تعلق صاحب کتاب کی ذات تک پہنچتا ہو - چنانچہ سید احمد نے خود اپنی مثال اس موقع پردی ہے- وہ کہتے ہیں کہ ۲۸ مشہور اور باوثوق اشخاص کے سلسلے کے توسط سے اُن تک قرآن کریم رسول اللہ (صلعم) سے پہنچا ہے —

ساتویں باب میں ان تصرفات کا ذکر ہے جو انجیل و توریت میں ہوئے ہیں - یہ خیال عام طور پر مسلمانوں میں رائج چلا آتا ہے - دراصل مصنف نے نہایت صفائی اور ہوشیاری سے اس نازک مسئلے پر بحث کی ہے- اس باب کے پڑھنے سے ان کے علمی تبحر کا پتا چلتا ہے - مصنف نے آٹھ قسم کے تصرفات کا ذکر کیا ہے اور ان سبھوں کو مثالوں کے ذریعہ سے واضح کیا ہے - پھر اس کے بعد انجیل مقدس کی مختلف کتابوں کے قدیم

قلمی نسخوں پر مورخانہ تبصرہ کیا ہے اور بر محل تفصیل سے اپنے مطالب کی تشریح کی ہے —

آٹھویں باب میں سعد احمد نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ آیا انجیل مقدس کی مختلف کتابیں اصلی وحی کی تعلیم کے مطابق ہیں یا یہ کہ ان میں بعد میں تصرفات ہوئے ہیں - چنانچہ مصنف نے اس مسئلے کے متعلق جو رائے ظاہر کی ہے وہ وہی ہے جو عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے -

نویں باب میں یہ بتایا ہے کہ مسلمان لوگ انجیل مقدس کے ترجموں کو کس حد تک صحیح سمجھ سکتے ہیں اور ان پر اعتماد کر سکتے ہیں - میرے خیال میں یہ باب اس کتاب میں سب سے زیادہ دلچسپ ہے- شروع میں مصنف نے کسی ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کی دشواریوں پر عام افکار پیش کئے ہیں اور پھر اس کے بعد انجیل مقدس کے ان ترجموں پر پوری غیر جانبداری کے ساتھ تبصرہ کیا ہے جو مشرق اور مغرب میں اب تک کئے گئے ہیں - اسی ضمن میں ان ترجموں کا بھی ذکر آگیا ہے جو مختلف انجمن ہائے اشاعت انجیل کی جانب سے شائع ہو چکے ہیں - مثلاً ان عبرانی اور عرب ترجموں کا بھی ذکر ہے جو میرے استاد سلوسٹر دے ساسی (Silvestre de Sacy) نے اور میں نے اصلی قدیم نسخوں سے مقابلے کے بعد شائع کرائے ہیں- اس کے علاوہ مصنف نے ان سب

ہندوستانی ، فارسی ، عربی اور انگریزی ترجموں کا ذکر کیا ہے جو ان تک پہنچ سکے ۔ اس باب کے لکھتے وقت مصنف کے پاس ۱۸ زبانوں کے ترجمے اور دو قلمی نسخے موجود تھے ۔ ان قلمی نسخوں میں ایک عبرانی زبور کا تھا جس کا Mazm نے عربی ترجمہ بھی کیا ہے ۔ غالباً یہ نسخہ سولھویں یا سترھویں صدی عیسوی کا لکھا ہوا ہے ۔ اس میں اور عام ' زبور ' میں اختلافات بھی پائے جاتے ہیں ۔ دوسرا قلمی نسخہ چاروں Evangiles پر مشتمل ہے اور عربی زبان میں ہے ۔ یہ روم کے سنہ ۱۱۷۱ ع والے ایڈیشن سے ملتا جلتا ہے اور میرے خیال میں غالباً اس کی نقل ہے ۔ اس باب کے آخر میں لسانی خاندان کے اعتبار سے ان زبانوں کا نقشہ دیا ہے جن میں انجیل مقدس کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے یا عنقریب ہونے والا ہے ۔ یہ نقشہ " Bible of every land " سے نقل کیا ہے ۔ السنہ کی جو تقسیم اس موقع پر کی ہے وہ بجائے خود علمی دلچسپی سے خالی نہیں —

دسویں باب میں ، جو اس کتاب کا آخری باب ہے ، مصنف نے اُن اسلامی احکام کا ذکر کیا ہے جن سے قدیم آسمانی کتب کے بعض حصے منسوخ ہو گئے ہیں ۔ آخر میں دو ضمیمے ہیں پہلے ضمیمے میں ان مشہور واقعات کی تاریخیں درج ہیں جن کا انجیل مقدس میں ذکر آیا ہے ۔ یہ تاریخیں نامور انگریز

عالم دیلیات یوشر (Usher) کے حوالے سے لی گئی ھیں
دوسرے ضمیمے میں تیرہ سو ھجری (مطابق ۱۸۸۲ عیسوی)
تک سن ھجری اور سن عیسوی کی مطابقت قائم کی ھے۔
۱۳۰۰ ھجری تک اس واسطے کہ عام طور پر مسلمانوں کا عقیدہ ھے
کہ اس سال کے بعد جو عہد آئے گا وہ دنیا کا آخری عہد ھوگا۔

فرض کہ مصنف نے اپنی کتاب کی اس تمہید میں ذاتی
اپچ اور اجتہاد سے کام لیا ھے - نہ صرف مسلمانوں بلکہ خود
عیسائیوں کے لئے اس میں بعض باتیں نئی اور سبق آموز
ھیں۔ یہ کتاب یقیناً انجیل کی ایک نہایت مکمل شرح ھوگی۔
تمہید کے پڑھنے سے معلوم ھوتا ھے کہ مصنف کو ھماری مقدس
کتب پر پورا عبور حاصل ھے اور ان کی نظر سب ضروری
معلومات پر پوری طرح حاوی ھے - اس کتاب میں وہ
معلومات جو ھمیں مختلف جگہ جستہ جستہ ملتی ھیں ،
ایک جگہ اکٹھا مل جائیں گی - ھاں ، ساتھ ھی ھمیں یہ امر
فراموش نہ کرنا چاھئے کہ مصنف ایک مسلمان ھے - اور قرائن
سے معلوم ھوتا ھے کہ اس کا مقصد یہ ھے کہ مسیحی اور اسلامی
تعلیم میں میل پیدا کرے - لیکن مجھے اندیشہ ھے کہ غالباً
اس کے ھم مذھب لوگ اس کی رواداری کی باتوں کو بری
نظر سے دیکھیں گے - دوسری جانب عیسائی لوگ غالباً کبھی
اس بات کی صداقت کو تسلیم نہیں کریں گے کہ قرآن بھی

ایک آسمانی کتاب ہے - ہوگا یہ کہ مسلمان کفر کے فتوے دیں گے اور عیسائی مصنف ان کے علمی اور صلح پسندانہ خیالات کے ساتھہ اتفاق کرنے سے انکار کریں گے - خیر ہمیں اس سے سروکار نہیں کہ دوسرے لوگ اس کتاب کو کس نظر سے دیکھیں گے - ہماری اپنی رائے یہ ہے کہ مصنف نے یہ کتاب لکھہ کر ایک بڑی علمی خدمت کی ہے - اس کتاب کے پڑھنے سے مصنف کی روادارانہ ذہنیت کا صاف طور پر اظہار ہوتا ہے - موصوف اپنے مذہب اسلام پر قائم رہنے کے ساتھہ ساتھہ اسلامی عقاید کی جس قدر بھی مسیحی تاویل ممکن ہے کرنے پر آمادہ ہیں - جہاں کہیں وہ حضرت مسیح کا ذکر کرتے ہیں تو بالکل اسی طرح کرتے ہیں جیسے کوئی عیسائی کرے گا - اس کتاب میں جگہ جگہ آپ کو "حضرت عیسیٰ" "سیدنا عیسیٰ" کے الفاظ ملیں گے - خود قرآن میں بھی حضرت مسیح کے لئے "روح اللہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے - اس کتاب کے دیکھنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ مسلمانوں میں ایک طبقہ موجود ہے جو انجیل مقدس کو پڑھتا ہے اور اس کی تعلیمات کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے - انجیل کی متعدد کتابوں کے اردو میں ترجمے موجود ہیں - آج کل ڈاکٹر ماتھر مرزا پور میں ایک مکمل ایڈیشن فارسی رسم خط میں تیار کر رہے ہیں - موصوف نے لاطینی حروف میں سنہ ۱۸۶۰ ء میں اس ترجمے کو شائع

کہا ہے - لیکن اب مزید اصلاحات کے بعد وہ یہ دوسرا ایڈیشن تیار کر رہے ہیں جو لندن والے ایڈیشن کی طرح " انجمن اشاعت انجیل برطانیہ و ممالک غیر " کی طرف سے شائع ہوگا- حال میں صوبۂ شمال مغربی کے مشنریوں نے یہ تجویز منظور کی ہے کہ اُردو زبان میں انجیل کا ایک ایسا ترجمہ تیار کرنا چاہیئے جو تمام ہندوستان میں بے چون و چرا تسلیم کیا جائے۔ مجھے اس میں ذرا شبہ ہے کہ آیا یہ تجویز عنقریب عمل میں آسکے گی —

حال میں جن مصنفین کی نئی مطبوعات شائع ہوئی ہیں ان میں مولوی کریم الدین کا نام سب سے پہلے قابل ذکر ہے میں سمجھتا ہوں آپ سب ان کے نام سے واقف ہوں گے - موصوف نے اس سال چھہ تصانیف شائع کی ہیں - لاہور کے مسٹر رابرت کسٹ' کی عنایت کی بدولت یہ سب میرے پاس بھیجی گئی ہیں —

پہلی کتاب " تسہیل القواعد " اُردو زبان کی ہے یہ صرف و نحو کی کتاب نئے طریقہ پر لکھی گئی ہے اور پنجاب کے مدارس میں رائج ہے - یہ کتاب اسی نوعیت کی ہے جیسے میری کتاب " ہندوستانی زبان کے مبادیات ' ہے - آپ کو معلوم ہوگا کہ میں نے حال ہی میں اس کا ایک نیا ایڈیشن نکالا ہے-

دوسری کتاب " کریم اللغات " ہے - اس میں عربی اور

فارسی الفاظ کے اردو میں معنی دیے ہیں ۔ یہ کتاب پنڈت اجودھیا پرشاد کے زیر اہتمام طبع ہوئی ہے —

تیسری کتاب "انشاے اُردو" ہے ۔ اس کے چار حصے ہیں۔ پہلے حصے میں خط نویسی کے نمونے دیے ہیں جو بزرگ اور خرد، خرد اور بزرگ اور هم عمر اور هم مرتبہ لوگوں کے درمیان ہونی چاہئے ۔ دوسرے حصے میں عرائض نویسی کے نمونے ہیں ۔ تیسرے حصے میں دوا بر اور عدالتوں کے خطوط کے نمونے ہیں۔ چوتھے حصے میں کاروباری خطوط کے نمونے ہیں —

اس کتاب میں سب ضروری معلومات خط و کتابت کے متعلق موجود ہیں - عمر، رشتے، اور رتبے کے لحاظ سے جو القاب و آداب ہندوستانی میں استعمال ہوتے ہیں وہ سب اس کتاب میں مصنف نے جمع کر دیے ہیں * دوستوں کو لکھنے کے جو آداب ہیں وہ بھی سب بیان کئے ہیں اس کے علاوہ شیخ، سید، خان، مغل، منشی پنڈت اور سرکاری ملازموں کے القاب و آداب ہیں —

اسی قسم کی ایک کتاب ہندی میں بھی لاہور سے شائع ہوئی ہے - اس کا نام بتر ملک ہے —

ایک اور کتاب "پند سود مند" لاہور سے منشی محمد عظیم کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے اس میں قدیم اور جدید

---

* یہاں القاب و آداب کے فرانسیسی ترجمے دیے ہیں -

مصنفوں کے ڈیڑھ سو مقولے نقل کئے گئے ہیں۔ ان ڈیڑھ سو میں سو وہ نصائح ہیں جو لقمان نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ ہندوستانی میں جو مقولے مروج ہیں وہ عام طور پر کہاوتیں ہیں۔

لاہور سے ایک اور کتاب نکلی ہے جس کا نام "خط تقدیر" ہے۔ یہ کتاب اخلاق پر ہے اگرچہ نثر میں ہے لیکن جابجا اشعار بھی ہیں۔ اس کتاب کے سرورق پر ایک شعر بطور طغریٰ لکھا ہوا ہے —

مولوی کریم الدین نے فارسی ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے دیوان حافظ کا ایک انتخاب شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ موصوف نے 'سعدی' کا دیوان مع اس کی سوانح کے طبع کرایا ہے۔ یہ واضح رہے کہ "دیوان سعدی" کے کلکتہ والے ایڈیشن کے نسخے اب کمیاب ہوگئے ہیں اور اس کے اصل قلمی نسخے تو بالکل ہی نایاب ہیں —

ہندوستانی کی اور کتابیں جو مجھے بھیجی گئی ہیں ان میں سنہ ۱۸۶۳ع کی ایک جنتری ہے۔ پنڈت سورج بھان نے اس کو لاہور سے شائع کیا ہے۔ پنڈت جی ہندوستانی کے مشہور انشاپردازوں میں ہیں اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ اس جنتری میں بہت مفید معلومات درج ہیں۔ شروع میں اکیس کالموں میں ہندوستان کے مروج عہدوں کے مطابق ہر ماہ کے دنوں کا حساب ہے۔ پھر چاند کے دن کا حساب، دنوں کا

مختلف موسموں میں طول، سورج اور چاند کے مختلف مہینوں میں طلوع ہونے کے اوقات وغیرہ درج ہیں - ہر مہینے کو دو صفحوں پر ختم کیا ہے - پہلے صفحے پر مذکورہ تفصیلات ملتی ہیں اور دوسرے پر خاص خاص دنوں کا حال ہے - پھر مسیحی، اسلامی، وصلی، یزد جردی سنین اور سورور، سمت وغیرہ کے متعلق معلومات جمع کی ہیں - چاند کی گردش، منحوس ایام، مدارات کی تقسیم، اوقات کا تعین، ہوا کے رخوں کی پہچان، اندھیری کے پندرہ دنوں (بدی) اور چاندنی کے پندرہ دنوں (سدی) کے متعلق تفصیل ہے - منطقۃ البروج کی علامات اور ان کے سب نام فارسی اور دیو ناگری رسم الخط میں ہیں - ہاتھ دیکھ کر آئندہ کے متعلق پیشین گوئی کرنے کے طریقے، وبا، اندھے پن اور زہریلے جانوروں کے کاٹنے کے علاج بھی بتائے ہیں —

میں تعزیرات کے ہندوستانی ترجمہ کی نسبت ذکر کر چکا ہوں - یہ کام مولوی عبد اللطیف خاں نے انجام دیا جن کا ذکر آچکا ہے - موصوف نے آر - کسٹ کی ایک کتاب " کنجی سوالات قانون فوجداری " کے نام سے ترجمہ کیا ہے - یہ کتاب نہایت مفید ہے - اس کے علاوہ " پنجاب کا قانون دیوانی" "رہنمائے مجسٹریٹ " بھی قابل ذکر ہیں - آخر الذکر اسکپ وک (Skipwick) کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے - اس قسم کی

اور بھی چلد کتابیں شائع ہوئی ہیں سنہ ۶۲ - ۱۸۶۱ ع کی پنجاب کے نظم و نسق کی رپورٹ ہے - پنڈت اجودھیا پرشاد نے اس کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے - یہ رپورٹ ان لوگوں کےلئے اہمیت رکھتی ہےجو اس صوبے کے حالات سے ٹھیک ٹھیک واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں - کیپٹن فلر نے اس صوبے کی تعلیمی رپورٹ انگریزی میں پیش کی تھی - اس کا بھی اردو ترجمہ لالہ رام جس نے کیا ہے - اور دوسرے بعض رسالےقابل ذکرھیں جیسے" دستور العمل مدارس تعلیم المعلمین" "رسالۂ نظام شمسی ' وغیرہ - "حقایق الموجودات کا(جسےچھوٹی سی دائرۃ المعارف سمجھنا چاھئے) ھندی میں ترجمہ ھو گیا ھے " جامع العلائس" سمندر اور دریاؤں کا نقشہ ؛ رسالہ چھاپا —

نئی کتابوں میں عبدالواسع ھانسوی اور دیوی پرشاد کی فارسی کی صرف و نحو قابل ذکر ہے- آخر الذکر ایک مشہور ھندو عالم ھیں - - بریلی کالج کے قدیم طالب علم ھیں - آج کل ضلع فرخ آباد میں انسپکٹر مدارس ھیں - موصوف نے ضلع فرخ آباد کی اردو میں تاریخ لکھی ہے اور ایک کتاب " مطہر قدرت " لکھی ھے جس میں مذھبی مسائل سے بحث کی ھے - موصوف نے حال ھی میں صرف و نحو کے علاوہ ایک لغت بھی لکھا ہے جس میں مختلف السنہ مثلاً ' اردو ' ھندی ' فارسی ' عربی ' بنگالی اور انگریزی کے الفاظ کے معنی ھیں اور ساتھ

ھی ان الفاظ کی مشق کے لئے مثالیں بھی دی ھیں —

مجھے حال میں دو ھندی کتابوں کا حال معلوم ہوا ھے جن کے متعلق ذکر کرنا شاید آپ صاحبوں کےلئے دلچسپی سےخالی نہ ھوگا - ایک " بھکتی بودک " ھے اور دوسری "سھسرا رتری سلکشیپ " ھے - اول الذکر میں سو مذھبی قصے ھیں - انھیں " جے پارسنز " نے ایک جگہ جمع کیا ھے - دوسری کتاب بنگالی کا ترجمہ ھے - یہ ترجمہ پنڈت بدری لال نے کیا ھے - موصوف ھندی کی متعدد کتابوں کے مصنف ھیں —

اس سال پہلی جنوری کو گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے نئی مطبوعات کی جو فہرست شائع ھوئی ھے اس میں بعض کتابیں قابل ذکر ھیں - اس ضمن میں آپ صاحبوں کو یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ھوں کہ اگرچہ صوبۂ پنجاب میں پنجابی بولی جاتی ھے لیکن سرکاری دفتروں اور مدارس میں ھندوستانی (اردو اور ھندی) استعمال ھوتی ھے —

اس فہرست کی بعض کتابیں یہ ھیں " جغرافیۂ جہاں " " جام جہاں نما " " تاریخ عالم " " تاریخ اودھ " " تاریخ گوشۂ پنجاب "

میں نے جن کتابوں کے ابھی نام لئے ھیں ان میں تقریباً سب انگریزی زبان سے ترجمہ کی گئی ھیں - دراصل یورپین لوگوں کے لیے یہ بات باعث فخر ھونی چاھئے کہ ان کی

کتابیں ہندوستان میں وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں اور ان کے ترجمے کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ 'ولسن' نے رگ وید پر جو تمہید لکھی تھی اس کا شیو پرشاد نے ہندی میں ترجمہ کر دیا ہے - موصوف اس زمانہ کے مشہور انشا پردازوں میں ہیں اور تیس کتابوں کے مصنف ہیں - وہ ہندی اور اردو دونوں میں لکھتے ہیں - انھوں نے سکھوں کے عروج و زوال کی تاریخ اور منو کے قوانین پر قلم فرسائی کی ہے - اس کے علاوہ سنسکرت اور انگریزی زبان سے متعدد ترجمے کیے ہیں - اس سال اور جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان کی فہرست یہ ہے - "کورس اردو" "پند نامۂ عیال داراں" "مفتاح القواعد" "کلید گنج مال" "زبدۃ الحساب" اور "ہدایت نامۂ جاگیر داراں" -

میں نے آپ صاحبوں کے سامنے جن مطبوعات کا ذکر کیا ہے اس سے آپ پر یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ ان کی بدولت اہل ہند میں تعلیم کا چرچا بڑھتا جا رہا ہے اور دن بدن مغربی علوم میں اہل ہند ترقی کر رہے ہیں - یہ بات قابل افسوس ہے کہ اب تک بہت کم ہندوستانی اپنی تعلیمی تکمیل کی غرض سے یورپ آئے ہیں- اس میں مسلمانوں کے لیے تو کوئی دشواری نہیں ہے لیکن ہندوؤں کے لیے ولایت آنا بے دین ہونے کے مرادف سمجھا جاتا ہے- باوجود اس کے بعض ہندو ہمت کر کے

سمندر پار آئے ہیں۔ مثلاً مہی پت رام روپ رام * ہیں جنھوں نے ذات باہر ہونے کے خطرے کی مطلق پروا نہیں کی اسی طرح کلکتہ کے پریسیڈنسی کالج کے ایک طالبعلم بابو ستندرا ناتھ ٹیگور بھی انگلستان تعلیم کی غرض سے آئے اور سول سروس کے امتحان میں کامیاب ہو کر واپس گئے - موصوف آج کل بمبئی میں ایک اعلیٰ سرکاری عہدہ پر مامور ہیں -

ہندوستان بھر میں اس وقت تین یونیورسٹیاں ہیں - ایک کلکتہ میں دوسری بمبئی میں اور تیسری مدراس میں - ان یونیورسٹیوں کے انتظامات نہایت عمدہ ہیں اور ان میں طلبہ کی ایک بڑی تعداد تعلیم پا رہی ہے - کلکتہ یونیورسٹی کو قائم ہوئے اب چھ سال ہوئے ہیں۔ اس دوران میں ۲۲۵ طلبہ کا یونیورسٹی ڈگری کے لیے داخلہ ہوا ہے - گزشتہ دو سال میں تقریباً دو سو طالبعلم ایف - اے کے امتحان میں کامیاب ہوئے - ان کے علاوہ ۸۹ نے ڈگری حاصل کی ' مخصوص شعبوں میں ۲۰ سول انجینئری میں اور ۴۱ طبابت میں اور ۲۷ وکالت میں کامیاب ہوئے - یہ بات قابل توجہ ہے کہ ان امتحانات میں مسلمان ہندوؤں سے بہت پیچھے نظر آتے ہیں اور عیسائی بھی پیچھے ہیں -

گزشتہ سرکاری امتحانات میں ۱۳۳۴ امیدواروں نے

---

* خطبہ ۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۱ ع —

شرکت کی۔ ان میں سولہ سے لے کر بیس سال کی عمر کے امیدواروں میں ۷۱ عیسائی اور ۴۶ مسلمانوں نے شرکت کی۔ ان امتحانات میں صوبہ سرحد لاہور اور کولمبو تک کے طلبہ شرکت کرتے ہیں۔ ان میں انگریزی کے علاوہ ایک اور زبان لازمی ہوتی ہے۔ امیدوار کو اختیار ہے کہ وہ جو زبان چاہے منتخب کرے۔ چنانچہ ۱۰۲ طالبعلموں نے ہندوستانی کو منتخب کیا، ۲۰ نے سنسکرت کو اور ۹ نے فارسی کو —

ابتدائی تعلیم بھی دن بدن ترقی کر رہی ہے۔ صرف صوبۂ بنگال میں ۸۱۶ ابتدائی مدارس موجود ہیں۔ ان مدارس میں تقریباً ۵۰ ہزار طلبہ تعلیم پا رہے ہیں۔ صوبۂ بمبئی میں ۶۸۰ ابتدائی مدارس ہیں اور ان میں ۳۹ ہزار سات سو پچاس طلبہ تعلیم پا رہے ہیں صوبۂ مدراس میں ۵۷۹ مدراس ہیں جن میں ۲۳ ہزار نو سو پینسٹھ طلبہ ہیں۔ صوبہ جات شمال مغربی میں، جہاں صرف ہندوستانی بولی جاتی ہے، تعلیم کی ترقی ہو رہی ہے۔ ابتدائی مدارس کی تعداد ۱۰ ہزار اسی ہے جن میں طلبہ کی تعداد ایک لاکھ ۷۴ ہزار چھ سو اناسی ہے *۔

آگرہ میں سنہ ۱۸۵۰ ع میں ایک کالج قائم ہوا ہے جسے سینٹ جان کالج کہتے ہیں۔ اس کالج میں نوجوان ہندوؤں

* Indian Mail ستمبر سنہ ۱۸۶۳ ع

کو مغربی ادب اور علوم کی تعلیم دی جاتی ھے - مسیحی روا داری کے اصول کے مطابق ھر ذات کے ھندو کا اس کالج میں داخلہ ھو سکتا ھے - اب تک کوئی خاص دشواری اس طرز عمل کی وجہ سے نہیں پیش آئی تھی لیکن ابھی حال میں ایک شدر ذات کے لڑکے کو کالج میں داخل کرنے سے دقت پیش آ رھی ھے - یہ لڑکا مہتر کا ھے جس نے مسیحی مذھب قبول کر لیا ھے - چنانچہ بطور احتجاج کالج کے ۲۰۰ ھندو طالب علموں نے علحدگی اختیار کر لی ھے - اس قسم کا کوئی واقعہ آگرہ کے دوسرے کالج میں جس کا نام وکٹوریہ کالج ھے، اب تک نہیں پیش آیا - اس کالج میں گذشتہ ستمبر میں ۳۵۱ طالب علم تھے - ان میں ۳۱۴ ھندو، ۲۵ مسلمان اور صرف ۱۲ عیسائی تھے - اس کالج میں مختلف درسوں کی تعداد ۳۵ ھے - ۱۸ کا تعلق شعبۂ انگریزی سے ھے اور ۱۷ کا شعبۂ مشرقی سے - موخرالذکر میں ۱۱ ھندوستانی (اردو اور ھندی)، ۴ فارسی، ایک عربی اور ایک سنسکرت کا درس ھوتا ھے* —

میری معلومات اودھ کی قدیم مملکت کے متعلق بہت محدود ھیں - اس کے بر خلاف پنجاب کے حالات دریافت کرنے کے لیے میرے پاس کافی مسالا موجود ھے - یہ پانچ دریاؤں کا وسیع

* Indian Mail – نومبر سنہ ۱۸۶۳ ء

علاقہ چوپندرہ سال قبل ایک زبردست آزاد مملکت کی حیثیت رکھتا تھا آج سلطنت برطانیہ کا ایک حصہ ہے اور تعلیمی لحاظ سے خوب ترقی کر رہا ہے - کیپٹن فلر نے حال ہی میں جو تعلیمی رپوٹ پیش کی ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۶۲ اور سنہ ۱۸۶۳ع میں باوجود مالی حالت کی خرابی کے ۵۴ مدرسے نئے قایم ہوئے ہیں اور طلبہ کی تعداد میں ۷ ہزار پانچ سو دس کا اور اضافہ ہوا ہے - چنانچہ گزشتہ سال کے پہلی جنوری کے اعداد و شمار کے مطابق اس صوبے میں ابتدائی مدارس کی تعداد دو ہزار چھتیس تک پنہچ چکی ہے اور طلبہ کی کل تعداد ۶۰ ہزار ہے- ان میں سے ۵ ہزار آٹھ سو چونتیس ہندوستانی کے ذریعہ سے انگریزی زبان سیکھہ رہے ہیں - لڑکیوں کے مدارس کی تعداد ۱۰۳ ہے - ان میں تعلیم پانے والیوں کی تعداد ۲ ہزار دو سو چوبیس ہے - گزشتہ سال کے مقابلے میں یہ تعداد دگنی ہے - ان مدارس کے علاوہ معلموں کی تعلیم کے مدارس ہیں - لاہور میں معلموں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے ایک کالج قایم ہوا ہے جس میں تعلیم پانے والوں کی تعداد دو سو ہے —

لاہور کا میڈیکل کالج بہت اچھی حالت میں ہے - گزشتہ سال اس میں ۵۰ طالب علم تھے جن میں سے ۳۰ نے جولائی میں اپنی تعلیم کی تکمیل کر لی ہوگی -

بمبئی کا صوبہ تعلیمی ترقی میں کسی طرح دوسرے صوبوں سے پیچھے نہیں ہے - بمبئی یونیورسٹی کے پاس اس وقت Haileybury کا پورا کتب خانہ آگیا ہے - اس کتب خانے سے مشرقی علوم کی تحقیق میں بہت مدد ملے گی - کاؤس جی جہانگیر ے، جو بمبئی کے ایک متمول پارسی ہیں اور جنھیں انگریز لوگ ان کی دولت کے باعث "نقدہ" (Ready Money) کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اس یونیورسٹی کی عمارتوں کے لیے ایک لاکھ روپیہ کی رقم بطور عطیہ دی ہے - موصوف نے مبلغ ۵ ہزار روپے کا انعام اس پارسی بیرسٹر کے لیے مقرر کیا ہے جو بمبئی ہائی کورٹ میں امتیاز حاصل کرے گا -

بمبئی میں ہندوستانی لڑکیوں کی تعلیم کے لیے جو انگریزی مدرسہ قایم ہوا ہے اس کا نام "Alexandra Native Girls' English Institution" ہے - اس کا افتتاح گزشتہ سال پہلی ستمبر کو ہوا - یہ مدرسہ "مانک جی کرسٹ جی" کے مکان میں واقع ہے - ہمیں توقع ہے کہ چار ہزار روپے کے علاوہ جو اس مشہور اور فیاض شخص نے دیے ہیں اس کے اور دوسرے احباب بھی مالی امداد کریں گے تاکہ اس مدرسے کی اپنی عمارت علحدہ بن جائے -

ایک اور پارسی ہیں جنھوں نے لڑکیوں کی انگریزی

تعلیم کے لیے چار ہزار روپے کی رقم عطا کی ہے اور ایک دوسرے شخص نے چار ہزار کی رقم سنسکرت مدرسے کے لیے دی ہے - دو پارسیوں نے مل کر بمبئی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کو پانچ ہزار روپے دیے ہیں - اس رقم سے سالانہ ایک سونے کا تمغہ اس طالب علم کو دیا جائے گا جو بہترین مضمون " ہندوستان میں مغربی علوم " پر لکھے گا - "جمشید جی جی ' جی بھائی ' نے پونا میں ایک کالج قایم کرنے کے لیے ایک لاکھ کا عطیہ دیا ہے - دو اور پارسی ہیں جنھوں نے مل کر ایک لاکھ کا وعدہ کیا ہے - ایک اور پارسی ہیں جنھوں نے گجرات میں تعلیمی ترقی کے لیے ۵۰ ہزار کی رقم کا عطیہ دیا ہے -

آج کل ہندوستان میں فوٹوگرافی کا ہر جگہ رواج ہو رہا ہے - ہندوستانی لوگ اس کے اصول اور طریقے بڑے شوق سے سیکھ رہے ہیں - ' الہ آباد گزٹ ' دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ' رڑکی ' کے تامسن کالج میں ایک ماہر فوٹوگرافی بھی رکھا جائے گا تاکہ وہ دیسی طلبہ کو اس کے اصول و مبادیات سکھائے - غرض کہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں فوٹوگرافی کا چرچا ہے - تراونکور میں ڈبلو ٹیلر کی کتاب ' قدیم ہند کی عمارتیں ' سنگتراشی اور مصوری کو باتصویر شائع کیا گیا ہے - ڈبلو ٹیلر کو اس کتاب پر راجا تراونکور کی طرف سے انعام بھی مل چکا ہے --

هندوستانیوں میں یوروپین علوم کا جس قدر چرچا بڑھتا جاتا ہے اسی قدر وہ ہمارے تہذیب و تمدن اور ہمارے اصول مذہبی سے قریب تر ہوتے جاتے ہیں - ہندوستان میں تبلیغ مسیحیت کو جو کامیابی حاصل ہو رہی ہے اس سے ہر عیسائی کو خوشی ہونی چاہئے * جامی نے اپنی یوسف زلیخا میں ایک جگہ کہا ہے کہ "سچائی کو دن دونی ترقی اور فروغ ہوتا ہے" - کیتھولک مجبوراً اپنی عبادت ہندوستانی گرجوں میں بھی لاطینی زبان میں کرتے ہیں لیکن پروتستنت اور 'انگلی کن' ہندوستانی اور دوسری مقامی زبانوں میں اپنی عبادت کی دعائیں پڑھتے ہیں - انہوں نے یہ کوشش کی ہے کہ ہندوستانی زبان میں انگریزی دعاؤں کی لے کو منتقل کر لیں لیکن یہ انگریزی لے ہندوستانی لوگوں کو ذرا نہیں بھاتی - بعض مشنری یہ کوشش کر رہے ہیں کہ ہندوستانی راگوں کے مطابق اپنی دعاؤں کو ادا کریں اور ایک حد تک انہیں اس میں کامیابی بھی ہوئی ہے - چنانچہ ہندوستانی راگوں کو جو قدیم زمانے سے ہندوستان میں چلے آ رہے ہیں، یوروپین علامات میں لکھ لیا گیا ہے - ان راگوں کے متعلق دیسی ماہرین موسیقی سے پوری معلومات حاصل کی گئی ہیں - چنانچہ

---

* Indian Mail مورخہ ۲ جون سنہ ۱۸۶۳ ع -

اس قسم کے گیتوں کا ایک مجموعہ شائع ہوا ہے† - ہندوستانی موسیقی میں تحریری علامات نہیں استعمال ہوتیں - ان راگوں کو یورپین علامات کے ذریعے تحریر کیا گیا ہے - ان میں سے بعض راگ تو خاص طور پر اسی کے لیے موزوں کئے گئے ہیں لیکن بیشتر ان میں وہ ہیں جو ہندوؤں میں قدیم زمانے سے چلے آتے ہیں- یہ دن، سال اور موسموں کے لحاظ سے ہوتے ہیں اور ان کے نام الگ الگ ہیں - مسلمانی گیت ہندو گیتوں سے مختلف ہوتے ہیں - ان میں سے بعض شجاعت علی خاں کے توسط سے حاصل ہوئے ہیں - موصوف پہلے مسلمان تھے اور اب مسیحی دین قبول کر لیا ہے - آج کل وہ کلکتہ کے دیسی گرجے میں پادری کی حیثیت سے کام کرتے ہیں ہندو اور مسلمانوں کے گیتوں میں نہ صرف راگ اور سُر کا فرق ہوتا ہے بلکہ ان کا اتار چڑھاؤ بالکل مختلف ہوتا ہے - ہندوؤں کے گیتوں میں اشعار کو بولوں کی مقدار سے موزوں کرتے ہیں جیسے یونانی یا لاطینی میں اور مسلمانی گیتوں میں بولوں کی تعداد کا لحاظ کیا جاتا ہے - یہ دوسرا طریقہ زیادہ سادہ ہے *

---

† بنارس - سنہ ۱۸۶۱ع ' "The Hindustani Choral Book" جے پارسن جے کرسچین اور " ایچ کالنس " نے اس کتاب کو تیار کیا ہے - ہندوستانی میں "سور سنگرہ" قابل ذکر ہے - مجھے یہ کتابیں 'نامہ' کے مسیو لیون بیرو نے بھیجی ہیں —

* دیکھو میری کتاب Rhetorique et Prosodie des langues des l'Orient Musulman

انگریزی مشن جو ہندوستان میں کام کر رہے ہیں انہیں خوب کامیابی ہو رہی ہے اور ہر روز ہندوستان میں مسیحی دین کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ۱۸۶۲ ع میں بنگال، صوبۂ شمالی مغربی، صوبۂ بمبئی اور صوبۂ مدراس میں عیسائیوں کی کل تعداد ایک لاکھ، اٹھارہ ہزار آٹھ سو نوے تھی - مشنریوں کی تعداد جو تبلیغی کام کر رہے تھے ۴۱۸ تھی اور کل ہندوستان میں ۸۹۰ کلیسا تھے - گزشتہ سال جولائی کے مہینے میں ایک یوروپین سیاح دہلی کے دیسی کلیسا میں اتفاق سے پہنچ گیا تھا - اس نے بیان کیا ہے کہ اس نے وہاں عبادت میں شرکت کی - عبادت کی دعائیں اردو میں تھیں۔ اس کا بیان ہے کہ اس کلیسا کے ذریعے سے انجیل مقدس کی نشر و اشاعت کا جو کام ہوتا ہے اس میں دیسی لوگ مرد، عورتیں اور بچے شرکت کرتے ہیں اور دعاؤں کو گا گا کر پڑھتے ہیں - چھوٹا ناگپور میں رانچی کے کلیسا کے متعلق بھی ایک دوسرے سیاح نے یہی بیان کیا ہے - فرق اتنا ہے کہ رانچی میں دعائیں ہندی میں پڑھی جاتی ہیں * - امرتسر میں کلیساء کی دیواروں پر حضرت مسیح کے "دس احکام" اور انجیل مقدس کے بعض دوسرے حصے ہندوستانی میں لکھ دئے گئے ہیں - صوبۂ شمال مغربی کے دوسرے شہروں

* دیکھو "Colonial Church chronicle" ماہ اگست اور دسمبر سنہ ۱۸۶۳ ع۔

کا بھی بعینہ یہی حال ہے - ہر کہیں ہندوستانی زبان میں کلیسا کی دعائیں پڑھی جاتی ہیں -

گزشتہ سال ۳ مئی کو لندن میں "انجمن برائے اشاعت علم مسیحی" کی طرف سے جو جلسہ ہوا تھا اس میں ہندوستان کے ان مسیحی مدارس کے متعلق بہت دلچسپ تفصیلات بیان کی گئی ہیں جن میں ہندو اور مسلمانوں کے بچے بلا تکلف تعلیم حاصل کرتے ہیں شملہ اور جبل پور میں حال ہی میں اس قسم کے مسیحی مدارس کھولے گئے ہیں - کلکتہ کے اسقف اور صوبہ متوسط کے ناظم تعلیمات نے جبل پور کے طلبہ کا امتحان لیا اور ان دونوں کا خیال ہے کہ ان کے جوابات قابل اطمینان تھے - اس طرح ناگپور کا مدرسہ بھی خوب ترقی پر ہے - لندن کے اس جلسہ میں کلکتہ کے اسقف کا ایک خط پڑھا گیا جس میں مذکور تھا کہ میں نے آگرہ، الہ آباد، بھاگل پور، کانپور اور بنارس کے کلیساؤں میں ہندوستانی زبان میں بپتسما کی رسم ادا کی- پھر بنارس کے ایک دیسی مسیحی مبلغ کا ذکر کیا ہے جو چار سال سے کلیسا کے ایک ادنیٰ عہدہ پر کام کر رہا ہے اور چونکہ اس کا کام قابل ستایش رہا ہے اس واسطے اس کو "واعظ" کے عہدہ پر ممتاز کر دیا گیا -

ہندوستان میں ان مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے

جنھوں نے مسیحی دین قبول کیا - بقول مور (Moore) :

جب کسی کتر آدمی کا اعتقاد باطل عقیدے پر جم جائے اور وہ اسے محبوب رکھنے لگے تو آخر تک وہ اس پر قائم رہتا ہے —

بد قسمتی سے خود عیسائیوں میں جو باہم اختلافات ہیں ان کا ایشیائی لوگوں کی ذہنیت پر بہت برا اثر پڑتا ہے - اگر یہ اختلافات ہندوستان میں رونما نہ ہوئے ہوتے تو آج مسیحی حلقہ زیادہ وسیع نظر آتا - ڈاکٹر کولنسو نے حال میں انجیل کی تعلیم پر جو افسوس ناک حملہ کیا ہے اس کا بھی بہت برا اثر پڑا - ڈاکٹر کولنسو کلیسا سے باغی ہو گئے ہیں - بد قسمتی سے وہ ہندوستان میں بہت شہرت رکھتے ہیں - انھوں نے علم الحساب کی متعدد کتابیں لکھی ہیں جو بہت مقبول ہوئی ہیں - چنانچہ اس ضمن میں کلکتہ کا اخبار " بنگالی " کہتا ہے کہ جب مسیحی تعلیم کے متعلق خود مشہور اہل یورپ کو شبہ ہے تو اس صورت میں ہندوؤں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنے دین کو ترک کر کے عیسائی مذہب قبول کر لیں گے نہایت مہمل بات ہے - لیکن اس اخبار کے لکھنے والے کو شاید یہ معلوم نہیں ہے کہ ڈاکٹر کولنسو ممکن ہے ماہر علم حساب کی حیثیت سے لائق فائق ہوں لیکن علم دینیات میں وہ ماہر نہیں ہیں - انھوں نے انجیل کی تعلیم پر جو اعتراضات کیے ہیں ان میں انھوں نے کوئی نئی بات نہیں

کہی - سیکڑوں مرتبہ ان اعتراضات کے جوابات دیے جا چکے ہیں - یہ نہایت تعجب انگیز امر ہے کہ ڈاکٹر کولنسو کے اعتراضات کا جواب ہمیں سید احمد کی شرح میں ملتا ہے جس کی نسبت میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی ذکر کر چکا ہوں - سید احمد نے بنی اسرائیل کی آبادی بڑھنے اور Juda اور حضرت یوسف کے زمانۂ مصر کے متعلق جو نکات پیدا کیے ہیں ان میں ڈاکٹر کولنسو کے اعتراضات کا شافی جواب پایا جاتا ہے —

ہندو اگرچہ اپنے مذہب کے معاملے میں نہایت قدامت پرست واقع ہوے ہیں لیکن یورپین اور مسیحی تہذیب کا ان پر بہت اثر پڑ رہا ہے - اب آہستہ آہستہ وہ اپنے اُن رسوم کو ترک کرتے جا رہے ہیں جو مسیحی معیار سے معیوب ہیں - چنانچہ بنگال کے بعض معزز ہندوؤں نے گورنر جنرل اور مجلس وضع قوانین کے سامنے ایک عرض داشت پیش کی ہے جس میں یہ استدعا کی ہے کہ تعدادِ ازدواج کو اسی طرح ہندوؤں میں قانوناً ممنوع قرار دیا جاے جس طرح ستی کی رسم ممنوع کردی گئی ہے - مجلس وضع قوانین کے آئندہ جلسے میں راجا دیو نرائن سنگھ ایک قرارداد پیش کرنے والے ہیں جس کی رو سے اس مشرقی رسم قبیحہ کا کلی انسداد مقصود ہے - یقیناً یہ بہت اچھا ہو اگر اس قسم کا قانون منظور ہوجاے لیکن اندیشہ یہ ہے کہ کہیں

اس قانون سے لوگوں کے جذبات کو ٹھیس نہ لگے - اس قسم کا قانون ایک عام مروجہ رسم کے بالکل خلاف ہوگا - جن مشنریوں کو ہندوؤں کو بپتسما دینا ہوتا ہے انہیں اس میں بڑی سہولت ہو جائے گی - اس لئے کہ مشنری ایسے لوگوں کو بپتسما دینے میں تامل کرتے ہیں جن کی متعدد بیویاں ہوتی ہیں --

ہندوستان میں جن لوگوں کو بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی ہے وہ جس طرح بیواؤں کے جلنے اور تعداد ازدواج کی مخالفت کر رہے ہیں اسی طرح اور بہت ساری رسوم قبیحہ ہیں جنہیں وہ حقوق نسواں کےلیے نقصان رساں سمجھتے ہیں - مثال کے طور پر ایک رسم کو لیجئے جو دراصل ہندوؤں کی رسم ہے لیکن ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی وہ عام طور پر رائج ہو گئی ہے - ہماری مراد عقد بیوگان کی ممانعت سے ہے - چنانچہ شاہجہاں پور میں ایک انجمن قایم ہوئی ہے جس کے ارکان میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں - اس انجمن کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانیوں میں جو بری رسمیں پائی جاتی ہیں ان کی اصلاح کی جائے - اس انجمن کے گزشتہ اجلاس میں جو قرارداد منظور ہوئی ہے اس میں اس پر بہت زور دیا گیا ہے کہ ارکان انجمن اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنائیں اور قاضی سرفراز علی کو اس کے لیے خاص طور پر مامور کیا گیا ہے کہ وہ ایک

دستورالعمل لکھیں جس میں پردہ نشین خواتین کو بتایا جائے کہ کون کون سی نقصان رساں رسموں کی پابندی کے لیے وہ مجبور کی جاتی ہیں ـــ

آپ حضرات مجھے معاف کریں کہ میں نے بعض مسائل کو بہت طول دے دیا - اب میں اپنے خطبے کو ختم کرنے سے پیشتر ان اصحاب کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو اس سال راہی ملک عدم ہوئے ہیں -

سب سے پہلے بادشاہ دہلی بہادر شاہ کا نام آتا ہے - مرحوم نے ۷ نومبر سنہ ۱۸۶۲ ع بمقام رنگون تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں داعیء اجل کو لبیک کہا - آپ سنہ ۱۸۵۷ ع کی شورش عظیم کے بعد سے برابر اپنی باوفا بیوی زینت محل کے ساتھ رنگوں میں زندگی بسر کررہے تھے - آپ کے ساتھ آپ کے صاحبزادے جواں بخت بھی تھے - محمد بہادر شاہ ثانی غازی سنہ ۱۸۳۷ ع میں سراج الدین کے لقب سے اپنے والد ماجد اکبر شاہ ثانی کے انتقال پر تخت دہلی پر جلوہ افروز ہوئے- بادشاہ ہونے سے قبل آپ مرزا محمد علی ظفر کے نام سے مشہور تھے - ظفر کی یاد بہت سے دلوں کو عزیز ہے - وہ تیموری خاندان کے آخری چراغ تھے - قسمت نے ان کے ساتھ یاوری نہ کی -

* میں نے اپنے ۱۰ دسمبر سنہ ۱۸۵۷ م کے خطبے میں بادشاہ دہلی کے حالات تفصیل سے بیان کئے ہیں -

ادب کے شائقین کو ان کے ساتھہ اور بھی لگاو ہونا چاہئیے اس واسطے کہ وہ نہایت اعلی پایہ کے شاعر تھے *—

پچھلے اگست کی پہلی کو لندن میں مہارانی جند کنور کا انتقال ہوگیا - وہ پنجاب کے مہاراجہ دلیپ سنگھہ کی والدہ تھیں - باوجود اس کے کہ ان کے صاحبزادے دلیپ سنگھہ نے مسیحی دین قبول کرلیا لیکن مہارانی آخری دم تک اپنے آبا و اجداد کے مذہب پر قائم رہیں - ان کے انتقال پر دو سکھہ افسروں نے احتجاج کی کہ ان کی نعش کو جلایا جائے اور راکھہ کو ہندوستان بھیجا جائے تاکہ سکھہ دھرم کے مطابق وہ گنگا میں ڈالی جائے - لیکن یہ نہیں ہوا - ان کے بیٹے مہاراجا دلیپ نے اس کا اہتمام کیا کہ اس موقع پر کوئی رسم نہ برتی جائے نہ مسیحی اور نہ ہندو -

پچھلے اگست کی ۱۲ تاریخ کو نواب سورت میر جعفر علی خاں بھی ملک عدم کو سدھار گئے - ان کا انتقال "سورت محل" (Surat palace) میں ہوا - ان کے ساتھہ ان کے دیرینہ رفیق مرزا لطف اللہ رہا کرتے تھے - موصوف اپنی "خود نوشت" کے باعث یورپ میں اچھی خاصی شہرت حاصل کرچکے ہیں - نواب مرحوم انگریزوں اور ہندوستانیوں دونوں میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے - وہ ایک نہایت ہی متدین اور فیاض

---

* یہاں ظفر کے بعض اشعار کا فرانسیسی ترجمہ ہے -

شخص تھے- آپ پہلی مرتبہ سنہ ۱۸۴۴ع میں انگلستان تشریف لائے تھے - پھر دوبارہ سنہ ۱۸۵۴ع میں آئے تھے - اس مرتبہ پیرس بھی آئے تھے- پیرس میں بعض لوگوں نے انہیں دیکھہ کر کہا تھا کہ وہ ٹیپو سلطان سے بہت مشابہ ہیں- مرحوم سے میری متعدد بار ملاقاتیں رہیں آپ نے مجھہ سے یہ بھی کہا تھا کہ سورت واپس ہونے پر اپنا سفرنامۂ یورپ شائع کریں گے- میں سمجھتا ہوں غالباً وہ اپنے اس ارادے کو پورا نہ کرسکے * -

آخر میں میں جان ویٹلی کے انتقال پر ملال کا ذکر کرتا ہوں - آپ " مالی معاملات " کے مصنف تھے - اس کتاب کا اردو میں ترجمہ ہوچکا ہے اور میں گزشتہ سال اس کا ذکر کرچکا ہوں - آپ ڈبلن کے لاٹ پادری (Archeveque) تھے آپ کا انتقال پچھلے اکتوبر میں ۸ تاریخ کو ہوا - ان کی ایک مشہور کتاب (Lessons on christian evidences) ہے - اس کتاب میں فلسفہ اور دینیات دونوں کے مسائل سے بحث کی ہے- یہ کتاب لارڈ سمر کی (Evidences of Christianity) سے بہت کچھہ ملتی جلتی ہے جو خود ایک زمانے میں ڈبلن کے مہا پادری رہ چکے تھے - اس آخرالذکر کتاب کا موسیو مارسلین فرسن ممبر کونسل نے نہایت شگفتہ فرانسیسی

---

* ملاحظہ ہو نواب صاحب مرحوم کا خط جو جنوری سنہ ۱۸۵۵ع کے Revue de l' Orient میں شائع ہوا ہے —

میں ترجمہ کیا ہے *۔

ہم لوگوں کو جنہیں ہندوستانی علوم سے دلچسپی ہے خود بخود ہندوستانیوں کے ساتھ بھی ایک طرح کا لگاؤ پیدا ہوگیا ہے۔ اس باب میں ہم سب سر چارلس وڈ کے نمونے پر عمل کر رہے ہیں۔ موصوف وزیر ہند ہیں اور ہندوستانیوں کے بھی خواہ ہیں۔ آپ نے اعلان کیا ہے کہ انگریزی حکومت کے پیش نظر ہندوستان میں ہمیشہ یہ اصول رہے گا کہ ۱۸ کروڑ محکوموں کے نفع کا خیال رکھا جائے تاکہ تاج برطانیہ کے سایۂ عاطفت میں جو لوگ زندگی بسر رہے ہیں انہیں خوش حالی نصیب ہو۔ شاہی اعلان بھی اس اصول پر مبنی تھا۔ انگریزی عملداری میں ہندو، مسلمان، عیسائی سب کے لئے یکساں قوانین ہوں گے اور کسی قسم کے امتیازات کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ ہندوستان میں ایک انجمن قایم ہوئی ہے جس کا نام "برطانوی ہندی انجمن" (British Indian Association) ہے۔ اس انجمن نے ہندوستانی میں اور دوسری مقامی زبانوں میں اس خیال کی نشر و اشاعت کو اپنا مقصد ٹھیرایا ہے کہ انگریزی عملداری کے فوائد و برکات سے ہندوستانیوں کو آگاہ کرے۔ ابھی حال ہی میں کلکتہ میں اس انجمن کا ایک اجلاس

* یہ خطبہ چھپنے کے لیے دیا جا چکا تھا کہ مجھے اطلاع ملی کہ لارڈ ایلجن کا بمقام دھرم سالہ ۲۰ نومبر کو انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ سر جان لارنس کام کر رہے ہیں —

ہوا تھا جس میں راجہ رادھا کانت دیو بہادر نے صدارت فرمائی تھی۔ اس جلسے میں سر چارلس وڈ کی رعایا نوازی پر تشکر کا اظہار کیا گیا۔ راجہ صاحب ایک نہایت فاضل شخص ہیں۔ اس موقع پر راجہ کالی کرشن نے حسب معمول اُردو میں تقریر کی اور سر چارلس کی تعریف کی کہ انھوں نے ہندوستانیوں کو اس کا موقع دیا کہ وہ مجسٹریٹ کے عہدے پر پہنچیں اور ملکی نظم و نسق کے اعلیٰ مراتب حاصل کریں۔ اور دوسرے متعدد لوگوں نے راجہ صاحب کے خیالات کی تائید میں تقریریں کیں اور صاحب وزیر ہند کی خدمت میں ایک ایڈریس پیش کیے جانے کی قرارداد منظور ہوئی —

میں نے آپ صاحبوں کے سامنے ابھی جو واقعات پیش کئے ان سے یقیناً یہ اُمید بندھتی ہے کہ ہندوستان جو دنیا کے بہترین ملکوں میں سے ہے مسیحی تہذیب کی بدولت خواب غفلت سے بیدار ہوگا۔ دن بدن اس کے ادب کو فروغ ہوگا۔ دراصل ادب کا نشو و نما شروع ہوگیا ہے اور ہمیں پوری توقع ہے کہ جس طرح آج سارا یورپ اس کے قدیم ادبی شہکاروں کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ اسی طرح وہ دن بھی عنقریب آنے والا ہے جب کہ اس کا موجودہ ادب بھی دنیا سے خراج تحسین حاصل کرے گا —

چودھواں خطبہ

۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ ع

حضرات !

گزشتہ سال سرکاری رپورٹوں کی بنا پر میں نے آپ صاحبوں سے بیان کیا تھا کہ ہندوستانی زبان کو خوب فروغ ہو رہا ہے - امسال پھر میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ اس زبان کی روز افزوں ترقی کی رفتار بدستور جاری ہے - اس ضمن میں سر چارلس ٹریولین خاص کر شکریے کے مستحق ہیں جن کی ان تھک کوششوں کی بدولت ہندوستانی کو یہ مرتبہ نصیب ہوا - موصوف کی دلی خواہش ہے کہ ہندوستانی زبان کی اصلاح کی جائے- وہ چاہتے ہیں کہ عربی فارسی کے مغلق الفاظ جو مسلمان فاتحین کے اثر سے ہندوستانی میں داخل ہوگئے ہیں ، اس زبان سے خارج کر دیے جائیں، اس لیے کہ ہندی کے ایسے الفاظ کثرت سے موجود ہیں جو بآسانی ان عربی فارسی لفظوں کی جگہ لے سکتے ہیں - سر چارلس ٹریولین نے مجھے لکھا ہے کہ ہندوستانی زبان میں آج کل یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ انگریزی کے الفاظ کو کثرت سے استعمال کیا جاے-

اس رجحان سے ہندوستانیوں اور انگریزی قوم کے موجودہ تعلق کا پتا چلتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہماری افریقی مقبوضات میں وہاں کے باشندوں نے فرانسیسی زبان کے بہت سارے لفظوں کو اپنی زبان میں بلا تکلف استعمال کرنا شروع کردیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ان لفظوں کا عربی میں ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اہل ہند نے اپنے ہاں انگریزی زبان کے بہت سے لفظ رائج کر لیے ہیں۔ بعض اوقات تو اُن کی اپنی زبان میں لفظ موجود ہوتا ہے جب بھی وہ ہم معنی انگریزی لفظ کو ترجیح دیتے ہیں۔ انگریز لوگ وقت کی بہت قدر کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے ہاں مثل مشہور ہے کہ "وقت دولت ہے"۔ اہل مشرق اس دولت کی زیادہ قدر نہیں کرتے۔ چنانچہ ہندوستان میں لفظ "ٹائم" کی اہمیت لفظ "سماں" یا لفظ "دور" سے مختلف سمجھی جاتی ہے * ۔ اسی طرح لفظ "کنبہ" یا "خاندان" کی جگہ عام طور پر لفظ "فیملی" استعمال ہوتا ہے۔ گویا کہ آخر الذکر لفظ گھر بار کے مفہوم کو زیادہ واضح طور پر ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح مطبع کی جگہ "پریس" دھوم دھام کی جگہ "پریڈ" گنہگار کی جگہ "کلٹی" استعمال ہوتے ہیں۔ اور بہت سارے انگریزی

---

* ایک ہندوستانی خاتون اگر اپنے شوہر کو دفتر کے وقت یاد دہانی کرانا چاہتی ہیں تو یوں کہتی ہیں "تمہارے آفس جانے کا ٹائم ہے" —

الفاظ پیش کیے جا سکتے ہیں جنہیں اہل ہند خود اپنے لفظوں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور بہتر سمجھتے ہیں - چنانچہ مرزا پور کا اخبار ' خیر خواہ ہند " اس قسم کی ہندوستانی میں ہوتا ہے جس میں انگریزی الفاظ کثرت سے کھپائے جاتے ہیں - مشنریوں کی بیشتر تصانیف جو مسیحی مذہب کی نشر و اشاعت کے لیے شائع ہوتی ہیں اسی طرز کی زبان میں ہوتی ہیں —

آگرہ کے ایک معزز مسلمان محمد مرداں علی خاں نے ہندوستانی اخباروں کے اس طرز تحریر پر سخت افسوس ظاہر کیا ہے * - وہ لکھتے ہیں کہ اہل یورپ کی نظر میں ہندوستانی زبان کی کوئی وقعت نہیں ہے - وہ اسے محض ایک دفتری زبان سمجھتے ہیں- چنانچہ بنگال میں انگریزی اثر زیادہ ہونے کے سبب سے وہاں کی اردو پہچان نہیں پڑتی- اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ نہایت معزز انگریز ہندوستانی کے ایسے لفظ اور فقرے بلا تکلف استعمال کرتے ہیں جنہیں سن کر شرم آتی ہے - عربی مثل ہے کہ " الناس علیٰ دین ملوکھم " - اور دیکھا دیکھی انگریزوں کی ریس میں وہی الفاظ اور فقرے استعمال کرنا شروع کردیتے ہیں جو وہ ان کی زبان سے سنتے ہیں - اور بعض لوگ عربی کی ایک اور دوسری مثل کو

* اودھ اخبار ' ۷ جون سنہ ۱۸۶۴ء

اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں - وہ مثل یہ ہے - " کلام الملک ملک الکلام " —

بہر حال اب اس امر کا تو قطعی فیصلہ ہو چکا ہے کہ ہندوستانی زبان کو ہندوستان بھر میں فوجی اغراض اور خط و کتابت کے لئے استعمال کیا جائے گا - اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرتا کہ ہندوستانی (اردو) ہی ہمارے ملک کی زبان ہے، فوجی چھاؤنیوں میں، بازاروں میں، غرض کہ ہر کہیں یہ بولی اور سمجھی جاتی ہے - دکن میں بھی اور بالخصوص حیدرآباد اور میسور میں اس زبان کا خوب چرچا ہے - ان علاقوں میں یہ زبان مسلمان سپاہیوں کے ذریعے سے پہنچی اور آج بھی انگریزی افواج میں جو ان علاقوں میں رہتی ہیں، یہی زبان بولی جاتی ہے - چنانچہ انگریز حکام اگر سپاہیوں کے عام مجمع کو خطاب کرنا چاہیں تو وہ ہندوستانی ہی میں ان کے آگے تقریر کرتے ہیں - اس کی ایک مثال یہ ہے کہ گزشتہ فروری کے مہینے میں جب سر ہنری مانٹگمری لفٹننٹ گورنر پنجاب دہلی سے لاہور واپس جاتے ہوے ریاست کپورتھلہ تشریف لے گئے تو اس موقع پر موصوف نے مشن اسکول کے طلباء کے سامنے ہندوستانی میں تقریر کی، اور اس تقریر کے دوران میں اس اسکول کی تعلیمی حالت کے متعلق اطمینان کا اظہار کیا - اس کی دوسری قابل ذکر

مثال یہ ہے کہ چند ماہ قبل وائسرائے ہند سرجان لارنس نے شملہ میں دربار منعقد کیا - یہ دربار اسی نوعیت کا تھا جیسا کہ لارڈ امہرسٹ کے زمانے میں سنہ ۱۸۲۷ء میں منعقد ہوا تھا - اس دربار میں سب پہاڑی راجاؤں نے شرکت کی اور نذرانے پیش کیے - یہ رسم اطاعت گزاری کے اظہار کی غرض سے ہوا کرتی ہے - راجاؤں کے ساتھ ان کے درباری اور مشیرانِ کار بھی اس دربار میں آئے اور ان کے بھڑک دار لباس پر سب کی نظریں اٹھتی تھیں - اس موقع پر سرجان لارنس نے ان سب معزز حاضرین کے روبرو ہندوستانی (اردو) زبان میں تقریر کی - ہندوستان کے اخبارات نے اس کے متعلق ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سرجان شور کے سوا اور کسی وائسرائے نے اس سے قبل ہندوستانی زبان میں تقریر نہیں کی تھی - اس کے بعد ۱۸ اکتوبر کو لاہور میں وائسرائے نے ایک دوسرا دربار منعقد کیا - اس کا افتتاح بھی سرجان لارنس نے ہندوستانی زبان میں کیا - اس دربار میں چھ سو راجاؤں اور جاگیرداروں نے شرکت کی تھی - ہندوستان کے اخبارات کا خیال ہے کہ پنجاب کی تاریخ میں سرجان لارنس کی یہ تقریر یادگار رہے گی - بعض اخباروں نے پوری تقریر نقل کر دی ہے اور بعض نے اس کا ترجمہ درج کیا ہے —

ایک مشہور ہندو فاضل شیو پرشاد نے اپنی

کتاب *"Itihas timur nacak" کے دیباچے میں لکھا ہے کہ ہندوستانی تمام اہل ہند کی مادری زبان ہے - ہندوستان کے ہر حصے میں یہ زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے - چنانچہ فرانسیسی مقبوضات چندر نگر، ینانؤں، پانڈی چری، کاریکل، ماھی ہر کہیں یہ زبان سمجھی جاتی ہے- اسی طرح پرتگیزی مقبوضات میں بھی اس زبان کے ذریعے سے کام نکالا جا سکتا ہے ۔ آج کل پرتگیزی مقبوضات کے گورنر جنرل کے سکریٹری ایک فاضل مستشرق ہیں جن کا نام 'مرسیو واکھنا ریورا' ہے —

میرے ایک پرانے شاگرد 'مستر ای سیسے' نے جو آج کل کاریکل میں جہاز کے ایک افسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں، میرے استفسار کا اپنے خط میں جواب دیا ہے - پانڈی چری کے ایک باشندے نے مجھے لکھا تھا کہ لوگ تاملی علاقے میں ہندوستانی مطلق نہیں سمجھتے- اس پر میں نے مستر ای سیسے سے اس باب میں پوری کیفیت دریافت کی - وہ جواب میں یوں لکھتے ہیں : " آپ کو پانڈی چری سے جس کسی نے یہ لکھا ہے کہ تاملی علاقے میں ہندوستانی بالکل نہیں سمجھی جاتی اس نے غلط بیانی کی ہے - میں نے ابھی حال میں کرومنڈل سے لے کر مالابار تک کوئی بارہ سو میل کا سفر کیا اثنائے سفر میں میں نے باوجود اس کے کہ تامل میری مادری زبان ہے،

---

* نام صاف طور پر سمجھ میں نہیں آیا - مترجم -

جان بوجھ کر لوگوں سے ہندوستانی میں گفتگو کی اور ہر جگہ میری بات سمجھی گئی - میرا خیال ہے کہ ہندوستانی زبان ہندوستان کے گوشے گوشے میں سمجھی جاتی ہے - اور دوسری زبانیں جیسے تامل ' گجراتی ' تلنگی ' کرناٹکی ملیالم اور بنگالی وغیرہ محض مقامی حیثیت رکھتی ہیں اور اپنے اپنے مخصوص صوبوں کے علاوہ اور کہیں نہ بولی جاتی ہیں اور نہ سمجھی جاتی ہیں " - آپ کو معلوم ہوگا کہ کشمیر کی ریاست میں زیادہ تر آبادی مسلمانوں کی ہے - ان پر ایک ہندو راجا حکومت کرتا ہے - اس کا دارالسلطنت سرینگر میں ہے - اس کے زیادہ تر اعلی حکام بھی ہندو ہی ہیں - کشمیر کے ہندو مسلمان سب کشمیری زبان بولتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہندوستانی زبان ریاست میں ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے - ہندوستانی کے علاوہ وہاں فارسی زبان کا بھی اچھا خاصا چرچا ہے -

جن انگریزوں کو ہندوستان میں رہ کر حکومت کے اعلی فرائض انجام دینے ہیں ان کے لیے ازبس ضروری ہے کہ ہندوستانی زبان پر پوری طرح حاوی ہوں اور اسے بخوبی سمجھ سکیں - دیسی زبانوں کے امتحانات کے جو نئے قواعد و ضوابط ۳ ستمبر کو شائع ہوئے ہیں ان کی رو سے ہندوستانی زبان کے امتحان کے دو نصاب بنائے جائیں گے - ایک ان کے لیے ہوگا - جو فوج میں یا میڈیکل (طبی) شعبے میں جانا چاہتے

هیں اور دوسرا ان کے لیے هو گا جو ترجمان کی خدمت کے لئے کوشش کرنا چاهتے هیں - ان قواعد کا نفاذ آئندہ ماہ فروری سے هوگا - پہلے نصاب کے مطابق امتحان میں شرکت کرنے والوں کے لئے فارسی اور دیوناگری رسم الخط میں هندوستانی زبان کے چند اقتباسات پیش کیے جائیں گے جن کا انهیں سلیس زبان میں مطلب بیان کرنا هوگا - دوسرے امتحان میں باغ و بہار اور پریم ساگر کے اقتباسات کو پڑھوایا جائے گا اور ترجمہ کرایا جائے گا - اس کے علاوہ انگریزی سے هندوستانی میں ترجمہ کرنا هوگا - امیدواروں کو فارسی اور دیوناگری رسم الخط میں لکھے هوے خطوط کا مطلب بتانا هوگا - اور ان دونوں رسم الخط میں املا بھی لکھنا هوگا - اسی طرح اور دوسری دیسی زبانوں کے امتحانات هوں گے جن کی نسبت مجھے اس موقع پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے —

وہ امیدوار جو فوج کے محکمۂ رسد رسانی (کمسریٹ) میں خدمت حاصل کرنا چاهتے هیں انهیں امتحان میں، سر چارلس وڈ کے مقرر کردہ قواعد کے مطابق، هندوستانی کی سرکاری تحریروں کا ترجمہ کرنا هوگا، ترجمہ میں صرف و نحو کی پوری پابندی لازمی ہے اور انهیں سرکاری تحریروں میں سے املا بھی لکھایا جائے گا - اس کے علاوہ

انگریزی کا کوئی خط ایسا دیا جائے گا جس کا انہیں فوراً ہندوستانی زبان میں ترجمہ کرنا ہوگا - مختلف طبقوں کے دو تین ہندوستانی اس موقع پر موجود رہیں گے - امیدوار کی کامیابی اس میں ہے کہ وہ ان سب کو اپنا مطلب اچھی طرح سمجھا سکے —

اسٹاف کور (Staff corps) کے امتحانات اب بجائے سالانہ ہونے کے ہر شش ماہی پر ہوا کریں گے - پنجاب کے صوبے کے امتحانات بھی فورٹ ولیم کالج کے زیر اہتمام ہوں گے - اب دہلی بھی پنجاب کے صوبے میں شامل کردی گئی ہے - اس کا صوبۂ شمالی و مشرقی سے اب کوئی تعلق باقی نہیں رہا - صوبۂ شمالی و مغربی کا دارالحکومت الہ آباد ہے اور اودھ کا صوبہ بھی اب اس صوبے میں ضم کردیا گیا ہے - ان امتحانات میں آج کل بڑی سختی کی جا رہی ہے - چنانچہ ابھی حال میں گورنمنٹ ہند نے صرف اس بنا پر ایک اعلیٰ انگریز فوجی افسر کو ہندوستان نہیں جانے دیا کہ وہ اس علاقے کی زبان کے امتحان میں ناکام رہا تھا * —

پچھلے سال جتنے اخبار ہندوستانی زبان میں شائع ہو رہے تھے وہ بدستور اب بھی شائع ہو رہے ہیں - ہندوستانیوں میں روز بروز اخبار بینی کا چسکا بڑھتا جا رہا ہے - ان

* انڈین میل - ۱۶ نومبر سنہ ۱۸۶۳ ع -

اخبارات میں بالعموم خبروں کے علاوہ عام معلومات بڑھانے کے لئے مضامین بھی ہوتے ہیں - ان میں نئی نئی ایجادات اور تہذیب و تمدن کی ترقی کے متعلق مضامین ہوتے ہیں جنہیں لوگ بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہیں - لکھنؤ کا "اودھ اخبار" اسی قسم کا ایک اخبار ہے * اس اخبار کی چند اشاعتیں میرے پیش نظر ہیں - اس میں خبروں کے علاوہ ادبی مضامین بھی ہیں - بعض مضامین دیوناگری رسم خط میں ہیں - یہ غالباً خاص کر ہندوؤں کے لئے لکھے گئے ہیں - ۲۱ مئی کی اشاعت میں "شہیلڈ" کی طغیانی کا حال لکھا ہے - یہ مضمون مسٹر ایڈورڈ ہنری پامر نے لکھا ہے - موصوف کیمبرج کے سینٹ جان کالج کے طالب علم رہ چکے ہیں - آپ نے ۲۶ سال کی عمر میں ہندوستانی زبان میں ایسی مہارت حاصل کرلی ہے کہ باید و شاید - یہ سید عبداللہ پروفیسر ہندوستانی لندن یونیورسٹی کے فیض صحبت کا اثر ہے - موصوف نہایت بے تکلفی سے ہندوستانی بول سکتے اور لکھ سکتے ہیں - اگر ان کا رنگ اس قدر گورا نہ ہوتا اور انگریزوں کا سا نام نہ ہوتا تو انہیں ہندوستانی مسلمان کہنے میں کوئی

---

* یہ ہفتہ وار اخبار چھوٹی تقطیع پر ۱۶ صفحوں کا ہوتا ہے - اس کی ادارت شیو پرشاد کرتے ہیں - میں موصوف کا پہلے ذکر کر آیا ہوں - وہ ہر موضوع پر لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں -

شخص مطلق تامل نہ کرتا - ہندوستانی کے علاوہ عربی اور فارسی کے قدیم ادب کی بھی موصوف نے تحصیل کی ہے - آگرہ کے ایک فاضل محمد مردان علی خان نے مسٹر ایڈورڈ ہنری پامر کی فضیلت کا اعتراف اپنے اخبار کی ۷ جون والی اشاعت میں کیا ہے - وہ کہتے ہیں " میں نے کسی یورپین کو آج تک ہندوستانی زبان میں ایسا کمال حاصل کرتے نہیں دیکھا جو مسٹر پامر نے حاصل کیا ہے - موصوف کا طرز تحریر بھی نہایت شگفتہ ہے - جب سے میں سرکاری ملازمت میں ہوں، میں نے صرف دو چار یورپین ایسے دیکھے ہیں جو بلا تکلف ہندوستانی میں تحریر کرسکتے ہیں اور خود ہندوستانیوں کے لب و لہجے میں گفتگو کر سکتے ہیں - لیکن مسٹر پامر اس لئے اور بھی زیادہ قابل تعریف و مبارکباد ہیں کہ انگلستان کے اندر رہ کر انھوں نے تھوڑے ہی دنوں میں ہندوستانی زبان پر ایسی قدرت حاصل کر لی جو ان کے ہزارہا اہل وطن باوجود پوری کوشش کے حاصل نہ کرسکے - اگر موصوف کی طرح اور دوسرے انگریز بھی ہندوستانی زبان سیکھیں، تو اس میں ہندوستان اور انگلستان دونوں کا نفع ہے - ہماری دعا ہے کہ مسٹر پامر بہت دنوں زندہ رہیں- موصوف ان چند انگریزوں میں سے ہیں جو ہندوستانی زبان کی اہمیت کو سمجھتے ہیں- موصوف کے مضمون کو دیکھ کر

میں تو دنگ رہ گیا' - اس اخبار کی دوسری اشاعت میں پروفیسر عبداللہ' میر اولاد علی اور محمد وجاهت علی مدیر " اخبار عالم ' میرٹھ * نے بھی مسٹر پامر کی زبان دانی کی تعریف کی ہے —

میں اب ھندوستانی کے جدید اخبارات کے نام گناتا ھوں- میرٹھ سے ایک اخبار نکلنا شروع ھوا ہے جس کا نام " نجم الاخبار " ہے - میرے پیش نظر اس اخبار کی چند اشاعتیں ھیں - صوبۂ شمالی و مشرقی کے ناظم تعلیمات مسٹر ایم کیمپسن نے از راہ عنایت یہ اخدار میرے پاس بھیجا ہے۔ میرے خیال میں صوبۂ شمالی و مشرقی کا یہ بہترین اخبار ہے - یہ اخبار ھفتہ وار ہے اور چھوٹی تقطیع پر ۱۲ صفحوں میں چھپتا ہے - ھر صفحہ پر دو خانے (کالم) ھوتے ھیں —

آگرہ سے ایک اخبار نکلنا شروع ھوا ہے جس کا نام " بھارت کھنڈ امرت" ہے۔ اس اخبار کی مالک ھندوؤں کی معاشرتی و مذھبی اصلاح کی ایک انجمن ہے - اس اخبار کے بانیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وید مقدس کی الہامی تعلیمات زندگی کے چلن میں بہترین رھنما ھیں - اس مقدس کتاب کی تعلیم پر

---

* میں نے اپنے سنہ ۱۸۶۱ ع کے خطبہ میں اس اخبار کا ذکر کیا تھا - میں نے کہا تھا کہ اخبار " دارالسلام" نامی مطبع میں طبع ھوتا ہے - پتا چلا ہے- در اصل یہ اخبار مطبع نورالابصار میں چھپتا ہے -

تمام هندوؤں نو چلنا چاهیے اور اس کے اصول کو دل و جان سے ماننا چاهئے - اس اخبار کے مالکوں کے پیش نظر یہ نظریہ هے کہ وہ اپنے هم مذهب بھائیوں کو قدما کے عقاید و اعمال کی سچائی اور ان کے رسوم و اطوار کی سادگی کی جانب راغب کریں اس انجمن کی طرف سے ایک رسالہ شائع هوا هے جس میں شادی بیاہ کی لایعنی رسوم اور اسراف کے خلاف تحریک کی گئی هے - اس کا نام "امتناع اسراف شادی" هے - سنہ ۱۸۶۳ ع میں دهلی میں اس کے جواب میں ایک اور دوسرا رسالہ نکلا تھا جس کا نام "مبیدا نام" تھا -

اخبار " مدراس ٹائمز " کے مالک مسٹر ونز' گیلو نے اس سال ماہ جنوری میں یہ اعلان کیا تھا کہ وہ " ٹائمز آف ایشیا " کے نام سے اس اخبار کو پھر سے کالنا شروع کریں گے - انہیں اس کا انتظار تھا کہ ٹائپ بن کر آجائے تو انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو' تامل' تلنگی' اور کنڑی کے اخبارات بھی جاری کردیں- همیں پوری امید هےکہ انہیں اس ارادے میں کامیابی هوئی هوگی اور ان کے زیر اهتمام ایک اور هندوستانی اخبار کا اضافہ هوا هوگا- مدراس میں پہلے سے بھی ایک هندوستانی اخبار نکلتا هے جس کا نام "جامع الاخبار " هے - اس کے مدیر رحمت اللہ هیں - یہ اخبار هفتہ وار هے اور هر دوشنبہ کو شائع هوتا هے - یہ ۱۶ صفحات پر مشتمل هوتا هے - هر صفحے

میں دو خانے ہوتے ہیں —

باوجود ہندوستانی لوگوں کی عدم توجہی کے وہ دن قریب آ رہا ہے جب کہ تعلیم کے عام ہونے سے ہندوستانی میں "راے عامہ" پیدا ہوگی اور اس کی کسوٹی پر لوگ ہر چیز کو پرکھیں گے - ۲۷ فروری سنہ ۱۸۶۴ ع کے ٹائمز میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے گوشے گوشے سے اخبارات نکل رہے ہیں- ان میں سے بیشتر کی ادارت کے فرائض اچھے طریقے سے ادا کئے جاتے ہیں - ان میں سے بعض اخبارات کے مضامین دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ مضمون نگاروں کی نظر وسیع ہے اور وہ انگریزی ادبیات اور انگریزی فن صحافت سے واقفیت رکھتے ہیں - حکومت ان اخباروں کی کوئی مدد نہیں کرتی لیکن پھر بھی وہ سب اس کی حمایت میں مضامین شائع کرتے ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی لوگوں کے دلوں میں اہل یورپ کا احترام جاگزیں ہو گیا ہے - بقول گولڈ اسمتھ

"ان کی چال میں غرور و تمکنت ہے - ان کی نظروں سے رعب ٹپکتا ہے - وہ دیکھو، نوع انسانی کے سردار آ رہے ہیں"-

میں اپنے سالانہ خطبوں کا زیادہ تر مسالا مسٹر آرکسٹ سے جو لاہور میں رہتے تھے ' حاصل کیا کرتا تھا - موصوف اب کچھ عرصے کے لئے یورپ آئے ہوے ہیں- لیکن اور دوسرے احباب ہندوستان میں ایسے موجود ہیں جو ہندوستانی زبان

کی دن دونی ترقی کے راز کو سمجھتے ھیں اور اس کی ترقی کے لئے خود بھی کوشاں ھیں۔ انہیں احباب کے ذریعے سے مجھے نئی کتابوں کے متعلق معلومات حاصل ھوتی رھتی ھیں۔ میں نے بعض صاحبوں کو یہ شکایت کرتے سنا ھے کہ ھندوستانی زبان کا سارا ادب تراجم سے زیادہ نہیں اس میں انگریزی کی نقالی کے سوا رکھا ھی کیا ھے۔ ھندوستانی لوگ ٹھیک کہتے ھیں کہ " انسانی طبیعت چور ھے " ۔ انسان کو یہ صلاحیت حاصل ھے کہ وہ دوسروں کے خیالات کو لیکر اپنا جامہ پہنا دے زیادہ سے زیادہ یہ کہ دوسروں کے خیال کو لے کر اپنے طرز ادا کے رنگ میں رنگ دیا جائے۔ لیکن میرے خیال میں یہ دعویٰ قطعی طور پر بے بنیاد ھے کہ ھندوستانی میں سرقے کے سوا اور کچھہ ھے ھی نہیں مجھہ سے پہلے ولسن جیسا عالم فاضل شخص بھی یہی خیال ظاھر کر چکا ھے۔ سنسکرت کے مشہور عالم مسٹر ایڈورڈ کاول نے ابھی حال ھی میں " کشا منجلی " کا نیا ایڈیشن نکالا ھے جو میرے پاس بھی آیا ھے۔ اس کتاب میں زمانۂ حال کے سب مشہور مصنفوں کے فلسفیانہ دلائل کا نچوڑ پیش کیا گیا ھے۔ ایک دوسری کتاب " دفتر بے مثل " مجھے بھیجی گئی ھے۔ اگرچہ اس کتاب کا نام ایسا ھے کہ اس سے پہلے پہل آدمی دھوکے میں پڑ جاتا ھے لیکن یہ در اصل کلکتہ کے ایک معزز مسلمان کے اشعار کا انتخاب ھے۔ شاعر کا نام

مولوی عبدالغفور ہے اور وہ "نساخ" تخلص کرتے ہیں - واقعہ یہ ہے کہ تخلص بھی انکسار کے خیال سے اسی قدر دور ہے جتنا کہ خود کتاب کا نام - یہ کتاب اسی سال طبع ہوئی ہے اور ۱۸۲ صفحات پر مشتمل ہے - یہ کتاب ٹائپ میں چھپی ہے - "نساخ" کلکتہ کے مشہور و معروف عبداللطیف خاں بہادر کے قریبی رشتہ دار ہیں - انہوں نے فریدالدین عطار کے پند نامہ کا اردو نظم میں ترجمہ بھی کیا ہے - اس بیاض میں بعض بعض اچھے خاصے شعر ملتے ہیں - یہ عجب بات ہے کہ اہل مشرق میں نظم کا بمقابلہ نثر کے بہت زیادہ چرچا ہے - میں بعض ہندوستانیوں کو جانتا ہوں جو انگلستان میں رہتے ہیں، وہ بھی اپنی زبان میں برابر شعر و شاعری کیا کرتے ہیں - کسی دوسرے موقع پر میں نے سید عبداللہ کے اشعار کا ذکر کیا ہے - اس وقت میرے پیش نظر ایک دوسرے ہندوستانی فاضل میر اولاد علی کی غزلیات ہیں - ان کا تخلص بھی میر ہے - میر تقی کا بھی یہی تخلص تھا - "نساخ" نے بعض بعض جگہہ "ذوق" کا جواب لکھا ہے - "ذوق" اس وقت ہندوستان کے بہترین شاعر سمجھے جاتے ہیں - اسی لئے انہیں "خاقانیِ ہند" کا خطاب ملا ہے —

بابو شیو پرشاد کی محنت کی داد دینی چاہیے کہ انہوں نے ہندی میں ہندوستان کی مختصر تاریخ لکھی ہے - یہ تاریخ

مدرسے کے طلبا کے لئے لکھی گئی ہے۔ اس کا نام "Itihas timir nacak" ہے - ان کا ارادہ ہے کہ اس کتاب کو اردو رسم الخط میں بھی شائع کریں - تاریخ تین حصوں پر منقسم ہے - پہلے حصے میں ہندو اور مسلم عملداری کا حال ہے - اب تک یہی حصہ شائع ہوا ہے جو خود مصنف نے ازراہ کرم مجھے بھیجا ہے - دوسرے حصے میں انگریزی عملداری کی ابتدا اور اس کی ترقی و عروج کا احوال ہوگا اور تیسرے حصے میں ان تبدیلیوں کا ذکر کیا جائے گا جو انگریزی اثر سے ہندوستانیوں کے رسوم و رواج اور ان کے قوانین پر مترتب ہوئی ہیں - اسی تاریخ میں 'شیو پرساد' نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ 'الفنسٹن' اور 'مارشمین' کی تاریخیں غلطیوں سے خالی نہیں ہیں —

کپتان اے آر فلر ناظم سررشتۂ تعلیمات ' پنجاب نے ازراہ کرم مجھے اُردو کی ایک تاریخ ہند بھیجی ہے جو ان کے حکم سے لکھی گئی ہے - اس کتاب کا نام "واقعات ہند" ہے - مولف کا نام کریم الدین ہے - اس تاریخ کا زیادہ تر مواد انگریزی اور ہندوستانی دستاویزوں سے حاصل کیا گیا ہے چند ماہ کا عرصہ ہوا یہ کتاب لاہور میں طبع ہوئی- مولف موصوف نے ایک جغرافیہ بھی مدرسوں کے لئے لکھا ہے- اس کا نام "مفتاح الارض" رکھا ہے- محمد فاضل لاہوری نے اس کتاب کی کتابت کی اور پھر لاہور میں لیتھو پر چھپی —

مولوی کریم الدین کی یہ دونوں کتابیں اور ان کے علاوہ ان کی اور دوسری تصانیف در اصل تراجم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ہیں - مولوی کریم الدین اپنے اور دوسرے اہل وطن کی طرح اس بات کو کوئی عیب نہیں سمجھتے کہ کسی دوسرے مصنف کے خیالات کو بلا تکلف اپنی کتاب میں درج کر دیں - ہندوستان میں یہ آزادی عام طور پر علمی دنیا میں برتی جاتی ہے- مترجمین کو ان بین الاقوامی معاہدوں کی مطلق کوئی پروا نہیں ہوتی جن کے مطابق ان کا فرض ہے کہ وہ جب کسی مصنف کی کتاب سے کوئی مضمون لیں تو اس کا اعتراف کریں ممکن ہے یہ شعار ہندوستان کے مولفین و مصنفین کے لیے عارضی نفع کا باعث ہوتا ہو لیکن ذہنی ترقی کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی مُضر بات نہیں ہو سکتی- میں سمجھتا ہوں مولوی کریم الدین آج کل جس نئی کتاب کو تالیف کر رہے ہیں اس کا نام خذ ماصفا ہے اس میں ضرور اس کا اعتراف کریں گے کہ انہوں نے دوسروں سے استفادہ کیا ہے - یہ کتاب حکومت پنجاب کے صرف سے طبع ہوگی جیسا کہ انہوں نے مجھے اپنے ایک خط میں لکھا ہے - نام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں مختلف مصنفین کے خیالات کو یک جا جمع کر دیا گیا ہے ـــــ

پنجاب کے ناظم سررشتۂ تعلیمات نے مجھے ان ہندوستانی

کتابوں کی ایک، مہرست بھیجی ہے جو ابھی حال میں شائع ہوئی ہیں - چنانچہ اس فہرست کی بعض کتابوں کی جانب میں آپ صاحبوں کی توجہ مبذول کرانا چاھتا ہوں ان کتابوں میں سے لاھور میں حسب ذیل طبع ہوئی ہیں —

(۱) فلسفہ کے اصول پر ایک کتاب "اصول علم طبیعی" ہے - اس کی دوسری جلد کا نام "مخزن طبیعی" ہے جس میں فطرت کے اصول بیان کئے گئے ہیں —

(۲) گردھاری لال کی بھگوت گیتا کا ہندی ترجمہ - یہ کتاب ۵۸۴ صفحات پر مشتمل ہے —.

(۳) آشوب نامہ - یہ افسانہ ہے - اس میں بھگوان داس اور گوپال رام دو بھائیوں کا احوال درج ہے —

(۴) ھما - مہر حسن کی فارسی صرف و نحو ہے - اس عجیب و غریب پرندے کے نام کو موضوع کتاب سے بظاھر کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا —

(۵) مفتاح النعیم - اس میں اصول انشا درج ہیں اور ساتھ ہی خطوں کی مثالیں بھی ہیں - خطوں کا طرز عام مشرقی خطوط سے ذرا مختلف معلوم ہوتا ہے —

لدھیانہ میں مندرجہ ذیل کتابیں چھپی ہیں:

متعدد کتابیں سنی اور شیعہ فرقہ کے عقاید اور مباحثوں سے متعلق ہیں - ان میں سے ایک کتاب کی ضخامت ۱۱۲۲ صفحے ہے -

" اشراقات عرشیہ " میں قصیدے اور نظمیں ہیں - یہ کتاب ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے - قصیدے اور نظموں کا انتخاب سید فرزند علی نے کیا ہے " باغ آدم " میں انبیا علیہم السلام کے حالات زندگی ہیں - " عجائب ربع مسکوں " میں میر خوند کی تاریخ حبیب السیر کا خلاصہ ہے —

دھلی میں مندرجۂ ذیل کتابیں چھپی ہیں —

(۱) " فغان دھلی " - اس میں سنہ ۵۷ ع کی شورش عظیم کے حالات درج ہیں اور یہ بتایا ہے کہ مغلوں کے دارالسلطنت کو اس پُر شور زمانے میں کِن کِن مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا - یہ کتاب ' اکمل المطابع " میں چھپی ہے —

(۲) " دافع هذیاں " - اس میں فارسی کی لغت " برهان قاطع " کی بعض غلطیوں پر تنقید ہے —

(۳) " دری کشا " - اس کتاب میں قدیم فارسی پر محققانہ نظر ڈالی گئی ہے —

(۴) " مہتاب معرفت " - اس میں بدھ مت اور ویدانت کے اصول کے مطابق عقل اور جذبات کی باھمی جنگ کی کیفیت درج ہے - یہ کتاب اخلاق کی تعلیم دیتی ہے - اصل سنسکرت سے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے - نند داس نے اس کا ھندی میں ترجمہ کیا ہے - جامعہ کیمبرج کے کتب خانے میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے —

آگرہ کے مسٹر شکل نے جو ایک پادری ہیں مجھے لکھا ہے کہ مکند لال کی کتاب "بغاوت ہند" کے باقی چھہ اجزا بھی شائع ہو چکے ہیں - اس کتاب کے شروع کے اجزا کی نسبت میں پہلے ذکر کر آیا ہوں * -

مرزا پور کے اخبار "خیر خواہ ہند" کی ماہ فروری کی اشاعت میں سرجان لارنس وائسرائے ہند کی زندگی کے حالات درج ہیں اور اس کے ساتھہ ان کی تصویر بھی ہے - یہ پرچہ مجھے سر چارلس تریوایین کی عنایت سے حاصل ہو سکا - اس اشاعت میں متعدد ایسی کتابوں پر تقریظیں بھی ہیں جو مشنری دیسی لوگوں میں دین مسیح کی نشر و اشاعت کی غرض سے طبع کراتے ہیں - ان میں بعض کتابیں ایسی ہیں جن کا منشا یہ ہے کہ دیسی لوگوں میں مغربی علوم و تمدن کا چرچا بڑہ رہا ہے - مرزاپور سے ایسی کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں جو ہندوستانیوں کے لئے بہت دلچسپی کا باعث ہوتی ہیں جیسے تلسی داس کی راماین - یہ کتاب دیوناگری رسم الخط میں ہے - ہندی کی کتابوں میں اس کو جو عام مقبولیت حاصل ہوئی وہ آج تک کسی اور کتاب کو نصیب نہیں ہوئی - ہندی میں سنسکرت کی صرف و نحو پر ایک کتاب شائع ہوئی ہے - پنڈت بدری لال نے

---

* دیکھو خطبہ سنہ ۱۸۶۱ع -

ایک کتاب شائع کی ہے جس کا موضوع " قدیم ہند میں تعلیم نسواں " ہے ان کے علاوہ ایک اور قابل ذکر کتاب ' چراغ کلام " ہے - یہ کتاب بارہ اجزا پر مشتمل ہے ۔

اب آج کل خود یورپین لوگوں نے ہندوستانی ادبیات پر نئی نئی کتابیں لکھنا شروع کی ہیں - ان میں مشرقی طرز کی جھلک پائی جاتی ہے اور بعض وقت تو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ کہیں یہ کتاب کسی ہندوستانی کی لکھی ہوئی تو نہیں - اس وقت میرا روے سخن ان مشنریوں کی طرف نہیں ہے جو لا تعداد کتابیں تبلیغی سلسلے میں ہر سال شائع کرتے رہتے ہیں بلکہ میری مراد اُن ادبی اور علمی کتب سے ہے جو ان انگریزوں کی تصانیف ہیں جنھیں مشرقی السنہ سے دلچسپی ہے - اس قسم کی ایک کتاب " داستان جمیلہ خاتون " ہے - مصنف نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا لیکن دراصل یہ افسانہ خود مسٹر ایم کیمپسن کی تصنیف ہے - موصوف صوبۂ شمالی مغربی کے ناظم تعلیمات ہیں - ان سے قبل اس صوبہ کے ناظم تعلیمات مسٹر ایڈ تھے جن سے مجھے خصوصیت حاصل تھی - اگر کسی کو اصلی مصنف کا علم نہ ہو تو مشکل ہی سے کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کتاب کسی ہندوستانی مسلمان کے قلم سے نہیں نکلی- اس میں ایسی ایسی تشبیہیں اور استعارے بلا تکلف استعمال کئے گئے ہیں جنھیں صرف

ٹھیٹ ہندوستانی ہی برت سکتا ہے - اس کے علاوہ اس کتاب میں عربی فارسی کے فقرے بھی جابجا آتے ہیں - میرا تو خیال ہے کہ غالباً خود ہندوستانیوں کو اصل مصنف کا پتا لگانے میں ذرا تامل ہوگا - ممکن ہے شبہ ہو تو اس سے ہو کہ اس کتاب کے شروع میں "بسم اللہ" نہیں ہے اور اس کا خاتمہ انجیل مقدس کے ایک فقرہ پر ہوتا ہے —

یہ کتاب ہندوستانی مدارس کے طلبا کے لئے لکھی گئی ہے - اس کے دیباچے میں مصنف نے یہ بتایا ہے کہ ہندوستانی نوجوانوں کو جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں اخلاقی تعلیم نام کو نہیں ہوتی - اس کے بر خلاف عشق و نفس پرستی کے قصے انہیں پڑھائے جاتے ہیں - اس کمی کو پورا کرنے کی غرض سے انگریزی مدارس کی کتابوں کے طرز پر یہ کتاب لکھی گئی ہے - اس میں ایسے مضمون سے بحث کی ہے جسے پڑھ کر طلبا میں نیکی اور فرض شناسی کا شوق پیدا ہو اور بری باتوں سے احتراز کرنا سیکھیں - اس کتاب کا مقصد طلباء کی اخلاقی اور مذہبی زندگی کو ابھارنا ہے - قصہ یہ ہے کہ کاشغر کے تخت کا وارث ایک نوعمر شہزادہ نوشہ ہوا - نوعمری کی وجہ سے سلطنت کا انتظام اس کے چچا انور کو تفویض ہوا - چچا کی نیت بدلی اور اس نے چاہا کہ نوشہ کو قتل کرا کے خود سلطنت غصب کرلے - اس کام کے لیے

اس نے ایک غلام کو جس کا نام حلبی تھا آمادہ کرلیا - حلبی نے اس کام کو انجام دینے کا وعدہ تو کر لیا لیکن خدا نے کچھہ ایسی نیکی اس کے دل میں ڈالی کہ بجائے قتل کرنے کے وہ نوشہ کو اپنے همراہ لے کر شیراز میں پناہ گزیں ہوا - شیراز کے وزیر کی لڑکی جمیلہ خاتون پر نوشہ کی نظر پڑی اور وہ اس پر دل و جان سے عاشق ہوگیا - اس کے بعد نوشہ اور حلبی کو عجیب وغریب مہمات پیش آئیں لیکن بالآخر اس کو اپنے مقصد میں کامیابی نصیب ہوئی - اس نے انور کو شاہی محل کے ایک غار میں بند کردیا اور نوشہ کو تخت پر بٹھایا - پھر جمیلہ خاتون کی نوشہ سے شادی ہوئی اور وہ شیراز سے کاشغر آگئی —

سید احمد خاں کی تحریک پر ابھی حال میں بمقام کلکتہ مسلمانوں کی ایک انجمن قایم ہوئی ہے جس کا نام " مجلس مذاکرۂ علمیہ اہل اسلام " رکھا گیا ہے - موصوف کا میں اپنے کسی پچھلے خطبے میں تعارف کرا چکا ہوں - آپ نے جو انجیل مقدس کی شرح لکھی ہے اس کا بھی میں ذکر کرچکا ہوں - آپ کی دوسری مشہور تصنیف " آثار الصنادید " ہے - سید احمد خاں نے ۱۶ اکتوبر سنہ ۱۸۶۳ ع میں اس انجمن کے جلسے میں ایک تقریر کی جو میرے پیش نظر ہے - جلسہ عبداللطیف خان بہادر کے زیر صدارت منعقد ہوا - سید احمد خاں نے اپنی

تقریر میں یہ خیال پیش کیا کہ جن اقوام نے علوم و فنون میں ترقی کی یا کر رہی ہیں، اس کا سب سے بڑا محرک خارجی اثر ہوا ہے - ہوتا یہ ہے کہ اقوام دوسروں کے علوم و فنون سے استفادہ کر کے انہیں پایۂ تکمیل کو پہنچاتی ہیں مسلمانوں نے شروع شروع میں علم و فلسفہ کے مبادیات یونانیوں سے سیکھے اور پھر اپنی محنت اور صبر سے علم و فلسفہ کو اوج کمال پر پہنچایا - جسے اس میں شبہ ہو وہ ان کی تصانیف دیکھے - ہندوؤں کی تصانیف قدیم زمانے سے مشہور چلی آتی ہیں لیکن انہیں بھی جو علم و بصیرت ملی وہ ہندوستان کے شمال و مغرب کی آریا قوم سے ملی - چنانچہ خود ان کی کتابیں اس کی شاہد ہیں - خود انگریزوں نے جو آج دنیا میں تہذیب و تمدن کے علمبردار ہیں، دوسری اقوام سے بہت کچھ حاصل کیا ہے - بعد میں خود انہوں نے صبر اور محنت سے حاصل کردہ علم کو بڑھایا اور اسے ترقی دی - موصوف اپنی تقریر سے مسلمانوں کو ان کے عہد ماضی کی ترقی یاد دلانا چاہتے تھے اور یہ بتانا چاہتے تھے کہ وہ صدیوں تک علم و فن اور حکمت و دانش کے مالک تھے اور اب حال یہ ہے کہ وہ انتہائی اخلاقی پستی میں پڑے ہوئے ہیں - اسی طرح موصوف نے ہندوؤں کی طرف خطاب کر کے کہا کہ ان کے بزرگوں نے بھی نئے نئے علم ایجاد کئے تھے اور آج یہ عالم ہے کہ ان پر بھی ہر طرف یاس و

و حرماں طاری نظر آتے ہیں - موصوف نے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں سے یہ درخواست کی کہ اب وقت آگیا ہے کہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور اپنے بزرگوں کی طرح علم و حکمت میں اپنا نام روشن کریں - موصوف نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے یہ طریقہ تجویز کیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک کمیٹی بنائی جائے جس میں مذہب و ملت کی مطلق کوئی تفریق نہ ہو ، اور اس کمیٹی کے سپرد یہ کام ہو کہ وہ مغربی علوم و فنون کی کار آمد کتابوں کے ترجمے شائع کیا کرے- جہاں تک ممکن ہو مذہبی کتابوں کے ترجمے نہ کیے جائیں - ترجمے ہندی اور اردو دونوں میں ہونے ضروری ہیں تاکہ ہندو اور مسلمان ان سے استفادہ کرسکیں - اس کے علاوہ اگر ممکن ہو ہندوستان کی اور دوسری علمی زبانوں میں بھی ان ترجموں کو شایع کیا جائے —

اس تقریر کا خطاب چونکہ زیادہ تر مسلمانوں ہی کی طرف تھا اس لئے سید احمد خاں نے خاص کر ان سے استدعا کی کہ وہ اپنے دل میں حب وطن کا جذبہ پیدا کریں اور ان پر جو یہ الزام عاید کیا جاتا ہے کہ انہیں اپنے وطن سے محبت نہیں اسے غلط ثابت کردیں - اس کے علاوہ موصوف نے اس پر زور دیا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے ہم مذہبوں کو تحصیل علم کی طرف مائل کریں اس واسطے کہ قعر مذلت سے نکلنے کا بس

ی ایک ذریعہ ہے - مسلمانوں پر جواب تک مصیبتیں آئی
یں اور آج کل جن میں وہ مبتلا ہیں اس کی ذمہ داری خود
ن پر عاید ہوتی ہے - ان مصائب و آلام سے نجات پانے کی بس
ی ایک صورت ہے کہ اب تک یورپ میں جو ترقیاں ہوئی
یں انہیں حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اہل یورپ کی
ندگی کی سطح کے برابر آجائیں - اس کا طریقہ یہ ہے کہ اہل
ورپ کی علمی تصانیف کو پڑھنا چاہئے - اس سے کچھہ مرض
ہیں کہ یہ کتابیں مسلمانوں کی لکھی ہوئی نہیں ہیں اور
ن میں بعض ایسی باتیں ہوتی ہیں جو قرآن کی تعلیم کے
لاف ہیں - مسلمانوں کے نزدیک قرآن میں بقول موسیو بار
لمی سیلنت هلیر " نظم ، مناجات ، دعا ، قانون ، وعظ ، رزمیہ،
ناظرہ اور تاریخ سب ہی کچھہ موجود ہے " * - سید احمد
ں نے مسلمانوں کو ان کی تاریخ کی طرف توجہ دلائی کہ
ب لوگ باوجود اپنے دین و مذہب کے پابند ہونے کے فیثاغورث
، فلکیات کی تحقیقات میں کوئی حرج نہیں سمجھتے
، - اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ لوگ اس کے بے دینی کے فلسفے
قائل ہو گئے تھے - فلسفے کے غلط دلائل کے متعلق ایک فارسی
عر نے ٹھیک کہا ہے :—

پائے استدلالیاں چوبیں بود

---

* Journal des Savants, December 1863

ہندوؤں نے بھی اپنی ایک انجمن مدراس میں قایم کی ہے - اس انجمن کے ارکان پر مسیحی اثر غالب معلوم ہوتا ہے - اس انجمن کا نام " ستھیا وید سماجم " ہے - اس انجمن کا مقصد یہ ہے کہ ہندوؤں کو مذہبی اخلاقی اور معاشرتی ترقی کی جانب توجہ دلائی جائے - اس مقصد کے حاصل کرنے کی غرض سے عام جلسوں میں تقریریں کرائی جائیں ، مباحثے منعقد ہوں اور مذہبی مسائل پر رسالے شایع کئے جائیں -

کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کی صدارت سر جان لارنس وائسرائے ہند نے قبول کرلی ہے - اس انجمن کے ذریعے سے تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو یورپ کے علما و فضلا سے ملنے کا موقع حاصل ہوگیا ہے - میری دانست میں اس سے ہندوستانی بہت کچھہ استفادہ کرسکتے ہیں —

سر جان لارنس وائسراے ہند کو اپنی رعایا کی تعلیم سے خاص شغف ہے - اس وجہ سے روز بروز نئے نئے مدارس قایم ہو رہے ہیں - موصوف کو اس کی خاص فکر ہے کہ ہندوستان میں تہذیب و تمدن کو فروغ نصیب ہو - لکھنؤ میں کیننگ کالج قایم ہوا ہے - اس کے قایم کرنے میں اودہ کے تعلقہ داروں اور برٹش انڈین ایسوسی ایشن کا خاص حصہ ہے - اس کالج میں مغربی اور مشرقی دونوں قسم کے علوم پڑھائے جاتے ہیں - سرکاری کالجوں کی طرح کیننگ کالج میں بھی انگریزی

زبان کی بہترین تعلیم ہوتی ہے- یہاں انگریزی زبان کے شہ کار اور بالخصوص 'شیکسپیر' کے المیہ ناٹک پڑھائے جاتے ہیں اور ہندوستانی لوگ ان ناٹکوں کی خوبیوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور ان کی داد دیتے ہیں - یہ سچ ہے کہ 'شیکسپیر' ہر زمانے اور ہر ملک کا شاعر ہے- اس نے جو کچھہ لکھا ہے اس میں ایسی سادگی اور صداقت ہے کہ ہر ملک کے لوگ اس کے مطالب کو سمجھہ سکتے ہیں- خود 'شیکسپیر' کا یہ قول ہے کہ :—

" فطرت کے ذرا سے اشارے پر نوع انسانی میں رشتہ اور قرابت پیدا ہو سکتی ہے " * —

سوراہجی جمشید جی' جی جی بھائی نے سورت میں ایک کالج قایم کرنے کی غرض سے ۶۵ ہزار روپیہ بطور عطیہ دیا ہے -

لاہور کا گورنمنٹ کالج باقاعدہ قایم ہو گیا - مسٹرجی لائٹنر اس کے صدر مقرر ہوے ہیں- موصوف اچھے مستشرق ہیں† -

برہام پور میں کئی سال سے گورنمنٹ کالج موجود ہے اب اس کی نئی عمارت تیار ہو رہی ہے یہ عمارت گوتھک طرز کی ہے- درسوں کے لئے چودہ کمرے رکھے گئے ہیں - ان کے علاوہ ایک کمرا بحث ومباحثہ کے لئے علحدہ رکھا گیا ہے اور ایک دوسرے کمرے میں

---

* "One touch of nature makes the whole world kin" Troilus and cressida –

† انڈین میل فروری سنہ ۱۸۶۴ ع —

کتب خانہ رکھا جاے گا اس میں ۵۰ طالب علم بہ یک وقت بیٹھ کر کام کر سکیں گے —

ایک دولتمند پارسی نے ۵۰ هزار روپے کا عطیہ اس لیے دیا ہے کہ اس سے ۵ هندوستانی طلبا انگلستان کی جامعات میں جا کر تعلیم حاصل کریں اور وهاں سے ڈگریاں لائیں - ان میں سے بعض بیرسٹری پڑھیں گے اور اپنے وطن واپس آکر وکالت کا پیشہ اختیار کریں گے - بمبئی یونیورسٹی کو ایک مشہور و معروف هندو بریم چند راے چند نے دو لاکھ روپے کی رقم بطور عطیہ دی ہے تاکہ اس رقم سے کتب خانہ قایم کیا جاے - بمبئی میں ابھی حال میں محمد حبیب بھائی کا انتقال ہوا ہے - آپ نے بمبئی میں ایک کالج قایم کرنے کے لیے دو لاکھ روپے کی رقم چھوڑی ہے - ۱۵ اکتوبر کو سر بارٹل فریر گورنر صوبۂ بمبئی نے اس کالج کا سنگ بنیاد رکھا اور اس کا نام "دکن کالج" تجویز کیا - شہر بمبئی کے لئے جو ادارہ نہایت قابل قدر ہے وہ وکٹوریہ اینڈ البرٹ میوزیم اور وکٹوریہ گارڈن ہے جس کا افتتاح مسٹر جارج برڈوُڈ کے زیر اهتمام ہوا ہے - موصوف بمبئی کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی شاخ کے معتمد ہیں - گورنمنٹ هند کی طرف سے اس ادارے کے ناظم کی تنخواہ گیارہ سو روپے ماهوار مقرر ہوئی ہے - جب مسٹر برڈوُڈ میوزیم اور باغ عامہ دونوں کو اپنی پیٹھ نظر اسکیم

کے مطابق تنظیم دے چکیں گے تو غالباً وہ اس خدمت سے سبکدوشی حاصل کرلیں گے اس صورت میں کسی جوشیلے نوجوان ماہر سائنس کے لئے موقع ہوگا کہ وہ ان کی جگہ پر کام کرے اور میوزیم اور باغ عامہ کو اور زیادہ ترقی دے —

الہ آباد میں جو سرکاری میوزیم اور کتب خانہ قایم ہوا ہے اس سے یقین ہے کہ ہندوستانیوں کو پورا فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا اور اس کی بدولت علم کی ترقی ہوگی - اس عجائب خانے کے حسب ذیل حصے ہوں گے ۱) قدیم ہندوستان کی تاریخ کے متعلق اشیاء (۲) ریشے ' لکڑی اور دھاتیں (۳) زرعی پیداوار (۴) مصنوعات (۵) تاریخ طبیعی کے نمونے (۶) مشینوں کے نمونے —

خیال یہ ہے کہ لوگوں سے درخواست کی جائے گی کہ وہ اپنے کتب خانے بطور عطیات دیں - اس کے علاوہ دوسرے چھوٹے چھوٹے سرکاری اداروں میں جو کتابیں ہیں انہیں بھی یہیں یکجا کر دیا جائے گا - جو یورپین ہندوستان چھوڑ کر وطن واپس ہونے کا قصد کریں گے ان سے بھی درخواست کی جائے گی کہ وہ بھی اپنی کتابیں اس کتب خانے کو عنایت فرمائیں —

بنگال کے گورنر آنریبل سیسل بیڈن کو ابھی حال میں اردو میں ایک ایڈریس پیش کیا گیا جس میں یہ درخواست

کی گئی ہے کہ علی پور نیز دیگر مقامات میں جو زرعی نمایش سرکاری حکام کے زیر انتظام کی گئی ہے وہ ہر سال ہوا کرے * - ان نمائشوں کے سلسلے میں ایک بات جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ ایک دن ہر جگہ صرف خواتین کے لیے مخصوص طور پر رکھا گیا اور انہوں نے اس میں خاص دلچسپی کا اظہار کیا -

لاہور میں تعلیم نسواں کو خوب ترقی ہو رہی ہے - یہ تعلیمی تحریک بڑی حد تک ' بابا خان سنگھ ' کی جد و جہد اور شغف کا نتیجہ ہے - آپ بابا نانک کی اولاد میں ہیں جنہوں نے سکھ مذہب قایم کیا تھا اور گرنتھ کا مذہبی قانون انہیں کا بنایا ہوا ہے- پنڈت رام دیال نے لڑکیوں کے لئے "پہلا قاعدہ" لکھا ہے اور ایک اور کتاب گرمکھی رسم الخط میں پنجابی لڑکیوں کے لئے لکھی ہے- اس کتاب کا نام " بال اپدیش" ہے -

کلکتہ میں بیتھم اسکول لڑکیوں کی تعلیم کے لیے پہلے سے موجود ہی ہے - یہ اسکول اپنے بانی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے - اس کی بدولت بنگالی لڑکیوں کی تعلیم اور اخلاق پر بہت اچھا اثر پڑا ہے - کلکتہ میں نیز دوسرے مقامات پر ایسی یورپین خواتین موجود ہیں جو بطور خدمت یا کچھہ تنخواہ لے کر زنانے میں جا کر ہندوستانی عورتوں کو تعلیم دیتی ہیں - میرے خیال میں ہندوستانی عورتوں کی تعلیم

---

* انڈین میل ۱۳ مارچ سنہ ۱۸۶۴ ع -

کے لیے یہ طریقہ بہترین ہے - ہندوستان کے شرفا کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو مدرسوں میں بھیجنا پسند نہیں کرتے - اس کے علاوہ لڑکیوں کی بعض اوقات چار پانچ سال کی عمر میں شادی ہو جاتی ہے اور وہ تیرہ چودہ برس کی عمر میں مائیں بن جاتی ہیں- ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان کے لیے یہ نا ممکن ہے کہ مدرسے میں جا کر تعلیم حاصل کریں اس لیے ان کی تعلیم کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ گھر پر اس کا انتظام کیا جائے - اس میں ایک نقصان یہ ضرور ہے کہ مدرسے میں ایک دوسرے کو دیکھ کر جو شوق پیدا ہوتا ہے وہ گھر کی تعلیم سے کبھی پیدا نہیں ہو سکتا ـــ

انگریزی مشنریوں کو ہندوستانی مسلمانوں میں اتنی کامیابی نہیں حاصل ہوئی جتنی کہ ان کو ترکی میں حاصل ہوئی ہے - بہر حال ان کے اثر سے ہندوستانی مسلمانوں میں مذہبی اصلاح کا خیال پیدا ہو گیا ہے - چنانچہ ایک "مسلم مشنری سوسائٹی" قایم ہوئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں اصلاحی کام کرے - در اصل خود اس انجمن کا رجحان بہت کچھ مسیحی مذہب کی طرف ہے - عموماً مسلمان در اصل مسیحی تعلیم سے اس قدر دور نہیں ہوتے ہیں جیسا کہ عام طور پر لوگوں کا خیال ہے - کلکتہ کے مہا پادری 'کاٹن' بھی میرے اس خیال کے موئد ہیں جیسا کہ

ان کی ہدایات سے ظاہر ہوتا ہے جو انہوں نے اپنے ماتحتوں کو ابھی حال میں دی ہیں * —

ہندوستانی مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہے جو مسیحی مذہب کی خوبیوں کو اپنے مذہب میں سمو رہی ہے - اس جماعت کے اصلی لیڈر سید احمد خاں ہیں جو غازی پور کے رہنے والے ہیں † - میں موصوف کی نسبت پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں - آپ ہی ہیں جنہوں نے انجیل کی تفسیر لکھی ہے اور ڈاکٹر کو لینسو نے جو توریت پر اعتراضات کیے ہیں ان کا جواب دیا ہے - کلکتہ کے لاٹ پادری کاٹن کو یہ شکایت ہے کہ ان کا حلقۂ تبلیغ بہت وسیع ہے - لیکن اس کی وسعت بنارس تک نہیں پہنچتی جہاں ایک علحدہ پادری رہتا ہے - پورٹ لوئز میں " انجمن کلیسا " (Church Association) نے ہندوستانی تارکین وطن کے لیے ایک کلیسا تعمیر کروایا ہے - یہاں ۲۷ اگست کو جو عبادت کی گئی اس کا ایک حصہ ہندوستانی زبان میں تھا - اس کے علاوہ متعدد آیت اور مناجاتیں بھی ہندوستانی زبان میں پڑھی گئیں —

مدراس کی انجمن حلقہ ہائے تبلیغ نے ہندوستانی تامل

---

* " A charge to the clergy of the Diocese and Province, Calcutta "-

† سر سید احمد خاں مرحوم غازی پور میں بہ سلسلۂ ملازمت سرکاری کچھ عرصہ رہے تھے — مترجم

اور تلگو زبانوں میں چھہ ہزار سے زائد رسائل چھپوائے ہیں تاکہ مسیحی مذہب کی نشر و اشاعت عوام الناس میں کی جائے- کلکتہ کے حلقے کی " ورناکلر کمیٹی " نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ' رزکی ' کے پادری ' ایچ شل ' کی " صبح کی مناجات " اور " شام کی مناجات " کا ہندی میں ترجمہ کریں - اس انجمن نے دہلی کے پادری ' ونٹر ' کو اردو کے دو سو با تصویر اشتہارات چھپوا کر بھیجے ہیں تاکہ وہ انہیں تقسیم کریں - اِن اشتہارات کا ریورنڈ ایم سلیٹر نے انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا ہے * —

' پشاور ' کی " چرچ مشنری سوسائٹی" نے رنجیت سنگھہ کے زمانے کے ایک شاہی قلعے کو اپنے مشن کا مرکز بنا یا ہے —

مہاراجا دلیپ سنگھہ جب حال ہی میں بمبئی سے گزرے تو انہوں نے ۱۰ اپریل کو ڈاکٹر ولسن کے گرجا میں ہندی زبان میں لکچر دیا اس لیے کہ حاضرین جلسہ میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت نہیں تھی جو انگریزی سمجھہ سکتے - مہاراجا اپنی والدہ کی آخری وصیت پوری کرنے کی غرض سے ہندوستان تشریف لے گئے تھے - وہ آخری وصیت یہ تھی کہ مرنے کے بعد ان کی لاش دریائے گوداوری کے کنارے نذر آتش کی جائے (†) -

* The Colonial Church Chronicle, January, 1864

† مہارانی کی وصیت کے مطابق ان کی لاش ہندوستان لائی گئی اور دریائے گوداوری کے کنارے پر نذر آتش کی گئی - چونکہ مہارانی صاحبہ مذہب کو خیر باد کہہ چکی تھیں اس لیے کسی برہمن نے اس آخری رسم میں شرکت نہیں کی - صرف ان لوگوں نے جو ذات باہر سمجھے جاتے ہیں شرکت کی —

مہاراجا نے ۱۲ اپریل کو سب ہندوستانیوں کو Free general assembly institution میں مدعو کیا جنہوں نے مسیحی مذہب کو قبول کیا ہے - اس دعوت میں تقریباً ساڑھے چار سو آدمی شریک ہوئے جن میں مشنری اور ان کے خاندان کے لوگ بھی شامل تھے - اس موقع پر متعدد تقریریں ہوئیں - ڈاکٹر ولسن نے مہاراجا کے مسیحی مذہب قبول کرنے کی اہمیت بتلائی اور یہ کہا کہ اس کا اور دوسرے ہندوستانیوں پر بھی بہت اچھا اثر پڑے گا - ایک دیسی مشنری نے دکن میں مسیحی مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے متعلق تفصیلات بیان کیں - اور کئی دیسیوں نے تقریریں کیں - اسکول کی لڑکیوں نے ہندی میں گیت اور مناجاتیں گائیں اور آخر میں "گاڈ سیو دی کنگ" (خدا ہمارے بادشاہ کو سلامت رکھے) گایا یہ آخری گیت بھی بجائے گجراتی یا مرہٹی کے ہندی زبان میں تھا * —

آپ صاحبوں کو معلوم ہے کہ مشنریوں کی جد و جہد ہندوستان میں بالکل بے کار نہیں گئی - گزشتہ سالوں میں ڈاکٹر ڈف کو خاص کر کامیابی حاصل ہوئی - موصوف پچھلے سال ہندوستان میں ۳۴ سال رہنے کے بعد انگلستان واپس

---

* ہندوستان سے واپسی پر قاہرہ میں امریکی مشنری اسکول کی ایک لڑکی پر مہاراجا فریفتہ ہوگئے اور اسکندریہ میں ان کی شادی ہوگئی مہاراجا کی بیوی کی عمر صرف سولہ سال ہے اس کی ماں قبطی ہے اور باپ جرمنی، جس کا نام ملر ہے —

آگئے ھیں - آپ کی مساعی کی بدولت ھندوستان کی مذھبی اور معاشرتی زندگی میں انقلاب پیدا ھوگیا - آپ نے اپنا پورا وقت ھندوستان میں مسیحی مذھب کی تبلیغ واشاعت پر صرف کیا - الوداعی جلسوں میں ھندوستانیوں نے موصوف کے ساتھہ اظہار خلوص کیا موصوف نے ایک جلسے میں کہا کہ انھوں نے ھگلی کے ضلع میں چھہ اینگلو ورنکلر اسکول اپنے زمانۂ قیام میں قایم کئے - بقول گولڈ سمتھہ :—

"جب وہ کلیسا میں آتا تو اس کی شیریں کلامی اور خوش ادائی سے کلیسا پر رونق آجاتی - اس کی زبان سے جو صداقت کے الفاظ نکلتے ان کا دھرا اثر ھوتا تھا - وہ لوگ جو اس کا مذاق اڑانے آتے اس کو دیکھہ کر چپ چاپ عبادت میں مشغول ھوجاتے"* -

اس سال متعدد لوگوں کے انتقال پر ملال سے ھندوستانی ادب کو ناقابل تلافی نقصان برداشت کرنا پڑا - ڈاکٹر جیمس آر بلانٹین مدت سے جدید ھندوستانی زبانوں کو چھوڑ کر مقدس سنسکرت زبان کی تحقیق میں مصروف تھے - آپ نے ۱۹ فروری کو اس جہان فانی سے رحلت فرمائی - آپ جیمس میکل کے بھتیجے تھے - آپ نے ھندی اور بھاشا کی صرف و نحو پر ایک کتاب لکھی اور دوسری کتاب ھندوستانی صرف و نحو

* Deserted Village

پر لکھی جس کے دو اڈیشن شائع ہو چکے * ان کے علاوہ ایک کتاب " منتخبات ہندوستانی " (Hindustani Selections) کے نام سے اور ایک دوسری کتاب ہندوستانی انشاء پر لکھی جس کا نام " Hindustani, letters lithographed in the Nusk-tuleek and Shikustuamez character " ہے - آپ کی ایک کتاب " Practical Oriental Interpreter " ہے - اس میں انگریزی سے ہندوستانی اور فارسی میں ترجمے کے طریقے اور مثالیں ہیں —

مسٹر بلانتین بالکل نوجوانی کے زمانے میں اڈنبرا کی (Military and Naval Aacademy) میں ہندوستانی زبان کے پروفیسر مقرر ہوے - کئی سال تک ہندوستان میں بنارس کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے کام کیا - پھر East India House کے کتب خانے کے ناظم مقرر ہوگئے- موصوف سے پہلے ایچ - ایچ ولسن اس خدمت پر تھے - ان سے پہلے Wilkins تھے ' اور ان سے قبل Fitz-Edward Hall تھےجو King's College میں ہندوستانی کے پروفیسر تھے - مسٹر بلانتین اپنی موت سے قبل سنسکرت کی ایک کتاب " مہا بھاشیا " کی اشاعت میں مشغول تھے - یہ کتاب پانینی کی صرف و نحو کی شرح ہے - ان کا ارادہ تھا کہ اسے چار جلدوں میں شائع کریں گے لیکن اپنی

* Elements of Hindi and Bhakha Grammar اور Hindustani Grammar and Exercises —

زندگی میں صرف ایک شائع کرسکے - پہلی جلد ۸۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اور قدیم ہندوؤں کی کتابوں کی طرح لمبی تقطیع پر ہے - اس کتاب کی طباعت کے اخراجات حکومت ہند کی جانب سے دیے گئے —

گزشتہ مئی کے مہینے میں انجیرس Angers کے مقام پر موسیو فلکس بوترو کا انتقال ہوگیا - آپ کو علمی دنیا میں زیادہ شہرت اس لیے نہیں حاصل ہوئی کہ آپ نہایت ہی منکسرالمزاج شخص تھے- وہ لوگ جنھیں آپ کے ساتھ سابقہ رہا ان کے دل میں آپ کی ہمیشہ قدر اور عزت رہی - آپ کا شمار ان چند نفوس میں ہونا چاہئے جنھوں نے فارسی کی جگہہ ہندوستانی کو رواج دینے میں کوشش کی اور خود ہندوستانیوں کو نثر لکھنے کا شوق دلایا - ورنہ عام طور پر اب تک دستور یہ تھا کہ صرف نظمیں روزمرہ کی زبان میں لکھی جاتی تھیں اور نثر فارسی میں لکھی جاتی تھی - جس طرح اٹلی، فرانس، انگلستان، اور جرمنی میں لاطینی کی جگہہ ملکی زبانوں کو فروغ ہوا اسی طرح ہندوستان میں بھی ہندوستانی کی اہمیت فارسی کے مقابلے میں زیادہ بڑھنے لگی - یورپ میں جب کہ علمی دنیا میں محض لاطینی استعمال ہوتی تھی شعر کی زبان ہمیشہ قومی زبان رہی - موسیو بوترو فرانسیسی نژاد تھے - وہ مقام 'مین' میں

پیدا ہوئے - سنہ ۱۸۲۴ ع میں وہ اپنے کسی قریبی عزیز کے پاس ہندوستان چلے گئے - اس طرح انہیں اس کا موقع ملا کہ ہندوستانی زبان کی تحصیل کریں - بچپن کی عمر میں وہ ہندوستان آئے اس لئے زبان سیکھنے میں انہیں زیادہ دشواری نہیں ہوئی - انہیں تحریر اور تقریر میں کوئی تکلف باقی نہ رہا تھا - سنہ ۱۸۳۴ ع میں انہوں نے معلمی کا پیشہ اختیار کیا - سنہ ۱۸۴۰ ع میں حکومت کی طرف سے انہیں دہلی کے دیسی کالج کی صدارت تفویض ہوئی اور انہیں شہر دہلی کی "مجلس تعلیمی" کی معتمدی پر سرفراز کیا گیا - "مجلس تعلیمی" کے ماتحت جس قدر بھی مدارس تھے ان کی نظارت کا کام بھی انہیں کے سپرد تھا - سنہ ۱۸۴۰ ع میں وہ ایک کمیشن کے سکریٹری بنائے گئے جس کے پیش نظر یہ کام تھا کہ ہندوستانی طلبا کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک ایسا نصاب تیار کیا جائے جس کے ذریعے مادری زبان میں (بالخصوص ہندوستانی زبان میں) تعلیم دی جا سکے - اس لیے کہ اس زمانے تک اعلیٰ تعلیم فارسی میں دی جاتی تھی اور بعض مدارس میں عربی یا سنسکرت کی وساطت سے - سنہ ۱۸۴۱ ع سے ۱۸۴۵ ع تک اس کمیشن نے بس یہ کام کیا کہ ہندوستانی میں تیس اعلیٰ پایے کی کتابیں لکھوائیں - یہ کتابیں مختلف موضوعوں پر تھیں -

طبعیات، کیمیا، ریاضی، فلکیات، آئین سازی، معاشیات، اور قانون کے موضوعوں کے علاوہ شعر و شاعری پر بھی کتابیں تیار کروائی گئیں - ورنہ اس سے پہلے یہ دستور تھا کہ اشعار زیادہ تر قلمی نسخوں تک محدود رہتے تھے - موسیو بوترو نے خود تین کتابیں لکھیں - یہ کتابیں دراصل ان درسوں پر مشتمل تھیں جو وہ پروفیسر کی حیثیت سے پہلے اپنے طلباء کے سامنے بیان کرچکے تھے - پہلی کتاب "اصول قانون سازی" سے متعلق تھی دوسری "ہندوستان کی مالیات" پر تھی اور تیسری "حقوق شخصی" پر تھی * —

سنہ ۱۸۴۵ ع کے اواخر میں موسیو بوترو کی صحت بہت خراب ہو گئی تھی چنانچہ انہیں یہی مشورہ دیا گیا کہ وہ اپنے وطن فرانس چلے جائیں کیا عجب ہے کہ وہاں کی آب و ہوا ان کے لیے اکسیر ثابت ہو - موصوف کی ہندوستان سے روانگی پر جو الوداعی جلسے ہوئے ان میں گورنمنٹ ہند کے سب اعلیٰ حکام نے ہمدردی اور افسوس کا اظہار کیا اور ساتھ ہی اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ جب ان کی

---

* ان تینوں کتابوں کا ایک ایک نسخہ میرے پاس موجود ہے- انہیں میں نے بڑی دشواری سے حاصل کیا - یہ تینوں کتابیں دہلی میں لیتھو پر چھپی ہیں - پہلی کتاب میں ۳۵۰ صفحے ہیں، دوسری میں ۱۶۶ صفحے ہیں اور تیسری کتاب ... صفحات پر مشتمل ہے -

صحت بہتر ہو جائے تو وہ اپنی خدمت پر واپس آجائیں۔ لیکن موسیو بوترو کی صحت کی حالت ایسی تھی کہ ان کے لیے ہندوستان واپس جانا دشوار تھا۔ وہ مقام انجیرس میں جا کر رہے۔ یہاں کی آب و ہوا ان کے موافق آئی اور کچھ عرصے بعد ان کی صحت اچھی ہو گئی۔ انجیرس کے مجسٹریٹ کی لڑکی سے انھوں نے شادی کی اور اس کے بطن سے ان کے ایک صاحبزادہ تولد ہوا۔ مجھے پوری توقع ہے کہ ان کا صاحبزادہ اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے گا اور اپنی والدہ کی مرضی کو اپنا رہنما بنائے گا —

۱۷ جون کو انگلستان کے ایک مشہور و معروف مستشرق ریورنڈ ڈبلو کیورٹن کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی عمر انتقال کے وقت ۵۶ سال کی تھی۔ آپ نے خاص کر سامی زبانوں کی تحقیق میں اپنی عمر گذار دی۔ ان زبانوں کے مطالعے کے سلسلے میں آپ نے ہندوستانی زبان بھی سیکھی تھی۔ آپ نے عربی اور عبرانی زبان میں بہت مہارت پیدا کر لی تھی چنانچہ آپ نے ان دونوں زبانوں کی بعض مشہور کتابوں کے ترجمے کیے ہیں اور کئی تصانیف چھوڑی ہیں۔ آپ ہی کی کوشش کی بدولت 'متی' کی انجیل کا سب سے قدیم متن دریافت ہوا اور St. Ignace کے خطوط کا اصل اور ترجمہ سب سے پہلے آپ ہی نے معلوم کیا۔ مسٹر کیورٹن نے ان قدیم قلمی

ٔوں کے چہرے خود اتارے ہیں —

گزشتہ ۷ اپریل کو بمقام ' جنیوا ' موسیو آندرے زانان .
ٔتقال ہوا - آپ میرے بہت قدیم شاگردوں میں سے تھے -
نے لسانیات پر متعدد تصانیف چھوڑی ہیں آپ برابر
ہیلے فریش رہے لیکن کبھی ایک حرف بھی اپنی تکلیف
بیماری کے متعلق کسی دوست کے سامنے زبان سے نہیں نکالا -
ء سے چند روز قبل جب آپ کو اس امر کا احساس ہو گیا
لہ اب وہ تھوڑے دنوں کے دنیا میں اور مہمان ہیں ' آپ
پنی ایک نظم احباب کے لیے چھپوائی جس کا عنوان " قاصد
ل چلاؤ " تھا - یہ نظم وہ اپنے احباب کے لیے اپنی آخری
گار چھوڑ گئے ہیں - اس نظم سے ان کے دل کی حالت کا پتہ
ا ہے - اس نظم کا آخری بند یہ ہے :—

" موت سر پر کھڑی ہے لیکن پھر بھی تو خوش ہے '
مصائب کا ہجوم ہے لیکن تیری زبان سے اُف تک
نہیں نکلتی - تو باوجود رنج و الم کے مگن ہے -
روح القدس نے تجھے قوت اور صبر عطا کیا ہے -
عقیدے کے بل پر تو سب کچھہ جھیل سکتا ہے - صلیب کا
اپنے دل میں خیال کر اور یوں کہہ : اے میری پیاری
روح ' ابھی ذرا اور انتظار کر اور یقین کو ہاتھہ سے

چانے نہ دے * ’’ —

گزشتہ اکتوبر کی ۱۰ تاریخ کو بمقام ایبٹ آباد میجر ایچ ’ آر ‘ جیمس نے داعیِ اجل کو لبیک کہا - آپ پنجاب کے کمشنر تھے اور ہندوستانی زبان پر آپ کی نظر بہت وسیع تھی - آپ جنگ بہادر والیء ’ نیپال ‘ کے ہمراہ ’ پیرس ‘ تشریف لائے تھے اس وقت مجھے آپ سےنیاز حاصل کرنے کا موقع ملا - آپ کے انتقال پر ملال سے سارے ہندوستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا - لوگوں کے دل میں آپ کی بڑی عزت تھی اور بالکل بجا تھی - آپ کی بدولت ہزارہا مخلوق کو فائدہ پہنچا اور ان کی مرفہ الحالی میں اضافہ ہوا - جس طرح فرانسیسی حکومت کے ماتحت ’ الجیریا ‘ کی مرفہ الحالی دن دونی بڑھ رہی ہے بالکل اسی طرح برطانوی اقتدار کی بدولت ہندوستانیوں کی عام خوش حالی میں اضافہ ہو رہا ہے - نوع انسانی کا فائدہ اسی میں ہے کہ ہماری حکومت ’ الجیریا ‘ میں قایم رہے اور برطانیہ کا جھنڈا ہندوستان میں لہراتا رہے - شیکسپیئر نے تین صدی قبل جو اشعار لکھے ہیں وہ ہمارے حسب حال ہیں اور ان اشعار سے

* عجب اتفاق ہے کہ موسیو آندرے ژاناں کے انتقال کے چند ہفتے کے اندر ان کا فرزند اور بھتیجا ’ جنیوا ‘ کی جھیل میں ڈوب کر مر گئے - وہ سیر کو کشتی میں جا رہے تھے کہ ہوا کی شدت سے ان کی کشتی اُلٹ گئی اور وہ دونوں ڈوب گئے —

اس شاعر کے مسیحی عقیدے اور ہمدردی کا پتا چلتا ہے —

" خدا کرے کہ انگلستان اور فرانس کی مملکتوں میں ایک دوسرے سے بغض و نفرت باقی نہ رہے - ان دونوں ملکوں کے ساحل باہمی رشک و حسد کے باعث زرد رنگ کے ہوگئے ہیں کیا اچھا ہو اگر ان دونوں ملکوں کے درمیان مسیحی دین کے سچے ماننے والوں کی طرح لطف و اتحاد پیدا ہوجائے اور دونوں پڑوسیوں کی طرح زندگی بسر کرنے لگیں - خدا کرے کہ ان دونوں کے دلوں میں یہ بات جم جائے - اور وہ کبھی ایک دوسرے کے خون میں اپنی تلوار کو رنگین نہ کریں * " —

* Henry V.th, act V. Sc. 4.

پندرھواں خطبہ

۴ دسمبر سنہ ۱۸۹۵ ع

حضرات ! وہ زمانہ اب گیا گزرا جب کہ کہا جاتا تھاکہ جدید ھند
کی قومی زبان در حقیقت ٹوٹی پھوٹی بولی سے زیادہ حیثیت
نہیں رکھتی- ممکن ھے اس خیال کے حامیوں میں آپ کو چند
لوگ ایسے ملیں جو یہ کہتے ھیں کہ ھندوستانی زبان میں
یک جنسیت نہیں پائی جاتی - اسی وجہ سے وہ اس زبان
کو ھیچ پوچ سمجھتے ھیں - لیکن اس خیال کی حمایت کے
وقت وہ یہ بھول جاتے ھیں کہ خود یورپ کی زبانیں اور
خاص کر انگریزی زبان متفرق عناصر کے امتزاج سے بنی ھے -
پھر نہیں لوگوں کا خیال ھندوستانی کی نسبت چاھے کچھہ بھی
ھو لیکن اس سےکوئی انکار نہیں کر سکتا کہ وہ سارے ھندوستان
کی مشترک زبان بن گئی ھے - دن بدن جو اس کی ترقی ھو
رھی ھے اس کی وجہ سے وہ پورے دیس کی زبان کہی جا سکتی
ھے- اس مسئلہ کی نسبت کپتان ایچ- مور (H. Moore) نے اپنی
رائے سے مجھے مطلع کیا ھے - موصوف مرکزی حکومت میں

ترجمان کے عہدے پر فایز ہیں - آپ کے الفاظ یہ ہیں- " بلاشبہ کچھہ عرصے بعد ہندوستانی مشرق کی ایک نہایت اہم زبان کی حیثیت اختیار کرلےگی - اسی زبان کے توسط سے لاکھوں اہل مشرق تبادلۂ خیالات کرتے ہیں - ریل کی وجہ سے جو اندرون ملک میں ہزار میل کی مسافت پر پھیل گئی ہے اور بھی ہندوستان اور وسط ایشیا کے لوگوں کو ملنے چلنے کا موقع ملا ہے - چنانچہ جب یہ لوگ ملتے ہیں تو ایک مشترک زبان کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں - ہندوستانی زبان اس مقصد کو بطریق احسن پورا کرتی ہے اس لیےکہ اس کی ساخت میں ہندی' فارسی اور عربی کے عنصر شامل ہیں - اس زبان میں بدرجۂ اتم یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ ہندو اور مسلمانوں دونوں کے مقاصد کو پورا کرے - میرے خیال میں ہندوستان کے قدرتی وسایل کی ترقی کے جس قدر امکانات ہیں اسی قدر ہندوستانی زبان کو فروغ حاصل کرنے کے مواقع موجود ہیں - ان قدرتی وسایل کی ترقی کی بدولت یورپ کے ہر ملک کے لوگ ہندوستان کھنچے چلے آرہے ہیں- کشمیر میں مجھے فرانسیسی لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا - یہ لوگ فرانسیسی کارخانوں کے ایجنٹ ہیں - ہندوستان کا شاید ہی کوئی بڑا شہر ایسا ہوگا جہاں فرانسیسی موجود نہ ہوں - پچھلے دس برس میں کلکتہ' بمبئی میں ان کی تعداد بہت

بڑھ گئی ھے * - بلد رگاھوں میں جہاں ساری دنیا کے تجارتی جہاز نظر آتے ھیں وھاں فرانسیسی جھنڈا بھی کہیں نہ کہیں ضرور لہراتا نظر آتا ھے —

بابو راجندر لال مترا نے اپنے مضمون "ھندی زبان کی ابتدا اور اردو کے ساتھہ اس کا تعلق" † میں یہ بتلایا ھے کہ ھندوستانی کی ابتدائی صورت ھندی ھے جو عام طور پر ھندو لوگ بولتے ھیں مسلمانوں کی اُردو ھندی ھی سے نکلی ھے - میں نے ابھی حال میں بابو راجندر لال مترا کی تصویر دیکھی جس سے ان کی خوش اخلاقی اور ذھانت کا پتا چلتا ھے - موصوف کا دعویٰ یہ ھے کہ اس وقت ھندوستان میں جس قدر زبانیں رائج ھیں ان سبھوں میں ھندی سب سے زیادہ اھم ھے - ھندی زبان جن لوگوں کے گھروں میں بولی جاتی ھے وہ ھندو معاشرت کے مہذب ترین طبقہ سے تعلق رکھتے ھیں - ھندی مشرقی بہار سے لے کر کوہ سلیمان کے دامن تک اور

---

* بہت عرصے سے کلکتہ میں فرانسیسی کونسل (Consul) رھتا ھے - اب بمبئی میں بھی رھنے لگا - بمبئی میں مسیو اے تھیفو کو ابھی حال میں حکومت نے نامزد کرکے بھیجا ھے - موصوف کو اردو زبان سے شوق ھے - کلکتہ کے کونسل موسیو لو مبار ھیں - انھیں بھی اردو کی ترقی کا بڑا خیال رھتا ھے - دونوں صاحبوں نے از راہ نوازش وعدہ کیا ھے کہ وہ میری تحقیق میں حتی المقدور مدد فرمائیں گے —

— Journal of the Asiatic Society of Bengal, No. 5, 1864. †

بندھیا چل سے لے کر ترائین تک ہر کہیں بولی اور سمجھی جاتی ہے - گورکھوں کے ذریعے سے اس زبان نے کمایوں اور نیپال تک رسائی پیدا کرلی ہے - ہندوستان کی مشترک زبان کی حیثیت سے پیشاور کے کوہستان سے لے کر آسام تک اور کشمیر سے لے کر راس کماری تک اس زبان نے اپنا سکہ بٹھا دیا ہے- ہزار سال کے عرصے میں اس زبان نے جلیل القدر ادب دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس کے ادب کا مقابلہ ہندوستان کی اور کوئی زبان کیا بلحاظ اپنی وسعت اور کیا بلحاظ اپنی قدامت نہیں کرسکتی - بابو صاحب نے بھی وہی بات کہی ہے جو میں بار بار آپ صاحبوں کے سامنے کہہ چکا ہوں کہ ہندی اور اُردو میں سوائے اس کے کوئی فرق نہیں کہ اول الذکر کے سارے اسماء ہندی ہوتے ہیں اور ثانی الذکر کے اسماء میں عربی فارسی کا عنصر شامل ہوتا ہے افعال دونوں کے خالص ہندی ہیں اور دونوں کی صرف و نحو میں بھی کوئی بنیادی فرق نہیں ہے —

موصوف نے اس کے علاوہ یہ بات ثابت کی ہے کہ ہندی کے نوے فیصدی لفظ آریائی تقسیم السنہ سے متعلق ہیں - ان الفاظ کی صوتی اور تصریفی کیفیت سنسکرت سے مشابہ ہے - اس باب میں مکس ملر کی بھی یہی رائے ہے - وہ کہتے ہیں ہندوستانی اس سنسکرت زبان سے نہیں نکلی ہے جس کی

مثالیں ھیں ویدوں میں یا برھمنی ادبیات میں ملتی ھیں۔ وہ اس زبان کی ایک سر سبز شاخ ھے جس سے سنسکرت کا بھی تعلق ھے * ۔ ھندوستانی میں اس قدیم ھندی زبان کا اثر بھی ملتا ھے جو سنسکرت سے پہلے بولی جاتی تھی ۔ ھندی زبان فرانسیسی کی طرح نہیں ھے جو بالکل لاطینی رنگ میں رنگ گئی ھے ۔ قدیم کلتکی (Celtic) زبان لاطینی کی یلغار کے آگے پسپا ھوگئی ۔ ھادی کی اپنی خاص خصوصیات ھیں اور باوجود اس کے کہ سنسکرت کے الفاظ اور مشتقات اس میں مستعمل ھیں لیکن پھر بھی اس کے خد و خال صاف نمایاں نظر آتے ھیں۔ سنسکرت نے ھندوستان کی قدیم زبان کے ساتھہ وھی سلوک کیا تھا جو بعد میں عربی فارسی نے ھندی کے ساتھہ کیا ۔

فاضل بابو صاحب نے یہ ثابت کیا ھے کہ جو لوگ یہ کہتے ھیں کہ ھندی کے پاس اپنے حروف تہجی نہیں ھیں وہ غلطی پر ھیں ۔ اس لیے کہ دیوناگری یا ناگری حروف ھندی کے اپنے ھیں بالکل اسی طرح جیسے یہ حروف سنسکرت کے اپنے ھیں ۔ ھندوستانی زبان دو رسوم خط میں لکھی جاتی ھے ۔ ناگری اور فارسی ۔ لیکن یہ دونوں لکھنے کے طریقے ایک ھی بولی کے لیے نہیں استعمال ھوتے ۔ ناگری رسم خط ھندوؤں کی ھندوستانی کے لیے اور فارسی رسم خط مسلمانوں کی ھندوستانی

* The Science of Language, t I, p. 63

کے لیے استعمال ہوتے ہیں- مجھے بابو صاحب کی اس رائے سے اختلاف ہے کہ اُردو کو بھی ہندی کی طرح ناگری رسم خط میں لکھنا چاہیے- اس لیے کہ عربی فارسی الفاظ کو ناگری خط میں پڑھنا اس سے کہیں زیادہ دشوار ہے کہ سنسکرت کے الفاظ کو فارسی رسم خط میں پڑھنا- چنانچہ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس امر کے کہ دیوناگری رسم خط مقدس سمجھا جاتا ہے اکثر ہندو فارسی حروف تہجی کو استعمال کرتے ہیں- اور وہ خالص ہندی عبارت کو فارسی رسم خط میں بلا تکلف لکھتے ہیں * - میں بابو صاحب کا اس باب میں ہم یہ خیال ہوں کہ ہندوستانی زبان کو لاطینی رسم خط میں لکھنے کا رواج دینا مفید نہیں ہوگا اس واسطے کہ لاطینی حروف کے ساتھ اور جو دوسری تحریری علامتیں رائج کرنا پڑیں گی ان کو سیکھنا موجودہ حروف تہجی کو سیکھنے سے کہیں زیادہ دشوار ثابت ہوگا —

نسولیز (Nassau Lees) نے جو سامی السنہ کے بڑے ماہر ہیں اور جن کی اعلیٰ درجے کی تصانیف مستشرقین میں قدر کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہندوستانی زبان کو رومن حروف میں لکھنا چاہیے- وہ وجہ یہ پیش کرتے ہیں کہ

---

* میرے پاس بہاری لال، کبیر اور دوسرے ہندی شعرا کے کلام کے قلمی نسخے فارسی رسم خط میں لکھے ہوئے موجود ہیں —

ہندوستانی زبان کا اپنا کوئی مخصوص رسم خط نہیں - فارسی رسم خط ہندی نژاد نہیں ہے اور دیوناگری رسم خط میں جو ہندوؤں میں بالعموم مروج ہے ' یہ صلاحیت نہیں کہ فارسی زبان کے عناصر کا بخوبی اظہار کر سکے - بابو صاحب نے اس اعتراض کا جو جواب دیا ہے وہ میں ابھی اوپر لکھ چکا ہوں - میری بھی وہی رائے ہے جو ان کی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ ثابت کرنا بھی ضروری ہے کہ شمال اور وسط ہند میں سنسکرت زبان دیوناگری خط ہی میں لکھی جاتی رہی ہے - اور یہ کہ سنسکرت سے قبل جو زبان شمالی ہند میں رائج تھی اس کا رسم خط کوئی اور تھا ' اس قسم کا اعتراض ہے جو فارسی ' مالیائی ' ترکی اور دوسری زبانوں پر بھی عاید ہو سکتا ہے جن کے حروف تہجی دوسری زبانوں سے مستعار لیے گئے ہیں - دوسرے اعتراض کے جواب میں یہ عرض کیا جائے گا کہ دیوناگری رسم خط کے ذریعے فارسی حروف کو نہیں ادا کیا جا سکتا - یہ ٹھیک ہے لیکن دیوناگری رسم خط صرف ہندوؤں میں مروج ہے جو عربی فارسی کے الفاظ بہت کم استعمال کرتے ہیں - ہندوستانی زبان چاہے وہ شمالی ہند کی اردو ہو یا دکن کی دکنی ہو ' فارسی رسم خط ہی میں لکھی جاتی ہے اس رسم خط سے سب مخارج اچھی طرح ظاہر کیے جا سکتے ہیں سوائے ان مخارج کے جو زبان کو تالو سے ملاتے وقت نکلتے

ہیں *- دندانی حروف کو ان سے تمیز کرنے کے لیے خاص خاص علامتیں استعمال کی جاتی ہیں † چنانچہ اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ فارسی رسم خط کے ذریعے ہندی کے سارے الفاظ لکھے جا سکتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ ہندو لوگ بھی بآسانی اس رسم خط کو استعمال کرتے ہیں - میری راے میں اردو کو ہر لحاظ سے ہندی پر فضیلت حاصل ہے - انگریزی اور اس کے ساتھ اردو دونوں برطانوی ہند کی سرکاری زبان کہی جا سکتی ہیں - یہ سچ ہے کہ بعض ہندوؤں کی یہ راے تھی کہ صوبجات شمال مغربی کی عدالتوں میں بجاے اردو کے ہندی کو رائج کرنا چاہیے اس واسطے کہ بعض علاقوں میں ہندی بمقابلہ اردو زیادہ بولی جاتی ہے اور آگرہ کے متعدد مدارس میں ہندی کو ذریعۂ تعلیم تسلیم کر لیا گیا ہے نہ کہ اردو کو - چنانچہ ڈاکٹر ڈبلو انڈرسن (W. Anderson) نے جو اس علاقے کے ناظر مدارس ہیں، اس بات کو اپنی رپورٹ میں ظاہر کیا ہے - ہاں، اردو ان طبقوں کی زبان ہے جن پر اسلامی تہذیب کا اثر ہوا ہے - ڈاکٹر انڈرسن نے اپنی رپورٹ میں اس امر پر اظہار تاسف کیا ہے کہ صوبۂ شمال مغربی میں عربی، فارسی اور سنسکرت کی تعلیم کا شوق دن بدن کم ہوتا جاتا ہے - بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سارے ہندوستان میں یہی حال

* Cerebrals. † Dentals.

ہے۔ میں اس تاسف میں موصوف کا شریک ہوں - مجھے پوری امید ہے کہ موصوف وکٹوریہ کالج میں جو ہندوستان کی بہترین درس گاہوں میں ہے، ان زبانوں کی تعلیم کو رائج کریں گے - اس کالج کے ساتھ چار ابتدائی مدارس بھی ملحق ہیں —

میں اب اپنے چہیتے موضوع کی طرف رجوع کرتا ہوں یعنی ہندوستانی (اردو) کی ہندوستان میں اہمیت - گزشتہ جنوری کی ۷ تاریخ کو پنجاب کے لفٹننٹ گورنر نے لاہور میں اپنی روانگی سے قبل ایک دربار منعقد کیا جس میں لاہور اور امرتسر کے مجسٹریٹوں کو خطابات دیے گئے جو وائسرائے کی طرف سے انھیں ملے تھے - جن لوگوں نے تعلیم نسواں میں سرگرمی کا ثبوت دیا تھا انھیں خلعت دے گئے - اس موقع پر کئی راجا بھی موجود تھے اور مختلف ہندوستانی امرا اور سرکاری عہدہ داروں نے اس میں شرکت کی - لفٹننٹ گورنر نے اس موقع پر انگریزی میں نہیں بلکہ ہندوستانی زبان میں حاضرین جلسہ کو خطاب کیا* —

فروری کے مہینے میں لکھنؤ میں چیف کمشنر کے زیر صدارت ایک جلسہ ہوا جس میں اس نے اودھ کے تعلقہ داروں کے روبرو ہندوستانی میں طول طویل تقریر کی - یہ جلسہ

* Allen's Indian Mail, Feb. 23 1865

کیننگ کالج کے لیے کیا گیا تھا * —

مہاراجہ گوالیار نے کلکٹ واؤ سلدھیا کو اپنا جانشین مقرر کرتے وقت ۷ اکتوبر کو ھندوستانی ' فارسی اور مرھٹی زبانوں میں ان کا امتحان لیا - موصوف اس امتحان میں کامیاب رھے † —

گورمنٹ ھند نے نوجوان سول سروس والوں سے ھمت افزائی کا جو وعدہ کیا تھا اسے نہایت دریا دلی کے ساتھ پورا کیا - چنانچہ جو سولین اپنے قیام کے ابتدائی زمانہ میں زبانوں کے امتحانات میں کامیاب رھے انہیں انعامات دیے گئے - فوجی افسروں کو مشرقی السنہ سکھانے کی غرض سے ترجمانوں کو مقرر کیا گیا ھے کہ انھیں ابتدائی باتیں بتائیں ترجمان کو اس کے بدلے میں علحدہ الاونس دیا جائے گا ‡ —

برطانوی ھند کے اعلیٰ عہدہ داروں میں کپتان فلر (Fuller) کو جو لاھور میں ناظم تعلیمات ھیں خاص کر ھندوستانی زبان کے ساتھ دلچسپی ھے - آپ نے ھندوستانی کی متعدد قدیم نایاب کتب طبع کرائی ھیں اور خود بھی نئی کتابیں اس زبان میں لکھی ھیں اور لکھوائی ھیں - آپ کے زیر اھتمام نہ صرف یہ کہ ایک سالانہ رپوٹ مرتب کی جاتی ھے جس میں

---

* اخبار عالم - ۵ رمضان ۱۲۸۱ ھجری (۹ فروری سنہ ۱۸۶۵ ء) -

† Times of India, 28 Oct 1865.

‡ Indian Mail, 6 Nov. 1865.

پنجاب کے وسیع علاقےکی تعلیمی ترقی کی سالانہ روئداد درج ہوتی ہے بلکہ ساتھہ ہی آپ ایک هندوستانی ماهوار رسالہ بھی شائع کراتے هیں —

لندن میں ایک مجلس ہے جس کا نصب العین یہ ہے کہ هندوستان کے متعلق اخلاقی، معاشرتی اور مادی ترقی کے حالات جمع کرے اور ضروری معلومات بہم پہنچاے - گزشتہ ۲ مئی کو مسٹر کنیرڈ (Kinnaird) کے دولت خانے پر اس مجلس کے ارکان جمع هوے - اس موقع پر بعض هندوستانیوں کو بھی جلسے میں شریک کیا گیا - کلکتہ کے جان لانگ (Rev. John Long) بھی جلسے میں موجود تھے جو هندوستان میں مدت سے مسیحی مشن کا کام انجام دے رهے هیں - یورپ کے مختلف حصوں میں تین سال قیام کرنے کے بعد اب وہ پھر هندوستان جانے والے هیں - مدراس کے مسٹر تامسن نے وسط هند میں جو عام خیالات کی ترقی هوئی ہے اس کی نسبت تذکرہ کیا - ڈاکٹر ڈاڈس (Dr. Dods) نے کہا کہ هندوستان میں مسیحی مذهب کی خوب ترقی هورهی ہے - اس پر ایک هندو نے جو اس جلسے میں موجود تھا ، ان کی تردید کی - یہ هندو اپنے قدیم دهرم پر قائم تھا —

ڈاکٹر جے - بی گلگرسٹ جو مشہور مستشرق گزرے هیں اور جنھوں نے هندوستانی ادب کی بڑی خدمت کی، ان کا انتقال

پیرس میں سنہ ۱۸۴۱ء میں ہوا تھا - ان کی بیوہ نے بعد میں جنرل پپ (Pepe) کے ساتھ شادی کرلی تھی - ابھی حال میں ان خاتون کا بھی انتقال ہو گیا - موصوفہ نے اپنے دیس کے مرکزی شہر ایڈنبرا کی یونیورسٹی کے نام سارے سات ہزار فرانک سالانہ کی آمدنی چھوڑی ہے اور اس رقم کے متعلق یہ وصیت کی ہے کہ اس سے تین وظیفے قائم کیے جائیں اور یہ وظیفے تین ہندوستانی طلبہ کو اعلیٰ تعلیم کے لیے ملنے چاہئیں - یہ تینوں طلبہ بنگال، مدراس یا بمبئی کے صوبے کے باشندے ہوں - ان تین صوبوں میں جتنے مشہور کالج ہیں ان کے طلبہ میں سے تین بہترین کو مقابلے کے ذریعے منتخب کرنا چاہیے اور ان کو یہ وظیفے ملنے چاہئیں -

ہندوستانی لوگ بھی اس بات میں پیچھے نہیں ہیں - مرشد آباد کے نواب ناظم نے مغربی تعلیم کو بنگالی مسلمانوں میں مقبول بنانے کی غرض سے چھ سال کی مدت کے لیے چار وظائف دیے ہیں - یہ چاروں وظیفے اس طرح تقسیم ہوں گے - ایک نظامت کالج کے طالب علم کو، ایک مدرسے کے طالب علم کو، اور دو کلکتہ کے پریسیڈنسی کالج کے طلبہ کو - موصوف کے تینوں صاحب زادے حسن علی مرزا، حسین علی مرزا، اور محمد علی مرزا تعلیم کی غرض سے انگلستان آئے ہوئے تھے اور اس ملک میں انھوں نے ایک سال قیام کیا - ان صاحبزادوں

کے همراہ سید وزیر علی اور کرنل سی هربرٹ تھے۔ صاحب زادوں میں دو اول الذکر انگریزی زبان میں بلا تکلف گفتگو کر سکتے هیں —

هندوستانی زبان کی ترقی کا اظہار اس سے هوتا هے که برابر هر سال اس زبان کے نئے اخباروں کی تعداد میں اضافه هو رها هے - پچھلے سال نئے اخبارات غیر معمولی طور پر زیادہ نکلے هیں - چنانچه صوبهٔ شمال مغربی کے بعض شهروں میں جہاں سے ایک اخبار بھی نه نکلتا تھا اب کئی نکلتے هیں - یہی حال پنجاب ' اودھ اور بمبئی کا هے - افغانستان اور سندھ سے بھی اردو اخبارات نکلنا شروع هو گئے هیں - میں ذیل میں تفصیل بیان کرتا هوں: —

(۱) "سروپ هراک" آگرہ سے نکلتا هے - یه اخبار اردو کے "مفید الخلائق" کا هندی ترجمه هے - اس کے مدیر کا نام شیو نرائن هے - "مفید الخلائق" کئی سال سے جاری هے —

(۲) "دل کشا" - اردو میں فتح گڑھ سے شایع هوتا هے —

(۳) "شعلهٔ طور" - اردو میں کانپور سے شائع هوتا هے —

(۴) "احسان الاخبار" - اردو میں بریلی سے نکلتا هے - هفته وار هے - مدیر کا نام احسان محمد هے —

(۵) "آئینهٔ هند" - اردو میں بریلی سے شائع هوتا هے - مدیر کا نام هرداس سنگھه هے —

(۶) " تتو بودھنی پترکا "- ھندی میں بریلی سے شائع ھوتا ھے-
مدیر کا نام گلاب شنکر ھے —

(۷) " رفاہ خلائق "- اردو میں شاھجہاں پور سے نکلتا ھے -
اس کے مدیر کنور بہادر ھیں —

(۸) " نور نظر "- اردو میں بلند شہر سے نکلتا ھے - ھفتہ وار
ھے - اس کے مدیر شیوپرشاد ھیں —

(۹) " مظہر العجائب "- اردو میں رڑکی سے شائع ھوتا ھے -
ھفتہ وار ھے - مدیر کا نام نجف علی ھے —

(۱۰) " لارنس گزٹ "- میرٹھ سے اردو میں نکلتا ھے- ھفتہ وار
ھے - اس کے مدیر اسمعیل خاں ھیں —

(۱۱) "میرٹھ گزٹ " ضمیمۂ اخبار عالم- یہ اخبار سنہ ۱۸۶۴ ع
کے آخر سے نکلنا شروع ھوا ھے - یہ چار صفحات پر مشتمل
ھوتا ھے - چھوٹی تقطیع پر ھر صفحے پر دو کالم ھوتے ھیں-
یہ اخبار ھفتہ وار ھے - " دارالاسلام ' کے مطبع سے طبع
ھوتا ھے - میرے پیش نظر اس اخبار کے چار نمبر ھیں جو
میرے نوجوان کیمبرج کے دوست ایچ پامر نے مجھے
بھیجے ھیں- میں نے ان نمبروں کو شروع سے آخر تک پڑھا
لیکن کوئی ایسی دلچسپ چیز نہیں نظر آتی جو قابل
ذکر ھو - " اخبار عالم " میں دلچسپ مضامین برابر نکلا
کرتے ھیں- چنانچہ ۲۰ شعبان سنہ ۱۲۸۱ ھجری (۱۹ جنوری

سنہ ۱۸۹۵ ع) کی اشاعت میں متعدد نئی ہندوستانی کتابوں کا اعلان ہے اور (سالار) سید عبدالغنی خاں کی ایک غزل ہے - موصوف سچین (گجرات) کے نواب زادہ ہیں اور " شوریدہ " تخلص کرتے ہیں * —

اس اخبار کی ۵ رمضان (۶ فروری) کی اشاعت میں نواب محمد زین العابدین خان کی پہلی غزل شائع ہوئی ہے- موصوف نواب رامپور کے داماد ہیں - ' عابد ' تخلص کرتے ہیں - مدیر نے اس غزل کی بہت بڑھا چڑھا کر تعریف کی ہے لیکن مجھے اس میں کوئی نئی بات ایسی نہیں نظر آتی جو قابل ذکر ہو —

(۱۲) پچھلے سال آگرہ سے ایک قانونی رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے - اس کی اشاعت انگریزی (Agra Law Journal) اور اُردو دونوں میں ہوتی ہے † —

(۱۳) لاہور سے "پنجابی" نام کا ایک اخبار نکلنا شروع ہوا ہے -

صوبۂ شمال مغربی کا ذکر میں اس وقت تک ختم نہیں کرسکتا جب تک کہ ڈاکٹر آر - سی ماتھر کی تصانیف کے متعلق ذکر نہ کردوں - موصوف مرزاپور سے "خیر خواہ ہند" ناگری اور فارسی رسوم خط میں برابر شائع کر رہے ہیں- اس اخبار کے بعض اہم اجزا کا انگریزی ترجمہ بھی کبھی کبھی شائع کردیتے

---

* یہاں ان کے تین اشعار کا فرانسیسی ترجمہ ہے —

† Indian Daily Mail, 5 Dec. 1864.

ہیں۔ مرزا سید عبداللہ نے مجھے اس اخبار کا حال میں ایک نمبر بھیجا ہے اس میں بعض اجزا مجھے نہایت دلچسپ معلوم ہوئے —

(۱۴) اودھ کی قدیم سلطنت کی راجدھانی لکھنؤ سے، ان اخبارات کے علاوہ جن کی نسبت میں پہلے ذکر کر چکا ہوں، اودھ گزٹ نکلنا شروع ہوا ہے۔ پہلے اس کا نام "اودھ گزٹ سما چار" تھا —

"اودھ اخبار" بدستور جاری ہے۔ اس اخبار کی متعدد اشاعتیں اس وقت میرے پیش نظر ہیں۔ مسٹر ای۔ ایچ پامر کی نوازش ہے کہ وہ مجھے یہ پرچے بھیج دیا کرتے ہیں۔ موصوف خود بھی کبھی کبھی اس اخبار میں مضامین لکھتے ہیں۔ اس میں "انجمن آگرہ" کے متعلق حالات درج ہوتے ہیں۔ اس انجمن کا نصب العین یہ ہے کہ مغربی علوم و فنون کو اہل ہند میں رواج دے۔ منشی نول کشور بھی اس انجمن کے رکن ہیں جو لکھنؤ کے مشہور مطبع کے مالک ہیں جہاں سے "اودھ اخبار" شائع ہوتا ہے۔ ایک اشاعت میں سندیلہ کے مدرسے کا احوال ہے۔ اس درس گاہ میں مغربی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کی مالی حالت بھی بہت اچھی ہے۔ راجہ فتح چند نے اس درس گاہ کو قایم کیا تھا۔ راجہ صاحب کو ہندوستانی ادب سے خاص لگاؤ تھا۔ آس پاس کے گاؤں کے آپ تعلقدار بھی

ہیں - آپ کا صدر مقام سلدیلہ ہے - اس اخبار میں بعض اوقات عمدہ قسم کے اشعار پڑھنے میں آتے ہیں جن سے موجودہ عہد کے شعرا کا علم ہوتا ہے- چنانچہ ایک شاعر ہیں 'رانا' جو اکثر اس اخبار میں اپنا کلام بھیجتے ہیں- رانا نے اپنی موت کے متعلق ۱۲ فروری کے نمبر میں کچھہ اشعار لکھے ہیں- ایک شاعر 'جوہر' ہیں جو اپنا کلام اس میں شائع کرتے ہیں- یہ جراءت کے شاگرد ہیں - اور دوسرے شاعر جن کا کلام شائع ہوتا ہے یہ ہیں : صمی ' موجد اور فضا - ۲۴ جنوری کے نمبر میں ان میں سے اکثر شاعروں کا کلام شائع ہوا تھا اس لیے کہ یہ سال کی پہلی اشاعت تھی —

(۵) بمبئی کے جن اخباروں کا میں ذکر کرچکا ہوں ان کی فہرست میں ایک اور کا اضافہ ہوا ہے- اس کا نام "روضۃ الاخبار" ہے - یہ ہفتہ وار شائع ہوتا ہے —

(۱۶) مفرح القلوب - یہ اخبار افغانستان * میں مقام شکارپور سے شائع ہوتا ہے - اس علاقے میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے اور ملکی زبان پشتو ہے لیکن ہندوستانی یہاں عام طور پر سمجھی جاتی ہے - چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہاں سے ایک اردو اخبار نکالنے کی ضرورت محسوس ہوئی-

---

* مصنف سے غلطی ہوگئی ہے - شکارپور سندھ میں ہے - یہاں کی زبان پشتو نہیں بلکہ سندھی ہے - (عبدالحق)

(۱۷) کراچی سے جو سندھ کا بندرگاہ ہے، فارسی زبان میں
ایک اخبار نکلتا ہے جس میں ہندوستانی کے مضامین
بھی فارسی کے پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ اس اخبار کا نام
" مطلع خورشید " ہے۔ یہ اخبار بہت دنوں سے شائع
ہو رہا ہے لیکن مجھے اس کا ابھی حال میں علم ہوا ہے۔
اس اخبار کے مدیر مرزا محمد شفیع ہیں جو ایک مطبع
کے مالک ہیں —

مدراس سے اردو کا اخبار " صبح صادق " برابر شائع ہو
رہا ہے۔ یہ ہفتہ وار ہے اور ہر سہ شنبہ کو شائع ہوتا ہے۔ یہ
بڑی تقطیع پر ہوتا ہے اور ہر صفحے پر دو کالم ہوتے ہیں۔ اس
کے مدیر عبدالرحمن شتاب ہیں۔ اس کی متعدد اشاعتیں
میری نظر سے گزری ہیں۔ ان میں سے ایک میں ہندوؤں کی
غیر اخلاقی اور وحشیانہ رسوم پر تنقید ہے۔ ان رسموں میں
سے ایک " چرک پوجا " ہے۔ جس طرح ستی کی رسم کو خلاف
قانون قرار دیا گیا ہے، اسی طرح اس کو بھی خلاف قانون
قرار دینا چاہیے۔ اس مضمون میں بعض ہندو فقیروں اور
مالابار کی برہنہ عورتوں کے حالات درج ہیں۔ اس رسم کو
شاستروں کی تعلیم کے خلاف بتایا گیا ہے۔ ہندو عورتوں کو اگر
بالکل نوعمری میں بیاہ نہ دیا جائے تو عمر بھر وہ بن بیاہی
رہتی ہیں اور ان کو دیوتاؤں کے نذر کر دیا جاتا ہے۔ یہ سب

عورتیں فحش میں مبتلا ہوتی ہیں۔ اس اخبار میں سیفی کا ایک مضمون نظر سے گزرا - یہ اچھا خاصا لکھ لیتے ہیں۔ یہ مضمون امام حسن اور امام حسین کی شہادت کے متعلق تھا - اس کے علاوہ غالب کی ایک غزل اس میں درج تھی جس کی ردیف " پاؤں " ہے - مدیر نے مسٹر پامر کے ان مضامین پر تبصرہ لکھا ہے جو موصوف نے " اودہ اخبار " اور " اخبار عالم " کے لیے لکھے تھے۔ تبصرے میں مسٹر پامر کے طرز انشا کی تعریف کی گئی ہے اور اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ کیا اچھا ہو اگر گورنمنٹ ایسے یورپیلوں کو مدراس کے سر رشتۂ تعلیم میں اعلی خدمات پر مقرر کرے تاکہ ان سے نفع حاصل کیا جاسکے - ایسے اشخاص کا اثر مدارس پر بہت مفید ہوگا اس لیے کہ وہ ہندوستانی عربی اور فارسی سے بھی واقفیت رکھتے ہیں —

حضرات ! ان اخباروں کا ذکر کرنے کے بعد مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اجازت دیں گے کہ انگریزی کے ایک رسالے "پنجاب ایجوکیشنل میگزین" کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراؤں - یہ رسالہ انگریزی زبان میں نکلتا ہے - لیکن اس کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی زبان کے فروغ اور ترقی کے لیے نشر و اشاعت کا کام کرے - گزشتہ جنوری سے یہ رسالہ ماہوار نکلتا ہے - اس کے پانچ نمبر یہاں پہنچ چکے ہیں - اس میں تعلیمی خبروں اور مشوروں کے علاوہ پر مغز مضامین ہوتے

ہیں اور مہینہ بھر کے ادبی مشاغل کی کیفیت درج ہوتی ہے اس کے علاوہ پنجاب کی علمی انجمنوں کی روئدادیں اور تعلیمی نصابوں کی رپورٹیں ہوتی ہیں ــ

پہلی اشاعت میں بعض مضامین ایسے ہیں جو ہماری دلچسپی کے ہیں - مثلاً عربی حروف تہجی پر ڈاکٹر لٹنیر (Dr Leitner) کا مضمون ہے - اس کے علاوہ کلکتہ یونیورسٹی کے میٹریکولیشن کے اردو امتحان کے سوالات اور جوابات درج ہیں - بیشتر سوالات آرائش محفل اور اخوان الصفا میں سے ہیں - خاتمے پر ادبی اور علمی انجمنوں کی روئدادیں ہیں اور تعلیم سے متعلق بعض ادھر اُدھر سے اقتباسات ہیں -

اخبارات کے علاوہ اس سال جو کتب شائع ہوئی ہیں ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے * - ان کتب میں بعض یقیناً ایسی ہیں جو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ یورپ کی علمی دنیا میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیں گی - ان کتابوں میں سے بیشتر آگرہ میں طبع ہوئی ہیں - اُن کی فہرست ڈاکٹر ڈبلو- انڈرسن (W. Anderson) نے مجھے ازراہ عنایت بھیجی ہے - بعض کپتان فلر کے حکم سے طبع ہوئیں - موصوف

---

* کتابوں کی تعداد میں ہر سال اس قدر اضافہ ہو رہا ہے کہ حکومت نے، جیسا کہ دو سال کا عرصہ ہوا اس کے متعلق اعلان بھی کیا تھا اور مسٹر وھیلر (Wheeler) نے اپنی رپورٹ پیش کی تھی ' یہ ارادہ کر لیا ہے کہ نئی مطبوعات کی اطلاع حاصل کرنے کا پورا انتظام کرے -

جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں پنجاب میں ناظم تعلیمات ہیں۔ میں ان میں سے بعض کی نسبت آپ کے سامنے ذکر کرتا ہوں۔ میں دیدہ و دانستہ مذہبی کتابوں کا اس وقت ذکر نہیں کروں گا اس لیے کہ ان کی فہرست بہت طویل ہے * —

Rev. H W Shackell اور M. W. Anderson نے مجھے "مجموعۃ القواعد" کے نسخے بھیجے ہیں - اس کے مصنف منشی راجا رام ہیں جن کی تصویر سر ورق پر ہے - موصوف ہندوستانی لباس زیب تن کیے ہوے ہیں اور اہل مشرق جیسے بیٹھا کرتے ہیں اسی طرح بیٹھے ہوے ہیں اور حقہ ان کے سامنے رکھا ہے - یہ کتاب ہندوستانی مدارس کے لیے لکھی گئی ہے اور اس میں مفید معلومات مصنف نے جمع کر دی ہیں - اس میں اکبر آباد (آگرہ) اور صوبۂ شمال مغربی کے بعض دوسرے شہروں کا ذکر ہے - امیر چند کے سفر نامہ سے بعض اقتباسات کشمیر اور لاہور کے متعلق بھی درج کر دیے ہیں - ہندوستان کے مہاراجوں اور نوابوں کے ناموں کی فہرست ہے اور اب تک ہندوستان میں جتنے گورنر جنرل رہ چکے ہیں ان کے متعلق

---

* مرزا پور کے اخبار "خیر خواہ ہند" میں ان ہندوستانی کتابوں کا ذکر ہے جو مسیحی مبلغین کی جانب سے طبع ہوئی ہیں - ان میں ایک ہندوستانی دعاؤں کا مجموعہ ہے - اس میں موسیقی کی علامات وغیرہ بھی درج ہیں - یہ دعائیں بعض تو ہندوستانی ہی میں لکھی گئی ہیں اور بعض انگریزی یا جرمن سے ترجمہ کی گئی ہیں - اٹاوہ کے Rev. S.H. Ullman نے یہ ترجمے کیے ہے -

معلومات ھیں - اس کے علاوہ پہاڑوں، سمندروں، ھواؤں، بارش اور انگلستان سے ھندوستان کی جو تجارت ھوتی ھے اس کا حال ھے - بغض، حسد، غرور، جہالت اور وقت کی قدر و قیمت کے متعلق اخلاقی پند و نصائح ھیں- اگرچہ کتاب کے مصنف خود ھندو ھیں لیکن خانگی زندگی کے متعلق انھوں نے جو مشورے دیے ھیں ان سے مسلمانوں کی خانگی زندگی کی جھلک نظر آتی ھے - ایک فارسی کتاب ''کیمیائے سعادت'' شائع ھوئی ھے اس کے مصنف امام غزالی ھیں - قصۂ دابشیلم Dabischalm اور ''کلیلہ و دمنہ'' کا خلاصہ بھی شائع ھوا ھے -

اس کتاب میں بعض ایسی باتیں ملتی ھیں جو غالباً کہیں اور نہیں ملیں گی مثلاً ان سب شہروں کے نام ھیں جنھیں مسلمان مقدس سمجھتے ھیں - ساتھ ھی ان کے حالات تفصیل کے ساتھ بیان کیے ھیں - اس ضمن میں اجمیر، ملتان، دھلی، آگرہ، الہ آباد، پانی پت، تھانیسر، کشمیر لکھنؤ وغیرہ کے حالات درج ھیں - مجھے یہ دیکھ کر تعجب ھوا کہ ھردوار اور بنارس کے نام بھی اس فہرست میں شامل ھیں اس لیے کہ ان مقامات میں اورنگ زیب نے مساجد بنوائی تھیں - اس کے ساتھ ایک فہرست ان مقامات کی ھے جو برھمنی ھند کے نزدیک مقدس خیال کیے جاتے ھیں - اس کے بعد پان کی کاشت اور آموں کے باغ لگانے کے متعلق معلومات ھیں سب سے

زیادہ دلچسپ وہ حصہ ہے جہاں بادشاہ دہلی کے اس اعلان کی نقل ہے جو سنہ ۱۸۵۷ ع کی شورش کے موقع پر اس نے ہندوستان کے راجاؤں اور رئیسوں کے نام بھیجا تھا * —

دیوان گویا بھی طبع ہوگیا - 'گویا' لکھنؤ کے مشہور شاعر تھے جن کا ابھی حال میں انتقال ہوا ہے - ان کا دیوان پہلی مرتبہ کانپور میں سنہ ۱۸۶۴ ع میں طبع ہوا - یہ ۲۴۸ صفحات پر مشتمل ہے —

فارسی کے مشہور شاعر حافظ کے دیوان کا اردو ترجمہ آگرہ سے طبع ہوا ہے اور ' بھگوت گیتا '' کا اردو ترجمہ اٹاوہ سے شائع ہوا ہے —

الہ آباد کے اخبار " امین الاخبار " کے مدیر نے جن کا نام عزیزالدین خان ہے ' (Pilgrim's Progress) کے طرز پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام " جواہر اصل '' رکھا ہے - اس کی عبارت میں نثر اور نظم دونوں ملی ہوئی ہیں —

لکھنؤ سے رعنا کی مثنوی " ضبط عشق ' طبع ہوگئی † - یہ تین تین شعر کے واسوخت کے طرز پر ہے - اس میں مشرقی عورتوں کے مکر و فریب کا حال اخلاقی مقصد کو پیش نظر رکھ کر بیان کیا ہے —

---

* یہ اعلان صفحہ ۱۱۸ اور اس کے بعد کے صفحات پر درج ہے - پورے چار صفحوں پر پھیلا ہوا ہے —

† ۶۸ صفحات پر مشتمل ہے - ہر صفحے پر ۲۱ سطریں ہیں —

" بغاوت مالوہ " کی " اخبار عالم ' نے اپنی ۲۷ شعبان سنہ ۱۲۸۱ ھ (۲۲ جنوری سنہ ۱۸۶۵ ع) کی اشاعت میں بہت تعریف کی ہے - یہ نظام الدین کی تصنیف ہے - اس کتاب کے طرز تحریر اور بیان میں تفصیل کو مد نظر رکھا گیا ہے - صوبۂ مالوہ میں ۱۸۵۷ ع میں جو شورش ہوئی تھی اس کے متعلق بہت سارے واقعات اس کتاب میں مل جاتے ہیں - اس میں تصاویر ہیں اور ان مقامات کے نقشے بھی ہیں جہاں شورش کو فرو کرنے کے سلسلے میں لڑائیاں ہوئیں تھیں —

قصائد طیبی میں جو قصائد کا مجموعہ ہے مزاح کا پہلو نظر آتا ہے - قصائد کے ساتھ ان کی تشریح کے لیے حواشی بھی ہیں -

' جہاں نما ' میں کائنات کے عجائب و غرائب کا بیان ہے - جیسے پہاڑ ' سمندر ' جنگل ' انسان اور حیوانات وغیرہ - طرز تحریر صاف ہے - اسی نام کی ایک کتاب ترکی میں ہے جس میں علم جغرافیہ پر بحث کی گئی ہے —

" بہارستان نار " - یہ تقی الدین کی نظم ہے —

" نیرنگ نظر " - لڑکیوں کے مدارس کے لیے محمد اسمعیل نے لکھی ہے —

" درد غمناک " - یہ ایک عشقیہ افسانہ ہے —

گنگا پرشاد نے ہندوستان کی ریت رسوم کے متعلق " روداد " لکھی ہے - موصوف اور دوسری متعدد کتابوں کے مصنف ہیں -

" تمیزا للغات " - اس میں عربی کے الفاظ کے اردو معنی ہیں - الفاظ کے معنوی فرق کو بھی اس میں واضح کیا ہے - یہ اُسی قسم کی کتاب ہے جیسے فرانسیسی میں (Girard et Bauzee) کی کتاب ہے جس کی نقل اب انگریزی میں بھی کی گئی ہے - اس کے مولف کا نام مولوی نیاز حسین ہے * —

اسی قسم کی ایک کتاب کریم الدین نے لکھی ہے جس کا نام " تکریم ظہوری " رکھا ہے - یہ " تشریح ظہوری " کے بعد لکھی گئی ہے جس کی نسبت میں پہلے ذکر کر چکا ہوں - ان دونوں میں " نثر دوم ظہوری " کی تشریح کی گئی ہے اور اصل میں جو مترادف الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ان کے معنی کی بھی توضیح کی گئی ہے -

میں اردو کی کتابوں کے ذکر کو بغیر مولوی جلال الدین رومی کی " مثنوی معنوی " کی نسبت کچھہ کہے ختم نہیں کروں گا - محمد کریم الدین نے مجھے اس کا نظم میں اردو ترجمہ بھیجا ہے - مثنوی کی پہلی کتاب کا ترجمہ موصوف نے کاتبوں سے نقل کرا کے مجھے بھیجا ہے - یہ عجب اتفاق کی بات ہے کہ جس کاغذ پر کاتبوں نے نقل کی ہے وہ فرانس کا بنا ہوا کاغذ ہے- ترجمہ مولوی اللہ بخش نشاط اور مولوی ابوالحسن نے کیا ہے - ترجمہ کا نام " مجمع فیض العلوم " رکھا ہے - بمبئی

---

* مطبوعہ سنہ ۱۸۶۵ ع ' لاہور ' یہ کتاب کپتان فلر کے حکم سے طبع ہوئی ہے-

میں سنہ ۱۲۴۳ ہجری (۱۸۲۷ ع) میں جو فارسی ایڈیشن طبع ہوا تھا اس کو ترجمے میں پیش نظر رکھا گیا ہے —

محمد کریم الدین نے مجھے باغ ارم کا بھی ایک نسخہ بھیجا ہے - یہ بھی مثنوی معنوی کے بعض منتخب حصوں کا اردو ترجمہ ہے - مترجم کا نام شاہ مستان ہے جو مدراس کے رہنے والے ہیں - اس کا پہلا ایڈیشن کلکتہ میں طبع ہوا تھا - حافظ کمال نے دوسرے ایڈیشن کی نظر ثانی کی ہے - مثنوی فارسی زبان میں تصوف کی اعلیٰ ترین کتاب ہے - صوفیا کے نزدیک یہ کتاب قرآن کی بہترین تفسیر ہے - چنانچہ اس کو قرآن پہلوی کہا جاتا ہے - ۴۰ ہزار بیت میں قصے کہانیوں کے پیرایے میں اس میں صوفیا کے عقائد و خیالات کا اظہار کیا گیا ہے - وہ لوگ جو پر اسرار شاعری کو پسند کرتے ہیں ان کے لیے مثنوی میں ایک خاص لطف ہے - بقول یوریپڈس (Euripides) " نا قابل فہم باتوں میں ایک طرح کا تقدس خود بخود پیدا ہو جاتا ہے ' یا بقول پوپ " اس قسم کا تخیل عدم کمال پر دلالت کرتا ہے " —

بالعموم ان سب کتب کے آخر میں چند اشعار ہوتے ہیں جن کو " تاریخ " کہتے ہیں - ان اشعار کے حروف تہجی سے ایک خاص حساب کے مطابق کتاب کی تصنیف کی تاریخ نکلتی ہے - قدیم عبرانیوں میں بھی یہ طریقہ رائج تھا -

چنانچہ تورات میں بعض حروف بڑے ہیں، اور بعض چھوٹے۔ ان بڑے حروف سے بعض تاریخیں نکلتی ہیں لیکن ان کی ابھی تک پورے طور پر تصدیق نہیں ہوئی ہے - ڈبلو - ایچ بلیک (W H. Black) نے انہیں حروف سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے ۱۴۵۱ ق - م - میں انتقال کیا * بقول Malachie ۳۹۳ ق- م- میں اور بقول دانیال ۹۲۵ ق- م - میں حضرت موسیٰ کا انتقال ہوا اور Esther کا واقعہ ۳۴۷ ق - م - میں ہوا —

حضرات ! اب آپ اگر اجازت دیں تو میں ہندی کی چند مطبوعات کی نسبت ذکروں جو مجھے بھیجی گئی ہیں یا جن کے متعلق میں نے معلومات جمع کی ہیں —

" اِتہاس تمرناسک " (Itlhas timir nacak) کے مصنف کا نام شیو پرشاد ہے - یہ " تاریخ ہند " ہے - جس حصہ میں سنہ ۱۸۹۵ سمبت درج ہے وہ درحقیقت سنہ ۱۵۹۹ ع سے لے کر سنہ ۱۸۵۷ ع تک کے حالات پر حاوی ہے - یہ کتاب بنارس میں طبع ہوئی ہے - شیوپرشاد نے اس کتاب میں بھی اپنی دوسری کتابوں کی طرح اس امر کی کوشش کی ہے کہ نہایت

---

* " Ancient Biblical Chronograms, or a Discovery of the chronological use of the majuscular letters occurring in the text of the Hebrew Scriptures, London 1864.

مختصر انداز میں زیادہ سے زیادہ معلومات کو یک جا جمع کر دیا جائے - اس کا تیسرا حصہ جب شائع ہوگا اس وقت کہیں یہ مکمل ہوگی —

پچھلے سال میں نے کہا تھا کہ' پر بودھا چندر ودیا " کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے - آج میں آپ کے سامنے اس کا اعلان کرتا ہوں کہ اس ناٹک کا ہندی ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے - ترجمہ نندا س نے کیا ہے —

" اندر سبھا " - ہندی کا افسانہ ہے - کہا جاتا ہے کہ اس کا اصل ہندی میں نہیں تھا دلدیو پرشاد نے فارسی * سے اس کا ترجمہ کیا ہے —

" کرشن کا بارہ ماسا " - کرشن بھگتی کی دعائیں ہیں جن میں سال بھر کے حالات بیان کیے گئے ہیں -

"رس راج" - ہندی نظموں کا مجموعہ ہے' ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے -

" بھرتری چرتر " - یہ کہانیوں کا انتخاب ہے - ۳۴ صفحات پر مشتمل ہے - آگرہ میں طبع ہوا -

" راگ مالا " - یہ عوام کے گیتوں کا مجموعہ ہے - امراؤ سنگھ نے انہیں ایک جگہ جمع کیا ہے - میرٹھ میں سنہ ۱۸۶۴ ع میں طبع ہوا —

" ونایا پترکا " - یہ تلسی داس کی نظم ہے - پہلے بھی چھپ

* غالباً مصنف کی مراد اردو سے ہے - (عبدالحق)

چکی ہے - اس مرتبہ شیو پرکاش نے اس کی تشریح میں حواشی بھی لکھے ہیں ' ۳۸۰ صفحات ہیں - بنارس میں طبع ہوئی ہے —

" پنچ رتن" - یہ بھی تلسی داس کی پانچ مشہور نظموں کا مجموعہ ہے - پنڈت درگا پرشاد نے شائع کیا ' ۲۷۴ صفحات ہیں - بنارس میں طبع ہوا —

" سور ساگر رتن " یہ سور داس کی نظموں کا مجموعہ ہے - سور داس کو هندوستان کا هومر سمجھنا چاهیے —

" شکنتلا " - یہ سنسکرت سے هندی میں ترجمہ کیا گیا ہے - بنارس میں سنہ ۱۸۶۴ ع میں طبع ہوا —

" بید درپن " اس کے مولف کا نام بتھا جی ہے - میرٹھ میں سنہ ۱۸۶۴ ع میں طبع ہوا —

" امرت ساگر " - یہ کتاب فن طب پر ہے ۴۰۴ صفحات پر مشتمل ہے - آگرہ میں طبع ہوئی —

" بن مادھو " اور " پد مالا " - یہ دونوں علم عروض کی کتابیں ہیں ' آگرہ میں سنہ ۱۸۶۴ ع میں طبع ہوئیں —

بابو متھرا پرشاد کی انگریزی هندوستانی لغت (هندی کے ساتھ اردو بھی ہے) بنارس میں زیر طبع ہے - یہ لغت بہت ضخیم ہوگی - موصوف اس لغت کو ان لوگوں کی سہولت کے لیے تیار کر رہے ہیں جنہیں دن رات انگریزی زبان سے

سابقہ رہتا ہے * —

اس سال انگریزی میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں ۸۰ ہندی کتابوں کا ذکر ملتا ہے جو زیادہ تر برج بھاشا میں ہیں - میری مراد "History of the sect of Maharajas or Wallabhachrya in Western India" سے ہے جو علمی نقطۂ نظر سے یقیناً اعلیٰ پایے کی کتاب ہے - ہندوؤں کی مذہبی تاریخ اور فلسفے پر اس سے بہت کچھ روشنی پڑتی ہے - ہمیں اس کا تو پہلے سے علم تھا کہ ہندی میں کتابوں کی بڑی تعداد ہر سال شائع ہوتی ہے - اس کتاب کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ہندی کی بیسیوں کتابیں ایسی ہیں جن کے متعلق ہمیں مطلق کوئی علم نہیں - ہندوستان کے کتب خانوں نے اس باب میں اب تک کچھ نہیں کیا —

مسٹر Erskine کے کتب خانے میں بھی ہندی قلمی کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ ہے جو کچھ عرصہ ہوا برٹش میوزیم نے حاصل کرلیا ہے - موصوف وہی ہیں جنھوں نے "تزک بابری" کا ترجمہ کیا ہے- مشہور مستشرق مسٹر Charles Rieu اس ذخیرہ کی ترتیب میں آج کل مشغول ہیں - کواجی جہانگیر جن کو انگریزی لوگ Readymoney "نقدہ" کے نام سے پکارتے ہیں انھوں نے بھی بمبئی کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی شاخ کو

---

* Trubner, *Am-and Oriental Literary Record*, Oct 1856.

۲۹۲ کتب بطور عطیہ دی ہیں۔ اس ذخیرے میں بھی یقین ہے کہ ہندی کی کتابیں ہوں گی * —

اب میں ہندوستان کی تعلیمی ترقی کے متعلق کچھ کہوں گا اور یہ بتاؤں گا کہ خود ہندوستانیوں نے مغربی علوم و فنون حاصل کرنے کی غرض سے جو انجمنیں بنائی ہیں وہ کیونکر چل رہی ہیں اور مغربی تہذیب و تمدن اور مسیحی مذہب کی نشر و اشاعت کا کیا حال ہے —

ہندوستانی انشا پرداز افسوس نے "آرائش محفل" میں یہ لکھا ہے ! —

"ہندوستانیوں میں تعلیم حاصل کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے - وہ اس تعلیم کے فوائد سے باخبر نہیں" - وغیرہ - † ‡ —

ہندوستانیوں کے متعلق جو یہ تصویر کھینچی گئی ہے اس میں ممکن ہے کہ کچھ مبالغہ ہو - اس لیے کہ اہل مشرق کی تحریریں مبالغہ سے کبھی خالی نہیں ہوتیں - لیکن اس میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور ہے - حکومت جس سرگرمی

---

* موصوف نے سکوں اور تمغوں کا ایک مجموعہ بھی دیا ہے - اس میں وہ سب روپے شامل ہیں جو مختلف زمانوں میں مغربی ہند میں رائج رہے ہیں - اس کے علاوہ پونا میں کالج قائم کرنے کے لیے ۵۰ ہزار روپے کی رقم بطور عطیہ دی ہے - اس کالج کا سنگ بنیاد گزشتہ سال ۹ اگست کو رکھا گیا —

† صفحہ ۴۴ - کلکتہ ایڈیشن —   ‡ یہاں عبارت کا فرانسیسی ترجمہ ہے۔

کے ساتھہ مغربی علوم و فنون کو هندوستان میں رواج دے رهی
هے اس کا بہت اچھا نتیجہ بر آمد هو رها هے - چنانچہ اس
تعلیم کی بدولت هندوؤں کی رسوم میں اصلاح هو رهی هے اور
ان کے مذهبی رواج بھی بدلتے جاتے هیں - ایسے رواج جو
معاشرت کے لیے نقصان رساں تھے انھیں لوگ ترک کر رهے
هیں - یہ تبدیلی پورے طور پر خارجی اثر سے نہیں پیدا
هو سکتی بلکہ اندرونی طور پر اس کا پیدا هونا ضروری هے
جیسا کہ مسٹر جے - بی نارتن کا خیال هے * کلکتہ کی " برهمو
سماج " مدراس کی "وید سماج " اور اسی طرح کی دوسری
انجمنیں اس مقصد کو پیش نظر رکھہ کر قائم هوئی هیں کہ
توحید کی تعلیم دیں ، هندوؤں کو مذهب کے توهمات کی
آلائش سے پاک کریں ، نیچ ذات والوں کے ساتھہ جو مذهبی
فرق برتا جاتا هے اسے دور کریں ، عقد بیوگان ، ایک بیوی سے
عقد کرنے اور اسی قسم کے دوسرے خیالات کی نشر و اشاعت
کریں - چنانچہ اسی تحریک سے متاثر هو کر ایک بنگالی نے
ایک نوجوان بیوہ کے ساتھہ عقد کیا - یہ بیوہ کشن نگر کے مدرسے
کی ایک متعلمہ تھی - مقامی هندو شرفا نے اس شادی کے موقع
پر شرکت کی اور برهمو سماج کے اصولوں کے مطابق سب رسمیں

---

* مدراس میں مرصوف نے هندوستانیوں کی تعلیم کے متعلق اظہار خیال کرتے هوے یہ کہا تھا - انڈین ڈیلی میل ۱۸ اگست سنہ ۱۸۶۵ ع -

ادا کی گئیں - ہندوستانی اور یوروپین مذہبی جماعتیں آپس میں اپنی مطبوعات کا تبادلہ بھی کرتی ہیں - چنانچہ برہمو سماج اور Calcutta Tract Society نے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے —

پنجاب میں سررشتۂ تعلیم سنہ ۱۸۵۶ع میں قائم ہوا جب کہ سرجان لارنس جو آج کل ہندوستان کے وائسرائے ہیں، وہاں چیف کمشنر تھے - شورش عظیم کے باعث اس سررشتے کی ترقی رک گئی، لیکن اب امن و امان قائم ہونے کے بعد تعلیم کو فروغ شروع ہو گیا ہے - بایں ہمہ سنہ ۱۸۶۰ع تک صرف ابتدائی تعلیم (ورنیکلر مدارس) کی طرف توجہ کی گئی - اس کے بعد اعلی تعلیم کا خیال پیدا ہوا - سنہ ۱۸۶۰ع سے برابر ایسے اضلاعی مدارس کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے جہاں انگریزی اور ہندوستانی دونوں پہلو بہ پہلو سکھائی جاتی ہیں - اس وقت پنجاب میں ابتدائی مدارس کی تعداد دو ہزار سات سو تیس ہے جن میں ۸۶ ہزار دو سو بانوے طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں - بڑے سرکاری مدارس تین ہیں - لاہور، امرتسر، اور دہلی میں - ان مدارس سے کلکتہ یونیورسٹی کے امتحان کے لیے طلبہ ہر سال جاتے ہیں جن میں سے اکثر کامیاب رہتے ہیں - ان مدارس کے علاوہ لاہور کا مشن اسکول بھی قابل ذکر ہے —

لاہور کے میڈیکل اسکول میں ایک جماعت انگریزوں کے لیے ہے اور دوسری ہندوستانیوں کے لیے - ثانی الذکر میں داخل ہونے کے لیے لازمی ہے کہ ہندوستانی زبان کے امتحان میں کامیابی حاصل کی جائے - اس امتحان میں فارسی رسم خط میں املا لکھنا ہوتا ہے —

میں ان مدارس کی تعلیم کے متعلق تفصیلات بیان کر سکتا ہوں اور یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ ان میں اساتذہ اور طلبہ کی تعداد کیا ہے - لیکن ایسا کرنا غیر ضروری ہے اس واسطے کہ کپتان فلر (Fuller) کے ایک خطبے میں یہ سب باتیں تفصیل سے موجود ہیں - انہوں نے پنجاب کے ناظم سررشتۂ تعلیمات کی حیثیت سے جو حال ہی میں رپورٹ پیش کی ہے اس سے اس صوبے کے ہندوستانیوں کی تعلیمی ترقی کا ایک خاکہ نظر کے سامنے آجاتا ہے - اس رپورٹ سے ہندوستانی کی ترقی کا حال بھی معلوم ہوتا ہے * - حکومت نے اس غرض کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا ہے کہ ہندوستانی زبان کی کتب لکھائی جائیں - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت ہندوستانی زبان کی ترقی کے لیے کوشاں ہے † —

* دہلی کے نارمل اسکول میں سب طلبہ کے لیے ہندوستانی لازمی قرار دی گئی ہے - مولوی خدا بخش ہندوستانی کی تعلیم دیتے ہیں- کالی مسجد میں لڑکیوں کا جو مدرسہ ہے اس میں انجیل اردو میں پڑھائی جاتی ہے —

† Indian Mail 26 Dec. 1854.

۷ جنوری کو لاهور میں جو دربار هوا اس میں پنجاب کے لفٹننٹ گورنر سر آر مونٹگمری نے هندوستانی میں تقریر کی ۔ دوران تقریر میں آپ نے اس ترقی کا ذکر کیا جو صوبۂ پنجاب نے تعلیم نسواں کے سلسلے میں کی هے - آپ نے بتلایا که اس وقت پنجاب میں لڑکیوں کے مدارس کی تعداد ۶۶۲ هے اور ان میں ۱۳ هزار سے زاید لڑکیاں تعلیم پا رهی هیں - اس موقع پر کپتان فلر نے بهی هندوستانی میں تقریر کی اور صوبے کی تعلیمی ترقی کے متعلق نہایت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا - بعض هندوستانیوں نے بهی تقاریر کیں اور تعلیم کو اپنے هم ملکوں میں عام کرنے کی کوشش کے وعدے کیے —

ان هندوستانی مستورات کو جو پردے کے اندر زندگی بسر کرتی هیں تعلیم سے بهره یاب کرنا بہت دشوار کام هے - صرف عورتیں هی یه کام انجام دے سکتی هیں - چنانچه سال گزشته میں نے اس کے متعلق ذکر کیا تها که بعض خواتین نے یه کام شروع کردیا هے * - Rev. J. Long. نے انگریز خواتین سے اپیل کی هے که وه ازراه خدمت خلق یه کام شروع کردیں - ان میں جذبۂ حمیت پیدا کرنے کے لئے موصوف نے طبقۂ امرا کی روسی خواتین کی مثال پیش کی هے که وه اپنی رعایا کو خود تعلیم دینے میں اپنی ذلت نہیں سمجھتی هیں —

* دیکھو خطبۂ ۵ دسمبر سنه ۱۸۶۴ ع —

۲۵ فروری کو لاهور میں هندو اور مسلمان طلبہ کو انعام تقسیم کرنے کی غرض سے ایک جلسہ هوا - یہ انعامات ان طلبہ کےلیے مخصوص تھے جو سرکاری مدارس میں تعلیم پاتے هیں - حلقۂ لاهور کے ناظر مدارس مسٹر الکزنڈر سرکاری کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لیٹنر اور مسٹر کوپر نے اس جلسے میں شرکت کی تھی - ان تینوں نے هندوستانی میں جلسے کے روبرو تقاریر کیں * —

بنارس میں مشن مدارس کے تقسیم انعامات کے جلسہ میں جہاں اور دوسرے طلبہ کو انعامات ملے وهاں ایک انعام ایک کم عمر بچہ کو دیا گیا جس نے وائسرائے کی آمد کے موقع پر هندوستانی میں اشعار لکھے تھے † —

پہلی فروری کو آگرہ میں زرعی نمائش کے افتتاحی جلسے میں وکٹوریہ کالج کے سکریٹری نے هندوستانی میں تقریر کی تاکہ اس موقع پر جتنے هندوستانی موجود تھے وہ سمجھہ سکیں‡—

مسٹر ای هاورڈ (E. Howard) نے صوبۂ بمبئی کی نظامت تعلیمات سے علحدہ هوتے وقت اس صوبے کی تعلیمی ترقی کے متعلق ایک رپورٹ شائع کی هے - اس رپورٹ کو دیکھنے سے معلوم

---

* Punjab Educational Magazine 26th., Feb 1865 —

† Friend of India, lst., Dec. 1864.

‡ Indian Mail, 15 March 1865

هوتا هے که اس وقت بمبئی کے صوبے میں مدرسوں اور کالجوں
کی تعداد ۹۵۴ ہے - ان میں ۲۲ هزار طلبه تعلیم پاتے هیں -
اس تعداد میں حکومت کے سرکاری مدارس شامل نہیں
هیں ' جن میں طلبه کی تعداد کم و بیش اسی قدر هوگی -
سرکاری تعلیم گاهوں کی بد ولت انگریزی زبان کی تعلیم لازمی
طور پر بڑھ رهی هے - اس کے ساتھ ساتھ هندوستانی ادب
نیز ان دوسری زبانوں کو فروغ حاصل هورها هے جو مختلف
صوبوں میں استعمال کی جاتی هیں - ان مختلف زبانوں میں
انگریزی کی مستند کتابوں کے ترجموں سے ترقی هورهی هے * -

بمبئی یونیورسٹی کی خوش حالی بدستور قائم هے -
پچھلے دسمبر کے مہینے میں ۲۴۱ اُمید واروں نے میٹریکولیشن
کے امتحان میں شرکت کی - ان میں سے اکثر هندو تھے - جمله
تعداد میں سے ۱۰۹ کامیاب هوے --

ڈاکٹر برڈوڈ (Dr. Birdwood) کی وجه سے جیسا که میں
پچھلے سال کہه چکا هوں بمبئی میں عنقریب وکٹوریه میوزیم
قایم هو جاے گا - اس میں شمالی هند اور دکن کے نوادر رکھے
جائیں گے - مدراس میں تو پہلے سے ایک عجائب گھر موجود
هے - جن کے هندوستانی عجائب خانوں میں کسی شے کے دو دو نمونے
هیں ' اُن میں سے ایک ایک انڈیا هاؤس کو بھیج دیا جاے گا --

* Indian Mail, 28 Oct. 1865.

لاہور کے " سرکاری اخبار " کی بدولت اودھ کی تعلیمی ترقی کے حالات مجھے معلوم ہوے - اودھ کو بارہ اضلاع میں تقسیم کیا گیا ہے - اضلاع تحصیلوں میں تقسیم ہیں اور تحصیل دیہات میں، ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح اودھ کے ہر ضلع میں بھی ایک ہائی اسکول ہے - ان مدارس میں دوسرے اساتذہ کے علاوہ دو ہندوستانی پڑھانے والے ضرور ہوتے ہیں - ایک اردو پڑھانے کے لیے اور دوسرا ہندی پڑھانے کے لیے - یہاں فارسی، سنسکرت، انگریزی، علوم صحیحہ، تاریخ اور دوسرے مفید علوم کی تعلیم دی جاتی ہے - تعلیم ہندوستانی زبان میں دی جاتی ہے - ہاں اونچی جماعتوں میں انگریزی ذریعۂ تعلیم ہے -

ڈاکٹر لیٹنر پرنسپل گورنمنٹ کالج نے جو " انجمن اشاعت علوم " لاہور میں قائم کی ہے اس کے سرپرست کپتان فلر (Fuller) ہیں - اس انجمن میں بلا امتیاز مذہب و ملت ہندو اور مسلمان دونوں شریک ہیں - چنانچہ کوہ نور کے مدیر ہر سکھہ راے اس انجمن کے سکریٹری ہیں - ان کے علاوہ اور دوسرے تعلیم یافتہ ہندوستانی اس انجمن کے رکن ہیں - ہندو لوگ اس انجمن کو "سکشن سبھا " کے نام سے پکارتے ہیں - ہر روز اس انجمن کی اہمیت اس کے کام کی وجہ سے بڑھتی جا رہی ہے - اس کے ساتھہ ایک کتب خانہ بھی ملحق ہے جس

سے پبلک مستفید ہو سکتی ہے - اس انجمن کے سربراہوں کا خیال ہے کہ ادبی اور معاشری مسائل پر کتابیں شائع کرائیں - اس انجمن کی پنجاب کے دوسرے شہروں میں بھی شاخیں موجود ہیں- پہلی اکتوبر سے اس انجمن کے زیر اہتمام اردو میں تقاریر کرائی جاتی ہیں ان تقاریر کے موضوع بالعموم عام دلچسپی کے ہوتے ہیں- ڈاکٹر لیٹنر کا خیال ہے کہ لاہور میں ایک یونیورسٹی قایم کریں گے جس کا دستور العمل بہت وسیع اور آزاد اصول پر مبنی ہوگا - اس یونیورسٹی کا نصب العین یہ ہوگا کہ ہندوستانی لوگوں میں علوم و فنون کو رواج دیا جائے ہندوستانی ادبیات کو فروغ دینے کی تدابیر اختیار کی جائیں اور کوشش یہ کی جائے کہ ایک جدید ادب اس زبان میں وجود میں آئے- اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے موصوف نے سرمایہ جمع کر لیا ہے- اس سرمایہ سے ان طلبہ کو انعامات دیے جائیں گے جو اردو ہندی، فارسی، سنسکرت یا عربی میں نمایاں کامیابی حاصل کریں گے - موصوف نے اپنی اس اسکیم کے متعلق جو لائحۂ عمل اردو میں تیار کیا ہے وہ اس وقت میرے پیش نظر ہے - لاہور کے بعض رؤسا موصوف کی ہمت افزائی کر رہے ہیں - چنانچہ پنجاب کے لفٹننٹ گورنر مک لیوڈ (Mc Leod) نے جو خود مستشرق ہیں اور علوم مشرقیہ کے قدردانوں میں ہیں، سررشتۂ تعلیم کے اعلیٰ حکام کو مجبورہ علوم مشرقیہ کی

یونیورسٹی کے متعلق ایک مراسلہ بھیجا ہے * —

انجمن لاہور کے اجلاس کا ذکر "سرکاری اخبار"، "کوہ نور" اور دوسرے ہندوستانی اخباروں میں ملتا ہے - ۲۱ جنوری کو اس انجمن کا افتتاحی جلسہ ہوا تھا جس میں ڈاکٹر لیٹنر اور پنڈت من پھول نے اظہار خیال کرتے وقت کہا کہ یہ علمی مجلس عوام کی خدمت کی غرض سے قایم کی گئی ہے - اس کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ عوام کی حالت کو سدھارے - نیز تعلیم یافتہ لوگوں کو روشن خیال بنانا چاہتی ہے —

اس انجمن کے قواعد و ضوابط جو اردو میں شائع ہوے ہیں ان پر اخبارات میں تنقیدیں ہوئی ہیں - وہ تنقیدیں اس وقت میرے پیش نظر ہیں —

اس انجمن کی ایک اشاعت میں بابو نوین چندر کا مضمون ہے جو انہوں نے اس موضوع پر لکھا ہے کہ پنجاب میں ہندی کی ترقی کی کوشش کرنی چاہیے - بابو صاحب نے یہ بتایا ہے کہ ہم لوگ جس زمانے میں زندگی بسر کر رہے ہیں وہ ترقی کا زمانہ ہے - ہر قوم تہذیب و تمدن کی ترقی میں کوشاں ہے - ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ متعدد سعی و جہد سے اپنے تمدن اور اپنی ادبیات کو فروغ دیں - ہمیں مغربی علوم و فلسفہ کی کتابوں اور سانسکرت کی قدیم کتابوں کو ہندی میں ترجمہ کرنا چاہیے-

---

* Times of India, 28 Oct. 1865.

مسلمانوں کو بھی اردو کی ترقی کے ساتھہ ساتھہ ھندی کے حقوق کو فراموش نہ کرنا چاھئے۔ اردو اور ھندی جڑواں بھائی ھیں - ھمیں ان دونوں کی ترقی کے لیے بیک وقت کوشش کرنا چاھیے —

اسی قسم کی ایک انجمن روھیلکھنڈ کے علاقے کے لیے بریلی میں قایم ھوئی ھے - میرٹھہ کے "اخبار عالم" میں اس انجمن کے حالات چھپتے رھتے ھیں ۔ اس انجمن کا اصلی مقصد جدید علوم کو ھندوستانیوں میں رواج دینا ھے - چنانچہ یہ انجمن عام دلچسپی کی کتابیں شائع کر رھی ھے اس انجمن کی حتی المقدور یہ کوشش ھے کہ خود ھندوستانی لوگ ان کتابوں کو لکھیں - انجمن انھیں اس کا معاوضہ دیتی ھے اور ان کی اشاعت کا پورا انتظام کرتی ھے - انجمن کے پیش نظر یہ بھی ھے کہ اردو زبان میں خطابت اور بلاغت کو ترقی دی جاے اور اس زبان کی خصوصیت جو بول چال کی شستگی میں پائی جاتی ھے اسے اور فروغ دیا جاے - اس سے یہ ھوگا کہ زبان میں نزاکت اور لطف دگنا ھوجاے گا - اور اس زبان میں گفتگو کرنا شائستگی کی علامت تصور کیا جاے گا - اس کے علاوہ انجمن مغربی علوم و فنون کی کتابوں کا ھندوستانی (اردو، ھندی) میں ترجمہ کراے گی اور انجمن جن ترجموں کو قبول کرے گی اُس کا معاوضہ ادا کرے گی۔ صوبۂ شمالی مغربی یا

ہندوستان کے کسی اور گوشے کا باشندہ علمی کتب کا ترجمہ اس انجمن میں پیش کرسکتا ہے۔ انجمن اس ترجمے کو دیکھے گی کہ آیا واقعی وہ اس کے معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں۔ اگر ترجمہ قابل قبول ہے تو اس کی طباعت کا انتظام کیا جائے گا۔ انجمن کی تنظیم حسب ذیل ہے:- ایک کمیٹی ہے جو اپنا صدر، نائب صدر، معتمد اور خزانہ دار منتخب کرتی ہے۔ انجمن کے معمولی ارکان کی تعداد غیر محدود ہے۔ اس کا چندہ چوبیس روپے سالانہ ہے۔ کمیٹی کے ارکان زیادہ تر ہندو اور مسلمان امرا ہیں۔ ان کے علاوہ بریلی اور روہیلکھنڈ کے دوسرے حصوں کے اہل علم و فضل بھی اس میں شریک ہیں۔ مہینے میں ایک مرتبہ کمیٹی کا جلسہ ہوتا ہے ––

انجمن کا ارادہ ہے کہ ایک ماہوار ادبی رسالہ جاری کیا جائے۔ انجمن کا معتمد اس رسالے کا نگراں ہوگا۔ ہر سال انجمن اپنا ایک عام جلسہ منعقد کرے گی جس میں انجمن کی سال بھر کی سرگرمیوں کا حال ایک رپورٹ کے ذریعے جو اردو میں لکھی جائے گی، پیش کیا جائے گا ––

چند ماہ کا عرصہ ہوا کہ بدایوں کے بعض راجاؤں اور امرا کا ایک جلسہ ہوا تھا جس میں اس امر پر غور کیا گیا کہ ہندوؤں میں شادی بیاہ کے موقع پر جو مہمل رسوم برتی جاتی ہیں اور جو بے کار جشن منائے جاتے ہیں انہیں کس

طرح ترک کیا جائے - فتح گڑھ کے بابو ایشوری داس نے ان مسائل کے متعلق ایک مضمون پڑھا - موصوف متعدد کتابوں کے مصنف ھیں - ان کا نام ھندوؤں کا سا ھے لیکن انہوں نے مسیحی مذھب قبول کر لیا ھے —

حضرات! پچھلے سال میں نے کلکتہ کی ادبی انجمن کا ذکر کیا تھا * جس کے بانی اردو زبان کے مشہور مصنف اور انشا پرداز سید احمد ھیں † جنھوں نے انجیل کی شرح لکھی ھے - موصوف کی حیثیت مسلمانوں میں وھی ھے جو آج سے چالیس سال قبل رام موھن رائے کی ھندوؤں میں تھی - موصوف کے جوش اور خلوص کی بدولت انجمن ترقی کر رھی ھے - اس کام میں مولوی عبداللطیف اور بعض انگریز ان کی مدد کر رھے ھیں - ھمیں پوری توقع ھے کہ ھندوستان کے مسلمانوں کو اس انجمن سے بہت فائدہ پہنچے گا جن کی تعداد اس وقت ۲ کروڑ سے زیادہ ھے- اس انجمن کی بدولت ان مسلمانوں کے لیے جو تاج برطانیہ کے سایہ میں زندگی بسر کر رھے ھیں یہ ممکن ھوگا کہ اس عظیم الشان تعلیمی تحریک میں شرکت کر سکیں جو اس وقت بنگال میں اپنے اثرات

---

* قسطنطنیہ میں بھی اس قسم کی ایک ادبی انجمن قایم کی گئی ھے جس کا مقصد یہ ھے کہ مغربی علوم کی کتابوں کے ترجمے کیے جائیں سلطان اس انجمن کو سالانہ ۲ لاکھ ۵۰ ھزار فرانک دیتے ھیں —

† سر سید احمد خان مرحوم —

دکھا رہی ہے۔ اس انجمن کا مقصد ہی یہ ہے کہ قومی ادبیات کو فروغ دیا جائے۔ انجمن نے ۹ ہزار روپے کے انعامات ان کے لیے مقرر کیے ہیں جو اردو میں مندرجۂ ذیل موضوعوں پر مضامین لکھیں گے۔ حیات اورنگ زیب، ہندی مسلمان، انجن اور اس کے کل پرزے، مطبع کی تاریخ اور تمدن پر اس کے اثرات۔ ۱۶ اگست کو اس انجمن کا ایک جلسہ علیگڑھ میں ہوا۔ اس جلسہ میں یہ طے پایا کہ انجمن کی اپنی ایک عمارت ہونی چاہیے، کتب خانے کے لیے کتابیں فراہم کرنی چاہئیں اور سائنس کے آلات منگانے چاہئیں*
اس انجمن کی سرپرستی بنگال کے لفٹننٹ گورنر نے قبول فرما لی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکاری حلقوں میں بھی اس انجمن کی اہمیت کو محسوس کیا جا رہا ہے —

اس انجمن کے ایک پچھلے جلسے میں مولوی عبیداللہ نے سلطنت روما کی ابتدا اور اس کے استحکام پر ایک مضمون پڑھا۔ مولوی عبدالرؤف نے لندن اور اس کے نواح پر ایک مضمون پڑھا۔ اس موضوع پر متعدد ہندوستانی سیاحوں نے اظہار خیال کیا ہے۔ شمشیر نے "شگرف نامۂ ولایت" اور کریم خاں نے "سیاحت نامہ" میں لندن کے حالات بیان کیے ہیں۔ یورپین لوگوں میں جنہوں نے اس انجمن کے مقاصد

---

* Indian Mail, 8 Jan. 1865.

کے ساتھہ همدردی کا اظہار کیا هے سر چارلس تریولین خاص طور پر قابل ذکر هیں - جب موصوف کلکتہ سے ولایت واپس جا رهے تھے تو اس انجمن کے ارکان کی طرف سے ایک الوداعی ایڈریس پیش کیا گیا جس میں اس خیال کو ظاهر کیا گیا کہ ان کے ولایت جانے سے اس انجمن کا ایک عملی معاون کم هو گیا —

کیا اچھا هو اگر هندوستان جلد تر نشان سے بت پرستی کی لعنت دور هو جاے - کلکتہ کے لات پادری Reginald Heber نے پچاس سال کا عرصہ هوا جب یہ اشعار لکھے تھے : —

خدا نے اپنے لطف و کرم کو بیکار فیاضی کے ساتھہ اس جگہ صرف کیا جہاں کی حالت یہ هے کہ بت پرست لوگ چوب و سنگ کے آگے اپنا سر نیاز خم کرتے هیں "

همیں پوری امید هے کہ مسیحی مبلغین سے هندوستان میں بلکہ سارے عالم میں زبور کے اس سرود عارفانہ کی تصدیق هوگی —

" خدا مشرکوں کو زیر کرے گا - وہ اپنے مقدس تخت پر جلوہ افروز هے " *

اگر هندوستانی مسیحیت کی پر اسرار کشتی پر سوار هو جائیں تو وہ نجات کے ساحل پر اتر سکتے هیں- اس کشتی میں

* Ps. × Lvll, 9 verse.

انہیں عافیت نصیب ہو سکتی ہے اگر وہ مسیحی دین قبول کر لیں تو یوں سمجھو جیسے انہوں نے صداقت کے کھمبے کو پکڑ لیا جو اپنی جگہ سے کبھی نہیں ہلتا —

ہندوستان کے مسلمانوں میں مسیحی تبلیغ کو زیادہ کامیابی اب تک نہیں حاصل ہوئی - لیکن بعض مسلمانوں کی مثالیں ملتی ہیں جنھوں نے مسیحی مذہب کی تعلیم کو قبول کر لیا ہے - ناگپور کے ناظر مدراس نے جن کا نام مولوی صفدر علی ناگپوری ہے ابھی حال میں مسیحی دین قبول کیا - موصوف نے مسیحی کتابوں کو پڑھ کر خود بخود مذہب تبدیل کر لیا - ان کے اثر سے ایک اور مسلمان عیسائی ہو گیا جو ان کے ماتحت اسکول میں مدرس تھا - ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اس وقت ۵۱۵ مبلغین مسیحیت کام کر رہے ہیں ان میں انگلیکن (Anglicans) اور دوسرے غیر کیتھولک شامل ہیں * ہمارے خیال میں کیتھولک مبلغین کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو گی اس لیے کہ اس وقت ہندوستان میں کم و بیش دس لاکھ کیتھولک موجود ہیں † —

مسیحی مبلغین اپنا مذہبی جوش میلوں کے موقع پر ظاہر کرتے ہیں - ہندوستانیوں کے جم غفیر میں وہ اپنے خیمے

* "Church Missionary Intelligencer"

† " India, its nations and missions " by Rev. G. Trever.

لگا لیتے ہیں - تقریریں اور وعظ کرتے ہیں رسالے تقسیم کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ - چنانچہ پچھلے دنوں ۲۸ جنوری کو الہ آباد میں میلے کے موقع پر کوئی ۷۰ ہزار نفوس جمع ہوے تھے- اس میلے میں ان مبلغوں نے بڑی سر گرمی سے کام کیا ـــ

۲۱ دسمبر کو بمبئی کے لاٹ پادری نے ۹ کم عمر ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کی رسم ادا کی - ان میں دو مسلمان ہیں ' ایک پارسی ہے ' ایک تاملی ہے ' چار مرہٹے ہیں ' اور ایک اودہ کا ہندو ہے - ان کے علاوہ دس لڑکیاں بھی مسیحی دین کے حلقے میں داخل ہوئیں ان میں سے دو مسلمان ہیں ' اور باقی سب ہندو ہیں - ان میں ایک لڑکی برہمن ہے - لاٹ پادری نے اپنی تقریر ہندوستانی میں کی اور بعد میں مرہٹی میں اس واسطے کہ اس علاقے میں یہی زبان بولی جاتی ہے * ـــ

اس سال ۹ اپریل کو کلکتہ کے لاٹ پادری نے امرتسر میں ۴۰ ہندوستانیوں کو مشرف بہ مسیحیت کیا - اس موقع پر جو مذہبی رسم ادا کی گئی اس میں موصوف نے بلا تکلف ہندوستانی زبان میں تقریر کی - اس تقریر میں الفاظ اور محاوروں کا استعمال اس قدر صحیح تھا کہ جو ہندوستانی اس وقت موجود تھے وہ سب بہت متاثر ہوئے - موصوف نے اپنی تقریر میں اس موقع کی اہمیت کو سامعین کے

* Indian Mail, 8 Feb 1865.

روبرو واضح کیا —

اس کے کچھہ عرصے بعد موصوف نے ایک نوجوان کو جو ہندوستانی زبان بخوبی جانتا تھا اور اب تک بچوں اور نو مسیحیوں کو "سوال و جواب" کی مشق کراتا تھا کلکتہ کے شمالی محلوں کے لئے پاسٹر (Pastor) مقرر کردیا ہے - ان محلوں میں زیادہ تر انگریز یوریشین اور پرتگیزی آباد ہیں —

اب ہم ان کی طرف توجہ کرتے ہیں جنہوں نے اس سال داعئی اجل کو لبیک کہا - سب سے پہلے ڈاکٹر Falconer کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں کوئی دس سال کا عرصہ ہوا جب وہ ہندوستان سے تازہ تازہ واپس ہوئے تھے اس وقت میری ان سے ملاقات ہوئی تھی - موصوف ہندوستانی زبان بلا تکلف بولتے تھے - میں بھی ان کے ساتھہ ہندوستانی میں گفتگو کرتا تھا - میں پہلی مرتبہ جب ان سے ملا تھا تو اس وقت ان کے ہمراہ (M. P de Gavardie) بھی تھے جو ہندوستانی بولنا جانتے ہیں- انہوں نے یہ مشق پانڈیچری کےدوران قیام میں‌کی ہے -

Hugh Falconer کا لندن میں ۳۱ جنوری کو انتقال ہوگیا - آپ کلکتہ کے سرکاری باغ کے سپرنٹنڈنٹ رہ چکے تھے - آپ ویلز میں پیدا ہوئے تھے - ۵۵ سال کی عمر میں اس دنیا سے کوچ کرگئے - پبلک میں آپ کا نام زیادہ مشہور نہیں ہوالیکن لندن کے علمی حلقوں میں آپ عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے -

آپ سنہ ۱۸۳۰ ع میں ھندوستان پہلی مرتبہ گئے اور اپنی عمر کے بہترین بیس سال اسی ملک کی خدمت میں صرف کیے - آپ علم نباتات و حیوانات کے ماہر تھے اور خاص کر کے Paleonthology میں کمال پیدا کیا تھا - آپ کا حافظہ بلا کا تھا اور معلومات نہایت وسیع تھیں - آپ کے انتقال پر لندن کے علمی حلقوں میں سے معلومات کا بیش بہا خزانہ ہمیشہ کے لئے اُٹھ گیا —

آپ ھی نے سب سے پہلے چاء اور کلکینا (Quinquina) کی کاشت شروع کرائی - ھندوستان کے متحجرات (fossils) کے متعلق بھی تحقیق کی تھی - اس تحقیق کے نتائج برٹش میوزیم میں موجود ھیں جو خود آپ نے اپنی زندگی میں ترتیب دیے تھے - اس خاص موضوع کے متعلق اور کہیں اتنی مفید معلومات نہیں مل سکتیں * —

ان کے قدیم دوست کپتان Antony Troyer بھی ان کے انتقال کے کچھ دن بعد اس جہان سے سدھار گئے - لیکن وہ اپنی عمر طبیعی کو پہنچ چکے تھے - انتقال کے وقت ان کی عمر ۹۳ برس کی تھی - آپ سنسکرت اور فارسی کے عالم تھے اور ھندوستانی بھی تھوڑی بہت سیکھ لی تھی - گورنر جنرل لارڈ ولیم بنٹنگ کے ایڈی کامپ رہ چکے تھے - آپ عرصہ سے پیرس میں رہتے تھے

* Times, 2 Feb. 1865.

چنانچہ پیرس آپ کا ۲ جون کو انتقال ہوا - آپ کے انتقال پر شاعر کے یہ اشعار پڑھے جاسکتے ہیں —

' یہ دنیا اس کے لیے کس قدر شاندار ہے جو یہاں
سے اپنے دل کو بنی نوع کی ہم دردی سے مملو
لے جائے - چنانچہ وہ آسمان کو روشن اور مہتم
بالشان نظروں سے دیکھتا ہے اور مڑ مڑ کر اپنے
ان دنوں کو دیکھتا ہے جو اس نے نیکی میں اور
فرائض کی بجا آوری میں صرف کیے" * —

آپ کی میرے حال پر بڑی عنایت تھی - چنانچہ ہندوستانی کے متعدد قلمی نسخوں کی نقلیں آپ کی مدد سے میں نے کرائی تھیں - آپ نے "دبستان مذاہب" کے انگریزی ترجمے کی تکمیل کی جسے D. Shea نے شروع کیا تھا - "راج ترنگنی" کا بڑی انگریزی ترجمہ آپ نے ختم کیا - اس کتاب کو کشمیر کی تاریخ سمجھنا چاہیے - اس کے علاوہ آپ کے متعدد مضامین پیرس کے Journal Asiatique میں نکلتے رہے ہیں —

Edward Place Stevenson کا بمبئی میں ۴۵ سال کی عمر میں ۲۱ جون کو انتقال ہوا - آپ Deccan Herald کے مدیر رہ چکے تھے اس کے بعد Elphinstone Institution کی مرکزی تعلیم گاہ کے صدر مدرس ہوگئے تھے - آخر میں احمد آباد کالج کی

* Longfellow.

پرنسپلی انہیں تفویض کی گئی۔ آپ کی موت پر علم اور احباب دونوں نے ماتم کیا —

۳۱ اگست کو ایک اور مشہور مستشرق ہم میں سے اٹھ گیا - میری مراد Alexander Kinloch Forbes سے ہے جنھیں Justice Forbes بھی کہتے تھے آپ کا پونا میں انتقال ہوا - رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی بمبئی کی شاخ کے آپ نائب صدر رہ چکے تھے اور بمبئی یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے - ہندوستانی سے آپ کا تعلق ضمنی رہا لیکن گجراتی کی ترقی میں آپ نے بہت کوشش کی چنانچہ گجراتی زبان کو فروغ دینے کی غرض سے آپ نے اپنی صدارت میں ایک انجمن قایم کی اور تاریخی مواد اور گیت وغیرہ جمع کیے - آپ کی کتاب " راس مالا " گجرات کے لیے وہی نوعیت رکھتی ہے جو کرنل ٹوڈ کی کتاب راجپوتانے کے لیے ہے - آپ کے انتقال پر ایشیاٹک سوسائٹی کے اعزازی صدر Rev. Dr Wilson نے ۱۴ ستمبر کے اجلاس میں آپ کے علمی کارنامے ایک ایک کر کے گنائے اور بتایا کہ آپ کی زندگی نہایت بھرپور رہی - آپ نے یہ بھی کہا کہ Forbes کا نام ہندوستان میں لوگوں کو بہت عزیز ہے Sir Charles Forbes اور Duncan Forbes کے ناموں کے علاوہ James Forbes کا ذکر کیا جو "Oriental Memoirs" کے مصنف ہیں اور Compte de Montalembert کے رشتے میں دادا ہوتے ہیں۔

۱۷ نومبر کو لندن کے قریب David Lister Richardson کا ۶۳ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا - آپ کلکتہ کے Hindoo Metropolitan College کے پرنسپل رہ چکے تھے - سنہ ۱۸۵۷ع میں آپ ہندوستان سے ولایت چلے آئے تھے اور Court Circular کی ادارت قبول کرلی تھی - بعد میں Allen's Indian Mail کے مدیر ہوگئے تھے جس کی معلومات سے میں اپنے لکچروں کے لیے ہمیشہ استفادہ کیا کرتا ہوں - آپ نے لارڈ ' میکالے ' کے ساتھ ہندوستانیوں میں مغربی علوم و فنون کو رواج دینے کے لیے بہت جد و جہد کی تھی اس کے علاوہ آپ ادیب اور شاعر کی حیثیت سے بھی چوٹی کے لوگوں میں سمجھے جاتے تھے -

میں ان مرنے والوں کا ذکر ایک مشہور ہندو کے انتقال کے حالات پرختم کرتا ہوں- میری مراد جگن ناتھ شنکر سیٹھہ سے ہے جن کا ابھی حال ہی میں انتقال ہوا ہے - ان کی یادگار قائم کرنے کے لیے ' بمبئی ' کے شہریوں نے یہ تجویز کی ہے کہ ان کا ایک بت شہر میں نصب کیا جاے- آپ الفنسٹن کالج کے بانیوں میں سے تھے اور مغربی ہند میں تعلیمی تحریک کے روح و رواں تھے- اس کے علاوہ آپ "انجمن زرعی" کے بھی صدر رہ چکے تھے - مرنے سے کچھہ قبل آپ نے خواہش ظاہر کی کہ بھگوت گیتا پڑھی جاے ' اپنے مکان سے پیدل برہنہ پا باہر آے برہمن گائیں لیے کھڑے تھے - انھوں نے "گجیندر مکشا " پڑھنا

شروع کی جو "بھگوت پران" کا ایک حصہ ہے - اس کے بعد 'وشنو' کے ایک ہزار ناموں کا ورد کیا گیا - اس کے بعد وہ جا کر لیٹے اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی - مرنے سے کچھ پہلے ان کے جسم پر گنگا جل چھڑک دیا گیا تھا جب جنازہ مرگھٹ کو جانے لگا تو ان کا بیٹا ننگے سر اور ننگے پیر اس کے ساتھ تھا - اس کے ہاتھ میں آگ تھی جس کو وہ اپنے باپ کی نعش جلانے کے لیے لیے جا رہا تھا - ساتھ میں سناروں کی جاتی کے کوئی پانچ سو لوگ تھے - راستے میں غریب غربا کو پانچ سو روپے تقسیم کیے گئے - نعش جلانے کے لیے صندل کی لکڑی، تلسی اور بلوا استعمال کیے گئے - جب نعش جل چکی تو دودھ سے آگ بجھائی گئی اور ہر شخص نے اپنے گھر واپس آ کر اشنان کیا —

یہ سچ ہے کہ اس قسم کی رسومات کی بدولت یورپ اور ہندوستان میں بہت فرق ہے - لیکن دخانی جہازوں اور تار برقی نے ان دونوں ملکوں کے فاصلے بہت کم کر دیے ہیں - اہل یورپ تجارت اور سیر و سیاحت کی غرض سے ہندوستان جاتے ہیں اور اہل ہند بھی یورپ آنے لگے ہیں - اس سال ہندوستان کی سیاحت کے لیے ڈیوک آف برابان Duke of Brabant اور شہزادہ فریڈرک والیء ہالیسٹن گئے تھے ثانی الذکر سنسکرت اور ہندوستانی زبان جانتے ہیں اور 'پیرس' اور

'لندن' میں باقاعدہ ان السنہ کی تحصیل کر چکے ہیں - ہندوستان سے آنے والوں میں نواب اقبال الدولہ بہادر شہزادۂ اودہ کا نام قابل ذکر ہے* - میں ایڈورڈ ایچ پامر کے ساتھ آپ سے ملنے گیا تھا اور ہندوستانی میں آپ سے بہت دیر تک گفتگو رہی - میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ ایڈورڈ 'ایچ' پامر ہندوستانی زبان میں اظہار خیال پر پوری قدرت رکھتے ہیں اور ہندوستانیوں کی قومی زبان میں انھوں نے مہارت بہم پہنچائی ہے - "قومی زبان" میں نے اس لیے کہا کہ اہل ہند ایک قوم ہیں جیسا کہ کلکتہ کی Urdu Guide کی حال کی اشاعت میں لکھا ہے - انگریزی حکومت ہندوستانی میں جو تعلیم دے رہی ہے اس سے ہندوستان کے مختلف عناصر میں اتحاد پیدا ہوگا - ادھر مغربی تہذیب و تمدن کی بدولت مذہبی تعصب کم ہو رہا ہے غرض کہ انگلستان حتی المقدور ہر ممکن کوشش کر رہا ہے کہ اہل ہند ترقی کی راہ پر گامزن ہوں - بقول بائرن انگلستان چاہتا ہے کہ ہندوستانیوں کے دلوں کو موہ لے اور انھیں اپنے ساتھ وابستہ کر لے —

"دشمن کے دل کو موہ لینا اس پر فتح حاصل کرنے سے زیادہ اچھا ہے - فتح سے یہ ہوتا ہے کہ دشمن فوری نقصان نہیں پہنچا سکتا لیکن اگر دشمن کے دل کو رام کر لیا تو اس کے دل سے ہمیشہ کے لیے بدی نکل جاتی ہے" —

---

* آپ شمس الدولہ کے بیٹے اور غازی الدین حیدر کے بھائی ہیں جنھوں نے فارسی لغت "ہفت قلزم" لکھی تھی - آپ بھی ایک کتاب کے مصنف ہیں جس کا نام "اقبال فرنگ" ہے -

سولھواں خطبہ

۳ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ ع

حضرات ! اس سال ہندوستانی زبان کے اخبارات کی تعداد میں مزید اضافہ ہوا ہے - میں ان میں سے چھبیس کے نام ابھی گناتا ہوں - ان سب اخباروں کے طرز تحریر کی خصوصیت یہ ہے کہ استعارے کثرت سے استعمال کیے جاتے ہیں اور عبارت مرصع ہوتی ہے- اہل مشرق شاید ہی کبھی اپنے خیال کو سادہ زبان میں ادا کرتے ہیں- مثال کے طور پر میں لاہور کے اخبار کوہ نور سے ایک اقتباس یہاں نقل کرتا ہوں * —

میں پہلے صوبۂ شمالی مغربی کو لیتا ہوں - سنہ ۱۸۶۵ ع میں اس صوبے میں اٹھارہ ہندوستانی اخبار شائع ہوتے تھے- اس سال " اخبار عالم " نیا جاری ہوا ہے - اس اخبار کے خریداروں کی تعداد اور اخبارات کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے - اس کی ۲۷۰ کاپیاں چھپتی ہیں - اس کے مدیر کا نام مرزا وجاہت علی خاں ہے- یہ اخبار ہفتہ وار پنجشنبہ کے روز نکلتا ہے - اور سولہ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے اور ہر صفحے

* یہاں چند جملوں کا فرانسیسی ترجمہ ہے —

میں دو خالے ہوتے ہیں - اکثر اوقات " میرٹھ گزٹ " بطور ضمیمہ اس کے ساتھ شائع ہوتا ہے- اس اخبار کے مدیر موصوف نے مجھے اس کا ایک نمونہ بھیجا ہے - اس کے پڑھنے سے مجھے بعض نئی کتابوں کے شائع ہونے کا علم ہوا اور اس کے علاوہ دوسرے ادبی مشاغل کی نسبت معلومات حاصل ہوئیں - اس اخبار کے مضامین کا معیار اچھا خاصہ بلند ہے - مثلاً پچھلے نمبر میں سفر کے فوائد اور علم طبابت کی خوبیوں پر دلچسپ مضامین تھے- آخرالذکر مضمون میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ و سلم کی حدیث نقل کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ علم دنیا میں دو ہیں - ایک وہ علم جس سے جسم کے امراض کا علاج معلوم ہوتا ہے اور دوسرا علم دین - اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں ؛ العلم علمان ؛ علم الابدان و علم الادیان —

میں اب دوسرے اخباروں کا ذکر کرتا ہوں —

(۱) نجم الاخبار - یہ اخبار میرٹھ سے شائع ہونا شروع ہوا ہے- اس نام کا ایک اخبار سورت سے بھی پہلے سے نکلتا ہے —

(۲) کانپور گزٹ - یہ اخبار کانپور سے نکلتا ہے - منشی نول کشور اس کے مدیر ہیں- موصوف لکھنؤ کے مشہور مطبع کے مالک ہیں جہاں سے " اودھ اخبار " آپ ہی کی ادارت میں شائع ہوتا ہے —

گزشتہ سال میں نے کانپور کے ایک اور اخبار کا ذکر کیا

تھا جس کا ایک نمبر مسٹر جے پلاٹس نے مجھے از راہ کرم بھیجا ہے اِس اخبار کا نام " شعلۂ طور " ہے - گزشتہ مرتبہ میں یقین کے ساتھہ اس اخبار کے متعلق آپ کے سامنے کچھہ نہیں کہہ سکا تھا - اب مجھے اس کی نسبت ضروری معلومات حاصل ہوگئی ہیں- یہ ہر ہفتہ سہ شنبہ کے روز شائع ہوتا ہے- اس میں سولہ صفحے ہوتے ہیں اور ہر صفحے میں دو خانے ہوتے ہیں - پورا اخبار اردو میں ہوتا ہے - اس کے مدیر جمنا پرشاد ہیں - شیخ عبداللہ جو پہلے کبھی " شملہ اخبار " کے مدیر رہ چکے ہیں اس اخبار میں مضامین لکھتے ہیں —

(۳) مجمع البحرین یہ اخبار لدھیانہ سے شائع ہوتا ہے- اس کے مدیر محمد ناصر خاں اور محمد شاہ ہیں —

(۴) آب حیات ہند . یہ آگرہ سے شائع ہوتا ہے - اس کے مدیر کا نام بنسی دھر ہے جو آگرہ کے نارمل اسکول میں مدرس ہیں- موصوف چھوٹے بڑے پچاس رسالوں کے مصنف ہیں- اس اخبار کے ہر صفحے پر ایک خانہ میں اردو کے مضامین ہوتے ہیں اور اس کے برابر دوسرے خانے میں وہی مضامین ہندی رسم خط میں ہوتے ہیں- ہندی کے حصے کا نام "بھارت کھنڈ امرت " ہے - میں نے اس اخبار کی نسبت اپنے سنہ ۱۸۶۴ ع کے خطبے میں تھوڑا سا ذکر کر کے چھوڑ دیا تھا - یہ اخبار ماہوار ہے اور حجم سولہ صفحے کا ہے- مطبع نورالعلم

میں طبع ہوتا ہے۔ اس اخبار کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانیوں کی مذہبی اور معاشرتی اصلاح کی جائے۔ چنانچہ اس کے مدیر بنسی دھر "انجمن حق" کے صدر بھی ہیں جس نے اس اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے —

(۵) کارنامۂ ہند۔ یہ خواجہ محمد ہاشم کے زیر ادارت سوہنہ ضلع گوڑ گانوہ سے شائع ہوتا ہے۔ اس کی پہلی اشاعت پچھلے ستمبر میں نکلی تھی۔ "اخبار عالم" کے مدیر وجاہت علی نے اس اخبار کے طرز تحریر اور اس کے تنوع کی بہت تعریف کی ہے۔ ان کا اس پر بس ایک یہ اعتراض ہے کہ نام کوئی اور رکھنا چاہئیے تھا اس لیے کہ اس نام کا ایک اخبار لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے —

لکھنؤ کے نام سے مجھے اس وقت "اودھ اخبار" یاد آگیا۔ یہ اخبار پچھلے سات سال سے نہایت کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے۔ چنانچہ اس کی ہر اشاعت پچھلی اشاعتوں سے بہتر نظر آتی ہے۔ اس کی تقطیع اور صفحات کی تعداد بھی بڑھتی جارہی ہے۔ یہ اخبار ہفتہ وار ہے اور ہر چہار شنبہ کے روز شائع ہوتا ہے۔ شروع شروع میں اس میں صرف چار صفحے ہوا کرتے تھے اور وہ بھی چھوٹی تقطیع پر، پھر چھ ہوے اور پھر سولہ اور اب وہ اڑتالیس صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ پہلے کے مقابلے میں اس کی تقطیع بھی بڑی ہوگئی ہے۔ میرے خیال

میں اس سے زیادہ ضخیم اخبار ہندوستان بھر میں اور کوئی نہیں ہے- اس سے آپ کو اس امر کا اندازہ ہوگا کہ اخبار بینی کا شوق ہندوستانیوں میں کس قدر بڑھ رہا ہے- اخبار اب تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کی ضروریات زندگی میں شامل ہوگیا ہے -

۱۲ دسمبر کی گزشتہ اشاعت میں 'بے صبر' سہارنپوری کی ایک غزل تھی اور ایک اور دوسرے شاعر 'رعنا' کا ایک خط تھا جس میں بھوٹان کے متعلق حالات تھے - آخر میں ایک نوجوان شاعر 'عیش' کا لکھا ہوا سہرا نقل کردیا تھا —

پنجاب کے جدید اخبارات کی تفصیل یہ ہے -

(۱) پنجابی - اس اخبار کے مدیر اور مالک محمد عظیم ہیں - یہ اردو اخبار لاہور سے شائع ہوتا ہے —

(۲) گیان پردیپنی پترکا - یہ ماہوار رسالہ لاہور سے شائع ہوتا ہے - اس کے مضامین علمی نوعیت کے ہوتے ہیں - پنڈت مکند رام کشمیری اس کے مدیر ہیں - ہر صفحے میں دو خانے ہوتے ہیں ایک خانے میں ہندی اور دوسرے خانے میں اردو ہوتی ہے- اس رسالے کے علمی مضامین بہت دلچسپ ہوتے ہیں- کبھی کبھی مضامین کے ساتھ تصویریں بھی ہوتی ہیں تاکہ مطالب کی وضاحت ہوسکے- اس کے علاوہ دوسرے مضامین تاریخ ' جغرافیہ اور

ادب پر ہوتے ہیں -

(۸) لاہور سے ایک اور ہندوستانی اخبار بہت عرصے سے شائع ہو رہا ہے جس کے متعلق مجھے ابھی حال ہی میں ڈاکٹر لیٹنر (Dr. Leitner) کے توسط سے معلومات حاصل ہوئی ہیں - موصوف نے از راہ عنایت اپنے نوجوان دوست Lepel Griffin کی وساطت سے مجھے یہ اخبار بھیجا جو انجمن لاہور کے نائب صدر اور 'تاریخ امراے پنجاب' * کے مصنف ہیں - اس اخبار کا نام "بحر حکمت' ہے - یہ ماہوار رسالہ طب یونانی سے متعلق مضامین شائع کرتا ہے - اس کے مدیر منشی گوری شنکر ہیں -

(۹) دسمبر سنہ ۱۸۶۵ ع سے سیالکوٹ سے ایک اور جدید ہندوستانی رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے جس کا نام "خیر خواہ پنجاب' ہے - اس کے متعلق لاہور کے "کوہ نور" اور میرٹھ کے "اخبار عالم' میں جو تقریظیں نکلی ہیں وہ میری نظر سے گذریں - اس اخبار کے مدیر منشی دیوان چند ہیں جو سنہ ۵۷ ع کی شورش عظیم سے قبل تین اخبار شائع کرتے تھے - میری مراد چشمۂ فیض خورشید عالم اور اخبار پنجاب سے ہے -

* History of the principal chiefs and native gentry of the Penjab.

اب جو انھوں نے اخبار نکالا ہے وہ مہینے میں دو مرتبہ شائع ہوتا ہے - مدیر نے اپنے اس اخبار کو استعارتاً " چشمۂ فیض " سے تعبیر کیا ہے جو ان کے پرانے پرچے کا نام تھا -

" کوہ نور ' اور " سرکاری اخبار " لاہور سے بدستور شائع ہو رہے ہیں- ہندوستانی صحافت میں ان دونوں اخباروں نے جو حیثیت حاصل کرلی ہے وہ بدستور قائم ہے - کوہ نور میں جدید کتب کے متعلق تفصیلی تنقیدیں ہوتی ہیں - یہ تنقیدیں صرف اردو زبان کی کتابوں ہی تک محدود نہیں ہیں بلکہ عربی فارسی اور سنسکرت کتابوں پر بھی ہوتی ہیں - اس کے علاوہ انجمن لاہور کے جلسوں کی کارروئی اور اس کے قواعد وغیرہ بھی اس اخبار میں درج ہوتے ہیں- اس انجمن کا مقصد ' جیسا کہ آپ صاحبوں کو معلوم ہے ' اشاعت علم ہے - اس اخبار میں بعض مضامین تعلیم نسواں کے متعلق بھی میری نظر سے گزرے - اس میں نوجوان شعرا کا کلام بھی ہوتا ہے جنھوں نے ابھی حال ہی میں ادبی دنیا میں قدم رکھا ہے -

" سرکاری اخبار " کی پچھلی اشاعت میں ایک مضمون میری نظر سے گزرا جس میں خط شکستہ کی اصلاح پر

توجہ مبذول کرائی گئی ہے اس مضمون میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اردو صاف اور سنبھال کر لکھنی چاہیے - بالعموم اہل ہند بہت بے پروائی سے لکھنے کے عادی ہیں - اس کے علاوہ دوسرے مضامین تیل کی جگہہ گیس کے استعمال ' ہندوستانی روئی کی خوبیاں' پنجاب کی تجارتی حالت' اور فلکیات کے فوائد پر ہیں -

(۱۰) نیر راجستان - یہ اخبار راجپوتانہ میں شہر جے پور سے ہفتہ وار شائع ہوتا ہے - میرے نوجوان دوست ای ایچ پامر کی عنایت سے اس کے چند نمبر مجھے حاصل ہو گئے- اس اخبار کی تاریخ ان دو اشعار سے نکلتی ہے * -

(۱۱) مدراس سے ایک نیا اخبار شائع ہونا شروع ہوا ہے جس کا نام ' اخبار کرتان (Akhbar-ı-Kurtan) ہے - یہ اخبار مہینے میں تین مرتبہ نکلتا ہے - اس کا پہلا نمبر پچھلے سال سنہ ۱۸۶۵ ع میں شائع ہوا تھا - یہ چھوٹی تقطیع پر ہوتا ہے- یہ اخبار پہلے بھی (کسی اور نام سے) نکلتا ہوگا اس واسطے کہ اس کے سرورق پر سنہ ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۰ ع) کا سن لکھا رہتا ہے - پہلے نمبر کے سر ورق پر اس اخبار کی تعریف میں ایک مدحیہ غزل درج ہے † -

---

* اس جگہہ ان اشعار کا فرانسیسی ترجمہ ہے -

† یہاں غزل کا فرانسیسی ترجمہ ہے -

(۱۲) مدراس سے ایک دوسرا اخبار شمس الاخبار جاری ہے۔ یہ اخبار بھی ہر دسویں دن شائع ہوتا ہے۔ چھوٹی تقطیع پر بارہ صفحوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر صفحے میں ۲۱ سطریں ہوتی ہیں۔ اور ہر صفحے میں دو کالم ہوتے ہیں ––

(۱۳) عمدۃ الاخبار - اس نام کا ایک اخبار پیشتر سے بریلی سے نکلتا ہے - لیکن یہ اخبار مدراس میں بہت عرصے سے جاری ہے - یہ بھی مہینے میں تین بار نکلتا ہے۔ کبھی کبھی تصاویر بھی ہوتی ہیں —

(۱۴) مظہر الاخبار - یہ اخبار مدراس سے ہر دسویں دن نکلتا ہے - اس کے مدیر 'عبرت' ہیں جو اپنی شاعری کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں - یہ اخبار بہت عرصے سے جاری ہے اور بارہ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے - اکثر اوقات ہر اشاعت کے ساتھ ایک ضمیمہ بھی ہوتا ہے —

پچھلے سال میں نے آپ صاحبوں کے سامنے مدارس کے ایک اخبار "صبح صادق" کا ذکر کیا تھا - اس وقت میرے پیش نظر اواخر سنہ ۱۸۶۵ع کی چند اشاعتیں ہیں جو مجھے پانڈی چری کے مدد گار کمشنر موسیوای سیسے (E. Sice) نے بھجوائی ہیں - یہ اخبار مہینے میں تین بار شائع ہوتا ہے اور بارہ صفحات پر مشتمل ہوتا

ہے - کبھی کبھی اس کے ساتھہ ایک ضمیمہ بھی ہوتا ہے جس میں ادبی مضامین ہوتے ہیں - اس کی چھپائی عمدہ قسم کی ہے - سرورق پر جہاں اخبار کا نام ہوتا ہے اس کے چاروں طرف سرخ رنگ کے پھل بوتے بنے ہوتے ہیں - ان گل بوتوں کے اندر چار اشعار لکھے ہوتے ہیں جن میں اس اخبار کی نوعیت اور مقصد کو بتایا گیا ہے - ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے * —

(۱۵) ریاض الاخبار یہ اخبار مدراس سے نکلتا ہے - اس نام کا اخبار بمبئی سے بھی شائع ہوتا ہے - اس کے سرورق پر لکھا رہتا ہے : " ریاض الاخبار مہمانت اساس " - یہ اخبار ہفتہ وار ہے چھوٹی تقطیع پر سولہ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے - ہر صفحے پر اٹھارہ سطریں ہوتی ہیں اور صفحہ دو کالموں (خانوں) میں تقسیم ہوتا ہے - اس کے مدیر کا نام سید حسین ہے —

(۱۶) میں نے بمبئی کے جن اخباروں کا آپ کے سامنے ذکر کیا ہے ان کے علاوہ ایک اور اخبار نکلتا ہے جس کا نام " برق خاطف " ہے - اس اخبار کے ایڈیٹر مظہر حسین ہیں —

(۱۷) بمبئی سے ایک اور اخبار " ستیا دیپک " بھی جاری ہے - مجھے اس کا پوری طرح یقین نہیں کہ ہندی میں ہے

---

* یہاں اشعار کا فرانسیسی ترجمہ ہے —

یا اردو میں —

میرٹھہ کے اخبار عالم اور دوسرے اخباروں سے مجھے جن اخباروں کے نام معلوم ہوے ہیں اور جو اب تک میری نظر سے نہیں گزرے ' ان کی فہرست یہاں پیش کرتا ہوں —

(۱۸) محسن الاخبار -

(۱۹) کارنامہ - لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے —

(۲۰) سوم پرکاش —

(۲۱) قاسم الاخبار - بنگلور سے شائع ہوتا ہے —

(۲۲) مجمع البحرین - حیدرآباد سے نکلتا ہے —

(۲۳) اخبار انجمن هند لکھنؤ —

(۲۴) اخبار سہیل پنجاب —

(۲۵) لاهور سے ایک ماهوار اخبار "گلبج شائگاں" کے نام سے نکلتا ہے - اس میں حکومت کے احکام و قوانین اردو میں درج ہوتے ہیں - اس کے ساتھہ اصل انگریزی بھی ہوتی ہے - اس کے مدیر پنڈت سورج بھان ہیں - جو ایک انگریزی صرف و نحو کی کتاب کے مصنف ہیں - موصوف نے انگریزی زبان سے متعدد ترجمے هندوستانی میں کیے ہیں —

(۲۶) رسالۂ انجمن اشاعت مطالب - یہ ہر سہ ماهی پر شائع

ہوتا ہے - میرے پیش نظر تین اشاعتیں ہیں جو بڑی تقطیع پر شائع ہوئی ہیں۔ یہ رسالہ لاہور میں چھپتا ہے -

میں اس وقت صرف ہندوستانی زبان کے اخبار و رسائل کی نسبت آپ کے سامنے ذکر کر رہا ہوں - بر سبیل تذکرہ ایک انگریزی اخبار کے متعلق یہاں اشارہ کیے دیتا ہوں جس کا نام Southern Cross ہے - یہ اخبار انگریزی میں الہ آباد سے پچھلے جون کے مہینے سے نکلنا شروع ہوا ہے - یہ انگلیکن (Anglican) کلیسا کی طرف سے شائع ہوتا ہے - اس میں مذہب و لسانیات کے متعلق دلچسپ معلومات درج ہوتی ہیں - اس کی ادارت تمام تر یورپین لوگوں کے ہاتھہ میں ہے -

میرے محترم دوست میجر فلر نے پنجاب ایجوکیشنل میگزین کے پچھلے نمبر بھیجے ہیں - سنہ ۱۸۶۶ ع میں اُس کا کوئی نمبر نہیں نکلا - ڈاکٹر لیٹنر جو اس کے مدیر تھے اب دوسرے مشاغل میں اس قدر منہمک ہیں کہ اس کی طرف توجہ کرنے کی انہیں فرصت نہ ملے گی - ایک اشاعت میں انگریزی تعلیم کے متعلق ایک مضمون میری نظر سے گزرا جس میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ انگریزی زبان کی ترقی سے سوائے سرکاری نوکری کرنے والوں کے عام طور پر ہندوستانی لوگوں کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا بلکہ ان کی زندگی کو اس سے الٹا نقصان پہنچا —

اس میگزین کے ساتویں نمبر میں دوسرے مضامین کے علاوہ رند دہلوی کی ایک غزل بھی ہے - رند ہم عصر شعرا میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں - ان کی غزلیات کا مجموعہ دو دیوانوں میں شائع ہو چکا ہے - ان دیوانوں کا نام ' گلدستۂ عشق '' ہے - یہ غزل بہت چھوٹی سی ہے اس لیے میں اس کا ترجمہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں * —

پچھلی دفعہ جب میں نے ہندوستانی ادب پر آپ کے رو برو تبصرہ کیا اس کے بعد سے اس وقت تک بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں - صرف صوبۂ شمالی مغربی میں سنہ ۱۸۹۵ع میں ۲۴۶۹ کتب شائع ہوئی ہیں - یہ تعداد اُن کتب کے علاوہ ہے جو اس صوبے کے ناظم تعلیمات کے حکم سے شائع کی گئی ہیں - ان کتابوں کی اشاعت دو لاکھ ۶۸ ہزار پانچ سو کی تعداد میں ہوئی ہے - یہ سچ ہے کہ ان تصانیف میں بیشتر ترجمے ہیں یا بعض کتب دوسری بار طبع ہوئی ہیں - ان تصانیف میں ۷۸ ہندو مذہب پر ہیں- اور چھتیس اسلام پر - میں حسب معمول اُن میں سے اہم تصانیف کے متعلق ذکر کروں گا - پہلے میں ہندی تصانیف کا ذکر کروں گا اس لیے کہ ان کی تعداد کم ہے- آئندہ کبھی میں بتاؤں گا کہ ہندی تصانیف کی تعداد اردو کے مقابلے میں کم کیوں ہے —

---

* اس جگہ غزل کا فرانسیسی ترجمہ ہے -

سنسکرت ویاکرن - اس کے مصنف نوین چند ہیں۔ اس میں سنسکرت کی صرف و نحو پر بحث کی گئی ہے - یہ کتاب لاہور میں چھپی ہے - بہ نسبت دوسری تصانیف کے جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں یہ کتاب نہایت صاف اور سلجھی ہوئی زبان میں ہے - میرے دوست میجر فلر کا بیان ہے کہ پنجاب میں اس کتاب کی بہت قدر ہو رہی ہے —

چتر چندرک - اس کے مصنف مہاراجا بلونت سنگھ ہیں- یہ کتاب فن شاعری پر ہے - موصوف خود بھی شاعر ہیں اور آپ کا ایک دیوان چھپ چکا ہے - آگرہ میں آپ کے ہاں شعر و سخن کی بزم ہمیشہ منعقد ہوا کرتی تھی —

آنند پیوس دھارا - شنکرا چاری نے "تتوا نو سندھن" کا یہ ہندی ترجمہ کیا ہے اور فارسی اور ناگری رسوم خط میں اسے شائع کیا ہے - یہ کتاب "ویدانت شاستر" کا خلاصہ ہے بلند شہر میں طبع ہوئی ہے * —

برت مہاتم - بال گوبند مہتر نے یہ کتاب ہندی نظم میں لکھی ہے- بقول مدیر "کوہ نور" عام طور پر ہندوستانیوں کے لئے مفید بنانے کے لیے اس کتاب کو فارسی رسم خط میں بھی شائع کیا ہے - اس کا موضوع ہندو دیو مالا کے قصے ہیں جن کے پڑھنے یا سننے سے ثواب حاصل ہوتا ہے - ان قصوں کے ماخذ

* کوہ نور ۲ فروری سنہ ۱۸۶۶ م -

سنسکرت کی کتابیں ہیں - مصنف نے ان قصوں کو عام طور پر ہندوؤں میں رائج کرنے کے لیے بہت اچھا کیا کہ ہندی نظم میں پیش کردیا —

میرٹھ کے "اخبار عالم" مورخہ ۲۳ اگست سے معلوم ہوا کہ جائسی کی پدماوت فارسی رسم خط میں طبع ہوگئی ہے -

مہاراجہ ہلکر کے اتالیق امید سنگھ نے بھگوت گیتا کا اصل بین السطور ترجمے کے ساتھ شائع کیا ہے - حواشی میں صرف و نحو کے مسائل کی تشریح ہے - اس کے ساتھ ہندی اور اردو دونوں میں بھگوت گیتا کی تفسیر ہے - بقول مدیر "اخبار عالم" کے تمہید اور تشریح کو پڑھنے سے متن کی ساری دشواریاں پانی ہوجاتی ہیں - اس سے ہندوؤں کو اس کے مطالب سمجھنے میں سہولت ہوگی اور مسلمانوں میں سنسکرت زبان کا شوق پیدا ہوگا جو اب تک ان میں بہت کم پایا جاتا ہے- میں نے ابھی "گیان پردیپکی پتر کا" کا ذکر کیا تھا - غالباً وہ یہی ترجمہ ہے جو دوسرے نام سے لاہور کے مجلۂ علمیہ میں شائع ہوچکا ہے -

ہندی کا شکنتلا ناٹک دیوناگری رسم خط میں پہلی دفعہ بنارس میں چھپا ہے - میرے پاس اس کے اصل کا مخطوطہ ہے جو John Romer نے مجھے دیا ہے- کالیداس کے اس مشہور ناٹک کا اردو ترجمہ کاظم علی جوان نے کیا ہے —

خیرا شاہ کا بارہ ماسا پھر دوبارہ آگرہ میں طبع ہوا ہے -
یہ کتاب اچھی خاصی مشہور ہے- اس کا ایک قلمی نسخہ میرے شاگرد Ch. d' Ochoa ہندوستان سے اپنے ساتھہ لائے تھے - اس وقت یہ نسخہ شاہی کتب خانے میں موجود ہے -

.. سنہ ۱۸۶۵ع میں ہندی کتابیں جو شائع ہوئی ہیں ان میں " ونایکترا " قابل ذکر ہے - یہ کتاب متھرا میں چھپی ہے- مع تصاویر کل بیس صفحات پر مشتمل ہے - جہاں تک میرے علم میں ہے اس شہر کی چھپی ہوئی کتاب اس سے قبل میں نے نہیں دیکھی - متھرا ہندوؤں کا بڑا متبرک شہر ہے - آج کل اس شہر کی حیثیت ایک معمولی قریے سے زیادہ نہیں- مجھے یہ دیکھہ کر تعجب ہوا کہ یہاں بھی مطبع موجود ہے —

ہندی کی ایک نہایت ضخیم کتاب ابھی حال میں بمبئی میں چھپی ہے - میری مراد 'یوگ وسشت ' سے ہے- ھیرا چند نے اسے سنہ ۱۸۶۵ ع میں طبع کیا - موصوف ہندی کے مشہور مصنفوں میں ہیں - انہیں نے '' کویا سنگرھا ' اور پنگرادرش'' دونوں کو شائع کیا ہے - اول الذکر برج بھاشا کی نظموں کا مجموعہ ہے اور ثانی الذکر میں علم عروض کے اصول و قواعد بیان کیے گئے ہیں - ہر دو کتابیں بمبئی میں سنہ ۱۸۶۵ع میں میں طبع ہوئی ہیں —

یوگ وسشت ایک فلسفیانہ نظم ہے - یہ سنسکرت کتاب

والمیکی سے منسوب کی جاتی ہے- وہی والمیکی جو رامائن کے مصنف ہیں - میں نے ابھی اوپر جس یوگ وسشت کا ذکر کیا ہے وہ سنسکرت کا ہندی ترجمہ ہے - یہ ترجمہ ۵۲۹ صفحات پر مشتمل ہے - کتاب باتصویر ہے - یوگ وسشت میں یوگ کے طریقوں کو بیان کیا گیا ہے - یوگ کا موضوع تصوف ہے جسے مسلمان لوگ معرفت بھی کہتے ہیں - اس فلسفیانہ نظم میں رام' وسشت اور وسوامترا کے ساتھ انسانی وجود' نیکی توبہ' بھگتی' اور شانتی کے متعلق بحث کرتے دکھائے گئے ہیں- کتاب چھہ حصوں میں منقسم ہے- ہر حصے کا عنوان موضوع زیر بحث کی مناسبت سے رکھا گیا ہے * —

میں ابھی ذکر کر چکا ہوں کہ اردو کی نئی کتابوں کی تعداد ہندی کے مقابلے میں زیادہ ہے - آپ صاحبوں کو یہ معلوم کرکے خوشی ہوگی کہ Rollin کی تاریخ قدیم (l' Histoire Ancienne) کا اردو ترجمہ تین حصوں میں علیگڑہ سے شائع ہو چکا ہے - Rollin اٹھارویں صدی عیسوی کا ایک مشہور فرانسیسی مورخ گزرا ہے- اس کا ادبی ذوق اعلیٰ قسم کا تھا - اس کے ہاں الفاظ کی صحت کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا - اس مصنف کی ایک بڑی

(*) اس کتاب کے اور دوسرے ہندی ترجمے بھی موجود ہیں - ان میں سے ایک کا ذکر Mackenzie's Collection میں ملتا ہے - یہ ۳۶ ابواب پر مشتمل ہے - دیکھو جلد ۲ - صفحہ ۱۰۹ —

خصوصیت یہ بھی ہے کہ مذہب اور قدیم فرانسیسی روایات کا بڑا حامی تھا —

اس کتاب کے علاوہ سنہ ۱۸۹۴ءمیں الہ آباد میں "جواہر منظوم" کے نام سے ایک مجموعۂ نظم شائع ہوا ہے- اس مجموعے میں بعض انگریزی نظموں کا اردو ترجمہ درج ہے- ترجمہ بھی نظم میں ہے- حواشی میں عروض کے مسائل کے متعلق اشارات ہیں تاکہ صوبۂ شمال مغربی کے طلبہ بھی اس مجموعے سے مستفید ہوسکیں - ان حواشی میں جو مختلف بحریں لکھی گئی ہیں وہ طلبہ کے مشق کے لیے ہیں- اردو ترجمہ کے مقابل اصل انگریزی بھی ہے تاکہ طالب علموں کو سمجھنے میں آسانی ہو اور وہ اردو اور انگریزی دونوں میں ترقی کرسکیں —

انگریزی کی بعض نظمیں ایسی ہیں جن کا اردو میں خاطر خواہ ترجمہ کرنا بہت دشوار ہے لیکن مترجم نے نہایت سلیقے اور خوبی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا ہے - انگریزی اور اردو کی نظمیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتی ہیں خیالات اور محاورے ایک دوسرے کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے- مترجم میں جب تک خاص طور پر ایسی صلاحیت نہ ہو کہ اصل کو اپنے الفاظ کے ذریعے ظاہر کرسکے اس وقت تک اس کام کو سلیقے کے ساتھ پورا کرنا بہت مشکل ہے- مترجم کو ایک طرف تو اصل مطلب کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے

اور دوسری طرف اس مطلب کو ایسے الفاظ میں پیش کرنا چاہیے کہ اس کے اہل وطن سمجھہ سکیں * میرے خیال میں ترجمے کےلیے اگر ایسی نظمیں چنی جاتیں جن میں انگریزیت کم ہوتی تو زیادہ اچھا ہوتا - انگریزی زبان میں ایسی نظمیں موجود ہیں جن کے موضوع میں عالمگیر دلچسپی کے عناصر موجود ہیں —

۳۱ اکتوبر سنہ ۱۸۶۵ ع کے اودھ اخبار میں ایک کتاب کا اشتہار میری نظر سے گزرا جس کی طباعت اس اخبار کے مطبع میں شروع ہوئی تھی- میری مراد "تماشاے قدرت" سے ہے- مصنف کا تخلص قدرت ہے - مدیر اودھ اخبار اس کو فردوسیء زمان کے لقب سے یاد کرتے ہیں- فردوسی نے اپنا شاہ نامہ لکھنے میں ۳۰ سال صرف کیے تھے' حالانکہ " قدرت" نے دو سال کی قلیل مدت میں 'محاربۂ اعظم' جیسی کتاب ختم کرلی - اس کتاب میں غالباً سنہ ۱۸۵۷ ع کی شورش عظیم کے حالات ہیں —

اودھ اخبار کی اس اشاعت میں " تاریخ روم " پر بھی تبصرہ میری نظر سے گزرا - میاں قدرت نے عربی سے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے - قدرت کی چھہ نظموں کا ایک مجموعہ بھی

---

* صوبۂ شمال مغربی کے ناظم تعلیمات مسٹر کمپسن نے اس کتاب پر تبصرہ لکھا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ترجمے میں صحت کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے - موصوف نے از راہ کرم اس کتاب کا ایک نسخہ مجھے بھیج دیا ہے —

شائع ہوا ہے جس کا ذکر اس اخبار کی اشاعت میں ہے - اس اخبار کے مدیر کے قول کے مطابق قدرت کی نظم و نثر کی گیارہ تصانیف شائع ہوچکی ہیں - قدرت کے ذاتی مطابع بنارس، بھوپال اور آگرہ میں کام کررہے ہیں —

اودہ اخبار کی ۲۸ نومبر سنہ ۱۸۶۵ ع کی اشاعت میں ایک اور کتاب کا ذکر ہے جس کا نام ' حدائق الانظار " ہے - یہ علم و ادب کی ایک قاموس ہے جس میں فلسفہ، تاریخ اور فلکیات کے متعلق معلومات جمع کی گئی ہیں * - اخبار کوہ نور میں بھی اس کی تعریف کی گئی ہے - اس کتاب کی تصنیف کی تاریخ اس کے نام سے نکلتی ہے - اس قسم کی ایک کتاب فارسی زبان میں پندرہ جلدوں میں ہے - ہندوستان میں اس قاموس کی بہت شہرت ہے - اردو میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے - امان نے اپنی قاموس کی دو جلدیں اردو میں دھلی سے شائع کی ہیں - اب وہ تیسری جلد کی تیاری میں مشغول ہیں -

فارسی سے اردو میں جو حال میں ترجمے ہوے ہیں ان میں سعدی کی بوستاں کا ترجمہ قابل ذکر ہے - ترجمے کا نام " بہارستان کرتان " رکھا ہے - کہا جاتا ہے کہ ترجمہ صحیح اور شگفتہ ہے - بنگلور میں سنہ ۱۸۶۵ ع میں اس کی طباعت ہوئی ہے - ترجمہ محمد قاسم نے کیا ہے غالباً ترجمے کا نام

---

* یہ بوستان خیال کا ترجمہ ہے جو خواجہ امان نے اردو میں کیا تھا (عبدالحق)

' بہارستان کرتان " اس لیے رکھا ہے کہ اس کا تعلق اخبار "کرتان" سے ہے جس کی پہلی اشاعت میں اس پر تبصرہ شائع ہوا ہے —

لکھنؤ سے رامائن کا اردو ترجمہ شائع ہوا ہے - اس میں کئی سو تصاویر ہیں * —

تاریخ راجستان یا "عہد نامہ جات" کو انگریزی سے اردو میں لالہ جوالا سہاے نے منتقل کیا ہے - اس میں راجپوتانے کے راجاؤں اور انگریزوں کے تعلقات بیان کیے گئے ہیں - یہ کتاب دو جلدوں میں ہے پہلی جلد میں ریاست اودے پور اور دوسری جلد میں باقی دیگر ریاستوں کے حالات درج ہیں —

اس سال میں آپ کے سامنے ایک کتاب کا ذکر کرتا ہوں جو تاریخی تحقیق کے مطابق لکھی گئی ہے - میری مراد "تاریخ رشیدالدین خانی" سے ہے - اس کتاب کے نام سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ مشہور ایرانی مورخ رشیدالدین کی تاریخ مغل کا ترجمہ ہے - میرے دوست ای - کا تر میر نے آخر الذکر کا متن مع ترجمے کے شائع کر دیا ہے - "تاریخ رشیدالدین خانی" دکن کی تاریخ ہے - اس کے مصنف کا نام ہجر حیدرآبادی

---

* مسٹر جمیس ہچنسن نے رامائن اور الیڈ کی مشابہت کی طرف توجہ دلائی ہے - یہ مشابہت ایک حد تک صحیح ہے لیکن یہ دعوی کرنا کہ ہومر ہندو تھا حقیقت کے بالکل خلاف ہے —

ہے - کتاب کا نام نظام حیدرآباد کے وزیر کے نام پر رکھا گیا ہے - ہجو نثر و نظم کے مشہور لکھنے والوں میں شمار ہوتے ہیں- یہ کتاب سنہ ۱۸۵۴ء میں نظام حیدرآباد* کے ایما سے تصنیف کی گئی ہے - حیدر آباد فرخندہ بنیاد میں ایک مطبع ہے جس کا نام 'مطبع تیغ جنگ'' ہے وہاں یہ کتاب طبع ہوئی ہے ۔ اس کتاب کی زبان دھلی کی طرح فصیح ہے - اس میں آپ کو دکنی زبان کے محاورے نہیں ملیں گے - مصنف نے اپنی تحقیق کے سلسلے میں قدیم تاریخی کتب سے استفادہ کیا ہے - قدیم تاریخ کے متعلق جن کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ پہلے سے مشہور ہیں لیکن موجودہ عہد کی تحقیق میں بعض ایسے ماخذوں کو استعمال کیا گیا ہے جن کے مطالعے سے فرانسیسیوں اور انگریزوں کے متعلق دلچسپ معلومات حاصل ہوتی ہیں -

---

* نظام حیدرآباد کو مغل بادشاہوں کے اور دوسرے صوبہ داروں کی طرح نواب کا خطاب حاصل تھا - ہم اس موقع پر اس کا ذکر کرنا مناسب خیال کرتے ہیں کہ جب نظام سے کہا گیا کہ وہ بھی نواب اودھ کی طرح آزادی کا اعلان کردیں تو انھوں نے اس پرجو جواب دیا ہے اس سے ان کی عالی ظرفی کا پتا چلتا ہے انھوں نے کہا میں جس حال میں ہوں خوش ہوں - بادشاہ دھلی کے پاس اب سوائے نام کے اور باقی ہی کیا رہا ہے کہ اُسے اس سے بھی محروم کیا جائے - ہمارا فرض ہے کہ کم سے کم اس کے نام کو بحال رہنے دیں''- دیکھو رسل کی کتاب "Letters on Indian Aftfairs" لندن سنہ ۱۸۴۰ء صفحہ ۲۱ —

یہ کتاب ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور ایک جلد میں طبع ہوئی ہے۔ ریورنڈ جی سمال (Rev. G. Small) نے از راہ نوازش اس کتاب کا ایک نسخہ مجھے بھیجا ہے - میری رائے میں یہ کتاب اس لائق ہے کہ کسی یورپین زبان میں اس کا ترجمہ کیا جائے —

میرٹھ کے اخبار "اخبار عالم" میں ناظر کا کلام میری نظر سے گزرا - ناظر موجودہ زمانے کے اچھے شعرا میں شمار ہوتے ہیں - اس اخبار میں مشکواۃ کے اردو ترجمہ کا بھی ذکر ہے جس کا نام "مظاہرالحق" ہے † مشکواۃ حدیث کی ان کتب میں سے ہے جنھیں قرآن کے علاوہ مذہبی تقدس حاصل ہے - قرآن کے اردو اور فارسی میں متعدد ترجمے ہو چکے ہیں لیکن ترکی زبان میں اب تک نہیں ہوا - عثمانی ترک سنی ہیں اور انہیں اس پر اعتراض ہے کہ قرآن جیسی مقدس کتاب کا مروجہ زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ ابھی حال میں سلطان کے حکم سے قرآن کا ترکی ترجمہ کرایا گیا ہے تاکہ مسلمان رعایا نیز عیسائی قرآن کو اپنی زبان میں پڑھ سکیں - اس سے یہ ہوگا کہ مسلمان لوگ اپنے دین کے بنیادی عقاید کو

† سولہ سترہ سال ہوتے ہیں کہ مشکواۃ کا اردو ترجمہ شائع ہوا تھا لیکن اب وہ نایاب ہے —

خود سمجھہ سکیں گے- اور چونکہ عیسائی اپنی مقدس کتب کے ترکی ترجمے شائع کرتے ھیں اس لیے ضرور ھے کہ قرآن کا ترکی ترجمہ بھی ھو تا کہ اھل اسلام اس کو پڑہ کر اپنے عقاید پر قایم رھیں * —

پنجاب ایجو کیشنل میگزین میں مولوی عبیداللہ کی لکھی ھوئی عربی صرف و نحو کی بہت تعریف کی گئی ھے- موصوف نے عربی صرف و نحو کا پہلا حصہ اردو میں شایع کیا ھے- آپ ھگلی کالج میں پروفیسر ھیں اور ھندوستان کے علمی حلقوں میں شہرت رکھتے ھیں- اس کتاب کے دوسرے حصے میں ترکیب نحوی پر بحث ھوگی- اس کے علاوہ ملشی حسین نے "قواعد حسینی" کے نام سے فارسی زبان کی صرف و نحو پر اردو میں کتاب لکھی ھے- موصوف نے انگریزی زبان سے متعدد ترجمے بھی اردو میں کیے ھیں —

میرٹھہ کے "اخبار عالم" میں حکیم احسان علی کی ایک کتاب کا ذکر ھے جو انھوں نے علم طب پر لکھی ھے- ان کی ایک اور دوسری کتاب علم ریاضی کے مبادیات پر ھے جس کا لاھور کے اخبار "کوہ نور" میں ذکر ھے —

شوح‌ھدایت نے ایک نہایت مبسوط مضمون سنہ ۵۷ ع کی شورش عظیم کے متعلق لکھا ھے جس کا کپتان تی رتری نے انگریزی

* Trubner's Literary Record, Dec. 1865

میں ترجمہ کیا ھے - اخبار انڈین میل کے کئی صفحوں میں یہ مضمون شائع ہوچکا ھے * - مضمون نگار کا بیان ھے کہ سنہ ۵۷ ع کے سولہ سال قبل سے شورش کا مواد برابر پک رہا تھا - موصوف نے سپاھیوں کی شورش کے اسباب پر مندرجۂ ذیل عنوانوں کے تحت بحث کی ھے - (۱) سپاھیوں پر یہ پابندی عاید کرنا کہ بلا تفریق ذات پات کے وہ ساتھہ کھانا کھائیں - (۲) مسیحی مبلغین کی مساعی- (۳) سلطنت اودہ کا الحاق- (۴) رنگروٹوں سے قسم لینا کہ حکومت جہاں چاھے انہیں بھیج سکتی ھے - (۵) ایسے کارتوسوں کا استعمال جن پر چربی لگی ہوتی ھے اور جنھیں منہ سے بندوق کے اندر رکھنا پڑتا تھا - مضمون نگار نے بادشاہ دھلی کو بری الذمہ قرار دیا ھے اس واسطے کہ وہ علائق دنیوی سے الگ تھلگ زندگی کے دن پورے کررہا تھا اور سوائے اھل ادب کی صحبت کے وہ کسی سے ملتا تک نہ تھا - انقلابی شورش کی آگ جب بھڑک اٹھی اس وقت کہیں جا کر اسے خبر ہوئی - مضمون نگار کا یہ بھی خیال ھے کہ اگر حسب سابق انگریز لوگ دیسی سپاھیوں اور ان کی عورتوں سے کبھی کبھی ملتے رھتے تو انہیں ان کی شکایتیں معلوم ہوتی رھتیں - لیکن چوں کہ ایسا نہیں کیا گیا اس لیے سازش کی انہیں پہلے سے مطلق خبر نہ ہوئی - وہ لکھتے ھیں کہ

(*) ۶ و ۱۸ دسمبر سنہ ۱۸۶۵ء —

حکومت ہندوستانیوں کی بھلائی کے لیے سب کچھ کر رہی تھی لیکن ابھی ہندوستانیوں میں تعصب باقی ہے اس لیے وہ ہر نئی بات کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں ۔

مسیحی مبلغین اس وقت ہندوستان میں جو ادب شائع کر رہے ہیں اس کی نسبت تفصیل سے ذکر کرنا بے سود ہوگا ۔ میں اس وقت صرف چند کتابوں کی طرف اشارہ کروں گا ۔ متی اور مرقس کی انجیل کا اردو میں جو ترجمہ شائع ہوا ہے ابھی اس کے پہلے حصہ کا اعلان کیا گیا ہے ۔ غالباً دوسرا حصہ بھی بعد میں شائع ہوگا ۔ یہ ترجمہ "امریکی تبلیغی انجمن" کی جانب سے شائع ہوا ہے ۔ تفسیر کے لیے زیادہ تر ان کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے جو انگلستان میں شہرت رکھتی ہیں جیسے Birnes اور Jacobus کی کتابیں ۔ اس جلد میں بعض تصاویر بھی ہیں ۔ بدقسمتی سے رسم خط لاطینی استعمال کیا گیا ہے ۔ اس جلد کی تمہید میں ریورنڈ جے ۔ ایف ۔ اسکاٹ (Rev. J. F. Scott) نے جو ہندوستان میں ۲۷ سال سے مقیم ہیں یہ اعلان کیا ہے کہ اگر اس ایڈیشن کو قبول عام حاصل ہوا تو فارسی رسم خط میں دوسرا ایڈیشن شائع کیا جائے گا ۔ موصوف نے یہ تمہید ہندوستانی زبان میں لکھی ۔ یہ ترجمہ ہندوستانی عیسائیوں کے لیے شائع کیا گیا ہے ۔ ہندو مسلمان بھی اس سے سعادت حاصل کرسکتے ہیں ۔ Rev. J. F. Scott نے اپنی

تمہید میں ہندوستانی زبان میں ایک دعا لکھی ہے جس میں انگریزی عروض کے مطابق تین تین اور چار چار اجزا استعمال کیے گئے ہیں - اس دعا کو ہندوستانی زبان کے اس نمونے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے جو انگریزیت کے رنگ سے متاثر ہوئی ہے * —

ہندوستانی کا لفظ ہندی اور اردو دونوں پر حاوی ہے - میں جن کتابوں کا ذکر کرتا ہوں ان کا تعلق ہندی اور اردو دونوں سے ہوتا ہے - زبان کے مسئلے پر ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بڑی بحثیں ہورہی ہیں - اول الذکر اپنی قدیم زبان کی حمایت میں سرگرم ہیں اور ثانی الذکر اردو کو سراہتے ہیں جو ان کے نزدیک ہندوستانی کی جدید ترین شکل ہے —

ہندی اور اردو کی بحث نے اس قدر طول پکڑا ہے کہ تعلیم میں بھی اب یہ تفریق تسلیم کی جاتی ہے - چنانچہ لندن کے یونیورسٹی کالج میں میرے دوست سید عبداللہ کی جگہ جو اپنی خدمت سے مستعفی ہو چکے ہیں ریورنڈ جے - ایف -

---

* اس دعا کے شروع کے اشعار یہ ہیں

تیرا کلام ہے پاک اور راست — اے مہربان خدا
ہے سچ اور حق بے کم و کاست — عزیز اور بے بہا

میں نے سنہ ۱۸۶۱ ع کے خطبہ میں بھی اس قسم کی ایک مثال آپ صاحبوں کے سامنے پیش کی تھی —

اُلمین (Rev. J. F. Ullmann) کو اردو اور ہندی کی پروفیسری پر مقرر کیا گیا ہے - موصوف کا تعلق شمالی ہند کے امریکی پرسبائیٹیرین مشن سے ہے - آپ نے انجیل مقدس کا ہندی میں ترجمہ کیا ہے اور اردو میں گیت بھی بنائے ہیں جو ایک جلد میں چھپ چکے ہیں —

پچھلے سال بھی میں نے ہندی اردو کے قضیے کی طرف اشارہ کیا تھا - اس وقت میرے پیش نظر سہ زبانی لغت (انگریزی، اردو، ہندی) ہے جو ابھی حال میں بنارس سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے مولف بابو متھرا پرشاد نے بابو نرین چند کی طرح ہندی کی طرف داری کی ہے - اب یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ اردو کی جگہ ہندی کو رواج دینا بہت دشوار ہے اس واسطے کہ ہندی کی بہت ساری بولیاں ہیں جن میں ایک بھی کلاسک نہیں کہی جا سکتی *- حالانکہ شمالی ہند کی اردو کلاسک حیثیت رکھتی ہے اور ایک دن ایسا ضرور آے گا جب کہ اردو کی بدولت ہندوستان کی بیس کروڑ مخلوق میں رشتۂ اتحاد استوار ہوگا - میرے اس خیال کی تائید سید ہادی حسین خاں نے انجمن لاہور کے جلسے میں کی ہے جو ابھی حال ہی میں منعقد ہوا تھا - موصوف نے اس پر زور دیا کہ اس وقت

---

* بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے مجلہ میں سترہ بولیاں گنائی گئی ہیں- دیکھو اشاعت سنہ ۱۸۶۶ ع —

اس کی ضرورت ہے کہ اردو زبان کو رواج دینے کے لیے آسانیاں بہم پہنچائی جائیں۔ اس انجمن کے ایک دوسرے جلسے میں بابو نوین چند نے جو اردو کے مقابلے میں ہندی کی برتری کے قائل ہیں ہادی حسین خاں کے جواب میں چھ صفحوں کا مضمون پڑھا - اس پر مالوہ اخبار کے مدیر نے اردو کی حمایت میں ایک مضمون لکھا ہے کہ ' قدیم ہند کی زبان سنسکرت تھی - ویدوں کی زبان کی ترقی یافتہ صورت ہمیں پرانوں اور شاستروں میں ملتی ہے - اس کے دو ہزار سال بعد گاتھا (Gatha) اور پراکرت وجود میں آئیں جو اسلامی عہد حکومت میں بدلتی رہیں - اس عہد میں جو زبان وجود میں آئی اسے ہندی کہنے لگے - اسی دوران میں اردو نے جنم لیا جس میں سنسکرت اور ہندی کے الفاظ کے ساتھ عربی اور فارسی الفاظ بھی شامل ہوگئے " —

نوین چند کا یہ دعویٰ ہے کہ اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے سے اہل ہند کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا اس واسطے کہ یہ زبان خاص مسلمانوں کی ہے۔ مسلمان فاتحوں نے اپنی اصلی زبانوں کے لاتعداد الفاظ اس میں داخل کردیے ہیں - نظم و نسق کی ضروریات کے لیے بھی اردو موزوں نہیں ہے۔ اس کی بجائے ہندو لوگوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی قومی زبان ہندی کی ترقی کے لیے کوشاں ہوں - بابو صاحب ہندی زبان کا مستقل

ادب پیدا کرنا چاہتے ہیں - میں خیال میں ہندی اور اردو کو دو بالکل مختلف زبانیں تصور کرنا صحیح نہیں ہے - اس قسم کے دعوے کو عقل سلیم نہیں تسلیم کرتی - در حقیقت ہندی اور اردو ایک ہی زبان کی دو شاخیں ہیں - وہ دونوں پہلو به پہلو زندگی بسر کر سکتی ہیں - اگر دونوں میں کسی کو فضیلت حاصل ہے تو وہ اردو کو ہے اس واسطے کہ اردو میں بھی ہندی عناصر بھی پائے جاتے ہیں گویا کہ اردو اسلام اور ہندو دھرم کے درمیان ایک طرح کا رشتۂ اتحاد قائم کیے ہوے ہے —

بابو صاحب اردو پر یہ الزام عاید کرتے ہیں کہ اس زبان میں عشق و عاشقی کے مضامین کے علاوہ اور کسی مضمون کو ادا کرنے کی قابلیت ہی نہیں ہے - ہمارے خیال میں یہ قصور زبان کا نہیں ہے بلکہ اہل زبان کا ہے - کیا ہم بابو صاحب سے یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ ہندی میں بھی سوا ے ہمہ اوستی فلسفے کی خیال آرائیوں کے اور کیا رکھا ہے ؟ - کیا اس بنا پر ثانی الذکر کو اول الذکر پر فوقیت حاصل ہو سکتی ہے ؟ بابو صاحب نے کبیر داس اور نانک کے کلام کا ذکر کیا ہے لیکن ان کے ہاں بھی ہی رسمی فلسفے کے متعلق اظہار خیال ہے - کہیں ذرا دلچسپ ، اور کہیں خشک اور بے مزہ - مالوہ اخبار کے مدیر نے اس امر کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے کہ ہندی میں بھی عشق

و عاشقی کے مضامین کی بھرمار ہے - انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اگر آپ بدر منیر اور دریائے عشق کو مخرب اخلاق خیال کرتے ہیں تو پریم ساگر اور مدہ مالت کے متعلق بھی یہی حکم لگائیے۔

بابو صاحب ایک کٹر ہندو کی حیثیت سے فارسی رسم خط کو برا بتاتے ہیں- وہ کہتے ہیں کہ اس رسم خط کی وجہ سے اردو کے ہندی خط و خال مٹ گئے اور فارسی عربی کو موقع ملا کہ اردو میں اپنے الفاظ کو رواج دیں - اگر ہندی رسم خط اختیار کیا جاتا تو آہستہ آہستہ اردو میں سے اجنبی الفاظ ایک ایک کرکے غائب ہو جاتے ' بالکل اسی طرح جیسے بنگالی میں فارسی الفاظ جو ایک زمانے میں مستعمل تھے' اب متروک ہوگئے ــــ

میرے خیال میں ہندی اردو کا جھگڑا کوئی اہمیت نہیں رکھتا- خواہ مخواہ اس کو اتنا بڑھا چڑھا کر اس وقت پیش کیا جا رہا ہے - ہندی اور اردو دونوں ایک ہی زبان کی دو شاخیں ہیں - مشکل یہ آپڑی ہے کہ اس مسئلہ پر جب بحث کی جاتی ہے تو محض نحو پر گفتگو نہیں ہوتی بلکہ سمجھا جاتا ہے کہ ہندی ہندو دھرم کی نمائندہ ہے - وہ ہندو دھرم جس میں بت پرستی اور اس کے لوازمات بنیادی عقیدے کی حیثیت رکھتے ہیں - اس کے برعکس اردو اسلامی تہذیب و تمدن کی علم بردار ہے - اور چونکہ اسلام میں سامی عنصر شامل ہے اور

توحید اس کا اصل عقیدہ ہے اس لیے اسلامی تہذیب میں یوروپین یا مسیحی تہذیب کی خصوصیات پائی جاتی ہیں —

میرے خیال میں اردو کے مقابلے میں ہندی کی جانب توجہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے آج کل کی جدید یونانی کے بجائے قدیم یونانی کی طرف توجہ کی جائے۔ تعجب اس پر ہے کہ اردو کی تصانیف بھی دیوناگری رسم خط میں چھاپی جا رہی ہیں ۔ چنانچہ ابھی حال میں دیوان نظیر ' اور میر حسن کی مثنوی سحرالبیان اور دوسری تصانیف جن کی زبان دہلی کی خالص ٹکسالی زبان ہے دیوناگری کے رسم خط میں طبع کی جا رہی ہیں —

ہندوؤں پر یہ الزام لگانا درست ہے کہ وہ اپنی زبان کو ' جو دیوناگری رسم خط میں لکھی جاتی ہے اور جس کو دیوناگری ہی کہتے ہیں ' اسلامی عناصر سے پاک کر رہے ہیں۔ چنانچہ جہاں تک ممکن ہے عربی فارسی کے الفاظ ترک کیے جا رہے ہیں۔ بعض ہندو اس بات کی بھی کوشش کر رہے ہیں کہ سرکاری طور پر جو اردو رائج ہے اس میں بھی اس اصول پر عمل کیا جائے۔ انگریزوں میں بھی ایک طبقہ ایسا موجود ہے جو اس خیال کی حمایت کر رہا ہے - اگر اس قسم کا کوئی تصرف کیا گیا تو اردو کی جس کا نام پہلے سے ریختہ ہے ' بالکل مٹی پلید ہو جائیگی - مسٹر جے بیمز نے کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی میں جو مضمون لکھا ہے

اس میں اس امر کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے * —

موصوف نے لکھا ہے کہ آج کل عام طور پر اردو کے خلاف خیالات پھیلائے جا رہے ہیں اس لیے کہ یہ زبان عدالتوں اور دفتروں میں رائج ہے - کہا جاتا ہے کہ اردو جن عناصر سے مرکب ہے وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ میل نہیں کھاتے - موصوف اپنے سات سال کے تجربے کی بنا پر کہتے ہیں کہ اردو ہندوستانی کی مہذب ترین شکل ہے - اس میں ایجاز اور فصاحت بدرجہ اتم موجود ہے اور اظہار خیال کے لیے اس زبان میں بڑی صلاحیت پائی جاتی ہے † موصوف نے اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ دو آب گنگا کے رہنے والوں کی گفتگو میں یہ زبان شامل ہے - انھیں اس سے محروم نہیں کیا جا سکتا - اردو سے عربی فارسی الفاظ کو خارج کرنا ایسا ہے جیسے آپ انگریزی زبان سے لاطینی الفاظ نکالنے کی کوشش کریں اور چاہیں کہ اس میں صرف سکسن اصل کے لفظ باقی رہیں - زبانیں اس طرح بالارادہ نہیں بنائی جاتیں زندگی کی ضروریات سے ان کی ساخت میں تغیر و تبدل

* "Outlines of a Plea for the Arabic element in official Hindustani", Journal, As. Soc. Bengal No I, 1866 –

† اردو میں عربی فارسی کے الفاظ کے استعمال کے متعلق جو مخالفت ہو رہی ہے اس میں ایک مسلمان بھی ہیں جن کا نام سید ہادی حسین خاں ہے - انھوں نے انجمن لاہور کے جلسے میں ایک مضمون پڑھا ہے جس کا موضوع یہ ہے کہ اگر اردو زبان سے عربی فارسی الفاظ خارج کر دیے جائیں تو زبان سہل ہو جائے گی -

هو سکتا هے - سیاسی فتوحات ' تجارتی تعلقات ' ادبی اور علمی ضرورت سے زبان میں تبدیلی پیدا هوتی هے اور اس میں الفاظ داخل هوتے هیں - قابل مضمون نگار نے بڑی خوبی سے یہ بات بتائی هے کہ جس طرح انگریزی میں المانی اور لاطینی عناصر موجود هیں اسی طرح اردو میں بھی سنسکرت یا آریائی اور سامی یا اسلامی عناصر کی آمیزش هے - انگریزی سے اردو کی مشابہت پہلی مرتبہ اس مضمون میں نہیں بیان کی گئی - ڈاکٹر گلکرسٹ نے بہت زمانہ هوا اس طرف توجہ مبذول کرائی تھی - ایم - بیمز (M. Beames) کا خیال هے کہ اردو میں عربی فارسی سے جو الفاظ مستعار لیے گئے هیں وہ مطالب کو بہ نسبت دیسی الفاظ کے زیادہ اچھی طرح واضح کرتے هیں - سنسکرت کے الفاظ اردو میں اگر داخل کیے جائیں تو یہ مقصد حاصل نہیں هوتا - اردو کی دراصل یہ ایک طرح سے خوبی کہی جا سکتی هے کہ وہ تمدنی ضروریات کے مطابق دوسری زبانوں سے الفاظ مستعار لے کر اپنا کام نکال سکتی هے - اگر دوسری زبانوں کے الفاظ مستعار لے کر کام نکل سکتا هے تو ثقیل اور غیر مانوس الفاظ تراشنے سے کیا فائدہ ؟ بنگالی میں الفاظ تراشنے کا کام هو رها هے لیکن اس سے زبان اس کو کوئی خاص ترقی نہیں حاصل هوئی - هندوستانی هر جگہ بنگالی کے مقابلے میں کامیاب نظر آتی هے - اس کے علاوہ اردو

میں عربی فارسی کے الفاظ کو رائج رکھنے کی تائید میں اور اسباب بھی ہیں - M. Beames نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ ہندی (ہندوی) اصل میں سنسکرت سے پہلے موجود تھی - وہ تورانی الاصل ہے - آریاؤں نے اسے ایسا مٹایا کہ اس کے رہے سہے جو الفاظ باقی رہ گئے تھے انہیں سنسکرت سے منسوب کیا جانے لگا * —

مغل فاتحوں کی زبان عربی آمیز فارسی تھی - انہوں نے ہندوستان کی مذہبی اور معاشرتی زندگی میں تبدیلیاں پیدا کیں - اہل ہند کی ایک بڑی تعداد حلقۂ اسلام میں داخل ہوئی - مسلمانوں کی مذہبی زبان عربی ہے اس لیے عربی الفاظ نے اہل ہند کی زبان میں بار پایا - کابل اور ایران کی اصطلاحیں ہندوستان میں رائج ہوئیں - غرض کہ مذہب، حکومت، جنگ، اور فنون و صنعت کے متعلق سیکڑوں عربی فارسی الفاظ ہندوستان میں عام طور پر بولے جانے لگے - ہندی زبان میں جب یہ الفاظ شامل ہوے تو اس کو اردو کہنے لگے - عربی فارسی کے جو الفاظ اردو میں رائج ہیں ان کے بجائے دوسرے الفاظ نہیں ملتے - ایم - بیمز (M. Beames) کا یہ دعویٰ ہے کہ عربی کے جو الفاظ اردو میں مستعمل ہیں

---

* Max Muller کی بھی یہی راے ہے - ملاحظہ ہو تیسرا خطبہ سنہ ۱۸۶۵ م صفحہ ۲۷۰ —

ان کے بجائے خود ہندوؤں کو یہ گوارا نہیں کہ دوسرے دیسی الفاظ استعمال کریں- موصوف نے اس ضمن جو تفصیلات دی ہیں وہ حد درجہ دلچسپ ہیں- وہ لوگ جو ہندوستانی کے اسلامی عنصر کو بری نظر سے دیکھتے ہیں ان کے لیے یہ تفصیلات سبق آموز ہیں —

انجمن لاہور نے بھی اپنے ایک جلسہ میں M Beames کی رائے کے ساتھ موافقت ظاہر کی ہے - ابھی خیال میں ایک اردو کی کتاب پیش کی گئی تھی جس میں عربی یا فارسی کا ایک لفظ بھی نہیں استعمال کیا گیا ہے - مصنف نے اس کتاب کو بطور نمونہ پیش کیا تھا تاکہ عدالتوں اور سرکاری دفاتر میں اس طرز تحریر کی پیروی کی جائے - ایسٹ انڈیا کمپنی کی یہ حکمت عملی رہی تھی کہ اردو کو ہندی سے علحدہ تصور کیا جائے - چنانچہ اردو کا جو جدید ادب اس زمانے میں پیدا ہوا اس میں عربی فارسی کے الفاظ برابر استعمال کیے جاتے تھے بلکہ ان الفاظ کو ترجیح دی جاتی تھی - اس جدید ادب کی سرکاری مدارس میں بھی ہمت افزائی کی گئی —

باوجود ان تمام باتوں کے اس کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ اردو کو ہر جگہ ہندوستان میں زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے - صوبجاتی مدارس اور کالجوں میں اسی کی وساطت سے

تعلیم دی جا رہی ہے حالانکہ انہیں صوبوں میں ہندی بھی اس کے دوش بدوش موجود ہے —

کلکتہ، مدراس اور بمبئی کی یونیورسٹیاں برابر ترقی کر رہی ہیں - لاہور میں جو جامعۂ مشرقیہ (اور پنجاب یونیورسٹی) ابھی حال ہی میں خود ہندوستانیوں نے قایم کی ہے وہ بھی خوب ترقی کر رہی ہے - در اصل اس جامعہ کا خیال سب سے پہلے ڈاکٹر Leitner نے پیش کیا تھا - موصوف نے ہندوستانی ادب کو فروغ دینے کے لیے نہایت قابل تعریف کوشش کی - آپ نے صرف یہی نہیں کہ لاہور کی اکاڈمی قایم کی بلکہ اس کے علاوہ بالخصوص پنجاب اور سارے ہندوستان کے لیے ایک عظیم الشان جامعہ کی بنا ڈالی - اس جامعہ کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ مشرقی علوم و السنہ کی تحقیق کی جاے - تینوں سرکاری یونیورسٹیوں میں محض مغربی علوم کی تعلیم ہوتی ہے - ڈاکٹر Leitner کی اپیل پر دیسی روسا نے لبیک کہا اور اعانت کے لیے پیش قدمی کی - اب یہ جامعہ مشرقیہ قایم ہو گئی ہے - میرے پیش نظر اس کے متعلق بعض تجاویز ہیں - یہ تجاویز اردو میں ہیں - ان تجاویز کو پڑھنے سے مجھے معلوم ہوا کہ اس کی ایک انتظامی کونسل ہوگی اور اس کے علاوہ متعدد کمیٹیاں ہوں گی - ایک کمیٹی کے سپرد یہ کام ہوگا کہ اردو کی ترقی کے وسائل بہم پہنچاے اور

ایک دوسری کمیٹی مشرقی علوم کو ہندوستانیوں میں رائج کرنے کے متعلق تجاویز پیش کرے گی * - اُن تجاویز کے ساتھ وہ خط بھی ہے جو پنجاب کے لفٹننٹ گورنر D.F.M. Leod نے بانیان جامعہ کو خطاب کرتے ہوئے لکھا ہے - موصوف یونیورسٹی کے حقیقی سرپرست ہیں اور اکاڈمی کے بھی خواہ ہیں - آپ کے اس خط سے وسعت نظر اور شرافت کا پتا چلتا ہے —

اس جامعہ کا مقصد یہ ہے کہ مشرقی علوم کی ترقی میں کوشاں ہو اور اردو کا جدید ادب پیدا کرے- اس کے مقاصد کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس امر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ ہندوستان میں یورپین لوگ نہیں بستے ہیں اور جنھیں تعلیم دینا مقصود ہے وہ بھی یورپین لوگ نہیں بلکہ ہندوستانی ہیں - سب سے پہلے تو اس کی ضرورت ہے کہ ہندوستانیوں کے ادب سے ہم واقفیت پیدا کریں - پھر اس کے بعد انھیں اس کا موقع دیں کہ وہ اپنا ذاتی ادب پیدا کریں- اس ادب میں مغربی اثر موجود رہے گا اس واسطے کہ اس سے مفر نہیں- لاہور کی جامعہ کے جتنے بانی ہیں ان کے ذہن

(*) یورپ کی جامعوں کی طرح ہندوستان کی جامعوں میں بھی اعزازی ارکان ہوتے ہیں - ڈاکٹر لیٹنر نے مجھے لکھا ہے کہ مجھے لاہور کی جامعہ میں یہ عزت بخشی گئی ہے- میں اس جامعہ کے ارباب حل و عقد کا اور بالخصوص ڈاکٹر لیٹنر کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے مجھے اس قابل سمجھا -

میں یہ خیالات پہلے سے موجود ہیں - ایک طرف تو وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اپنے قدیم ادب کا ذوق پیدا ہو اور دوسری طرف مغربی علوم و ادب کی روشنی ہندوستان میں پھیلے - ایسے مغربی خیالات جو آسانی سے ہندوستانی ادب میں سموئے جا سکتے ہیں انہیں سمو لیا جائے-

پنجاب کے لیے کلاسک کتب کے انتخاب کے واسطے جو کمیشن مقرر کیا گیا تھا اور جس کا تذکرہ میں گزشتہ سال کر چکا ہوں ' اس کی صدارت پنجاب کے لفٹننٹ گورنر بہادر فرما رہے ہیں - Ch. Treveljan نے مجھے اس کمیشن کے مقصد سے آگاہ کیا - وہ یہ فرماتے ہیں کہ کمیشن ایسی کتابوں کا انتخاب کرنا چاہتا ہے جن کا ہندوستانی میں ترجمہ ہو جائے تا کہ عوام الناس میں ادبی ذوق کو ترقی ہو - یہ ترجمے ایسے ہوں گے کہ شہر یا دیہات کا ہر پڑھا لکھا ان سے استفادہ کر سکے گا- اس کمیشن نے ایک رپورٹ پیش کی ہے اور اس میں ان کتابوں کے نام بتائے ہیں جن کا ہندوستانی میں ترجمہ کرنا ضروری ہے - یہ رپورٹ اس وقت لوکل حکومتوں کے زیر غور ہے - کمیشن کی رپورٹ در اصل کام کی ابتدا ہے - ہم اس کے عملی نتائج کا انتظار کریں گے —

لاہور کی مشرقی جامعہ کے ماتحت دو کالج ہوں گے - ایک لاہور کا اور دوسرا امرتسر کا (یا دہلی کا) - ہر کالج میں ایک

پرنسپل ہوگا، چھے پروفیسر ہوں گے اور ایک سکریٹری ہوگا۔ دو پروفیسر خاص اردو اور ہندی کی تعلیم کے لیے ہوں گے۔ دوسرے پروفیسر فارسی، عربی اور سنسکرت کی تعلیم دیں گے اس لیے کہ ان زبانوں کا جاننا اردو اور ہندی کے لیے ضروری ہے۔ ہر سال وقت معینہ پر عربی، فارسی، سنسکرت، اردو اور ہندی کا امتحان ہوا کرے گا۔ ممتحن یونیورسٹی کے قابل افراد میں سے چنے جایا کریں گے۔ جو طلبہ امتحان میں کامیاب ہوں گے انہیں بطور انعام رقم دی جائے گی اور ان کی قابلیت کے لحاظ سے سند دی جائے گی۔ امتحان کے کامیاب طلبہ قابلیت کے اعتبار سے تین گروہ میں تقسیم ہوں گے۔ امتحان چھے مضامین میں ہوا کرے گا (۱) صرف و نحو (۲) ادب (۳) خطوط نویسی (۴) املا (۵) خوش نویسی (۶) تلفظ۔ ابھی ابتدا ہے کچھ دنوں بعد امتحانوں کا معیار زیادہ بلند ہو جائے گا۔ ہندوستانی میں جو جدید ادب پیدا ہو رہا ہے اسے اس تعلیمی تحریک سے بہت مدد ملے گی۔ ہمارے خیال میں سوائے دہلی کی ورنیکلر سوسائٹی کے اس سے قبل اس قسم کی کوئی کوشش نہیں کی گئی جس کا منشا دیسی ادب کو فروغ دینا ہو۔

سنہ ۱۸۵۴ ع سے سارے ہندوستان کے لیے یہ فیصلہ ہوا ہے کہ ایک عام نصاب تعلیم بنایا جائے تاکہ اس کے ذریعے سے

مغربی علوم کو رائج کیا جاے - ہر صوبے میں لفٹننٹ گورنر کے ماتحت ایک محکمۂ تعلیم قایم کیا گیا ہے - چنانچہ کلکتہ' مدراس اور بمبئی میں لندن یونیورسٹی کے طرز کی یونیورسٹیاں قایم ہوگئی ہیں- ان یونیورسٹیوں کے ساتھہ اور کالج بھی ملحق ہیں- ان کالجوں میں بعض مشرقی تعلیم پر زور دیتے ہیں اور بعض مغربی پر - ان یونیورسٹیوں کے کتب خانوں میں انجیل مقدس کا نسخہ بھی نظر آتا ہے - اس سے یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہندوستانیوں کو عیسائی بنانےکی ترغیب دی جارہی ہے - ہنری واٹر فیلڈ (Henry Waterfield) نے پارلیمنٹ میں پیش کرنے کی غرض سے ہندوستانی صوبوں کی تعلیم پر جو رپورٹ تیار کی ہے اس میں نہایت تفصیل سے معلومات ملتی ہیں - یہ رپورٹ East Indian Progress کے نام سے شائع ہو چکی ہے - ان یونیورسٹیوں میں مسلمانوں کو شرع شریف کی اور ہندوؤں کو شاستروں کی تعلیم دی جاتی ہے —

ہر سال سرکاری اور مشن کے مدرسوں اور کالجوں میں طلبہ کی تعداد بڑھ رہی ہے - خاص کر بنگال میں یونیورسٹی کی ڈگری کے اعزاز کو بہت اہمیت دی جارہی ہے - کلکتہ کے ڈاکخانے کی نئی عمارت امتحان کی غرض کے لیے استعمال کی جارہی ہے - اس سال پندرہ سو نوجوان ہندوستانی جو سولہ سال یا کچھہ زیادہ عمر کے تھے اور ۳۴۷ دوسرے طلبہ

امتحان کے لیے جمع ہوے - یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ یہ طلبہ سب ہندو تھے - ان میں مسلمان نام کو نہیں - یونیورسٹی کی سند مسلمانوں کے لیے ابھی اپنے اندر کوئی کشش نہیں رکھتی * —

اس سال کے شروع میں بعض نوجوان یورپین کلکتہ میں زباندانی کے امتحان میں نہایت سر خروئی کے ساتھ کامیاب ہوے - ان میں ایک سول سروس کے تھے جنھیں ان کی قابلیت کی وجہ سے سونے کا تمغہ بطور انعام دیا گیا —

بنگال میں اس وقت ان مدرسوں اور کالجوں کی تعداد جنھیں حکومت کی طرف سے امداد ملتی ہے ' دو ہزار دو سو چھیالیس ہے اور طلبہ کی تعداد ایک لاکھ تین ہزار ۶۶ ہے - ایسے مدارس جنھیں حکومت کی امداد نہیں ملتی ۱۵۷ ہیں اور ان میں پانچ ہزار سات سو ستر طلبہ تعلیم حاصل کررہے ہیں* -

کلکتہ کے مشن کالج بھی خوب ترقی کر رہے ہیں - مشہور کالجوں کے نام یہ ہیں پریزیڈنسی کالج' ڈوتن کالج ' فری چرچ انسٹیٹیوشن ' بشپز کالج ' کالج مارتی نیر - آخر الذکر کے نام کا ایک کالج لکھنؤ میں بھی ہے - یہ کالج فرانسیسی جنرل مارتی نیر کے نام پر ہے جس نے اُسے قایم کیا تھا - ان کے علاوہ دو

*Indsan Mail, Feb, 7, 1866.

• Indian Mail, April 6, 1866.

یسوعیوں کے مدرسے بھی کلکتہ میں ہیں۔ سینٹ پال اسکول اور ریویر اسکول —

سنہ ۱۸۶۵ ع کے آخر میں صوبۂ مدراس کے مدرسوں کی تعداد ۹۸۳ تھی - ان میں ۳۹ ہزار ایک سو طلبہ تعلیم پاتے تھے اس تعداد میں سے ۲۸ ہزار طلبہ ایسے مدارس میں تعلیم حاصل کررہے تھے جنھیں ریاست کی طرف سے کوئی مدد نہیں دی جاتی۔

اس وقت میرے پیش نظر بمبئی کے صوبے کے اعداد و شمار نہیں ہیں۔ ۲ اپریل کو یونیورسٹی کے عام جلسے میں جو رپورٹ پڑھی گئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۴۸۲ طلبہ نے امتحان میں شرکت کی - ان میں ایک سو گیارہ کامیاب ہوئے - کامیاب طلبہ میں ۹۰ ہندو ۱۸ پارسی دو مسلمان اور ایک یہودی ہیں - پچھلے سال میں نے ایک دولت مند ہندو شنکر سیٹھہ کے انتقال کا ذکر کیا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ اس کی تجہیز و تکفین کس عجیب طور پر ہوئی - اس کے بیٹے نے بمبئی یونیورسٹی کو ۳۰ ہزار روپے کی رقم دی - اس رقم سے طلبہ کو سنسکرت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے وظائف دئے جائیں گے۔

لاہور کے سرکاری اخبار میں صوبۂ شمال مغربی کی تعلیمی حالت کے متعلق جو رپورٹ شائع ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہاں سرکاری مدارس کی تعداد ۳۷۹ ہے - ان میں اس وقت تقریباً ۲ لاکھ ۲۰ ہزار ۵۱۶ طلبہ تعلیم پا رہے

ھیں *-اس تعداد میں ۹ ھزار ایک سو ۳۵ لڑکیاں ھیں - مدارس کی تعداد جو بتائی گئی اس میں میرٹھ کا عربی مدرسہ شامل نہیں ھے - اس مدرسے میں مسلمانوں کے لیے فقہ اور خطابت کی خاص تعلیم کا انتظام کیا گیا ھے —

پنجاب کی تعلیم کے متعلق میجر فار کی رپورٹ ۹۵-۱۸۹۴ء میں تفصیلی معلومات ملتی ھیں- ۱۹۰ صفحوں میں موصوف نے ازحد دلچسپ معلومات جمع کر دی ھیں- اس رپورٹ سے نیز امرتسر کے تقسیم انعامات کے جلسے میں جو رپورٹ پیش کی گئی اس سے معلوم ھوتا ھے کہ گزشتہ ماہ فروری میں پنجاب میں مدارس کی تعداد ۲ ھزار چھہ سو ۸۴ تھی- ان میں ۹۲ ھزار گیارہ طلبہ تعلیم حاصل کر رھے تھے- تعلیم نسواں کی ترقی میں تقریباً وھی تناسب پایا جاتا ھے جو مردوں کی تعلیم میں - چنانچہ سنہ ۱۸۷۰ء میں لڑکیوں کے صرف چھہ مدرسے تھے اور ان میں سو لڑکیاں تعلیم حاصل کر رھی تھیں - اب اس وقت مدارس کی تعداد تقریباً سات سو تک پہنچ گئی ھے جن میں ۱۵ ھزار ۲ سو پچاس طالبات تعلیم حاصل کر رھی ھیں - لاھور کے نارمل اسکول میں لڑکیوں کے اساتذہ کی تعلیم ھوتی ھے —

انگریزی حکومت تقسیم انعامات کے جلسوں کو خوب دھوم دھام کے ساتھہ منعقد کرتی ھے اور دیسی روسا کو شرکت

* اس میں غالباً چھاپے کی غلطی ھے - (مترجم)

کی دعوت دیتی ہے تاکہ موجودہ تعلیم کے متعلق والدین کو واقفیت حاصل ہو اور وہ اس کی خوبیوں کو سمجھیں - ان موقعوں پر دیسی زبانوں میں تقریریں بھی کرائی جاتی ہیں - چنانچہ شملہ میں ۲۶ ستمبر سنہ ۱۸۶۵ ع کو ایک دربار منعقد ہوا جس کی صدارت ڈپٹی کمشنر نے کی - موصوف نے اپنی تقریر کے دوران میں سعدی کے پند نامہ کے اشعار بھی پڑھے *- انبالہ کے انسپکٹر نے اسکول کی تعلیم کے متعلق حالات بیان کیے اور کہا کہ جب سے M. O' Connor پرنسپل ہوے ہیں مدرسے کی حالت بہت بہتر ہوگئی ہے - اس کے علاوہ اس دکان کا ذکر کیا جو بیچ بازار میں بچوں کی ضروریات پورا کرنے کی غرض سے قایم کی گئی ہے - اس موقع پر موصوف نے لالہ مولچند کے جوش کی تعریف کی جو بچوں کی تعلیم کے لیے ظاہر کر رہے ہیں - لالہ صاحب وہی ہیں جنھوں نے شاہنامہ کا ہندوستانی میں ترجمہ کیا ہے - غریب طلبہ کی امداد کے لیے اس موقع پر ۱۰۸ روپے چندہ ہوا —

پچھلے نومبر کے مہینے میں ۹ تاریخ کو اس قسم کا ایک جلسہ ملتان میں بھی ہوا جس میں ضلع کے طلبہ کو انعامات تقسیم کیے گئے - اس جلسے میں تعلیم کی طرف سے جو عام بدشوقی پائی جاتی ہے اس کا اظہار بھی ہوا - متعدد مقررین

* اس جگہ ان اشعار کا فرانسیسی ترجمہ ہے —

نے ہندوستانی میں تقریریں کیں —

۲۵ نومبر کو روپڑ (صوبۂ دہلی) میں وہاں کے تحصیلدار کی زیر صدارت ایک دربار منعقد ہوا تھا جس میں موصوف نے علم کے فوائد ظاہر کیے اور بتایا کہ مردوں کے دوش بدوش عورتوں کو بھی حصول علم کے لیے کوشاں ہونا چاہیے، اس لیے کہ خدا نے جو قابلیت مردوں کو دی ہے وہی عورتوں کو بھی ودیعت کی ہے - (یہ لحاظ رہے کہ مقرر ایک مسلمان ہیں) - موصوف نے کہا کہ نہ صرف یہ کہ غریب طالب علموں کو مفت بغیر کسی فیس کے مدرسے میں داخل کیا جائےگا بلکہ انہیں مفت کتابیں بھی دی جائیں گی - جو طلبہ فیس دینے کی استطاعت رکھتے ہیں ان سے فیس لی جائےگی - اس کے علاوہ چندے سے جس قدر گنجائش ہوگی غریب طلبہ کی مدد کی جائےگی —

صوبۂ پنجاب میں مدارس کے طلبہ کو انعامات تقسیم کرنے کی غرض سے سیالکوٹ میں ۵ مارچ کو ایک دربار منعقد ہوا - ہندوستانی کے مختلف اخبارات میں اس دربار کے حالات ملتے ہیں - لاہور کے "سرکاری اخبار" اور سیالکوٹ کے "پنجابی" میں اس کے متعلق تفصیل ملتی ہے - اس قسم کا ایک جلسہ ۲۷ فروری کو امرتسر میں منعقد ہوا تھا - امرتسر سکھوں کا دارالحکومت رہ چکا ہے - ان درباروں میں

جو تقریریں ہوئیں وہ ہندوستانی میں تھیں۔ اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ امرتسر کے جلسے میں لاہور، گرداس پور اور پنجاب کے مختلف حصوں سے طلبہ شرکت کے لیے آئے تھے۔ شرکائے جلسہ کے لیے پہلے سے شامیانے لگا دیے گئے تھے ۲۷ مارچ کو شرکا پہنچ گئے۔ حکومت نے ان کے سفر کے اخراجات اپنے پاس سے دیے اور کھانے پینے کا انتظام بھی حکومت کی جانب سے کیا گیا۔ طلبہ ہاتوں میں رنگ برنگی چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں لیے ہوے تھے اور موسیقی کے ساتھ ساتھ جلسہ گاہ کی طرف جاتے دکھائی دیتے تھے۔ جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو لاہور کے ناظر مدارس نے اپنی رپورٹ پڑھی اس رپورٹ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کو عام کرنے کے لیے حکومت کو کن کن دشواریوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ موجودہ تعلیم کا طریقہ قدیم طریقوں سے بالکل مختلف ہے۔ یورپین ماہرینِ تعلیم کا خیال ہے کہ قدیم طریقۂ تعلیم ذہنی نشو و نما کے لیے زیادہ موزوں نہیں ہے۔ ان کے نزدیک یورپین طریقۂ تعلیم سے بچے کی ذہنی ترقی جلد عمل میں آتی ہے۔ رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ لاہور کالج خوب ترقی کر رہا ہے۔ ڈاکٹر لیٹنر جیسے فاضل اور علم دوست شخص کے ہاتھ میں جب اس کا انتظام ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس کا ترقی کرنا موجب تعجب نہیں۔ دہلی کالج کا انتظام ایم۔ ولمٹ (M. Wilmot) کر رہے

ھیں اور امرتسر کالج میں ایم - لِنڈسے (M. Lindsay) ھیں -
پنجاب کے تمام مدارس میں ہندوستانی کی باقاعدہ تعلیم
دی جارہی ہے اور اس کے ساتھ انگریزی پڑھانے کا بھی سب
جگہ انتظام کیا گیا ہے- بعض خاص خاص مدارس میں ہندی
فارسی عربی کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے - اب تک
سنسکرت پڑھانے کا کسی اسکول میں انتظام نہیں ہوا - اس
کے بعد ناظر مدارس نے ان لوگوں کو مبارک باد دی جنھوں
نے لاہور کی اکاڈمی (انجمن) اور مشرقی جامعہ قایم کی ہے-
ان دونوں اداروں سے توقع ہے کہ عام مذاق کو ستھرا بنانے
میں بہت مدد ملے گی اور ان کی بدولت اہل ہند کی ذہنی
نشو و نما ہوگی - موصوف نے یہ بھی کہا کہ ہر شخص کا فرض
ہے کہ وہ اپنے بچوں اور مستورات کی تعلیم کو بطور مثال
دوسروں کے لیے پیش کرے - عورتوں میں اصلاح کی سخت
ضرورت ہے - ان کی قبل از وقت شادی کی وجہ سے ' خاص
کر ہندوؤں میں ' تعلیم کو سخت نقصان پہنچتا ہے —

موصوف نے بعد میں طلبہ کو چند نصیحتیں کی ہیں جو
طلبہ اپنے امتحان میں ناکام رہے انہیں چاہیے کہ ہمت نہ ہاریں اور
دوسری مرتبہ پھر کوشش کریں اور اپنی کوتاہی کو پورا کریں
طلبہ کو اپنی ناکامی ممتحن کی جانبداری پر کبھی منسوب
نہ کرنی چاہیے جیسا کہ عام طور پر اہل مشرق کا دستور ہے -

جو طلبہ کامیاب ہو گئے ہیں انہیں اس پر مغرور نہ ہونا چاہیے انہیں یہ خیال کبھی دل میں نہ لانا چاہیے کہ وہ ہمہ داں ہو گئے اور ان کی تعلیم مکمل ہوگئی- انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنی کامیابی سے علم کے دروازے تک پہنچے ہیں- اس دروازے میں داخل ہونے کےلیے ابھی بہت کچھ سعی و جہد درکار ہے- اگر وہ اس طرح خیال کریں گے تو اس میں خود انہیں کا فائدہ ہے —

اس کے بعد صاحب کمشنر نے تقریر کی- آپ نے فرمایا کہ ہندوستان میں قدیم زمانے میں بڑے بڑے فاضل گزرے ہیں جنہوں نے اعلیٰ پایہ کی کتابیں تصنیف کی ہیں- ان میں ہندو اور مسلمان دونوں کے نام قابل فخر ہیں- نوجوان تعلیم یافتہ لوگوں کا فرض ہے کہ ان قدما کی تقلید کریں اور علم کو محض نوکری حاصل کرنے کا ذریعہ نہ خیال کریں بلکہ علم کو علم کی خاطر حاصل کریں —

حضرات! آپ نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ عورتوں کی تعلیم میں بھی ہندوستان میں ترقی ہو رہی ہے- چنانچہ طالبات کی تعداد اور ان کے مدارس کی تعداد میں بہت کافی اضافہ ہوگیا ہے- شروع شروع میں بعض امیر خاندانوں کو اس پر اعتراض تھا کہ ان کی بچیوں کے مدارس میں انگریز عورتوں کو جانے کی اجازت کیوں دی جاتی ہے لیکن اب یہ تعصب کم

ہو رہا ہے - میجر فلر نے اپنے ایک خط میں جو لاہور سے آیا ہے مجھے یہ لکھا ہے کہ لاہور کے ذو با اثر مسلمان یہ اجازت دے چکے ہیں کہ ان کی لڑکیوں کے مدارس میں انگریز خواتین کو اندر جانے کی روک ٹوک نہ کی جائے - متعدد یورپین خواتین جنھوں نے ان طالبات کی تعلیمی حالت کا خود مشاہدہ کیا ہے کہتی ہیں کہ ان کی ترقی قابل اطمینان ہے * - عورتوں کے لیے علحدہ کتابیں لکھائی گئی ہیں - میجر فلر نے ان میں سے بعض میرے پاس بھیجی ہیں —

نواب بلرام پور (اودھ) نے تعلیم نسواں پر متعدد کتابیں لکھوائی ہیں اور انھیں عام طور پر تقسیم کرایا ہے - نواب صاحب کے علاقے میں بہت سی عورتوں نے حال میں لکھنے پڑھنے کی طرف توجہ کی ہے - اس سے قبل کبھی یہاں عورتوں کی تعلیم کی طرف مطلق توجہ نہیں کی گئی تھی - نواب بلرام پور کی دیکھا دیکھی نواب رام پور نے بھی اپنی مسند نشینی کے بعد فوراً تعلیم نسواں کی جانب توجہ مبذول فرمائی ہے - موصوف نے اپنے زمانے میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے قابل معلمات مقرر کی ہیں اور ایک لڑکیوں کا مدرسہ بھی قایم کیا ہے - اخبار عالم کے مدیر نے ان واقعات پر تبصرہ کرتے ہوے لکھا ہے کہ

---

* ١٥ فروری کے اخبار عالم میں ایک بنگالی خاتون کا ذکر ہے جنھوں نے انگریزی زبان میں حال ہی میں ایک کتاب لکھی ہے - یہ کتاب کلکتہ میں طبع ہوی ہے -

اگر دوسرے والیان ریاست بھی تعلیم نسواں پر زور دیں تو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے مذاہب کی بڑی خدمت ہوگی - تعلیم سے نقصان تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا —

بمبئی میں تعلیم نسواں کے لیے ایک انجمن قایم کی گئی ہے جس کے صدر مشہور ہندو فاضل بھوداجی ہیں - اس انجمن کا مقصد یہ ہے کہ عورتوں میں ادبی اور علمی مشاغل کو بڑھانے کی کوشش کی جائے —

لاہور کی اکادمی (انجمن اشاعت علوم) اپنا کام سرگرمی سے کر رہی ہے - پنجاب کے ہندوستانی اخبارات کبھی کبھی انجمن کے لکچروں کو درج کرتے ہیں - مجھے اس انجمن کی سنہ ۱۸۶۵ کے آخری مہینوں کی کارروائیاں موصول ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوا کہ میجر فلر' ناظم تعلیمات پنجاب' نے انجمن کی توجہ خاص کر ہندوستانی ادب کی طرف مبذول کرائی ہے - موصوف اس کو اس زمانے کی سب سے بڑی ضرورت تصور کرتے ہیں - یہ بات یقیناً قابل افسوس ہوگی اگر ہندوستانی ادب کو یورپین اثر سے بالکل بدل دیا جائے - مجھے پوری توقع ہے کہ یورپین اثر کو ہندوستانی اس سلیقے کے ساتھ قبول کرے گی کہ اس کی مشرقیت بدستور باقی رہے اور اس کے مخصوص خط و خال قایم رہیں —

پنجاب ایجوکیشنل میگزین کے بارھویں نمبر میں ان

انگریزی کتابوں کی فہرست ہے جو ان ہندوستانیوں کو پڑھنا چاہئیں جنہیں انگریزی زبان سیکھنے کا شوق ہے - یہ کتابیں ایسی ہیں کہ ان کے پڑھنے سے ہندوستانیوں کے خیالات پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا - اس قسم کا انتخاب مغربی زبانوں کی ان کتابوں کا بھی ہونا ضروری ہے جن کا دیسی زبانوں میں ترجمہ کیا جا سکے - دیسی مدارس کے نصاب میں اگر اس قسم کی کتابیں رکھی جائیں تو اس بات کو مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ ان میں ایسی کوئی بات نہ ہو جو ہندوستانیوں کے رسوم و عادات کے خلاف ہو —

" انجمن پنجاب " نے پچھلے جون کے مہینے میں اپنی رپورٹ شائع کی ہے جس میں اس انجمن کے قیام کے پہلے سال (۱۸۶۵) میں جو کچھ ہوا ہے اس پر عام تبصرہ ہے - اس رپورٹ سے معلوم ہوا کہ انجمن کی طرف سے پبلک کے لیے ایک کتب خانہ کھولا گیا ہے - اس کتب خانے کے اخراجات چندے سے پورے کیے جاتے ہیں - اس کتب خانے میں سنہ ۱۸۶۵ ع کے آخر تک ایک ہزار چار سو تیس کتابیں اردو، ہندی اور انگریزی کی موجود تھیں - ۲۶ اخبارات آتے تھے جن میں ۲۴ ہندوستانی کے، ایک فارسی کا، ایک انگریزی کا تھا - اس انجمن کی ایک تعلیمی کمیٹی ہے جس کا کام یہ ہے کہ ہندوستانی اور دوسری مشرقی زبانوں کی کتابیں شائع کرائے اور ان

زبانوں کی ترویج کے لیے مختلف مقامات پر مدارس قایم کرائے - چنانچہ اس کمیٹی نے انتظام کیا ہے کہ ہفتے میں دو تقریریں ادبی یا علمی مضامین پر کرائی جائیں تاکہ انجمن کے مشاغل اور مقاصد سے لوگوں کو واقفیت حاصل ہو - ایک کمیٹی اس کام کی تحقیق کے لیے ہے کہ مشرقی اور مغربی اصول طب کا مقابلہ کرے اس کے نتائج سے اہل وطن کو مستفید ہونے کا موقع دے - اس کمیٹی کی جانب سے انجمن کے مجلے میں قواعد حفظان صحت کے متعلق اردو میں مضامین شایع ہوتے ہیں- پیشتر اس کے کہ علم طب پر اعلیٰ پایے کی تصانیف اردو میں شایع ہوں اس کمیٹی نے علم الاعضا کے متعلق عام فہم رسالہ شایع کرایا ہے —

اس وقت انجمن کے ارکان کی تعداد دو سو چوالیس ہے - امید ہے کہ ان کی تعداد میں عنقریب اور اضافہ ہوگا -

گزشتہ سال اس انجمن کے سالانہ جلسے میں بابو چندر ناتھہ متر نے ایک مضمون پڑھا تھا جس کا موضوع یہ تھا کہ " عربوں اور ہندوستانیوں کی ازمنۂ قدیم میں سائنس کی ترقی " - موصوف نے اپنے مضمون میں اہل مشرق کے علمی انحطاط کے اسباب و علل سے مفصل بحث کی اور ان کے رفع کرنے کی تدابیر بتائیں- مولوی محمد حسین نے ایک مضمون " اسلامی

اور انگریزی حکومت کے مقابلے" پر پڑھا - پنڈت من پھول نے کثرت ازدواج کی خرابیاں اپنے مضمون میں بیان کیں اور بتایا کہ یہ رسم کھتری لوگوں میں موجود ہے۔ منشی گوپال‌داس نے اپنے مضمون میں اس رسم قبیحہ کے متعلق بحث کی کہ ہندوؤں میں اگر کوئی کسی کی لڑکی اپنے لڑکے کے لیے مانگے تو لڑکی کے والدین کو نقد رقم دینی ہوتی ہے- یہ تو بس ایسا ہی ہے جیسے معمولی خرید فروخت ہوتی ہے - مولوی محمد حسین‌خاں نے علاوہ ان علمی مضامین کے جو انہوں نے انجمن کے جلسوں میں پڑھے ' اردو کے متعدد شعراء کے متعلق تقریریں بھی کیں —

اسی قسم‌کی تین اور انجمنیں‌پنجاب میں‌قایم ہوئی ہیں- ایک سیالکوٹ میں ' ایک حصار میں اور ایک دہلی میں- غالباً دہلی والی انجمن کے بانیوں میں ایچ گولڈ اسٹریم (H. Goldstream) بھی ہیں - اس انجمن کا مقصد لاہور کی انجمن کی طرح یہ ہے کہ ہندوستانیوں کی عام فلاح و بہبود کے ساتھہ ساتھہ علمی ترقی کی طرف قدم اٹھایا جائے - بغیر اس کے ان میں کوئی اصلاح ممکن نہیں ہے - سرکاری اخبار کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی کے بیشتر امراء اس انجمن میں شریک ہیں اور عملی طور پر دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں - انجمن کا مقصد سائنس کو ترقی دینا بھی ہے تاکہ

هندوستان کی صنعت و حرفت کی ترقی هو اور وہ اس باب میں یورپ کے دوش بدوش کھڑا هو سکے - سرکاری اخبار کے مدیر نے لکھا هے که راجاؤں مہاراجاؤں اور امرا اور اعلی عہدہ داروں کا یہ فرض هے که وہ اس انجمن کے مقاصد کی تکمیل میں حتی الوسع کوشاں هوں تا که اس کے ذریعے سے هندوستان کے چهرے پر کی نقابِ جهل هٹائی جا سکے اور هندوستانیوں کے دل و دماغ علم کی روشنی سے منور هو سکیں- اگر وہ خواب غفلت سے چونک اٹھے تو وہ فلاح دنیوی سے بهرہ مند هو سکتے هیں جس سے اب تک وہ محروم هیں —

۲۸ نومبر سنه ۶۵ ع کے اودھ اخبار میں لکھنؤ کے ایک مشاعرے کا ذکر هے- نادر کی دو غزلیں بھی دی هیں جو مدیر کے خیال میں مشاعرے کی ساری غزلوں میں بہترین هیں- نادر مشہور شاعر هیں- نظم و نثر کی متعدد کتابیں انهوں نے تصنیف کی هیں - ان میں اردو کے شاعروں کا ایک تذکرہ بھی هے —

آپ صاحبوں کو معلوم هے که بنگال میں مسلمانوں نے اپنی ایک علحدہ "سائنٹفک سوسائٹی" قایم کی هے جس کے ماهانه جلسے کبھی کلکته میں اور کبھی علی گڑہ * میں منعقد هوا کرتے هیں چنانچه اس انجمن کو کلکته اور علی گڑہ دونوں مقامات

* ۱۲ اپریل کے "اخبار عالم" میں اس انجمن کی مطبوعات کا ذکر هے جن میں ایک "تاریخ مصر" هے -

سے منسوب کیا جاتا ھے * انجمن کے صدر سید احمد خاں ھیں جو علی گڑہ میں رھتے ھیں- یہ سمجھنا بڑی غلطی ھے کہ مسلمان سائنس کے دشمن ھیں - محمد (صلعم) کی طرف یہ حدیث منسوب کی جاتی ھےکہ ' عالموں کے لکھنے کی روشنائی شہیدوں کے خون سے بھی زیادہ قدر و قیمت رکھتی ھے ''- میں نے ابھی جس انجمن کا ذکر کیا وہ خوب ترقی کررھی ھے '' - اس نے لندن کے ایسٹ انڈیا ایسوسیشن (East India Association) سے خط و کتابت کا سلسلہ قایم کرلیا ھے - ایسٹ انڈیا ایسوسیشن ھندوستانیوں کے فلاح و بہبود کے لیے قایم کی گئی ھے اور پارلیمنٹ کے بعض سر برآوردہ رکن اس میں شریک ھیں - بنگال اور صوبۂ شمال مغربی کے مسلمان اس اسلامی انجمن میں شرکت کرتے ھیں اگرچہ وہ براہ راست اس کے جلسوں میں حصہ نہیں لے سکتے - پچھلے سال ستمبر میں اس انجمن کے ارکان کی تعداد ۳۸۷ تھی * - اب امید ھے کہ تعداد میں اور اضافہ ھوگیا ھوگا - میرٹھ کے " اخبار عالم" نے اس انجمن

---

* مصنف نے دو جدا جدا انجمنوں کو ایک کر دیا ھے - سائنٹفک سوسائٹی علی گڑہ میں تھی جس کے سکریٹری سید احمد خاں تھے - کلکتہ کی انجمن کا نام غالباً "مذاکرۂ علمیہ " تھا (عبدالحق) —

* امسال اس انجمن کے سر برآوردہ رکن مرزا عبدالرحمن سے پیرس میں ملاقات ھوئی - میرے دوست مسٹر پامر نے ان سے میرا تعارف کرایا - مجھے ان سے اردو میں گفتگو کرنے کا موقع ملا —

کے معتمد عبداللطیف خاں کے مساعی کی بہت تعریف کی ھے۔ (۲۹ مارچ سنہ ۱۸۹۹ ع) —

کلکتہ کے فارسی اخبار "دوربین" کے حوالے سے میرٹھ کے 'اخبار عالم' نے لکھا ھے کہ "سائنٹفک سوسائٹی" کا سالانہ اجلاس ۱۸ شوال مطابق ۷ مئی کو منعقد ہوا تھا۔ اس میں وائسرائے، لفٹننٹ گورنر بنگال، وائسرائے کی مجلس عاملہ اور صوبۂ بنگال کی مجلس عاملہ کے ارکان، حکومت ھند اور حکومت بنگال کے معتمدین، ولیعہد اودہ*، شہزادۂ میسور اور کلکتہ میں جو دوسرے ھندو اور مسلمان امیر کبیر موجود تھے انہوں نے شرکت کی۔ انگریز بھی مدعو تھے حاضرین کی کل تعداد تقریباً دو ھزار تھی —

سائنٹفک سوسائٹی نے اپنے قواعد اور دستور کو شائع کر دیا ھے لیکن مجھے اب تک اس کی نقل نہیں پہنچی۔ دستور بناتے وقت ایک جلسے میں انگلستان کے دستور اساسی پر ایک رکن نے تبصرہ کیا۔ اس سے معلوم ھوتا ھے کہ انجمن کے ارکان انگریزی زبان سے استفادہ کرنے کی

---

* ولیعہد سے نواب واجد علی شاہ کے فرزند مراد ھیں۔ اس لیے کہ نواب اقبال الدولہ اس وقت جب یہ جلسہ منعقد ھوا پیرس میں تشریف رکھتے تھے۔ موصوف نے لندن سے مجھے دو خطوط اردو میں لکھے۔ پہلے خط میں اس امر پر خوشی کا اظہار کیا کہ پیرس میں مشرقی السنہ کے سیکھنے کا شوق ھے اور اس کا اظہار وھاں کے اورینٹل اسکول سے ھوتا ھے جس میں قابل ترین علما درس دیتے ھیں۔

صلاحیت رکھتے ہیں —

آپ صاحبوں کو یاد ہوگا کہ سر چارلس تریولین (Charles Trevelyan) نے پانچ سو روپے کے انعام کا اعلان کیا تھا جو اس مضمون نگار کو دیا جائے گا جو اُردو زبان میں اس موضوع پر بہترین مضمون لکھے : "عربوں کی سائنس اور موجودہ یورپین سائنس کا باہمی تعلق" - میعاد مقررہ کے اندر صرف دو مضمون وصول ہوے - ایک بمبئی سے آیا اور دوسرا کلکتہ کے مولوی عبیداللہ نے لکھا تھا - مولوی عبیداللہ وہی ہیں جن کی "عربی صرف و نحو" کا میں پہلے کہیں ذکر کر چکا ہوں - مسٹر (Cowel) کی غیرموجودگی کے باعث ولیم میور (W. Muir) مولوی محمد وجیہ اور عبداللطیف خاں سکریٹری سائنٹفک سوسائٹی کو مضمونوں کی جانچ کے لیے مقرر کیا گیا - انعام دونوں مضمون نگاروں میں نصف نصف تقسیم کر دیا گیا - در اصل بمبئی کے مضمون نگار کا مضمون مقابلتاً بہتر تھا لیکن مضمون نگار نے مقابلے کی سب شرائط کما حقہ پوری نہیں کی تھیں - ثالثوں کی رپورٹ سرچارلس تریولین کے پاس بھیجی گئی - موصوف نے پوری رپورٹ سائنٹفک سوسائٹی کو بھیج دی ہے جو عنقریب شایع ہو جائے گی —

ہندوستان میں اس وقت مذہبی آزادی بدرجہ آتم موجود ہے - ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو مذہب چاہے قبول

کرے - باهمی نفرت و تعصب کو دور کرنے کا یہی ایک ذریعہ هے - یہ تو نا ممکن هے کہ مختلف عقاید میں کوئی مفاهمت کی صورت پیدا کی جاے - هاں یہ هو سکتا هے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رواداری برتی جاے - تعصب کو کم کرنے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نظر نہیں آتی - مختلف مذاهب کے ماننے والے جہالت کے باعث ایک دوسرے کے دشمن هو جاتے هیں - هندوؤں کا نہایت شد و مد کے ساتھ یہ دعوی هے کہ دوسرے مذاهب والے ان کے مذهب کو جس طرح پیش کرتے هیں وہ صحیح نہیں هے- هندوؤں میں ایک طبقہ ایسا موجود هے جو اپنے هم مذهبوں کے بعض غیر اخلاقی اعمال کو بری نظر سے دیکھتا هے - چنانچہ بعض سر بر آوردہ هندوؤں نے حکومت سے درخواست کی هے کہ ستی ، چرخ پوجا (Charakh Puja) اور جگن ناتھ کے ان جلوسوں کو جن میں انسانوں کی قربانی کی جاتی هے غیر قانونی قرار دیا جاے * ایک طرف هندو حکومت سے درخواست کر رهے هیں کہ تعدد ازدواج خلاف قانون قرار دیا جاے اور دوسری جانب مسلمان حکومت سے اس امر کی درخواست کر رهے هیں کہ مخلوط بنانے کے

---

* راجہ کرشنا نے ابھی حال میں ایک مهاجن کی بیوہ کو جو ستی هونا چاهتی تھی فرمان کے ذریعے ستی هونے سے روک دیا - وائسراے بهادر نے راجہ صاحب کے اس فرمان کی تائید کی اور یہ توقع ظاهر کی کہ آئندہ اس واقعے کو بطور مثال پیش نظر رکھا جاے گا اور لوگ ستی جیسی بے رحمانہ رسم کو قطعاً ترک کر دیں گے —

رواج کو خلاف قانون قرار دیا جاے —

میں اس سے قبل بھی آپ صاحبوں کو بتا چکا ہوں کہ راجہ رام موھن راے کے انتقال کے بعد برھمو سماج کی ترقی میں کمی نہیں ہوئی - کلکتہ میں بابو کیشب چندر سین برھمو سماج کے پر جوش رکن ہیں- اس سماج اصول مسیحیت سے بہت کچھہ ملتے جلتے ہیں - بابو کیشب چندر سین نے ابھی حال میں ایک بہت بڑے جلسے میں تقریر کی- مقامی اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تقریر میں خطابت کی شان تھی اور لوگوں نے اسے بہت پسند کیا * —

انگریزی حکومت نے لاہور کی جامع مسجد ، جو عالم گیر کے عہد میں بنائی گئی تھی، مسلمانوں کو دیدی ہے - چنانچہ پچھلی عید کے موقع پر امام نے اپنے خطبے میں ملکۂ وکٹوریہ کے لیے جو اگرچہ مسلمانوں کے نزدیک کافر ہیں ، ان الفاظ میں دعا کی :—

"اے خدا ! تو اس پر اپنی حفاظت کا سایہ رکھیو جس نے ہمیں یہ خوبصورت اور عالیشان مسجد واپس دیدی - ملکۂ وکٹوریہ ہمیشہ سلامت رہیں جن کی حکومت مشرق سے لے کر

* The Indian Mirror بحوالہ Colonial Church Chronicle September, 1866 —

مغرب تک قایم ہے اور عرب و بربر نے جن کی
فرمانروائی کے آگے سر تسلیم خم کیا ہے- اے خدا!
تو ملکۂ وکٹوریہ کے سایے میں ان کی رعایا کو
مستفید ہونے کا موقع عطا کر - آمین - تو ہی بنی
نوع انسان کا محفوظ رکھنے والا ہے " —

اگرچہ اس وقت مذہب اسلام کی پشت پناہی پر قائم قوم کا تعصب کام نہیں کر رہا ہے لیکن بایں ہمہ اسلام بمقابلہ ہندو دھرم کے زیادہ اشاعت حاصل کر رہا ہے - ۱۱ اکتوبر کے "اخبار عالم" میں میری نظر سے یہ خبر گزری کہ ایک شخص نے جس کا نام حاجی محمد ہے پنجاب میں دو لاکھ ہندوؤں کو زمرۂ اسلام میں شامل کر لیا ہے * —

ایک وہابی تاجر اور ان کے چند شاگرد کوکن میں اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں - وہابیوں کو مسلمانوں کا پروتسٹانٹ سمجھنا چاہیے - مسیحی پروتسٹنٹوں کی طرح وہابی لوگ بھی روز مرہ کی اُردو میں اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کا کام کرتے ہیں - وہابیوں کی ایک بڑی جماعت پونا اور احمد نگر میں بھی ہے اور حیدرآباد (دکن) میں ان کا ایک بڑا گروہ موجود ہے - نظام حیدرآباد کی خدمت میں جو عرب ہیں وہ بھی وہابی اصول کی اشاعت میں کوشاں ہیں۔

* اس تعداد میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے - مترجم -

ہندوستانی لوگوں کی ایک بڑی تعداد مسیحی مذہب قبول کر سکتی ہے اگر انگلی کن (Anglican) اور رومن (Roman) کلیسا ایک دوسرے کے اندر ضم ہو جائیں اور متحد ہو کر کام کریں - بد قسمتی سے یہ اتحاد بہت دشوار معلوم ہوتا ہے - اس لیے کہ انگریزی اور یونانی کلیسا اور ہالینڈ کے جان سینسٹ (Jansenıste) باہم مطلق روا داری برتنے کو تیار نہیں ہیں - باوجود مسیحی کلیساؤں کے اختلاف کے کوئی نہ کوئی مشہور ہندوستانی مسیحی مذہب قبول کرتا رہتا ہے - بعض ایسے مسلمانوں نے بھی مسیحی مذہب قبول کیا ہے جو اپنی تعلیمی یا معاشری حیثیت سے ملک میں ممتاز سمجھے جاتے ہیں - چنانچہ مولوی کریم الدین جو ہندوستانی زبان کے مشہور انشا پردازوں میں ہیں اور ان کے بھائی مولوی عماد الدین جو خود فاضل آدمی ہیں لیکن جن کو شہرت حاصل نہیں، یورپین لوگوں کے میل جول سے مسیحی مذہب کی طرف رجحان رکھتے ہیں - ان دونوں بھائیوں نے عیسائی مذہب کی خوبیاں اور اسلام کی کوتاہیاں چن چن کر لوگوں میں بیان کرنا شروع کی ہیں - ان میں عماد الدین کا باقاعدہ بپتسما ہوچکا ہے اور کریم الدین بھی عنقریب باقاعدہ مسیحی زمرے میں شامل ہو جائیں گے - اب دونوں مل کر ایک کتاب لکھ رہے ہیں جس میں اسلامی اصول پر اعتراضات ہوں گے۔

" حضرت مسیح بنی نوع انسان کے نجات دھندہ ھیں
اور ان کا پیغام دنیا کی ساری اقوام کو ایک خاندان
بناتا ھے - ان کی حکومت دلوں پر ھے - جو ان کی
تعلیم کے خلاف ھوتے ھیں وہ بھی بالآخر رام ھو جاتے
ھیں اور ان کی شہنشاھی کو تسلیم کر لیتے ھیں " * -

اس سال ھندوستان سے دلچسپی رکھنے والے جن احباب نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا ان کا ذکر سخت باعث ملال ھے - ان میں سب سے پہلے میں اپنے دو شاگردوں کا ذکر کرتا ھوں - این بلانڈ (N. Bland) کا انتقال امبورلے بین (Hambourg les-Bains) میں ھوا جہاں وہ عزلت گزینی کی زندگی گزار رھے تھے - ابتدا میں انھوں نے ڈنکن فوربز (Duncan Forbes) کی شاگردی کی اور فارسی اور اردو کی تحصیل کی - اس کے بعد وہ میرے درسوں میں شریک رھے اور پھر کچھ دنوں کے لیے لندن چلے گئے تھے - ان کا بہت دنوں سے یہ ارادہ تھا کہ ادب فارسی کی ایک تاریخ لکھیں لیکن موت نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اس خیال کو عمل میں لا سکتے - انھوں نے فارسی شعرا کے تذکرے "آتش کدہ" پر مفصل تبصرہ لکھا ھے - اس کا قلمی نسخہ میں نے انھیں سودا کے قلمی نسخے کے بدلے میں دیا تھا - اس کے علاوہ نظامی[1] کے " مخزن الاسرار " کا ایڈیشن انھیں کی مساعی کا رھین منت ھے - آپ نے

---

* یہ ایک لاطینی دعا کا ترجمہ ھے —

ہندوستانی کے سب سے قدیم شاعر مسعود بن سعد کے کلام پر بھی تبصرہ لکھا ہے - میرے دوسرے شاگرد پیزا (Pise) کے ابے بار دلی (Abbe Bardeli) ہیں جنھوں نے اس سال داغ مفارقت دیا - موسیو مول (M. Mohl) نے پیرس کی ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک جلسے میں ان علمی کارناموں کا مفصل ذکر کیا ہے جو میرے اس شاگرد کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں - موصوف مسیحی علم دین کے جید فاضل تھے اور نہایت وسیع ہمدردی کے شخص تھے - آپ سنہ ۱۸۴۳ ع اور سنہ ۱۸۴۴ ع میں میرے درسوں میں برابر شریک رہے اور گرم جوشی سے انہماک ظاہر کرتے رہے - آپ کو ایشیائی علوم و ادب سے خاص شغف تھا اور آپ کی تحقیق فلسفیانہ اور لسانیاتی مباحث پر بھی حاوی تھی —

گزشتہ اپریل کی ۲۴ تاریخ کو ڈاکٹر انستاز ہرتمان (Anastase Hartman) کا بعارضۂ ہیضہ انتقال ہوا - موصوف سوئٹزرلینڈ کے باشندے تھے - ابتدائی عمر میں دینیات کے پروفیسر رہے پھر سنہ ۱۲۴۳ ع میں مسیحی مذہب کے مبلغ کی حیثیت سے ہندوستان چلے آئے - سنہ ۱۸۴۵ ع میں پٹنے کے پادری مقرر ہوے اور سنہ ۱۸۵۸ ع میں بمبئی آئے اور سنہ ۱۸۶۱ ع میں پھر پٹنے میں مقرر ہوے - ہندوستانی زبان پر موصوف کو پوری دسترس حاصل تھی اور آپ نے اس زبان

میں متعدد سوال جواب نامے (Catechism) بھی لکھے جن کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں * - آپ کی مشہور کتاب انجیل مقدس کا ترجمہ ہے جو میں نے اب تک نہیں دیکھا - یہ پہلا ترجمہ ہے جس میں انجیل کے قدیم لاطینی نسخے (Vulgate) کو پیش نظر رکھا گیا ہے † - ویسے اردو اور ہندی میں متعدد ترجمے ہیں جو یونانی زبان سے کیے گئے ہیں - موصوف کا ترجمہ رومن کیتھولک عیسائیوں کے لیے خاص کر کارآمد ہے - ہم اس نیک شخص کی جاں فشانی کا جس قدر بھی شکریہ ادا کریں کم ہے —

---

* میں نے ۵ مئی سنہ ۱۸۵۶ ع کے خطبے میں سوال جواب نامے کے پہلے ایڈیشن کا ذکر کیا تھا - یہ کتابی شکل میں بمبئی میں سنہ ۱۸۵۱ ع اور پھر سنہ ۱۸۵۲ ع میں شائع ہو چکے ہیں - یہ تین رسوم خط میں شائع کیے گئے ہیں (۱) دیوناگری رسم خط میں (۲) فارسی رسم خط میں (۳) رومن رسم خط میں - رومن خط والے ایڈیشن میں ہندوستانی صرف و نحو اور ایک چھوٹی سی ہندوستانی الفاظ کی لغت بھی ہے - دوسرا ایڈیشن پٹنہ میں چھپا ہے - میرے قدیم شاگرد موسیو آ ی سیسے (M. E. Sice) جو پانڈی چری کے رہنے والے ہیں ان کی بدولت مجھے یہ ایڈیشن حاصل ہوا --

† پاپائے روم صرف انھیں تراجم انجیل کو درست قرار دیتا ہے جو قدیم لاطینی نسخے کے مطابق ہوں- چنانچہ یونانی کلیسا کے لوگوں کے لیے بھی انجیل کی یونانی اصل کے علاوہ لاطینی سے علحدہ ترجمہ کیا گیا ہے - یہ دعوی کہ انجیل مقدس کے ترجمے کو رومن کیتھولک لوگ نہیں پڑھ سکتے بے بنیاد ہے اس واسطے کہ پاپا بنیو اچہار دہم (Benoit xiv) کے زمانہ میں لاطینی کے ماسوا دوسری مقامی زبانوں میں ترجموں کی اجازت مل چکی ہے- لیکن یہ شرط رکھی گئی ہے کہ ترجمے کو پاپا پسند کرلے- چنانچہ مشرقی زبانوں میں بھی انجیل مقدس کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں - برطانیہ کی انجمن انجیل نے عربی کا ترجمہ شائع کیا اور انجمن اشاعت و تبلیغ نے بھی ترجمے شائع کیے ہیں —

آخر میں ڈاکٹر جارج ایڈورڈ لینچ کاٹن (Dr. George Edward Lynch Cotton) کی دردناک موت کا حال بیان کرتا ہوں۔ آپ ۲ اکتوبر کو دریائے گنگا میں ڈوب کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ آسام کی طرف سے اپنے فرائض منصبی کے سلسلے میں واپس آرہے تھے اور کشتیا (Kushtia) دریا کے راستے سے دخانی کشتی میں بیٹھ کر جا رہے تھے کہ وہاں مسیحی قبرستان کے متعلق بعض امور کی تحقیق کریں۔ آپ ایک نہایت فاضل شخص تھے اور حاجت مندوں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آتے تھے۔ آپ صرف یہی نہیں چاہتے تھے کہ دیسی لوگوں کو مسیحی زمرے میں شامل کریں بلکہ اس کے ساتھ آپ کی دلی تمنا تھی کہ دیسی لوگوں میں علم و ادب کا شوق پیدا ہو۔ آپ اپنے ایک پیشرو ریجنلڈ ہیبر (Reginald Heber) کی طرح دیسی لوگوں کے دل و دماغ کے تعصب اور جہالت کی تاریکی کو دور کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ بآسانی مسیحی مذہب کی خوبیوں کو سمجھ سکیں۔ موصوف بھی ڈاکٹر ہرتمان (Dr. Hartman) کی طرح ہندوستانی زبان میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ گزشتہ سال میں آپ کی ان تقاریر کا ذکر کر چکا ہوں جو آپ نے ہندوستانی زبان میں کیں۔ آپ کلکتے کے چھٹے اسقف تھے۔ کلکتہ کا مذہبی نظم و نسق کا علاقہ (Diocese) بہت وسیع ہے۔ بنگال کے صوبے کے علاوہ صوبۂ شمال مغربی، اودھ، پنجاب، آسام، اراکان، تناسرم اور

Strait Settlement بھی اس میں شامل ھیں * —

ھماری دلی دعا ھے کہ یہ دونوں بزرگ ھستیاں جن کے دل میں ایک دوسرے کی عزت جاگزین تھی جلت میں ایک دوسرے سے ملیں جہاں انصاف کے آفتاب کی روشنی ھے - اس روشنی میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں رھتی - جو وھاں داخل ھوتے ھیں پھر کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ھوتے اور جو مدتوں ایک دوسرے سے جدا رھے ھیں وہ ایسے ملتے ھیں کہ پھر کبھی نہیں بچھڑتے † —

* ملاحظہ ھو انڈین میل مورخہ ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع اور انڈین میل مورخہ ۱۲ نومبر سنہ ۱۸۶۶ ع - Strait settlement میں پنانگ ' ملا کا اور سنگا پور شامل ھیں —

† The Psalmist, New Collection of Hymns, Boston, 1854, P. 687.

سترھواں خطبہ

۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ ع

حضرات! میرے ہر سال کے خطبےمیں بعض باتوں کا اعادہ بار بار کیا گیا ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا موضوع بڑی حد تک محدود ہے یعنی ہندوستانی زبان کی دونوں شاخوں (اردو اور ہندی) کی جو ترقی ہورہی ہے اس کا ذکر - سب سے پہلےمیں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس نا قابل تلافی نقصان کے بارے میں کچھہ کہوں جو ہندوستانی ادبیات کو مسٹر اے- آر- فلر (A. R. Fuller) کی بے وقت موت کی وجہ سے برداشت کرنا پڑا - مرحوم چھٹی پر انگلستان آے ہوے تھے تاکہ اپنے بچوں کو دیکھہ لیں اور واپسی پر اپنی بیوی کو بھی اپنے ساتھہ لیتے جائیں - ان کا پیرس آنے کا بھی مصمم ارادہ تھا - اس شہر سے انھیں دلی اُنس تھا - آپ ابھی ہندوستان واپس ہی پہنچے تھے کہ اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری کے سلسلے میں ۲۰ اگست کو دیہات میں جانا پڑا - آپ ایک نوجوان افسر کے ساتھہ گھوڑا گاڑی میں جارہے تھے - راستے میں شہر

راولپنڈی کے نزدیک ایک نالہ پڑا جو برسات کے موسم میں خوب بھر جاتا ہے اور اس میں پانی نہایت تیزی کے ساتھ بہتا ہے - جب گاڑی بیچ نالے میں پہنچی تو اس کے پہیے چٹانوں میں اڑ گئے- میجر فلر اور ان کے ساتھی دونوں گاڑی پر سے اتر پڑے تاکہ پہیوں کو ہٹانے میں مدد دیں - پانی اس زور کا تھا کہ وہ دونوں زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے- پانی دونوں کو دور بہا لے گیا - چند گھنٹوں کے بعد ان دونوں کی نعشیں دور کسی مقام پر ملیں —

اس حادثے کے وقت میجر فلر کی عمر اڑتیس سال کی تھی- پچھلے سال اسی قسم کا ایک حادثہ کلکتے کے ایک پادری کو پیش آیا جس کا انجام وہی ہوا جو میجر فلر کا ہوا- ان پادری صاحب کی تبدیلی کلکتے کے متوفی پادری کی خدمت پر ہوئی تھی - کلکتہ پہنچ کر وہ ایک کشتی پر سوار ہو رہے تھے کہ پاؤں پھسلا اور وہ دریا میں گر کر ڈوب گئے —

اسی زمانے میں جب کہ میجر فلر کا انتقال ہوا مسٹر ای آئی ہاورڈ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا - آپ صوبۂ بمبئی کے ناظم تعلیمات تھے- انتقال کے وقت آپ کی عمر تقریباً چالیس سال کی تھی - آپ ریل پر چڑھتے وقت گرے اور گرنے سے جو صدمہ پہنچا اس سے جانبر نہ ہوسکے —

میجر فلر نے پنجاب میں صیغۂ تعلیم کی تنظیم کی - آپ

نے جو سالانہ رپورتیں لکھی ھیں اور ان کے علاوہ جو جو رسائل انگریزی اور اردو میں خود شائع کیے یا دوسروں سے لکھوائے، ان سے میں نے اپنے پچھلے خطبوں میں بہت کچھہ استفادہ کیا ھے اور تعلیمی مسائل پر معلومات حاصل کی ھیں —

اس سال میرے مستشرق دوستوں میں جارج سیسل رینوارڈ (George Cecil Renouard) کا بھی انتقال ھوگیا - آپ کی عمر چھیانوے سال کی تھی - آپ کا تعلق بہت عرصے تک قسطنطنیہ کے انگریزی سفارت خانے سے رھا ' پھر پینتالیس سال تک کینٹ میں Swascombe کے مہتمم رھے - آپ کو مشرقی السنہ میں ترکی سے خاص مناسبت تھی - آپ بہت بڑے ھمدرد انسان تھے - جو لوگ آپ سے ملتے انھیں آپ سے اُنس پیدا ھو جاتا تھا —

"پیرس والی مناجات" کے یہ الفاظ سچ ھیں کہ "موت بر حق ھے - ھر چند کہ اس سے انسان کے دل کو ملال ھوتا ھے لیکن مستقبل کی ابدی زندگی کا خیال ' جس کا وعدہ کیا گیا ھے ھمارے لیے باعث تسکین ھوتا ھے - ... جب ھم مرتے ھیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ زندگی ختم ھوگئی بلکہ وہ اپنا روپ بدل کر پھر ظہور پذیر ھوتی ھے - جب اس خاکدان تیرہ کی عمارت گر پڑتی ھے تو اس کے ساتھہ آسمانوں پر ھم اپنے لیے ابدی مکان

تعمیر کر لیتے ہیں " —

میجر فلر اور دوسرے احباب نے مجھے جو معلومات بہم پہنچائی ہیں اور انگریزی اور ہندوستانی اخبارات سے میں نے جو مسالا جمع کیا ہے اسے میں اپنے اس خطبے میں آپ صاحبوں کے روبرو پیش کروں گا - اس سے آپ کو اُس ادبی اور معاشری تحریک کے متعلق معلومات حاصل ہوں گی جو آج کل ہندوستان میں جاری ہے —

مسٹر ایف - ایچ- جیون (F . H. Jeune) نے اپنی کتاب میں جس کا نام " ہندوستان میں اسلامی اقتدار " ہے سچ کہا ہے کہ " ہندوؤں کی معاشری ساخت ایسی ہے کہ بیرونی حملہ آوروں کو ہندوستان میں جلد کامیابی حاصل ہو جاتی ہے - لیکن باوجود اپنی شکست کے وہ اپنے اداروں کو قایم رکھنے کی سعی کرتے ہیں - ان کے یہ ادارے حضرت مسیح کی بعثت کے پہلے سے قایم ہیں اور انہیں دوسری اقوام عالم سے ممتاز کرتے ہیں - ان اداروں کی بدولت وہ دوسروں میں ضم ہونے سے بچ گئے " - ہمیں پوری امید ہے کہ ہندوؤں کو اہل یورپ سے جو ملنے کا موقع ملا ہے اس کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ وہ توہمات جو اب تک ان میں چلے آرہے ہیں مٹ جائیں گے - اہل یورپ کے ساتھ میل جول بڑھنے سے بظاہر اچھے نتائج پیدا ہورہے ہیں۔

میں پچھلی کسی صحبت میں ہندوؤں کی اصلاحی

تحریکوں کی نسبت ذکر کر چکا ہوں - ایک اصلاحی انجمن "وید سماج" ہے اس کے دو خاص اصول ہیں -

(۱) میں ہمیشہ ایسے پرماتما کو پوجوں گا جو اعلیٰ اور برتر ہے، خالق ہے، زندگی کو قایم رکھنے والا ہے اور اس کو برباد کرنے والا بھی ہے - بغیر اس کی مہربانی کے انسان نجات نہیں حاصل کر سکتا - وہ قادر مطلق ہے اور علیم و بصیر ہے - اس کی کوئی صورت نہیں نہ اس کا کوئی مثل ہے - میں اُس کے علاوہ اپنا سر نیاز کسی اور کے آگے نہیں جھکاؤں گا —

(۲) میں اس امر کی پوری کوشش کروں گا کہ اپنی عبادت میں بھی وحدانیت کے اصول پر حتی الوسع عمل پیرا رہوں - میں اپنی عبادت سے ان توہمات کو خارج کروں گا جو فی الوقت ہندو دھرم کا جزو بن گئے ہیں * —

یہ انجمن اسی طرز کی ہے جیسے "برہمو سماج" کی انجمن - اس کے اصول کی تدوین کیشب چندر سین نے لاہور میں کی ہے - تیئیس فروری کو لاہور میں اس انجمن کا جلسہ ہوا جس میں چار سو آدمیوں نے شرکت کی جن میں انگریز اور ہندوستانی دونوں شامل تھے - پنجاب کے لفٹننٹ گورنر بہادر نے بھی شرکت کی - اس جلسے میں بابو کیشب چندرسین نے ہندوؤں کے مذہبی نشاۃ ثانیہ پر نہایت دلاویز پیرایہ

* اس کے متعلق تفصیل " Colonial Church Chronicle " میں ملےگی -

میں تقریر کی - چنانچہ بابو صاحب نے بتایا کہ اس تحریک کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ بت پرستی ترک کی جا رہی ہے اور ایک خدا کی پوجا لوگوں میں رواج پکڑ رہی ہے - ایسا خدا جس کے علاوہ کسی اور کی پوجا جائز نہیں —

اس ہندو فلسفی کی تقریر کو لوگوں نے کان دھر کے سنا اور دلچسپی کا اظہار کیا - پنجاب کے لفٹننٹ گورنر نے مقرر کی تعریف و توصیف کی اور یہ توقع ظاہر کی کہ جن اصول کو اس نے پیش کیا ہے وہ مقبول ہوں گے - ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ چونکہ مقرر نے اپنی تقریر انگریزی زبان میں کی ہے اس لیے عوام کے لیے بہتر ہوگا اگر اس کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ کرا کے تقسیم کیا جائے تاکہ ہر کس و ناکس ان زرین خیالات سے مستفید ہوسکے ۔ (اخبار عالم ' میرٹھ ' سات مارچ سنہ ۱۸۶۷ ع) —

پنجاب میں ابھی حال میں ایک مذہبی انجمن قایم ہوئی ہے - اس کی کارروائیاں خفیہ ہوا کرتی ہیں - اس میں صرف ہندو اور سکھ موحدین شرکت کرتے ہیں - اس انجمن کے ارکان ان تمام رسوم سے احتراز کرتے ہیں جن میں بت پرستی کا شائبہ پایا جاتا ہے - (انڈین میل ' فروری سنہ ۱۸۶۷ ع) —

عیسائی مشنری ان انجمنوں کے مقاصد سے پوری ہمدردی

رکھتے ہیں اس لیے کہ ان کے اصول میں مختلف مذاہب کی تعلیمات کا امتزاج ہوتا ہے۔ ان انجمنوں کی کامیابی سے خود ان کے خیالات و عقائد کی نشر و اشاعت میں مدد ملے گی۔ ہم تہ دل سے Rev. M. Kirk کے اس خیال کی تائید کرتے ہیں، جس کا اظہار انھوں نے پچھلی جنوری کو بمبئی کے گرجا میں کیا تھا کہ تعلیم یافتہ ہندوؤں کو چاہیے کہ وہ اپنی مذہبی اصلاح کے لیے ایک ایسی انجمن قائم کریں جو موحدین پر مشتمل ہو اور اس میں مسلمان بھی شرکت کریں۔ برہمنوں کو اگر دوسروں پر کوئی فوقیت حاصل ہو تو اس لیے ہو کہ وہ بہ نسبت دوسروں کے نیکی میں بڑے ہوے ہیں اگر کوئی شودر ذات کا آدمی اچھے اخلاق رکھتا ہو تو اس کو بھی برہمنوں میں شمار کرنا چاہیے۔ پارسیوں کا یہ عقیدہ بالکل ٹھیک ہے کہ دنیا میں آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں، اچھے اور برے۔ اچھوں کو اپنی بھلائی کا اجر ملے گا اور بروں کو اپنی برائی کے نتائج بھگتنا پڑیں گے۔ موصوف نے اپنی تقریر کے دوران میں کہا: " قدیم زمانے میں ہندو لوگ زندگی کا کمال حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اب اس زمانے میں بھی آپ اپنے حسن عمل سے کمال حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ صرف اس وقت ممکن ہوگا جب کہ ہندو اور مسلمان، یورپی اور ہندی کے تمام تر امتیازات مٹ جائیں اور لوگ اپنے تئیں بھائی بھائی سمجھنے لگیں۔ صداقت کی

راہ میں اور اپنے عقائد کی خاطر وہ جو مشکلات اس دنیا میں برداشت کریں گے خدا انہیں ان کا اجر دے گا" (Colonial Church Chronicle, Ist., May, 1867) —

ہندوستان میں انگریزی حکومت اصلاحی تحریکوں کی حتی المقدور امداد کرتی ہے اور ان قدیم رسم و رواج کی مخالفت کرتی ہے جن سے لوگوں کو اذیت پہنچے۔ چنانچہ بڑودے میں بھی ہوا - بعض کٹر مذہبی لوگ چونکہ قانوناً بیوہ عورتوں کو جلا نہیں سکتے تھے اس لیے وہ ان کے سر منڈوانا چاہتے تھے۔ لیکن حکومت نے انہیں ایسا کرنے سے جبراً باز رکھا۔ مگر بعض اوقات حکومت کو ایسے توہمات سے چشم پوشی برتنی پڑتی ہے جو لوگوں کے لیے باعث زحمت ہوتے ہیں - بعض تعلیم یافتہ ہندوؤں نے جن پر یورپی اثر غالب معلوم ہوتا ہے حکومت سے درخواست کی ہے کہ دریائے گنگا میں نعشیں پھینکنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے - لیکن حکومت نے کٹر طبقے کی دل شکنی گوارا نہیں کی۔ لیکن بیوہ عورتوں کو جلانے کے متعلق حکومت ہر جگہ دخل اندازی کرتی ہے - اگر کہیں اس قسم کے واقعے کا اندیشہ ہو تو نزدیک کے تھانے میں رپورٹ کردینی چاہیے - پولیس اس کی روک تھام کے لیے موجود رہتی ہے - حکومت کی اس دخل اندازی کو قدیم طرز کے کٹر ہندو بری نظر سے دیکھتے ہیں لیکن روشن خیال ہندوستانی جن کے دل میں مخلوق

کا درد ہے وہ حکومت کے ساتھ ہیں - اس قبیح رسم کے متعلق افسوس نے اپنی کتاب " آرائش محفل" میں المناک تصویر کھینچی ہے - اس نے جو قصہ بیان کیا ہے وہ صوبۂ بنگال میں مقام چکدہ سے متعلق ہے —

یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہندوستان میں اب توہمات بہت کم ہو گئے ہیں - پچھلی مرتبہ ہردوار میں جو میلا منعقد ہوا اس میں ہندوستان کے طول و عرض سے دو لاکھ پچپن ہزار آٹھ سو لوگوں نے شرکت کی - یہ میلا بارہ اپریل کو منعقد ہوا تھا - اکتوبر کے مہینے میں درگا پوجا اور دسہرے کے تیوہار منائے گئے - ان میں بھی بڑی چہل پہل رہی —

ایک ہندوستانی اخبار میں ایک بوڑھے برھمن کا قصہ لکھا ہے جو دکن کی طرف سے جاترا کے لیے متھرا آیا تھا - اس شہر کو ہندو لوگ بہت عزیز رکھتے ہیں - اس لیے کہ وہ کرشن مہاراج کا جنم بھوم ہے جو وشنو کے اوتار تھے - اس برھمن کے ساتھ اس کی لڑکی بھی تھی جس کی عمر صرف نو سال کی تھی - اس لڑکی نے ایک رات خواب دیکھا کہ کرشن مہاراج اس کو اپنے عقد میں لانا چاہتے ہیں - بھلا اس خواب کی صداقت پر کسے شبہ ہو سکتا تھا ؟ چنانچہ دوسرے دن لڑکی کا عقد کرشن مہاراج کے بُت کے ساتھ کر دیا گیا - متھرا کے ہندوؤں میں اس موقع پر خوب خوشیاں منائی گئیں - لوگ اس لڑکی کو دیوی خیال

کرنے لگے - اب یہ لڑکی متھرا سے لکھنو چلی گئی ہے اور وہاں "گول دروازہ" میں مقیم ہے - ہر روز صبح کے وقت ہزارہا ہندو اس لڑکی کے ہاں جمع ہوتے ہیں اور اس کی زبان سے "بھگوت گیتا" سنتے ہیں - ہر روز مٹھائیاں اور چاندی کے زیور اور برتن بطور تحفہ پیش کیے جاتے ہیں —

ہندوستان کے اکثر راجا مہاراجا ترقی کی تحریک کا ساتھ دے رہے ہیں- ان میں مہاراجا جے پور خاص کر قابل ذکر ہیں- موصوف نے اپنے ہاں آٹھ ارکان کی ایک کونسل قائم کی ہے تاکہ اس کے مشورے سے حکومت کا نظم و نسق انجام دیا جائے - مہاراجا کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ رام چندر جی کی اولاد سے ہیں- چند پشت قبل سترھریں صدی کے اواخر میں اس خاندان میں راجا جے سنگھ گزرے ہیں جنھیں ریاضی اور فلکیات سے بہت دلچسپی تھی- اس وقت مہاراجا جے پور کو ہندوستانی تہذیب و تمدن کے علم برداروں میں شمار کرنا چاہیے - موصوف کی راجدھانی ہندوستان کے اول درجے کے شہروں میں شمار ہونے کی مستحق ہے —

وجاہت علی نے "اخبار عالم" (۸ اگست سنہ ۱۸۶۷ ع) میں نواب رام پور کی بھی بہت تعریف و توصیف لکھی ہے - موصوف کا نام کلب علی خاں ہے- آپ کو علوم و فنون سے خاص دلچسپی ہے - آپ نے متعدد مدارس قایم کرائے ہیں اور آپ

چاھتے ھیں کہ ھندوستان میں مشین کے رواج کو فروغ ھو۔ آپ اھل علم و فضل کو خطابوں سے نوازتے ھیں۔ مہاراجا میسور بھی ھندوستان کے ھوشمند والیان ملک میں سے ھیں۔ ابھی حال میں آپ نے اپنا ارادہ ظاھر کیا ھے کہ ھندوستانی اور فارسی عربی کتابوں کا ایک کتب خانہ قایم کریں۔ مہاراجا کے سکریٹری نے ھندوستان کے طول وعرض میں مختلف کتب فروشوں اور مطابع کو لکھہ دیا ھے کہ وہ اپنے ھاں کی مطبوعات بھیج دیا کریں۔ ریاست کی طرف سے ان کی کتابوں کی قیمت ادا کر دی جاے گی۔ (اخبار عالم۔ ۳ جنوری سنہ ۱۸۶۷ع)

ھندوستانی اخبارات میں کچھہ عرصے سے یہ خبر شایع ھو رھی ھے کہ حال میں مہاراجا بھرت پور انگلستان آنے والے ھیں۔ سنا ھے کہ آپ کے اعلیٰ عہدہ دار اور آپ کی رانی صاحبہ اس سفر کے خلاف ھیں اور اس کو محض بے کار تصور کرتے ھیں۔ انھیں دراصل یہ خدشہ ھے کہ کہیں مہاراجا مسیحی مذھب نہ قبول کر لیں۔ لیکن نوجوان مہاراجا کی تعلیم و تربیت مغربی فضا میں ھوئی ھے۔ انھیں ان تمام باتوں کی مطلق پروا نہیں ھوگی اور وہ اپنے منصوبے کی تکمیل کر کے چھوڑیں گے۔ ان کی غیر موجوگی کے زمانے میں ایک کونسل ریاست کے فرائض حکومت انجام دے گی۔ (اخبار عالم سات فروری سنہ ۱۸۶۷ ع)

مہاراجا اندور کا بھی قصد ہے کہ ولایت جائیں۔ چنانچہ انھوں نے برھمن علما کی ایک مجلس منعقد کی جس نے ان کے سفر کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ اگر مہاراجا کھانے پینے میں پورے طور پر مذھبی پابندی کریں تو ان کے یورپ جانے میں کچھہ مضائقہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے وہ ذات باھر نہیں ہوں گے۔ ذاتی طور پر سفر سے انھیں تجربہ اور واقفیت حاصل ہوگی —

انگلستان میں یہ خبر مشہور ہے کہ مرشد آباد کے نواب ناظم وھاں آنے والے ھیں۔ کلکتہ میں ایک نہایت تعلیم یافتہ یورپین رھتا ہے جس کا ارادہ ہے کہ اپنے ساتھہ بعض ان ھندوستانیوں کو یورپ کے سفر کے لیے لائے جو بہت دنوں سے آنا چاھتے ھیں لیکن ساتھی نہ ہونے کے باعث اپنا ارادہ پورا نہیں کر سکے۔ یہ یورپین ھندوستانی زبان اچھی طرح بول اور لکھہ سکتا ہے۔ اس کے ھمراھیوں میں ھندو اور مسلمان دونوں شامل ھیں۔ اودھ اخبار کے مدیر پنڈت نول کشور نے وعدہ کیا ہے کہ وہ یورپ کے سفر کے متعلق تمام معلومات بہم پہنچائیں گے —

ھندوؤں اور مسلمانوں کی ادبی انجمنیں اپنے بس بھر پوری کوشش کر رھی ھیں کہ اپنے علوم و ادب کی نشر و اشاعت کا انتظام کریں اور ساتھہ ھی مغربی علوم و فنون کو بھی اپنے

ہاں رواج دیں - ان میں لاہور اور علی گڑھ کی انجمنیں خاص کر مفید کام کر رہی ہیں —

لاہور کی انجمن ڈاکٹر لیٹنر (Dr. Leitner) کی سعی و جہد کی مرہون منت ہے پچھلے دنوں اس انجمن کے کام کی رفتار ذرا سست ہو گئی تھی لیکن اب اس کی حالت سدھر گئی ہے - اپریل کے مہینے میں اس انجمن کا ایک عام جلسہ منعقد ہوا جس میں مولوی محمد حسین نے جو اس کے معتمد ہیں یہ اعلان کیا کہ آئندہ سے انجمن اس امر کی کوشش کرے گی کہ غربا کی ضروریات پورا کرنے میں بھی تھوڑی بہت مدد کرے - چنانچہ اس کے لیے ایک پروگرام مرتب کیا گیا ہے جس میں سرکاری اسپتالوں میں مفلسوں کے ساتھ جو برا برتاؤ کیا جاتا ہے اس کا تدارک کرنا ، افلاس کے باعث جو عورتیں عصمت فروشی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتی ہیں انھیں اس بے حیائی سے بچانا اور غریب غربا کے لیے دوا تقسیم کرنے کا انتظام کرنا ، خاص کر قابل ذکر باتیں ہیں —

پچھلے ستمبر میں اس انجمن کا ایک اور جلسہ منعقد ہوا جس میں حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہندوستانیوں کو اعلیٰ سرکاری ملازمتوں میں بھی جگہ ملنی چاہیے - اس کے علاوہ ریلوے کے انتظام سے متعلق بعض شکایات حکومت کے گوش گزار کی گئیں - پانچ اکتوبر کے جلسے میں اردو زبان

کے صرف و نحو کا رسالہ پیش کیا گیا جس میں عربی، فارسی اور ترکی صرف و نحو سے اردو کے صرف و نحو کا مقابلہ کیا گیا تھا۔ اس رسالے کے مصنف کا نام محمد مرزا ہے۔ موصوف نے انجمن سے درخواست کی کہ اس رسالے کی طباعت کا وہی انتظام کرے۔

پنجاب یونیورسٹی کا جو کالج قایم کیا گیا ہے وہ ترقی پذیر ہے۔ اس کالج میں اردو، فارسی اور عربی کی ادبیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس صوبے میں ان زبانوں کی تعلیم کا انتظام کرنا بہت ضروری تھا۔ چنانچہ اب باقاعدہ ان زبانوں کے درس ہوتے ہیں۔ پنجاب کے ہر حصے سے نیز کابل تک کے طلبہ ان درسوں میں شرکت کرتے ہیں۔ (اخبار عالم۔ ۲۵ اپریل سنہ ۱۸۶۷ ع) —

پچھلے مارچ کے مہینے میں علیگڈہ والی "انجمن اسلامی" کا جلسہ کلکتہ میں ہوا۔ اس میں تقریباً دو ہزار لوگوں نے شرکت کی۔ حاضرین میں ہندوستان کے بعض مشہور مسلمان رئیس شامل تھے۔ ان کے علاوہ ہندو اور انگریز بھی تھے۔ وائسرائے گورنر جنرل اور بنگال کے لفٹننٹ گورنر نے بھی جلسے میں شرکت کی۔ انجمن کی جانب سے بعض سائنٹفک تجربات دکھانے کا انتظام کیا گیا تھا جو بہت پسند کیے گئے۔ علمی موضوع پر تقریریں بھی ہوئیں۔ وائسرائے بہادر نے انجمن کے معتمد مولوی عبداللطیف خاں کی سرگرمی اور ان کے جوش عمل

کی بہت تعریف کی ۔

اس موقع پر انجمن کی جانب سے وائسرائے کو ایک عرضداشت پیش کی گئی جس میں یہ درخواست کی گئی کہ کلکتہ یونیورسٹی کے امتحانات نیز تعلیم بجائے انگریزی کے ہندوستانی یا بنگالی میں کردی جائے - طلبہ کو اس بات کا حق دینا چاہیے کہ امتحان میں جواب چاہے انگریزی میں دیں یا اپنی ملکی زبان میں - سہولت اس میں ہوگی کہ ان طلبہ کے لیے جو ملکی زبان میں تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں علحدہ انتظام کیا جائے - یہ درخواست بھی کی گئی ہے کہ صوبۂ شمال مغربی کے لیے ایک علحدہ یونیورسٹی قایم کی جائے جس میں ذریعہ تعلیم ہندوستانی ہو - ڈاکٹر لیٹنر (Dr. Leitner) نے اس قسم کی تحریک پنجاب میں اٹھائی تھی لیکن حکومت نے اس کے ساتھ خاص ہمدردی نہیں ظاہر کی - (Homeward Mail '14 oct. 1867)

کشمیر کے مہاراجا نے حال میں اپنی ریاست کے اہل علم و فضل کو جمع کیا اور انہیں دعوت دی کہ ہر پندرھویں روز تبادلۂ خیالات کی غرض سے یکجا جمع ہوں اور بحث و مباحثہ میں مذہبی تعصب سے کام نہ لیں - یہ نہایت عمدہ خیال ہے اس لیے کہ اس علمی مجلس میں مختلف مذاہب کے لوگ شرکت کریں گے- ہندوستانی اخبارات میں خاص کر اس جلسے

کا ذکر کیا گیا ہے جس کی صدارت مہاراجا کے وزیرکرپا رام جی نے کی۔ موصوف ہندوستانی کے شاعر اور صاحب دیوان ہیں۔ جلسے میں فلکیات، اقلیدس، فلسفۂ ویدانت اور دھرم شاستر کے متعلق گفتگوئیں ہوئیں —

ہندوستانی اخبارات یک زبان ہو کر لکھتے ہیں کہ اگر صوبوں کے لفٹننٹ گورنر اور دوسرے والیان ریاست اسی طرح علمی شغف ظاہر کریں تو یقین ہے کہ جہالت کی تاریکی چند سال کے اندر دور ہوجائے گی۔ لیکن بدقسمتی سے دوسرے والیان ملک دوسرے انداز کے لوگ ہیں۔ ان میں بیشتر ایسے ہیں جنھیں بس اپنی خوش وقتی سے سروکار ہے۔ ان کا زیادہ وقت رقص و سرود کی محفلوں، چوسر، پچیسی اور گنجفے کی نذر ہوتا ہے۔ وہ سنجیدہ مشاغل سے دور بھاگتے ہیں —

میں نے والیان ملک کے جن مشاغل کا ابھی ذکر کیا ہے ان میں ہندوستانی زبان ہی کے ذریعے خیالات ادا کئے جاتے ہیں اورمعاشری اور ادبی خیالات بھی اسی کےذریعے سے ادا کئے جاتے ہیں۔ انگریز لوگ جب دیسیوں سے گفتگو کرتے ہیں تو انھیں اسی زبان میں خطاب کرتے ہیں۔ میں آپ کے سامنے اپنے پچھلے خطبوں میں انگریزوں کی تقریروں کا ذکر کرچکا ہوں۔ پانڈی چری میں اس کے بالکل برعکس ایک ہندوستانی نے جو مسیحی مدرسہ میں تعلیم پاتا تھا لارڈ نیپیر (Napier) کے

کے روبرو لاطینی زبان میں تقریر کی۔ نہ معلوم یہ عجیب و غریب خیال اس شخص کو کیوں کر پیدا ہوا اور اس نے ہندوستانی، انگریزی، اور فرانسیسی پر لاطینی کو ترجیح دی۔ غالباً وہ یہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ لاطینی زبان سے واقفیت رکھتا ہے - یہ زبان ہر اُس طالب علم کے لیے لازمی ہے جو رومی کلیسا میں پادری کے عہدہ پر ممتاز ہونا چاہتا ہے —

حکومت ہند یورپین لوگوں کو ہندوستانی زبان سکھانے کی اہمیت اور ضرورت کو روز بہ روز تسلیم کر رہی ہے - پچھلے جون میں حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ سول سروس کے اُن امیدواروں کو ایک ایک ہزار روپے بطور انعام دیے جائیں گے جو اردو یا ہندی میں امتیاز کے ساتھ امتحان میں کامیاب ہوں گے - جو امیدوار ان زبانوں میں اعزازی ڈگری حاصل کریں گے انہیں دو دو ہزار روپیہ دیا جائے گا - ان انعامات کا مقصد یہ ہے کہ ان زبانوں کی ہمت افزائی کی جائے - فوجی لوگوں کو دو سال کی رخصت کا حق دیا گیا ہے کہ وہ جس حصۂ ملک کی زبان سیکھنا چاہیں وہاں جا کر رہیں اور سیکھیں - خاص کر ہندوستانی کے لیے یہ قاعدہ بنایا گیا ہے، اس لیے کہ زیادہ تر اسی زبان کو سیکھنے کا شوق ظاہر کیا جاتا ہے - چنانچہ بائیس جولائی کو کوارٹر جنرل نے شملہ سے یک گشتی جاری کی ہے جس میں نوجوان افسروں کو

ہندوستانی زبان سیکھنے کی ترغیب دی گئی ہے اور بتا گیا ہے کہ اس زبان کو جاننے کی بدولت وہ مختلف خدمات کے لئے اپنی کارگزاری بڑھا سکتے ہیں - (انڈین میل بیس ستمبر سنہ ۱۸۶۷ ع) —

لندن کے اخبار اور یاٹنل سرکلر (Oriental Circular) نے ہندوستانی کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس زبان میں اپنے اشتہارات دینا شروع کیے ہیں - سید عبداللہ ہندوستانی میں اشتہارات لکھنے کا کام انجام دیتے ہیں - اس اخبار میں اور دوسری مشرقی زبانوں میں بھی اشتہار نکل رہے ہیں - اگر فرانسیسی اہل صنعت بھی اس طرف اپنی توجہ مبذول کریں تو نفع سے خالی نہ ہوگا —

میں نے اہل ہند کی جن ترقیوں کا ذکر کیا ہے اس کا یہ منشا نہیں کہ وہ مسیحی مذہب کی طرف بھی راغب ہو رہے ہیں - ہاں یہ ممکن ہے کہ جب وہ ترقی یافتہ ہو جائیں گے تو عیسائی مذہب کی طرف خود بخود مائل ہوں گے - ان میں جو ترقی رونما ہے اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان میں رواداری پیدا ہو جائے گی - چنانچہ ابھی حال میں شملہ کے راجہ کی جانب سے ایک اعلان شائع ہوا ہے جس میں انجیل کی نشر و اشاعت کی اجازت دی گئی ہے اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اگر رعایا میں سے کوئی عیسائی مذہب

قبول کر لے تو اس کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دی جائے گی۔

ریاست ٹراونکور میں اگرچہ ایک ہندو فرماں روا حکومت کرتا ہے لیکن وہاں مذہبی آزادی پورے طور پر موجود ہے۔ چنانچہ ابھی حال میں جب اس ریاست کے مہاراجا کو "ستارۂ ہند" کا خطاب دیا گیا تو وزیر اعظم نے اپنے اعلان میں اس امر پر خوشی کا اظہار کیا کہ مشنری جماعت ان کے ملک کو فائدہ پہنچا رہی ہے (انڈین میل - ۲۰ جون سنہ ۱۸۶۷ ع) —

برطانوی حکومت اس باب میں بہت احتیاط برت رہی ہے اور مذہبی معاملات میں مطلق دخل نہیں دیتی۔ حکومت نے دینی معاملات کو دنیاوی معاملات سے بالکل علاحدہ رکھنے کا تہیہ کر لیا ہے جیسا کہ انجیل مقدس میں مذکور ہے: "آسمانی امور کا تعلق خدا سے ہے۔ خدا نے دنیاوی معاملات انسانوں کے سپرد کر دیے ہیں" (Psalms C×III,25) —

کلکتہ کے نئے لاٹ پادری کا نام روبرٹ ملمین (Rev. Robert Milman) ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ آپ بھی اہل ہند کی ذہنی اور اخلاقی ترقی کا ویسا ہی خیال رکھیں گے جس طرح ان کے پیش رو کو تھا۔ موصوف کے متعلق ہمیں جو حالات معلوم ہوے ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نہایت ہمدرد شخص ہیں - آپ کی تعلیم آکسفورڈ میں ہوئی اس کے بعد آپ بکنگھم

کے ضلع میں مذھبی خدمت پر مامور کیے گئے - آپ بیرونٹ سر ڈبلو جی ملمین (Baronet Sir W. G. Milman) کے صاحب زادے ھیں اور ایک اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ ھیں - آپ کا تعلق ھائی چرچ (High Church) سے ھے جو اپنے عقاید میں کیتھولک مذھب سے قریب تر ھے - برخلاف اس کے لو چرچ (Low Church) کے رسوم و عقاید خالص پروتسٹنٹ مذھب سے تعلق رکھتے ھیں - روبرٹ ملمین صاحب ایک جادو بیان مقرر ھیں - آپ اپنی تقاریر بغیر کسی تیاری کے کرتے ھیں - آپ کی متعدد تصانیف بھی ھیں * —

۲ فروری کو کنٹربری کے آرچ بشپ نے آپ کے منصب نشینی کی رسم ادا کی - اس کے ساتھ دو اور لاٹ پادری بھی اس رسم میں شریک تھے - اپریل میں باقاعدہ کلکتہ کے کلیسا سینٹ پال میں آپ نے اپنے منصب کی ذمہ داریاں قبول کیں - مئی کے مہینے سے برابر پینتیس پادری موصوف کے ساتھ مختلف دینی مسائل پر غور کر رھے ھیں - ان میں بعض مسائل دلچسپی سے خالی نہیں - مثلاً ایک مسئلہ زیر غور یہ بھی ھے کہ سارے ھندوستان کے لیے دعاؤں کا انتخاب شائع کیا جاے - یہ دعائیں ایسی زبان میں لکھی گئی ھیں

* (1) The Love of Atonement
(2) The Voice of Havest
(3) The Conversion cfPomerania

جو نہایت سادہ اور موثر ہے - ہندوستانی لوگ ان دعاؤں کو سن کر متاثر ہوتے ہیں جیسا کہ راجا رام موہن رائے نے ان کے متعلق اظہار خیال کیا ہے - راجہ رام موہن رائے کے خیالات وہی ہیں جن کا اظہار ڈاکٹر واٹز نے اپنے اشعار میں کیا ہے:

" اے خداوند! ایک جماعت کی جماعت تیرے
سامنے سر نیاز جھکائے کھڑی ہے - یہ منظر بھی کیا
عجیب و فریب ہے - کبھی وہ گانے لگتے ہیں اور
کبھی پھر عبادت میں غرق ہو جاتے ہیں - ان
کے کان آسمانی سرگوشیوں کو سنتے ہیں اور وہ
اپنی راہ عمل پا لیتے ہیں " —

رابرٹ ملمین نے ہندوستان پہنچنے کے ساتھ ہی ہندوستانی زبان سیکھنی شروع کر دی ہے - مجھے یہ سن کر بڑا تعجب ہوا کہ اس قدر قلیل عرصے میں موصوف دیسیوں کے سامنے انہیں کی زبان میں وعظ کہتے ہیں - چنانچہ ۱۷ اکتوبر دہلی میں سینٹ ایٹین (St Etienne) کلیسا کے افتتاحی جلسے میں آپ نے اردو اور انگریزی دونوں میں تقریر کی - اس کلیسا کی عمارت نقش و نگار سے آراستہ ہے اور ان کے ذریعے مذہبی تمثیلات ظاہر کی گئی ہیں - بعض جگہ انجیل مقدس کی عبارتیں کندہ کی گئی ہیں - (دہلی

گزٹ • انڈین میل ' ۲۷ نومبر سنہ ۱۸۹۷ ع) —

بالعموم ہندوستانیوں میں جو لوگ عیسائیت قبول کرتے ہیں وہ جاہل طبقے کے لوگ نہیں ہوتے بلکہ پڑھے لکھے لوگ ہوتے ہیں - چنانچہ ان میں سے بعض کو کلیسائی عہدے بھی حاصل ہوے ہیں - مدراس کے لاٹ پادری نے پچھلی مرتبہ اپنے دورے میں پانچ ہزار دو سو باون دیسی لوگوں کے مسیحی مذہب قبول کرنے کی تصدیق کی ہے - انہیں دیسی لوگوں میں سے ۹ کو پادری مقرر کیا اور گیارہ کو چھوٹا پادری - ابھی حال میں متھرا میں ایک ہندو نے جو اپنے ایک مدرسے کو چلا رہا تھا عیسائی مذہب قبول کر لیا - چنانچہ اس کو بمبئی کے لاٹ پادری نے پادری کے عہدے پر مامور کر دیا ہے -

آگرہ کے کلیسا میں ہر اتوار کو دو مرتبہ ہندوستانی زبان میں عبادت اور مناجات کی رسمیں ادا کی جاتی ہیں - پچھلے سال اسی گرجے میں آٹھ ہندوؤں نے مسیحی مذہب قبول کیا جن میں ایک برہمن تھا - اضلاع میں بھی گرجے قایم ہو گئے ہیں جہاں عیسائی لوگ عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں - اضلاع میں مسیحی مبلغین کو سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے - ابھی حال میں ہاتھرس میں بعض مبلغین کی بری طرح مار پیٹ کی اور ان پر پتھر پھینکے —

مسیحی مبلغین کو نسبتاً ان نیم وحشی اقوام میں کامیابی

ھو رھی ھے جو حکومت ھند کے تحت بعض گوشوں میں زندگی بسر کر رھے ھیں - چنانچہ بنگالے کی سرحد اور ناگپور کے علاقے کے درمیان ایک جرمن مشنری نے چودہ ہزار نفوس کو مسیحی حلقے میں داخل کرلیا ھے - یہ لوگ عام طور پر "قلی" یا "ڈانگری" کہلاتے ھیں - یہ خبر میں نے میرٹھہ کے اردو اخبار "اخبار عالم" میں پڑھی ھے (۳ جنوری) - اس اخبار کے مدیر مسلمان ھیں - اس علاقے کے راجا نے مسیحی مبلغین کی راہ میں بہت کچھہ روڑے اٹکاے اور ان لوگوں کو جنھوں نے مسیحی مذھب قبول کرلیا تھا ھر قسم کی تکالیف پہنچائیں لیکن اس کی ایک نہ چلی —

کرسچین ورنکلر ایجوکیشن سوسائٹی Christian Vernacular Education Society کے پیش نظر یہ اصول ھے کہ دیسی لوگوں کو انھیں کی زبان میں تعلیم دینے کا انتظام کرے - چنانچہ اس انجمن کے چار مدارس ' کلکتہ ' امرت سر ' احمد نگر اور دندیگل میں اپنا کام کر رھے ھیں - کچھہ دنوں بعد یہی مدارس دیسی عیسائیوں کی تعلیم کے سب سے بڑے مرکز بن جائیں گے - اس انجمن کی شاخوں کی تعداد ۷۸ ھے اور ان میں چار ہزار طلبہ تعلیم پاتے ھیں - ان مدارس کے سب اساتذہ انجمن کی جانب سے مقرر کیے جاتے ھیں - انجمن کی طرف سے ایک بڑی تعداد مطبوعات کی شائع ھوچکی ھے -

ہمارے خیال میں مسیحی مذہب کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں ہندوستان میں اب تک جس قدر مطبوعات شائع ہوئی ہیں ان میں سے ایک تہائی اس انجمن نے طبع اور شایع کرائی ہیں۔ انجمن کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ بیس کروڑ نفوس جو ہندوستان میں بستے ہیں ان کی تعلیم و تلقین کا انتظام کرے۔ چنانچہ یہ انجمن اساتذہ کی ایک بڑی جماعت کو تیار کر رہی ہے۔ اس وقت بھی غیر مسیحی مدارس میں اس انجمن کے تربیت یافتہ استاد پڑھانے کا کام انجام دے رہے ہیں۔ صرف بنگال میں ۵۰ ہزار مدرسے ہیں۔ اگر اس انجمن کے نمائندے ہر مدرسے میں پہنچ گئے تو یہ اس کی عظیم الشان کامیابی ہوگی۔

مسٹر سی ڈبلو ڈبلو الکزنڈر (C. W. W. Alexander) نے جو حلقۂ لاہور کے مہتمم تعلیمات ہیں، عماد الدین کی اس کتاب کے متعلق مجھے پوری معلومات بہم پہنچائی تھیں جو موخر الذکر نے مسیحی مذہب کی حمایت میں لکھی ہے۔ عماد الدین نے کھلم کھلا عیسائی مذہب قبول کرلیا ہے۔ عمادالدین کے بھائی کریم الدین کا رجحان بھی مسیحی مذہب کی طرف ہے لیکن ان میں اتنی جرأت نہیں کہ اپنے عقائد کا بلا کسی جھجک کے اعلان کریں۔ عماد الدین نے اپنی تصنیف میں، جس کی نسبت میں پچھلے سال بھی ذکر کرچکا ہوں، اسلام پر اردو زبان میں اعتراضات پیش کیے ہیں۔ اس کتاب کا

نام " تحقیق الایمان " رکھا ہے - مجرد اس خیال سے کہ عمادالدین اس قسم کی کتاب تصنیف کر رہے ہیں شہر لاہور میں ہل چل مچ گئی ہے - چنانچہ اردو کے سب مطابع اس کتاب کو چھاپنے سے انکار کر رہے ہیں - کاغذ فروخت کرنے والے تاجر اس کتاب کے لیے کاغذ دینے پر آمادہ نہیں - مسٹر الکزنڈر کے اثر کی وجہ سے ایک ہندو جو مالک مطبع ہے اس کتاب کی طباعت کے لیے تیار ہوگیا ہے لیکن اس کو یہ دشواری پیش آرہی ہے کہ مسلمان خوش نویس اسے لکھنے سے انکار کر رہے ہیں - ہندوؤں میں خوش نویس ہیں نہیں جن سے لیتھو کی چھپائی کے لیے لکھایا جاے - بالآخر یہ کتاب " مطبع آفتاب پنجاب " میں چھپ گئی ہے - اس مطبع کا مالک ایک ہندو شخص ہے - عملی دشواریوں کے باعث اس کی طباعت ٹائپ میں ہوئی ہے - عمادالدین چونکہ با اثر شخص ہے اس لیے اس کے عیسائی ہونے سے مسلمانوں میں ایک طرح کی بےچینی نمودار ہو گئی ہے - اس کی مثال اور اس سے زیادہ اس کی کتاب دوسرے مسلمانوں پر اپنا اثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی چنانچہ مسلمانوں میں بعض نے عمادالدین کی دیکھا دیکھی مسیحی مذہب قبول کر لیا ہے - اب اس وقت اپنی کتاب کی طباعت کے بعد عمادالدین اسی قسم کی دوسری کتابوں کی تصنیف میں مشغول

ہیں جن میں مذہب اسلام پر اعتراضات کیے جائیں گے اور عیسائیت کی صداقت ثابت کی جائے گی - تحقیق الایمان ۱۵۴ صفحات پر مشتمل ہے - اس کا ایک نسخہ مجھے مسٹر الکزنڈر نے از راہ کرم بھیج دیا ہے - اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے جن مسائل پر بحث کی ہے ان پر کافی غور بھی کیا ہے - اس کتاب کی تمہید میں یہ بیان کیا گیا کہ بیس سال سے جس حقیقت کی تلاش تھی وہ بالآخر مسیحی مذہب میں ملی - اس کے بعد مصنف نے انجیل مقدس اور قرآن کا مقابلہ کیا ہے اور اول الذکر کی صداقت پر بحث کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ مسلمان بھی اصولاً اس کی سچائی کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ نے اس کتاب مقدس میں تحریفات کی ہیں - اس کے بعد کے ابواب میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت مسیح کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں - مصنف کا خیال ہے کہ ان دونوں پیغمبروں کی زندگی اور ان کی سیرت میں بہت بڑا فرق ہے - کتاب کے آخری باب میں یہ ثابت کیا ہے کہ ابن اللہ اور اللہ میں کوئی حد فاصل باقی نہیں رہتی - دونوں اصل میں ایک ہیں —

حکومت کی جانب سے ہندوستانیوں کے لیے جو مغربی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے اس کا اثر بھی مسیحی مذہب کی نشر و

اشاعت میں بہت مدد دے رہا ہے —

'ملکۂ معظمہ کی حکومت قابل مبارک باد ہے کہ اس نے سر سٹا فرڈ نارتھ کوٹ (Sir Stafford Northcote) کو وزیر ہند کی خدمت پر مامور کیا ہے - آپ اپنی صلاحیت کار اور نیک دلی کے باعث مشہور ہیں - اس کے ساتھ سر ولیم میور (مسٹر جان میور کے بھائی) جنھیں " ستارۂ ہند " اور Commander of the Royal Order کا خطاب ملا ہے ' قابل مبارک باد ہیں کہ انہیں علوم مشرقی کی خدمت کے صلے میں یہ اعزار حاصل ہوے -

گزشتہ سالوں کی طرح میجر فلر نے پنجاب کی تعلیمی ترقی کے متعلق مجھے اپنی رپورٹ بھیجی ہے - یہ رپورٹ ایک سو چالیس صفحات پر مشتمل ہے - اس کے پڑھنے سے اس صوبے کی تعلیمی رفتار کا مکمل نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے - ضمنی طور پر مشنری اداروں کی روداد بھی مل جاتی ہے کہ وہ کیونکر تعلیم کے ذریعے اپنے خیالات کی نشر و اشاعت کرنے میں مشغول ہیں - اس کے ساتھ مقامی حالات کی رپورٹیں بھی منسلک ہیں - ان میں سے ایک رپورٹ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شملہ میں اس وقت ایک مدرسہ لڑکوں کا اور ایک لڑکیوں کا رومن مشنری چلا رہے ہیں - ان دونوں مدرسوں کی عام حالت قابل اطمینان ہے —

میجر فلر کی رپورٹ کو یہاں میں پوری تفصیل کے ساتھ

نہیں پیش کر سکتا - صرف یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس وقت پنجاب کے تمام ابتدائی اور ثانوی مدارس میں ہندوستانی اور بالخصوص اردو سکھائی جاتی ہے - اس کے ساتھ فارسی اور انگریزی کی تعلیم بھی لازمی ہے - فارسی اب تک ہندوستان کی علمی زبان تھی اس لیے اس کو اہمیت حاصل ہے - مذہبی حیثیت سے ہندوؤں کے لیے سنسکرت اور مسلمانوں کے لیے عربی سیکھنا ضروری ہے اس لئے ان دونوں زبانوں کے سکھانے کا بھی انتظام کیا گیا ہے - پشتو جو سرحدی افغانوں کی زبان ہے مخصوص مدارس میں سکھائی جاتی ہے - اس زبان کی ابتدائی کتابیں بھی سررشتۂ تعلیم کی جانب سے تیار کی گئی ہیں —

کلکتہ ، مدراس اور بمبئی کی یونیورسٹیاں پچھلے سالوں کی طرح اس سال بھی امیدواروں کی ایک بڑی تعداد کو سندیں دے رہی ہیں - ہندوستان کی یونیورسٹیاں بھی انگلستان اور فرانس کی یونیورسٹیوں کی طرح امتحان کے ذریعے امیدواروں کی قابلیت کی جانچ کرتی ہیں - ہندوستان میں اس کے جو نتائج پیدا ہو رہے ہیں ان پر سخت تنقید کی گئی ہے * - بہر حال یہ اب مسلم ہے کہ مغربی علوم کے لئے جو

* میجر ڈبلو نسولیز (Nassau Lees) نے اپنی کتاب Short Essays and Reviews on the educational policy of the Govt of India میں اس موضوع پر نہایت دلچسپ تبصرے کیے ہیں —

مدارس اور یونیورسٹیاں ہندوستان میں قایم کی جائیں ان میں ہندی علوم کی طرف سے بے رخی نہیں برتنی چاہیے اور تاہم کا ہرگز یہ منشا نہ ہونا چاہیے کہ اہل ہند اپنے ماضی کو بھول جائیں اور اپنی قومیت کی بنیادوں کو منہدم کر ڈالیں۔ اس قسم کی کوشش اگر مغربی علوم کے ذریعے کی گئی تو وہ ناکام رہے گی۔ دراصل کوشش اس امر کی ہونی چاہیے کہ جدید علوم و فنون کی بدولت ہندی معاشرت کے مختلف عناصر میں امتزاج پیدا کیا جاے تاکہ انگلستان کے زیر سایہ پوری قوم جسم واحد کی طرح زندگی بسر کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے یہ ضرور نہیں کہ ہندوستانی اپنے تئیں مغربی رنگ میں رنگ لیں۔

لکھنو میں کیننگ کالج روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ اس وقت اس کالج میں تین جماعتیں ہیں —

(۱) ہندوستانی (اردو) کی جماعت

(۲) انگریزی کی جماعت

(۳) اعلیٰ جماعت

ہندوستان کی جماعت میں انگریزی نہیں پڑھائی جاتی بلکہ ہندوستان کی علمی زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس جماعت میں ایک سو پینتالیس طلبہ ہیں۔ ان میں سات فارسی سیکھتے ہیں، تیس سنسکرت اور ستر عربی کی تحصیل کرتے ہیں۔ انگریزی کی جماعت میں انگریزی کے

ذریعے درس دیے جاتے ہیں۔ لیکن ہندی، عربی اور سنسکرت پڑھانے کا بھی اس جماعت کے طلبہ کے لیے انتظام کیا جاتا ہے۔ اعلیٰ جماعت میں کلکتہ یونیورسٹی کے لیے طلبہ تیار کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ اس کالج کے قیام کو تین سال سے زیادہ نہیں گزرے لیکن صوبۂ شمال مغربی یا پنجاب کے بہترین اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ کالجوں کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ صرف بنارس کالج جو تقریباً نصف صدی سے قایم ہے'' کیننگ کالج سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ کیننگ کالج کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کا انحصار زیادہ تر امرا کی مدد پر ہے۔ پچھلے سال طبقۂ امرا نے ستر ہزار روپیہ اس کالج کے لیے جمع کیا۔

آپ صاحبوں کو سن کر تعجب ہوگا کہ امریکی طریقے کے مطابق سورت، کیرا اور احمد آباد میں لڑکوں اور لڑکیوں کو ساتھ تعلیم دینے کے لیے مدارس قایم کیے گئے ہیں۔ ان مدرسوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی لڑکیاں لڑکوں کے ساتھ تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ شاید مسلمانوں کا نام سن کر آپ بہت متعجب ہوں گے اس واسطے کہ وہ اپنی عورتوں کو کبھی پردے سے باہر نہیں لانا چاہتے۔

برار کے ناظم تعلیمات ڈاکٹر سنکلیر (Sinclair) نے ابھی حال ہی میں اپنے صوبے میں دو ثانوی مدارس قایم کیے ہیں۔ اب اس صوبے میں ان مدارس کی تعداد ۵۷ ہوگئی

ہے (اخبار عالم - تیس جنوری سنہ ۱۸۶۷ ع) —

صوبۂ متوسط میں ایک مدرسہ رائے پور میں غریب مزدوروں کے بچوں کی تعلیم کے لیے قایم کیا گیا ہے- اب ایک لیتھو پریس قایم کرنے کے متعلق گفت و شنید ہو رہی ہے - تاکہ ہندوستانی اخبار جاری کیا جاے- (ہوم ورڈ میل- بینس ستمبر سنہ۱۸۶۷ ع)-

راجپوتانے میں جو ابتدائی مدارس قایم کیے گئے ہیں ان میں صرف ہندی اور ریاضی کی تعلیم دی جاتی ہے - ہر گاؤں میں ایک پاٹ شالہ ہوتا ہے جو برہمن کے ماتحت ہوتا ہے - کبھی کبھی حکومت بھی اسے امداد دیتی ہے- اعلیٰ تعلیم کا انتظام صرف بڑے بڑے شہروں میں ہے جہاں حکومت براہ راست انتظام کرتی ہے - ان پاٹ شالوں میں برہمن لوگ سنسکرت پڑھاتے ہیں' کایستھہ فارسی اور اردو کی تعلیم دیتے ہیں - کایستھہ لوگ فارسی اردو پر اسی طرح قدرت رکھتے ہیں جیسے مسلمان - نوجوان راجپوت جب گھر سے باہر قدم رکھنے کے قابل ہو جاتا ہے تو سب سے پہلے اس کو تلسی داس کی رامائن اور مہابھارت کا ہندی ترجمہ پڑھایا جاتا ہے - ان نظموں سے اس کو اپنی قوم کے بہادری کے کارنامے معلوم ہوتے ہیں —

مجھے اب تک نظام کی ریاست کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہوسکیں- بیرن چارل ڈیپن (Baron Charles Dupin) نے جو کیتھولک مذہب کے مبلغ ہیں' حیدرآباد میں سنہ ۱۸۶۶ع

میں ایک فرانسیسی وضع کا مدرسہ قایم کیا ہے - اس مدرسے میں ہندوستانی (اردو)، فارسی، اور علوم کے مبادیات سکھائے جاتے ہیں * —

حکومت کے مدارس کے علاوہ ہندوستان کے طول و عرض میں خانگی مدرسے برابر قایم ہو رہے ہیں - لیکن چونکہ ان مدارس کو حکومت کے مدارس کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑتا ہے اس لیے ان کی تعداد میں روز بروز کمی واقع ہو رہی ہے - صوبۂ شمال مغربی میں خانگی مدارس بڑی تعداد میں موجود ہیں جہاں ہندوستانی زبان میں تعلیم دی جاتی ہے - اس علاقے میں دستور ہے کہ جب لڑکا پانچ سال کا ہوتا ہے تو پہلے اس کے والدین نہلا دھلا کر اسے صاف کپڑے پہناتے ہیں اور پھر مدرس کے پاس لے جاتے ہیں - اس موقع پر اعزا اور دوست احباب مدعو کیے جاتے ہیں اور مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے - اگر بچے کے والدین مسلمان ہیں تو استاد سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتا ہے اور اگر والدین ہندو ہیں تو اسی قسم کی ایک مذہبی دعا پڑھی جاتی ہے - استاد بچے کو سب سے پہلے حروف تہجی سے آشنا کرتا ہے پھر بعد میں سادہ الفاظ پڑھاتا

---

* مجھے پوری توقع ہے کہ سر رچرڈ ٹمپل جن کا کچھ عرصہ ہوا حیدرآباد میں رزیڈنٹ کی خدمت پر تقرر ہوا ہے مجھے اس ریاست کے متعلق پوری معلومات مہیا کر دیں گے تاکہ اس امر کا پتا چلے کہ اس ریاست کی تعلیمی ترقی کی کیا حالت ہے اور دکن میں ہندوستانی زبان کی کیا خدمت ہو رہی ہے —

ہے ' جیسا کہ فرانس میں کیا جاتا ہے - سات سال کی عمر میں بچے کو لکھنا سکھایا جاتا ہے - استاد لکڑی کی تختی پر کھریا سے حروف اور الفاظ لکھتا ہے اور بچہ ان کی نیچے نقل کرتا ہے - چند ماہ کے بعد بچے کو خالق باری حفظ کرائی جاتی ہے - خالق باری سے فارسی الفاظ کے اردو معنے بچے کو یاد ہوجاتے ہیں - اس کے چند ماہ بعد کریما' اور پند نامے کی باری آتی ہے - پھر آٹھ سال کی عمر سے استاد بچے کو صبح میں گلستاں اور شام میں بوستاں پڑھانا شروع کرتا ہے - سعدی کی یہ دونوں کتابیں ایران ' ترکی اور ہندوستان میں بطور کلاسک پڑھی جاتی ہیں - اگر ضرورت ہوتی ہے تو استاد کبھی کبھی گوشمالی بھی کرتا ہے - اس کی اجازت خود والدین دیتے ہیں - چنانچہ مشہور ہے کہ عام طور پر والدین جب اپنے بچے کو کسی استاد کے حوالے کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ بچے کا '' چمڑا تمہارا ' ہڈی ہماری ''- بارہ سال کی عمر میں نظامی کا سکندر نامہ پڑھایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ انشا کی مشق کرائی جاتی ہے- اس عمر میں عربی بھی شروع کردی جاتی ہے - لیکن اس کا ماشا صرف یہ ہوتا ہے کہ فارسی اردو کی تحریروں میں جو عربی الفاظ استعمال ہوتے ہیں ان کے معنی سے واقفیت حاصل ہو —

جمعہ کا روز مسلمانوں میں متبرک مانا جاتا ہے- اسلامی

مدارس میں اسی روز چھٹی دی جاتی ہے - بعض مدارس میں جمعرات کے دن نصف روز کی چھٹی رہتی ہے - تہوار کے موقع پر استاد بچوں کو کچھ اشعار لکھ کر دیتا ہے تاکہ وہ اپنے والدین کو جاکر دیں- والدین استاد کو تحفے بھیجتے ہیں جو خوشی سے قبول کیے جاتے ہیں- استاد ویسے بچوں سے بارہ آنے ماہوار سے زیادہ فیس نہیں لیتا - بچہ جب اپنی تعلیم ختم کر کے مدرسے سے نکلتا ہے تو اس کو فارسی ادب سے کافی واقفیت حاصل ہو جاتی ہے - اسے چند اشعار اور کہاوتیں یاد ہوتی ہیں اور تھوڑی بہت ریاضی بھی آجاتی ہے - لیکن جغرافیہ اور تاریخ میں وہ بالکل کورا ہوتا ہے - فلسفہ یا سائنس کے متعلق وہ ایک حرف نہیں جانتا - ہندو پاٹ شالوں کی بھی بالکل یہی حالت ہے - ان میں فارسی کی جگہ سنسکرت کی تعلیم ہوتی ہے —

میں نے ابھی جو حالات آپ کے سامنے بیان کیے ہیں ان سے آپ کو یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ حکومت ہندوستانی زبان کی کتابوں کی اشاعت میں سعی بلیغ کر رہی ہے اور ہر علم کے متعلق کتابیں لکھوا رہی ہے - مسلمان علاقوں میں اردو میں اور ہندوؤں کے علاقوں میں ہندی میں یہ کتابیں شائع کی جاتی ہیں —

اس سال تعلیم نسواں کی طرف بھی ہندوستان میں کافی

توجہ کی گئی ہے۔ چنانچہ "مدراس ٹائمز" میں اس کے متعلق ایک ہندوستانی کا خط چھپا ہے جو نہایت معقول ہے۔ اس خط کا مضمون یہ ہے: ہندوستانیوں کا ہوشمند طبقہ اس بات کا خواہش‌مند ہے کہ ان کی مستورات تعلیم حاصل کریں لیکن وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کی تعلیم ان کی مادری زبان میں ہو۔ یہ بات انہیں عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ انگریزی زبان کے ذریعے تعلیم دینے کا خیال پیش کیا جائے۔ جن معاملات کے متعلق ہندوستانی عورتوں کو واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت ہے انہیں وہ اپنی زبان ہی میں اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں۔ بعض یورپین لوگوں کا یہ خیال قابل قبول نہیں ہے کہ اچھی تعلیم انگریزی ہی میں ہو سکتی ہے۔ یہ محض ان لوگوں کا خیال خام ہے۔ اگر عورتوں کو انگریزی زبان کے ذریعے تعلیم دینے کی کوشش کی جائے گی تو خود تعلیم کا مسئلہ بہت مشکل ہو جائے گا اگر عورتوں کو مغربی تعلیم دی گئی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستانی لوگوں کی خاندانی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا اور ان کا ایک علحدہ ہی طبقہ قائم ہو جائے گا۔

پچھلے سال پنجاب میں تین سو تینتیس لڑکیوں کے مدارس تھے یہ سب مدارس حکومت کی امداد سے چل رہے ہیں اور اس وقت ان میں چھ ہزار آٹھ سو چونتیس لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں۔ لڑکوں کے مدارس کی تعداد چھ سو چھیانوے

ہے - ان میں سے بعض مشنری لوگوں کے ہیں اور بعض ذاتی طور پر قائم کیے گئے ہیں اور مقامی کمیٹیاں انہیں چلاتی ہیں- ان سب مدارس میں بارہ ہزار سات سو ستائیس طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں- ان مدارس میں سے ایک دہلی میں ہے جس کو خاندان مغلیہ کے افراد نے قائم کیا ہے - اس خاندان کے افراد کی تعداد اچھی خاصی اب تک موجود ہے - اس مدرسے میں گلستاں کا اردو ترجمہ کرایا جاتا ہے اور ہندوستان کی تاریخ بھی پڑھائی جاتی ہے * —

اودھ کے چیف کمشنر نے صوبۂ شمال و مغربی کے ناظم تعلیمات کے خیال کے مطابق حکومت ہند سے درخواست کی ہے کہ لکھنو میں شریف خاندان کی لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا جائے - اس مدرسے کے اخراجات نصف مقامی روسا کے چندے سے پورے کیے جائیں گے اور نصف حکومت ہند دے گی

ایک تجویز یہ ہے کہ دہلی میں عورتوں کی تعلیم کے لیے میڈیکل کالج قائم کیا جائے- چونکہ مرد ڈاکٹر زنانے میں نہیں جا سکتے اس لیے اس کی ضرورت ہے کہ خود عورتوں کو طب

---

* میں کسی پچھلی صحبت میں ذکر کرچکا ہوں کہ عورتوں کی تعلیم کے لیے خاص کتابیں تیار کی جارہی ہیں - مجھے جو نئی معلومات حاصل ہوئی ہیں ان میں تین کتابوں کا اور ذکر ہے —

(۱) استری سکشن - (۲) گیان دیپک - (۳) استری اپدیس-

کی تعلیم دی جائے تاکہ وہ زنانے میں علاج کر سکیں - یہ عورتیں انگریز عورتوں کے ماتحت ہر قسم کا کام اس کالج میں سیکھیں گی - جس ہندوستانی اخبار سے ہم کو یہ خبر ملی ہے اس کے مدیر نے اس تجویز پر پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے خواہش ظاہر کی ہے کہ کیا اچھا ہو اگر اس کالج میں یونانی طب کی تعلیم کا انتظام کیا جائے - یونانی طب کو مسلمان اپنا مخصوص طریقۂ طب سمجھتے ہیں - عام طور پر ہندوستان میں یہ خیال بھی موجود ہے کہ یونانی طب اہل ہند کی طبائع کے لیے بمقابلہ یورپی طب کے زیادہ موزوں ہے - (اخبار عالم ' بیس جنوری سنہ ۱۸۶۸ ع) —

ہندوستانی اخبارات عوام کی تعلیم میں بہت مدد دے رہے ہیں اور جہالت کی تاریکی کو رفع کر رہے ہیں - جس قدر ان کی اشاعت بڑھ رہی ہے اسی قدر لوگوں کی معلوماتِ عامہ میں اضافہ ہو رہا ہے جو بغیر ان کے کسی اور طرح سے یہ معلومات نہیں حاصل کر سکتے تھے - یورپین لوگوں کے لیے بھی لسانیاتی نقطۂ نظر سے یہ اخبارات بہت مفید ہیں - جو یورپین ہندوستانی زبانوں کے متعلق تحقیق کرنا چاہتے ہیں انہیں ان اخباروں کے پڑھنے سے بہت معلومات حاصل ہوتی ہیں - چنانچہ اسی خیال کا اظہار ' انڈین میل " * نے بھی

* ۷ مئی سنہ ۱۸۶۷ ع -

کہا ہے - جدید انشا پردازوں کے مضامین ' اودھ اخبار ' اور "اخبار عالم" میں شایع ہوتے ہیں- ہندوستانی معاشرت کے طبقۂ اعلیٰ اور طبقۂ متوسط کے خیالات ان اخباروں میں پیش کیے جاتے ہیں - " انڈین میل " کے مضمون نگار نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ سول سروس کے اُمیدواروں کا امتحان اس جدید زبان میں ہونا چاہیے جو آج کل مروج ہے بجاے اس کے کہ '' اخوان الصفا '' اور سنگھاسن بتیسی کی زبان میں ان کی جانچ کی جاے - میں اب تک یہ پتا نہیں چلا سکا کہ "باغ و بہار" اور " پریم ساگر " کو نصاب سے کیوں خارج کر دیا گیا - میں ان دونوں کتابوں کو اوروں پر ترجیح دیتا ہوں- چنانچہ ان دونوں کو میں نے درسوں میں خاص اہمیت دی ہے —

اس سال ہندوستانی کے دس نئے اخبار جاری ہوے ہیں - ممکن ہے ان کے علاوہ بھی کوئی ہوں جن کی نسبت مجھے معلومات نہیں حاصل ہو سکیں - ان اخباروں کے مضامین کی ترتیب بالکل ان اخباروں کی طرح ہے جن کا ذکر میں کرچکا ہوں - ان میں خبروں کے علاوہ مضامین بھی ہوتے ہیں - اُردو اخباروں کی فہرست یہ ہے : —

(۱) آئینۂ علم - یہ اخبار اسی سال یکم اکتوبر سے آگرہ سے جاری ہوا ہے —

(۲) اُردو اخبار - یہ بھی آگرہ سے شائع ہوتا ہے - اس کے

مدیر بال گوبند ہیں جو متھرا کے باشندے ہیں —

(۳) اخبار مفید الانام - یہ اکتیس دسمبر سنہ ۱۸۶۱ع سے جاری ہوا ہے - یہ رسالہ مہینے میں دو مرتبہ فتح گڑھ سے نکلتا ہے —

(۴) لطوف الاخبار - اس اخبار کے متعلق میں نے میرٹھ کے "اخبار عالم" میں ذکر پڑھا ہے —

(۵) طلسم حکمت - یہ ماہوار رسالہ میرٹھ سے نکلتا ہے —

(۶) سہیل پنجاب - اس کا ذکر میں نے اٹھائیس مئی سنہ ۱۸۷ ع کے ٹائمز میں پڑھا ہے —

(۷) بیوپاری سری امرتسر - اس اخبار کا نام ہندی میں ہے لیکن دراصل ہے یہ اُردو کا اخبار - اس میں ہر قسم کے تجارتی اشتہارات ہوتے ہیں —

ہندی کے جدید اخبارات یہ ہیں

(۸) برتلت بلاس - یہ اخبار جموں سے شائع ہوتا ہے - یہ مقام صوبۂ لاہور سے شمال میں کوہستانی علاقے میں واقع ہے -

(۹) گیان دیپک - یہ اخبار ستمبر ۱۸۶۶ع سے سکندرہ سے نکلنا شروع ہوا ہے - سکندرہ آگرہ کے مضافات میں ہے اور یہاں بادشاہ اکبر کا مقبرہ ہے جو مغلوں کے فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ سمجھا جاتا ہے —

(۱۰) کوی بچن سدھا - یہ ماہانہ رسالہ ہے - اس میں نہر

مطبوعہ ہندی نظمیں شائع ہوا کرتی ہیں - اس رسالے کے ابھی صرف دو نمبر شائع ہوئے ہیں - پچھلا نمبر اگست میں نکلا تھا - میرے پیش نظر دونوں اشاعتیں ہیں - ان میں ایک نظم ' اشمت جام ' کے عنوان سے شائع ہوئی ہے - یہ نظم سری دیودت کی لکھی ہوئی ہے - اس کے علاوہ اور دو نظمیں ہیں —

سنہ ۱۸۶۷ ع کی ابتدا سے کلکتہ سے ایک با تصویر رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے جس کا نام "انڈین سوسائیٹی" ہے- اس میں نظم و نثر کے مضامین اُن انگریزوں کے شائع ہوں گے جو ہندوستان میں رہتے ہیں - (انڈین میل ' بارہ فروری سنہ ۱۸۶۷ ع) —

میں پابندی سے میرٹھ کا "اخبار عالم' پڑھتا ہوں - اس اخبار کے لایق مدیر مرزا محمد وجاہت علی صاحب از راہ عنایت مجھے اپنا اخبار بھیج کر ممنون احسان کرتے ہیں - اس اخبار میں بھی کبھی اردو نظمیں شائع ہوتی ہیں- ابھی حال میں اس میں 'مہر' کا ایک مخمس نکلا تھا - موصوف آج کل کے اعلیٰ پایے کے شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں ' اس مخمس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ہر بند کا آخری مصرع غالب کے ایک فارسی قصیدے سے مستعار لیا گیا ہے اور باقی چاروں مصرع اردو میں ہیں - اس اخبار

کے بعض مضامین بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ ایک مضمون 'تھرمامیٹر' پر ہے - اس کے ساتھ اعداد بھی دیے ہیں تاکہ وضاحت ہو جاے - ایک مضمون "حرارت پیما" پر ہے - ایک 'ہوا' پر ہے - اس کے ساتھ ایک "ہوائی مشین" (*) کی تصویر بھی دی ہے- ایک دلچسپ مضمون آگرہ کی نمایش پر ہے جو گزشتہ فروری میں منعقد ہوئی تھی - اس نمایش کو آپ هندوستان کے لیے بس ویسا هی سمجھیے جیسے کہ هماری پیرس کی نمایش یورپ کے لیے ہے —

اردو کے سب اخباروں میں "اودہ اخبار" بہترین خیال کیا جاتا ہے - اس کی هر اشاعت چوبیس صفحوں پر مشتمل هوتی ہے اور هر صفحے میں دو کالم هوتے هیں - کانپور سے اس کا ضمیمہ شایع هوتا ہے جس کا نام "کانپور گزٹ" ہے - لیکن جب سے لکھنؤ اور کانپور کے درمیان ریل بن گئی ہے اس وقت سے "کانپور گزٹ" کی اشاعت موقوف کر دی گئی - اس لیے کہ اب خود "اودہ اخبار" بآسانی اور جلد کانپور پہنچ جاتا ہے —

اس سال مجھے اس رسالے کا صرف ۲۹ جنوری کا نمبر پڑھنے کو ملا - اس کے مضامین بہت دلچسپ تھے - مجھے

---

* Pneumatic machine.

انسوس ہے کہ میں اُس کے سب پرچے نہیں منگا سکا - اس نمبر میں ایک دکھنی زبان کی نظم ہے جو مدراس کے کسی شخص نے لکھی ہے - اس کے علاوہ اور مضامین اعلیٰ پایے کے ہیں جن کا مقابلہ ہمارے اخباروں کے مضامین سے کیا جاسکتا ہے - ایک مضمون سید اولاد علی نے ملکہ وکٹوریہ کی توصیف میں لکھا ہے - یہ مضمون مشرقی خطابت اور بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے - اس پورے مضمون کو " اخبار عالم " نے بھی نقل کیا ہے - اس میں جو تشبیہات اور استعارے استعمال کیے گئے ہیں ان کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ نا ممکن ہے اور اگر بفرض محال ترجمہ کر بھی لیا جائے تو وہ ہمارے مذاق پر گراں گزرے گا -

اس سال ہندوستانی زبان کی جو کتابیں طبع ہوئی ہیں ان کی مکمل فہرست پیش کرنا آپ صاحبوں کے لیے دلچسپی کا باعث نہ ہوگا اور خود میرے لیے موجب زحمت ہوگا - ان میں سے بہت سی کتابیں ایسی ہیں جن کے صرف نام مجھے معلوم ہیں اور یہ نہیں معلوم کہ ان میں کس خاص موضوع سے بحث کی گئی ہے - بہر حال میں چند کتابوں کے نام یہاں آپ صاحبوں کے سامنے پیش کیے دیتا ہوں جو میرے نزدیک اہم ہیں —

مسلمانوں میں اس گئی گزری حالت میں بھی ایسے لوگ

بکثرت ملیں گے جنھیں ادب سے خاص لگاؤ ہے * - لیکن سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد سے ان میں بہت کم ایسے ملیں گے جن کے خیالات میں اجتہاد اور اپج موجود ہو - بالعموم قدیم شعرا کے دیوانوں کے نئے نئے ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں - زیادہ تر اس زمانے کے شاعر قدیم شعرا کے کلام کی نقل کرتے ہیں یا ان کے خیالات کو دوسرے لفظوں میں الٹ پھیر کے بیان کر دیتے ہیں —

هندی کی بیشتر مطبوعات بنارس (شیو پوری) سے شائع ہوتی ہیں - شیو کے پرستار سنسکرت زبان استعمال کرتے ہیں اور زیادہ تر ویشنوی لوگ ہندی زبان میں تحریر و تقریر کو پسند کرتے ہیں - اسی شہر میں حال میں "ہنومان ناٹک" شایع ہوئی ہے جو رامائن کا ایک حصہ تصور کی جاتی ہے - اس کے علاوہ "کتھہ لیلا" "ونائے پتر کا" اور تلسی داس کی "سنگار سنگرہا" بھی شایع ہوئی ہیں —

یہ دیکھہ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ تاریخ کی طرف ہندوستانیوں نے اب تک مطلق توجہ نہیں کی یہی وجہ ہے کہ یورپین زبانوں سے وہ خود اپنی تاریخ کے متعلق ترجمے شایع کیا کرتے ہیں - میں ان ترجموں کا ذکر کسی پچھلی صحبت

---

* بقول شخصے ایک زمانے میں شعرا کی اس قدر کثرت ہو گئی تھی کہ لوگوں کو اندیشہ پیدا ہونے لگا کہ کہیں ان کے لیے علحدہ پانچویں ذات نہ قایم کرنی پڑے -

میں کر چکا ہوں - اس سال الفنسٹن کی " تاریخ ہند " کا اُردو ترجمہ علی گڑہ سے شایع ہوا ہے - الفنسٹن کی تاریخ ہندوستان میں بڑی قدر کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اور اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں —

اب میں ہندوستانی شاعری کے متعلق کچھہ عرض کروں گا - سب سے پہلے میں مسٹر جے رابسن (J. Robson) کے "مجموعۂ خیال " کا تذکرہ کرتا ہوں - خیال در اصل ہندوستانی میں ایک خاص قسم کی نظم ہے جو ناٹک سے ملتی جلتی ہے - راجپوتانے میں یہ بہت مقبول ہے - یہ نظمیں عشقیہ بھی ہوتی ہیں اور اخلاقی اور مذہبی بھی - اس مجموعے کی زبان مارواڑی ہندی ہے - اس میں پانچ علحدہ علحدہ نظمیں ہیں - لسانیاتی اور شاعرانہ نقطۂ نظر سے یہ پانچوں نظمیں بہت دلچسپ ہیں - نظموں کے ساتھہ ترجمہ نہیں ہے بلکہ تمہید میں ان کے عام مطالب بیان کر دیے گئے ہیں - جہاں کہیں مارواڑی ہندی کے غیر مانوس الفاظ استعمال کئے گیے ہیں ان کے معنی آخر میں درج ہیں - ان نظموں میں دو سیاسی رنگ لیے ہوے ہیں اور انگریزی حکومت کی ان میں مخالفت کی گئی ہے - ایک نظم میں ہیر اور رانجھا کا قصہ بیان کیا گیا ہے - یہ قصہ راجپوتانے میں عام طور پر گیتوں کا موضوع ہوتا ہے -

حال میں مجھے ہندوستانی (اردو) گیتوں کا مجموعہ

ملا ہے جو کلکتہ میں طبع ہوا ہے - اس کے ساتھہ انگریزی ترجمہ ہے - یہ ترجمہ ڈبلو ہولنگز (W. Hollings) نے کیا ہے جو هندوستانی زبان کے ماہر سمجھے جاتے ہیں —

غزل کے دیوان اردو دان طبقے میں بہت مقبول ہیں - غزلیات میں بالعموم تصوف کے موضوع پر اشارے ملتے ہیں اور ان کا مطلب حافظ کی پیروی کی وجہ سے آسانی سے سمجھہ میں نہیں آتا - 'سودا' کو اس پر ناز تھا کہ وہ حافظ کے اشعار سمجھہ سکتا ہے - چنانچہ اس نے اپنی ایک غزل میں کہا ہے —

کہلے ہیں مجھہ پہ جو راز نہفتۂ حافظ
کہ سن کے لوٹیں ہوں شعر شگفتۂ حافظ *

مجھے ' تسلیم ' کا بھی دیوان ملا - یہ موجودہ شعرا میں چوٹی کے لوگوں میں شمار کیے جاتے ہیں - انھوں نے مثنویاں لکھی ہیں اور پہیلیوں کا ایک مجموعہ بھی شائع کیا ہے —

مسٹر بیمز (Beames) نے مجھے " نوشد اُرو " کا ایک نسخہ ازراہ کرم ارسال فرمایا ہے - اس کی طباعت میرٹھہ میں ہوئی ہے - اخبار عالم (مورخہ ۳ - اکتوبر سنہ ۱۸۶۷ ع) نے اس کی بہت تعریف لکھی ہے - اس کتاب میں نثر اور نظم ملی جلی ہے - اس میں کہاوتیں ' مقولے اور نصائح بھی درج

* یہ شعر ایڈورڈ ابھ پا مر نے اپنے مضمون میں جس کا عنوان "حافظ" ہے نقل کیا ہے (The Eagle, No. 27 , Vol. V. , Dec. 1866)

ھیں - مصنف کا تخلص 'نامی' ھے - اس کے علاوہ "عجائب فرائب" کا نسخہ میری نظر سے گزرا - اس کی وجاھت علی نے بہت تعریف لکھی ھے * - اس کتاب کے متعلق لاھور کی انجمن میں خوب بحث رھی - ایک جماعت کا خیال تھا کہ یہ کتاب اس لائق نہیں ھے کہ اس کو مدارس کے نصاب میں داخل کیا جائے —

اردو کی کتابوں کو ھندی (دیوناگری) رسم خط میں شائع کیا جا رھا ھے - حال میں حاتم طائی کا قصہ ھندی میں شائع ھوا ھے - اسی طرح ھندی کی کتابوں کو اردو میں شائع کیا جا رھا ھے - چنانچہ گزشتہ سال 'پریم ساگر' اور مہابھارت کے قصے کو اردو میں آگرہ سے شائع کیا گیا ھے —

اخبار عالم میں جدید مطبوعات پر تبصرے شائع ھوتے رھتے ھیں - ان میں بعض کتابیں ایسی ھیں جو قابل ذکر ھیں - قرآن کا بین السطور فارسی اور اردو ترجمہ میرٹھ سے شائع ھوا ھے - ھر صفحے پر دس عربی کی سطریں ھیں - اس کا حجم ۶۹۳ صفحات ھے † - تفسیر مقبول کے نام سے ایک اور دوسرا قرآن کا ترجمہ کلکتہ سے شائع ھوا ھے - امیر حمزہ کا ایک نیا ایڈیشن نکلا ھے جو ۳۷۶ صفحات پر مشتمل ھے - اور دوسری

---

* نیر راجستان - ۲۳ نومبر سنہ ۱۸۶۵ ع -

† اخبار عالم - ۷ مارچ ۱۷۶۷ ع -

کتابوں کی تفصیل یہ ہے : —

(۱) دیوان شاہ تراب - یہ ۳۴۹ صفحات پر مشتمل ہے —

(۲) گلدستۂ سخن - یہ ۴۴۰ صفحات پر مشتمل ہے - اس میں اردو شاعری کا بہترین انتخاب درج ہے -

(۳) زادالسبیل -

(۴) زبدۃالحکمہ - اس میں صفائی کے متعلق ہدایتیں ہیں-

'اخبار عالم' میں اعلان کیا گیا ہے کہ یکم جنوری کو صوبجات شمال مغربی کے لیے جو قوانین بنائے جا رہے ہیں' ان کی تفصیل سرکاری طور پر رسالوں کی صورت میں شائع کی جائے گی - اس قوانین کے مجموعہ کا نام " گنجینۂ احکام " رکھا گیا ہے- اس میں تمام سرکاری احکام و قوانین کی نوعیت بتلائی جائےگی تاکہ ان کے متعلق عام پبلک کو واقفیت حاصل ہو-

ہندوستانی مطبوعات کی جو فہرستیں شائع ہو رہی ہیں ان میں جیمس لانگ (James Long) کی " توضیحی فہرست کتب"* سب سے زیادہ جامع ہے - موصوف کا تعلق مشن سے ہے اور آپ کو اہل ہند کے ساتھہ خاص شغف ہے - اس فہرست میں ۱۵۰۰ کتابوں کی کیفیت درج ہے جن میں سے زیادہ تر پیرس کی " عالم گیر نمایش " میں موجود ہیں - ان میں ہندی اور اردو کے علاوہ بنگالی کی کتابوں کا بھی ذکر ہے -

* Descriptive Catalogue

بنگال کے هندوستان کے مسلمان "جامت البلاد" کہتے هیں - اس فہرست کی بیشتر کتابیں وہ هیں جو کلکتہ میں یا صوبۂ شمال و مغربی کے مختلف شہروں میں طبع هوئی هیں - مسٹر لانگ نے اس امر کا اعتراف کیا هے کہ هندوستانی مطابع کی مطبوعات کی مکمل فہرست وہ نہیں تیار کر سکے —

مسٹر Beames نے از راہ عنایت مطبع نول کشور کی مطبوعات کی فہرست بھیجی هے - اس مطبع کے مالک "اودہ اخبار" کے مدیر هیں - اس فہرست میں چھہ سو کتابوں کے قریب مذکور هیں - سر الکزنڈر گرانٹ نے ' جو آج کل صوبۂ بمبئی کے ناظم تعلیمات هیں ایک فہرست بھیجی هے جس میں صوبۂ بمبئی کی جملہ مطبوعات درج هیں - اس فہرست سے مجھے معلوم هوا کہ مرزا لطف اللہ نے ابھی حال میں دو کتابیں اور تصنیف کی هیں ایک عام طب پر اور دوسری هیضے پر - موصوف اپنی "آپ بیتی" کے باعث یورپ میں پہلے سے مشہور هیں اور ان کی نسبت پہلے متعدد مرتبہ ذکر آ چکا هے —

میں معمولاً مسیحی' اسلامی اور هندو مذهب کی مطبوعات اور ابتدائی مدارس کی نصابی کتب کا تذکرہ کیا کرتا تھا لیکن اس سال میں اس موضوع کو نظر انداز کرتا هوں صرف بر سبیل تذکرہ اتنا یہاں کہے دیتا هوں کہ میڈم لیوپولٹ (Leupolt) نے هندی میں اندھوں کی تعلیم کے لیے ایک ابتدائی کتاب لکھی هے - اس میں دیوناگری حروف کاغذ

کی سطح پر ابھرے ہوے ہیں - یہ کتاب ہماری پیرس کی نمایش میں موجود ہے —

ہندوستان میں اس سال بھی یہ مسئلہ زیر بحث رہا کہ ہندوستانی کی دونوں شاخوں یعنی ہندی اور اردو میں کس کو ترجیح حاصل ہے اور یہ کہ آیا عربی اور فارسی الفاظ کو باقی رکھنے کی ضرورت ہے یا نہیں * - میرے خیال میں یہ بحث ہی سرے سے بیکار ہے اس لیے کہ زبانوں میں بالارادہ تبدیلیاں نہیں پیدا کی جاسکتیں - اگر ہندو فضلا یہ چاہیں کہ اردو کی اہمیت کو کم کریں تو یہ ان کے بس کی بات نہیں - اردو نے ہندوستان میں جو حیثیت قایم کرلی ہے وہ باقی رہے گی - وہ اگر چاہیں کہ لوگوں کو عربی اور فارسی الفاظ ترک کرنے پر آمادہ کریں تو اس میں بھی انہیں کامیابی نہیں ہوسکتی اس واسطے کہ اسلامی حکومت کے زمانے میں صدیوں سے جو الفاظ عام زبان پر چڑھ گئے ہیں وہ

---

* کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے اجلاس میں اس پر بحث ہوچکی ہے کہ آیا سائنس کی یوروپین اصطلاحات کو رہنے دیا جاے یا یہ کہ عربی اور سنسکرت کی قدیم اصطلاحات کو رائج کیا جاے اور نئے ترجمے کیے جائیں - جی کمپل (G. Campell) کی یہ راے تھی کہ جہاں تک ممکن ہے مشرقی اصطلاحات کو باقی رہنے دینا چاہیے اور مغربی اصطلاحیں صرف اس وقت استعمال کرنی چاہئیں جب کہ بغیر اس کے کوئی چارۂ کار نہ ہو - میں بھی موصوف کی اس راے کے ساتھ متفق ہوں - لیکن راجہ بابو رجندر لال مترنے اس خیال کی مخالفت کی - یہ پوری بحث سنہ ۱۸۶۶ء کی ایشیاٹک سوسائٹی کی روداد میں مفصل طور پر شایع ہوچکی ہے -

آسانی سے ترک نہیں کیے جاسکتے * - ان کی کوشش بالکل ایسی ہوگی جیسے انگریزی فضلا یہ فیصلہ کریں کہ ان کی قوم ان فرانسیسی الفاظ کا استعمال ترک کردے جو انگریزی زبان میں نارمن فتوحات کے بعد گھل مل گئے ہیں —

ہندو عوام خود بجائے اس کے کہ ہندی کو اردو پر ترجیح دیں اپنی زبان کو اردو سے قریب تر لانے کی کوشش کر رہے ہیں - چنانچہ صوبہ جاتی السنہ میں بھی اردو کے لا تعداد الفاظ رائج ہوچکے ہیں بنگال میں تو ایک مخصوص بولی نکلی ہے جسے " اردو بنگالی " کہتے ہیں - میں اس کی نسبت پہلے کسی صحبت میں ذکر کر چکا ہوں - یہ بولی بنگال کے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں مقبول ہو رہی ہے † —

میں اور مسٹر بیمز اردو کی حمایت میں تنہا نہیں ہیں جو دہلی کی ٹکسالی زبان کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں جس میں عربی اور فارسی کے الفاظ کی آمیزش ہے - ہم نہ اس

---

* ۷ - مئی سنہ ۱۸۶۷ ع کے کلکتہ ریویو میں میری ناچیز رائے سے موافقت کا اظہار کیا گیا ہے جو میں نے کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے اس جلسے کے متعلق ظاہر کی تھی جس میں اس پر بحث ہوئی تھی کہ آیا اردو کو زیادہ اہمیت حاصل ہے یا ہندی کو - اس ریویو نے لکھا ہے کہ " موسیو گارساں دتاسی نے اردو کی حمایت میں جو اظہار خیال کیا ہے وہ ہمیں ٹھیک معلوم ہوتا ہے " - ۴ جولائی سنہ ۱۸۶۷ ع کے " بمبئی پولا " میں بھی میرے خیالات کو بنظر استحسان دیکھا گیا ہے —

† Rev. J. Long نے چند سال ہوئے اس بولی کی ۶۵ مختلف کتابوں کا اپنی فہرست میں ذکر کیا ہے جو طبع ہوچکی ہیں —

کے قایل هیں که عربی فارسی الفاظ اردو میں سے خارج کردیے جائیں اور نه هم هندی کو بےوجه اردو پر فوقیت دینا مناسب سمجھتے هیں - ' دهلی گزٹ" میں اس امر پر اظہار افسوس کیا گیا هے که آگرہ کے دربار میں ' جس کی نسبت میرٹھه کے "اخبار عالم " میں تفصیل نکل چکی هے' انگریزی سے جو ترجمے کیے گئے یا براہ راست اردو میں جو تقاریر هوئیں وہ بہت سادہ زبان میں هوئیں اردو میں اس وقت تک لطف نہیں پیدا هوتا جب تک که عربی اور فارسی کے الفاظ استعمال نه کیے جائیں یہی زبان هندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو بھاتی هے - ' دهلی گزٹ ' کے نامه نگار کا خیال هے که دربار وغیرہ کے موقعوں کے لیے اردو سے بہتر زبان نہیں هوسکتی - لیکن اگر دیدہ و دانسته عربی اور فارسی الفاظ اس میں سے خارج کردیے جائیں جو اهل هند اسلامی ممالک سے مستعار لیتے رهتے هیں تو اردو بے کیف رہ جائے گی -

سر جان لارنس کو ویسرائے کے اعلیٰ عهدے پر فائز هوے اب تین سال هو گئے - آگرہ کے دربار کے موقع پر آپ پہلی مرتبه پبلک کے سامنے شان و تجمل کے ساتھه جلوہ فرما هوے - دو سال قبل لاهور میں جو دربار منعقد هوا تھا اس کی حیثیت مقامی تھی - اس میں صرف پنجاب والے شریک هوے تھے - لیکن آگرہ کے دربار کی نوعیت اس سے بالکل مختلف تھی -

دراصل ہندوستان میں آگرہ سے زیادہ موزوں ملک کا دارالسلطنت بننے کے لیے کوئی دوسرا شہر نہیں ہے - جغرافی حیثیت سے بھی یہ شہر اس کے لیے موزوں ترین ہے - اگرچہ یورپ والوں کے لیے ہندوستان کا دارالسلطنت سمندر کے قریب رکھنا ہی زیادہ مناسب ہے —

وایسرائے کے شاندار خیمے کے بیچوں بیچ ایک تخت رکھا گیا تھا جس پر سنہرے کام کا تخت پوش بچھا تھا - اس تخت کے دائیں بائیں جانب ہندو اور مسلمان امرا زرق برق ملبوسات اور جواہرات پہنے ہوے تھے ' جلسے میں جو یورپین تھے ان کے دلوں میں گولکنڈہ کی ہیرے کی کانوں اور کوہ نور کی یاد تازہ ہوگئی - بندیلکھنڈ کے رجواڑے اس جلسے میں خاص طور پر نمایاں تھے- ان کی تلواروں کے دستوں میں ہیرے جواہرات جڑے ہوے تھے ' ڈھالوں کی سطح پر چاندی کا ابھرا ہوا کام تھا اور ان کے ہاتھوں میں نہایت خوشنما چھڑیاں تھیں - اس دربار میں ہندوستانی خواتین بھی اِکا دُکا نظر آتی تھیں جو اس ملک کے لیے بالکل نئی بات ہے - وائسرائے جب تخت پر بیٹھنے کے لیے تشریف فرما ہوے تو توپوں کی سلامی دی گئی - اس کے بعد ولیم میور (W. Muir) نے شاہی فرمان کا ترجمہ پڑھا جس کی بنا پر خطابات تقسیم کیے گئے اور خود وائسرائے بہادر نے ہندوستانی میں حاضرین کے روبرو

تقریر کی * - جن کو خطابات عطا هوے ان میں مہاراجا چے پور اور دوسرے رجواڑے شامل تھے - اس دربار میں شری رادها کانت دیب نے بھی شرکت کی تھی - موصوف سنسکرت کے بڑے فاضل سمجھے جاتے هیں - آپ نے سنسکرت زبان کی ایک ضخیم لغت تیار کی ھے - آپ نہایت کٹر قدامت پسند هندو هیں اور هر قسم کی معاشرتی ترقی کو دهرم کے خلاف تصور کرتے هیں - ان کے علاوہ دیونارائن سنگھہ تھے جو نہایت آزاد خیال هیں اور انگریزی تعلیم پا چکے هیں - آپ برهمنوں کی اعلیٰ ذات میں تعدد ازدواج کی رسم کے خلاف هیں - دربار میں پرو سنو کمار ٹگور بھی موجود تھے جنھوں نے هندو دهرم شاستر پر ایک نہایت اهم کتاب کا ترجمہ شائع کیا ھے - اس کا نام 'دودا چنترا منی' ھے- یہ کتاب کلکتہ میں سنہ ۱۸۶۳ ع میں طبع هوئی ھے اور تین سو چالیس صفحات پر مشتمل ھے —

رجواڑے اپنے اپنے هاتھیوں پر سوار دربار میں آتے اور وائسراے کے هاتھہ سے خلعت پاتے تھے - اور اس کے بدلے میں نذرانے دیتے تھے - اس موقع پر فرق مراتب کا پورا خیال رکھا گیا تھا - ان کے بعد وہ لوگ جنھوں نے پبلک کی خدمت

---

* وائسراے کی پوری تقریر ۲۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ ع کے Indian Mail اور Times میں شایع هوچکی ھے - طویل هونے کے باعث اس موقع پر اتنی گنجائش نہیں کہ میں اسے نقل کروں —

میں اپنی زندگی صرف کی ہے وائسرائے کی خدمت میں پیش کیے گئے - جن میں مندرجۂ ذیل قابل ذکر ہیں - بابا خان سنگھہ بیدی جنھوں نے پنجاب میں تعلیم نسواں کے رواج میں سعیِ بلیغ کی - شیو پرشاد جو بنارس کے مشہور مصنف ہیں جنھوں نے اہل ہند کو مغربی تہذیب و تمدن سے روشناس کرانے کی غرض سے متعدد کتابیں شائع کی ہیں - سر سید احمد خاں جنھوں نے انجیل مقدس کی تفسیر اسلامی نقطۂ نظر سے مرتب کی ہے اور جو "انجمن اسلامی" کے بانی ہیں - موصوف مذہبی معاملات میں 'انتخابیت" کے قائل ہیں یعنی ہر مذہب کی اچھی باتوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں* -

خطابات تقسیم کرنے کی رسم کے بعد ہندوستانی طریقے کے مطابق پان اور عطر تقسیم کیا گیا - پھر مختلف قسم کی تفریحات رہیں - رات میں چراغاں تھا - تاج محل کی بجلی کی روشنی کا عکس جمنا کے پانی پر پڑتا تھا جس کی وجہ سے عجب منظر پیدا ہو گیا تھا -

اب میں اصل موضوع کی طرف توجہ کرتا ہوں جس کے سلسلے میں یہ باتیں میں نے آپ صاحبوں کے سامنے بیان کیں -

---

* انجیل مقدس کی تفسیر کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں - پہلی جلد کے متعلق سنہ ۱۸۶۳ ع کے خطبے میں میں ذکر کر چکا ہوں - میں نے سنا ہے کہ دوسری جلد بھی یورپ پہنچ چکی ہے لیکن اب تک مجھے موصول نہیں ہوئی - اس میں باب 'پیدائش' کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے - یہ ترجمہ اصل عبرانی کے مطابق ہے —

ھندی کے حمایتیوں میں مسٹر ایف ایس گروس F.S.Growse کا اور اضافہ ہوا ہے * - معلوم ہوتا ہے وہ ان تعصبات پر یقین رکھتے ہیں جو اردو کے مخالفوں نے اس زبان کے متعلق ملک میں پھیلائے ہیں - اس کے ساتھہ موصوف یہ بھی کہتے ہیں کہ تیس چالیس سال قبل جو اردو رائج تھی اس کو باقی رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے † - لیکن شاید موصوف کو یہ معلوم نہیں کہ اس زمانے میں اردو کے خاص خاص شاعر زندہ تھے - حاتم اور ولی کا عہد یہی ہے - اس زمانے کی شاعری عربی اور فارسی الفاظ سے پُر ہے - چنانچہ شیکسپیر کی ڈکشنری ان سب الفاظ پر حاوی نہیں - اگر آپ اس وقت کی اردو کے سب الفاظ تلاش کرنا چاھتے ہیں تو جانسن کی لغت فارسی اور فریتاگ یا گولیس کی لغت عربی کی طرف ھاتھہ اٹھانا پڑے گا - مسٹر گروز جس ادبیات کو مصنوعی کہتے ہیں

---

* بقول مسٹر بیمز (Beames) ھندی کی حدود متعین کرنا بہت دشوار ہیں - دیکھو موصوف کی کتاب " ھندوستانی لسانیات کا خاکہ " - پنجاب میں ھندی پنجابی سے ملی جلی ہے اور سندھ میں سندھی سے - اندور میں گجراتی کے الفاظ اس میں شامل ہیں اور بنگال کی سرحد کے قریب بنگالی نے اس کی حدود میں راہ پالی ہے - اسی طرح وسط ھند میں مرھٹی اس سے جدا نہیں کی جا سکتی *

† دیکھو موصوف کا مضمون " ھندوستانی کے طرز انشا پر بعض اعتراضات " (جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال - نمبر ۱۳۲ صفحہ ۱۷۲) -

وہ فی الحقیقت اس کی مستحق ہے کہ لوگ اسے جانیں * - ہاں، میں بھی مسٹر گروز کی طرح اس باب پر اظہار افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ فورٹ ولیم کالج کے منشیوں نے خواہ مخواہ کی جو ایک خلیج اردو اور ہندی کے درمیان پیدا کر دی ہے وہ غیر ضروری ہے - یہ دراصل بڑی بھاری غلطی ہوگی اگر اردو اور ہندی کو دو مختلف زبانیں تصور کیا جائے-

پنڈت ینھمیا گورہ جنھوں نے مسیحی مذہب قبول کر لیا ہے، اپنے ایک خط میں، جو انھوں نے مسٹر کاول † حال پروفیسر سنسکرت، کیمبرج یونیورسٹی کو لکھا ہے، اپنے تئیں ہندی کے حامیوں کے زمرے میں شریک کرتے ہیں - ان کے نزدیک ہندی کو اردو پر ہر طرح ترجیح حاصل ہے - ہم موصوف کے اعتراضات کا بھی اسی طرح جواب دے سکتے ہیں جس طرح دوسروں کے مقابلے میں ہم نے کہا ہے - در اصل ہندو لوگ اس معاملے میں مشکل ہی سے غیر جانبداری کے ساتھ غور کر سکتے ہیں - ان کے قومی غرور کو اردو کے عربی

---

* مجھے تعجب ہے کہ مسٹر گروز نے اردو کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ "اس زبان کی نہ کوئی تاریخ ہے اور نہ اس کا کوئی ادب ہے " -

† سنسکرت کی پروفیسری کے لیے مسٹر کاول (Cowell) سے زیادہ موزوں شخص ملنا دشوار ہے - موصوف اپنے علم و فضل کی بدولت عام شہرت رکھتے ہیں - سنسکرت کے علاوہ آپ ہندوستانی سے بھی واقف ہیں- اس کے ساتھ یہ کبھی فراموش نہ کرنا چاہئیے کہ آپ نے ہندوستان کے دوران قیام میں تعلیم کو عام کرنے میں سعی بلیغ کی اور اس طرح اہل ہند کی بڑی خدمت کی —

اور فارسی الفاظ کی موجودگی سے صدمہ پہنچتا ہے - وہ چاہتے ہیں کہ اردو میں سے عربی اور فارسی کے الفاظ کلیتاً خارج کر دیے جائیں - وہ خالص ہندی یا برج بھاشا کو رواج دینے کے حوصلے رکھتے ہیں - لیکن دراصل اب اس قسم کی کوششیں بے سود ہیں - اردو ابتدا سے مختلف زبانوں کی پوٹ رہی ہے اور رہے گی —

لیکن پنڈت صاحب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ٹکسالی ہندی (High Hindi) اور سنسکرت دونوں مردہ زبانیں ہیں - خود ہندوؤں میں ان کا رواج بہت کم ہو گیا ہے - انہیں یہ بھی تسلیم ہےکہ اردو ہندوستان کے طول وعرض میں سمجھی جاتی ہے - پھر پنڈت صاحب میری طرح یہ بھی کہتے ہیں کہ اردو اور ہندی دونوں کی بنیاد ایک ہے - آپ چاہیں تو دونوں کے لیے ہندوستانی کا لفظ استعمال کریں - جب اسی زبان میں عربی اور فارسی الفاظ داخل کر دیے جاتے ہیں تو اس کو اردو کہتے ہیں اور جب خالص ہندی محاورے استعمال ہوں تو اسے ہندی کہتے ہیں - ہم بھی موصوف کے ساتھ متفق ہیں کہ ہندی اور اردو کی بنیاد ایک ہی ہے - ہم بار بار اس بات کو اس واسطے دہراتے ہیں تاکہ اس کی اہمیت واضح ہو جائے - پنڈت صاحب سنسکرت کے غیر مروجہ الفاظ کے استعمال کے خلاف ہیں اور اس کو اصولی حیثیت سے

برا بتاتے ہیں —

اب ہندوستانی کی صورت حال یہ ہے کہ اس کو دو بولیوں میں تقسیم کیا گیا ہے - ہندی میں اسلامی تہذیب کے الفاظ استعمال نہیں کیے جاتے - اس کے پیش نظر ازمنۂ متوسط کے ہندو مصنفین کی نقل ہے - ہندی ہندوستان کے گانوؤں میں اپنی اصلی شکل میں ملتی ہے- اردو میں، جسے ہم مسلمانوں کی ہندوستانی کہہ سکتے ہیں ' عربی اور فارسی کے بے شمار الفاظ استعمال ہوتے ہیں - اردو شہروں میں عام طور پر بولی جاتی ہے اس لیے تعلیم ' اخبارات اور تصنیف کے لیے یہی زبان موزوں ہے - چنانچہ مسیحی مبلغین مذہب اس زبان کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور نشر و اشاعت کے لیے استعمال کرتے ہیں- آخر میں ' 'میر امن' نے باغ و بہار کے دیباچے میں اردو زبان کی جو حقیقت بیان کی ہے اس کو میں یہاں نقل کرتا ہوں :-

" حقیقت اردو کی بزرگوں کے منہ سے یوں سنی ہے کہ دلی شہر ہندوؤں کے نزدیک چوجگی ہے - انہیں کے راجا پرجا قدیم سے وہاں رہتے تھے اور اپنی بھاکھا بولتے تھے- ہزار برس سے مسلمانوں کا عمل ہوا- سلطان محمود غزنوی آیا ' پھر غوری اور لودی بادشاہ ہوے - اس آمد و رفت کے باعث کچھ زبانوں

نے هندو مسلمان کی آمیزش پائی- آخر امیر
تیمور نے هندوستان کرلیا - ان کے آنے اور رهنے سے لشکر
کا بازار شہر میں داخل هوا ' اس واسطے شہر کا بازار
اردو کہلایا ...... امیر تیمور کے عہد سے محمد شاہ کی
بادشاهت بلکه احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے وقت
تلک پیڑهی به پیڑهی سلطنت یکساں چلی آئی- ندان
زبان اردو کی منجتے منجتے ایسی منجی که کسو شہر کی
بولی اس سے ٹکر نہیں کھاتی " —

اٹھارھواں خطبہ

۷ دسمبر سنہ ۱۸۹۸ ع

حضرات ! میں ہر سال اپنے خطبۂ افتتاحیہ میں آپ صاحبوں کے سامنے اس ذہنی تحریک کا ذکر کیا کرتا ہوں جو ہندوستان میں اپنا اثر دکھا رہی ہے - خاص کر میں نے اپنے موضوع کو ہندوستانی زبان تک محدود کر لیا ہے جس میں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی تہذیب کے عناصر شامل ہیں- میں اپنے اُستاد جان شیکسپیر کی طرح لفظ 'ہندوستانی' کو ہندی اور اردو دونوں کی مجموعی حیثیت کے لیے استعمال کرتا ہوں- میرے ان خطبات میں غالباً ہر اُس شخص کو دلچسپی ہوگی جو ذہن انسانی کی ترقی کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے - مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی معلوم ہوتی ہے کہ اہل ہند نے پچھلے سال ترقی کی راہ میں ایک قدم اور آگے کی جانب بڑھایا ہے اور مجھے توقع ہے کہ دوسروں کو بھی یہ سن کر خوشی ہوگی —

برهم سبها * کی اهمیت برابر هر سال بڑهتی جا رهی هے اور اس کا حلقۂ عمل وسیع هوتا جا رها هے- هندو لوگوں کی یه ایک اصلاحی انجمن هے جس کا مقصد یه هے که قدیم هندی معتقدات کو پهر سے زنده کیا جاے- صرف کلکته میں اس وقت تقریباً دو هزار خاندان اس سبها میں شامل هو چکے هیں - اس کے علاوه هزارها هندو ایسے هیں جنهوں نے اس سبها کے پیغام کو توجه سے سنا هے اور بت پرستی سے احتراز کرنے لگے هیں - ان میں سے اکثر نے اصولی طور پر ذات پات کے امتیاز کو بهی ترک کرنے کا عہد کر لیا هے لیکن عملی طور پر ابهی انهوں نے قدم آگے نہیں بڑهایا † —

اس انجمن کو اگر فروغ حاصل هوا تو هندوستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافه هوگا - اس تحریک کی بدولت یه ممکن هوگا که مغربی تہذیب اور قدیم هندی روایات میں ایک قسم کا امتزاج پیدا هو - اس سے هندو معاشرت کی اصلاح هوگی- اس میں کوئی مضائقه نہیں که یه کام مسیحیت کی بجاے اس کی روشنی کے عکس سے پایۂ تکمیل کو پہنچے- ممکن هے برهم سبها کے برهمن ارکان کو اس میں شبه هو که انهوں نے مسیحیت کی تعلیم سے فیض حاصل کیا هے لیکن بہر حال حقیقت حقیقت

---

* اس انجمن کو برهمو سماج بهی کہتے هیں - اس کے متعلق ڈیلی ٹیلیگراف مورخهٔ ۲ مئی سنهٔ ۱۸۶۸ ع میں ایک نہایت دلچسپ مضمون شایع هوا هے —

† انڈین میل مورخهٔ ۱۳ اپریل سنهٔ ۱۸۶۸ ع -

ہی رہتی ہے * —

اس انجمن کا جشن سالگرہ ۲۴ جنوری کو منایا گیا - راجا رام موہن رائے نے اس انجمن کو ۳۸ سال کا عرصہ ہوا قائم کیا تھا - اس تقریب کے سلسلے میں بابو کیشب چندر کے مکان سے جلوس روانہ ہوا جو دراصل فی الوقت ہندو موحدین کا مرکز سمجھا جاتا ہے - بابو صاحب کی عمر ۲۵ سال ہے اور وہ اس تحریک کے سرگروہ ہیں - جلوس مرزاپور کی طرف روانہ ہوا جہاں ایک نئے مندر کی اس موقع پر بنا ڈالی جا رہی تھی - خاص اس موقع کے لیے دعائیں لکھی گئی تھیں جنھیں لوگ گاتے جاتے تھے - ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی جھنڈی تھی جس پر سنسکرت زبان میں عبارتیں لکھی ہوئی تھیں - یہ عبارتیں اس تحریک کے معتقدات سے تعلق رکھتی تھیں مرزاپور پہنچنے کے بعد مندر کا سنگ بنیاد رکھا گیا - اس

---

* کولونیل چرچ کرانیکل میں (اپریل سنہ ۱۸۶۸ ء) کلکتہ کے ایک برہمن کا خط شایع ہوا ہے جس نے مسیحی مذہب قبول کرلیا ہے - وہ برہمو سماج کے ارکان کو دعوت دیتا ہے کہ جہاں انھوں نے ایک قدم آگے بڑھایا ہے وہاں ایک اور سہی - وہ انھیں یہ بھی بتاتا ہے کہ ان کی تحریک مسیحی ماحول کی رہین منت ہے اور یہ کہنا افسانے سے زیادہ وقیع نہیں کہ برہمو سماج اصلی ہندو تعلیم پر مبنی ہے - بنارس کے ایک اور دوسرے برہمن نے جس کا نام نہیمیا گورہ ہے اور جس نے مسیحی مذہب قبول کرلیا ہے ' ابھی حال میں کیتھولک مذہب کی حمایت میں ایک رسالہ شایع کیا ہے اور اس میں بھی برہمو سماج کے متبعین سے خطاب کیا گیا ہے - اس رسالے میں عذاب کے ابدی ہونے پر بھی بحث کی ہے اور برہمو سماج کے دعووں کا جواب دیا ہے - کولونیل چرچ کرانیکل - ستمبر سنہ ۱۸۶۸ ء -

رسم کی ادائگی کے وقت بھجن گائے گئے - شام کے وقت ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں بابو صاحب نےتقریر کی- اس تقریر میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا وہ مسیحی تعلیم سے بہت ملتے جلتے تھے- تقریر کے ختم ہونے پر ایک بھجن پڑھا گیا اور جلسہ برخاست ہوا —

بابو کیشب چندر نےکچھہ دنوں بعد بمبئی میں ایک جلسے میں جس میں منتخب لوگ شریک تھے اپنی انجمن کے متعلق تقریر کی اور نہایت خطیبانہ انداز میں ان اُصول پر روشنی ڈالی جن پر انجمن کی بنا رکھی گئی ھے * - اپنی تقریر کے دوران میں بابو صاحب نے خدا کی ذات کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوے بتایا کہ اس کا علم انسان کی عقل سے باھر ھے- بابو صاحب نے خدا کا جو تصور پیش کیا وہ اس سے مختلف تھا جو سینٹ پال نے ایتھنز کے لوگوں کے روبرو پیش کیا تھا- جس مقام پر آپ کی یہ تقریر ہوئی اُس کے اردگرد ھندوؤں کے بت خانے ھیں جہاں وشنو، شیو، گنیش، ھنومان، لکشمی اور پاربتی کی پوجا کی جاتی ھے- اس گردو پیش میں آپ نے بت پرستی کے خلاف تبلیغ کی اور کہا کہ گونگے بتوں کے آگے سر جھکانے سے

---

* بابو صاحب نے بمبئی میں جس انجمن کے زیر اہتمام تقریر کی اس کا نام "پرارتھنا سماج" ھے - پچھلے سال میں نے انجمن "وید سماج" کی نسبت ذکر کیا تھا - بظاھر معلوم ھوتا ھے کہ ان دونوں انجمنوں کے مقاصد مشترک ھیں —

بھلا کیا فائدہ ؟ - آپ نے یہ بھی فرمایا کہ توحید دراصل انسانی اخلاق کا سرچشمہ ہے - حضرت مسیح نے بھی توحید ہی کی تعلیم دی تھی - پھر آپ نے اس امر پر خاص کر زور دیا کہ معاشری مسائل کا بھی عقیدۂ توحید سے گہرا تعلق ہے - توحید میں اعتقاد کی بدولت بڑی نوع کی وحدت کا تصور انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے - جب آدمی خدا کی وحدانیت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ ذات پات کی تقسیم پر یقین نہیں رکھ سکتا - اس اعتقاد کی وجہ سے عدل و مساوات وجود میں آتی ہے - چنانچہ توحید کا ماننے والا قبل از بلوغت شادی ، عورتوں کو گھروں میں بند رکھنے ، بچوں کو قربان کرنے ، اور مذہبی جکڑ بندیوں کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتا جو ہندوستان کی تباہی کا باعث ہو رہے ہیں - بابو صاحب کے الفاظ ہیں کہ " اگر خدا کی وحدانیت پر میرا اعتقاد پکا ہے تو جبلی طور پر میں نہ صرف ہندوؤں کو بلکہ مسلمانوں ، پارسیوں اور اہل یورپ کو اپنا بھائی سمجھوں گا " -

اسی جگہ دوسرے جلسے میں بابو صاحب نے عبادت کی حقیقت کے متعلق اظہار خیال کیا اور کہا کہ سچی عبادت وہ ہے جو دل سے کی جائے - الفاظ کو حفظ کر لینے یا انہیں بار بار دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں اس واسطے کہ بسا اوقات لوگ ان الفاظ کے معنی تک سے بے خبر ہوتے ہیں - اپنی

وسیع مشربی کا ثبوت دینے کے لیے آپ نے شاستروں میں سے سنسکرت زبان میں چند دعائیں پڑھیں پھر اس کے بعد انجیل، زنداوستا اور قرآن سے چند دعائیں پڑھیں۔ آخر میں آپ نے کہا "ہم سبھوں کو دعا کرنی چاہیے کہ ہندو پارسی اور مسلمان کی تفریق اٹھ جائے اور جس قدر اور دوسرے فرقے ہیں جن کے باعث ہم میں نفاق پیدا ہو گیا ہے، دنیا سے مٹ جائیں!"—

موصوف نے بنارس میں اسی موضوع پر ایک تقریر کی جس میں بنگالی عورتوں نے بھی شرکت کی جو حجاب ڈالے ہوئے تھیں *—

پچھلے مارچ کے مہینے میں موصوف نے ڈھاکے میں ڈھائی سو ہندوؤں کے جلسے کی صدارت کی۔ جلسے کی کارروائی کا افتتاح انجمن کے بنیادی اصول پڑھنے سے کیا گیا۔ یہ اصول بالکل وہی ہیں جو "وید سماج" کے ہیں † حسب ذیل دفعات میں یہ اصول بیان کیے گئے ہیں —

(۱) اوم ‡ - ہر چیز کے وجود سے پہلے خدا موجود تھا - کائنات

---

* اے ایس شیرنگ کی کتاب "مقدس شہر بنارس" صفحہ ۲۲۴ -

† میں نے ۲ - دسمبر سنہ ۱۸۶۷ء کے خطبے میں ان کی نسبت تذکرہ کردیا ہے۔

‡ یہ ایک پر اسرار فجائیہ ہے جس کو ہندو لوگ اپنی تحریرات کے شروع میں لکھا کرتے ہیں - اس کی بڑی عالمانہ ترجیہیں کی گئی ہیں " بنگال ایشیا ٹک سوسائٹی کی کارروائی" مورخہ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ء میں مسٹر جے بیمز، ایچ بلوکمان اور راجندرلال متر نے اس پر اسرار لفظ کے متعلق اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے -

کو اس کی مشیت نے پیدا کیا —

(۲) وهی سب کا مالک هے اور اسی نے سب کو پیدا کیا - وہ هر جگه موجود هے وہ قادر مطلق هے- اس کو کوئی دیکھه نهیں سکتا - اس کی ذات کا انحصار کسی پر نهیں اور نه کوئی اس کی برابری کرنے والا هے- وہ نیکیوں کا سر چشمه هے اور عقل کا منبع —

(۳) اصل ایمان یه هے که اس کی ذات سے محبت کی جاے اور نیک اعمال کیے جائیں —

(۴) دنیاوی اور روحانی فلاح صرف اس کی بندگی سے حاصل هو سکتی هے —

ان بنیادی عقاید کے پڑھنے کے بعد ایک دعا پڑھی گئی جس میں قدیم اصنام پرستی اور همه اوستی خیالات کی جھلک پائی جاتی هے - اس دعا کے ابتدائی الفاظ یه هیں " اوم - اے مالک هم تیری پرستش کرتے هیں - تو آگ میں اور پانی میں ' پودوں میں اور نباتات درختوں میں اور کل کائنات میں جاری و ساری هے " * -

اس دعا کے بعد ایک دوسرے بابو صاحب نے تقریر کی جس میں حکومت برطانیه کی تعریف کی اور کہا که اس کے سایهٔ عاطفت میں اهل هند کو ضمیر کی آزادی کا حق حاصل هے -

---

* باقی دعا میں اسی خیال کو پھیلایا هے -

اس حکومت کی برکتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ملک میں تعلیم کا رواج بڑھ رہا ہے - ہندو لوگ اس تعلیم کے ذریعے سے اپنی عظمت پارینہ کو حاصل کرسکتے ہیں جس نے انہیں تمام دنیا کی اقوام میں ممتاز حیثیت دے دی تھی -

برھمو سماج کے ایک جلسے کا یہ حال جو کلکتہ میں منعقد ہوا تھا ایک شخص نے چشم دید بیان کیا ہے جو "بمبئی ٹائمز" میں شایع ہوا ہے - " جس مکان میں جلسہ منعقد ہوا وہ باہر سے دیکھنے میں زیادہ عالیشان نہیں ہے - وہ ایک گلی میں واقع ہے جہاں سے ہر وقت لوگ گزرتے رہتے ہیں - اس مکان کے بڑے کمرے میں پہنچنے کے لیے دو سیڑھیوں پر چڑھنا پڑتا ہے - یہ کمرہ لمبا ہے اور اس میں لکڑی کی بنچیں بچھی ہوئی ہیں دیواروں پر کسی قسم کی تحریریں یا مقولے آویزاں نہیں دکھائی دیتے - بیچ میں ایک اونچی جگہ ہے جس کے چاروں طرف جالی لگی ہوئی ہے اور جس کا فرش سنگ مرمر کا ہے - فرش کے ایک حصے پر ایک قالین بچھا ہوا ہے - اس جگہ سے الٹی جانب ایک چوکی پر دو برھمن پالتھی مارے بیٹھے ہوے تھے اور ان کے پاس دعاؤں اور بھجنوں کی کتابیں رکھی ہوئی تھیں - سامنے ایک تخت پر ایک گانے والا بیٹھا تھا - اس کے پیچھے قدیم برھمو سماج کے صدر کے بیٹے بابو بندرناتھ ٹکور

ہارمونیم بجا رہے تھے * شروع میں عبادت کی رسم ادا ہوئی اور پھر اس کے بعد اپنشدوں میں سے سنسکرت زبان میں بعض حصے پڑھے گئے - پھر ایک برھمن نے ایک مختصر سی تقریر کی- ا رُ س بعد گانے والے نے دعائیں ہارمونیم کے سروں کے ساتھ گانا شروع کیں - جلسہ ختم ہونے پر لوگ فوراً امرے سے باہر نکل کر اپنے اپنے گھروں کو چل دیے مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ساری کارروائی میں مجھے جذبات کی گرم جوشی سام کو بھی کہیں نظر نہ آئی - سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہوے تھے اور برابر ڈیڑھ گھنٹے تک جب تک جلسہ ہوتا رہا نہ کوئی اٹھا ' نہ کوئی سرکا اور جھکنے کا تو وہاں ذکر ہی نہیں تھا - ہاں ' حاضرین' جن کی تعداد سو کے قریب تھی نہایت توجہ کے ساتھ سب کچھ سنتے رہے اور کبھی کبھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے دل اعتقاد سے لبریز ہیں- نہ کمرے میں اور نہ آس پاس کہیں اور کوئی عورت موجود تھی —

برھمو سماج کے ارکان نے حکومت کو ایک عرض داشت پیش کی ہے جس میں یہ درخواست کی ہے کہ ان کی مخصوص

---

* مس کارپنٹر نے جو ریورنڈ لانٹ کارپنٹر کی بیٹی ہیں ' اپنے ایک خط میں لفظ " قدیم " کی تصریح کی ہے - اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں برھمو سماج تحریک کے لیڈر دیندر ناتھ ٹگور تھے جو دوارکا ناتھ ٹگور کے بیٹے تھے اور رام موھن رائے کے جگری دوست تھے - ان سے میری پیرس میں ملاقات ہوئی تھی - رام موھن رائے نے دیندر ناتھ ٹگور سے علحدگی اختیار کرنے کے بعد ایک زیادہ وسیع المشرب فرقے کی بنا ڈالی -

رسوم کے مطابق جو شادیاں کی جائیں انھیں حکومت تسلیم کرے لیکن اس کے ساتھ ھی بابو کیشب چندر نے اپنی ایک تقریر میں اس امر کی تصریح کر دی کہ برھمو سماج کی تحریک اس خیال کی تائید نہیں کرتی کہ وہ ھندو اور مسلمان جنھوں نے اپنے عقاید کلیتاً ترک کر دیے ھیں یا وہ لوگ جو ھمہ اوستی فلسفے یا افادیت کے قائل ھیں ' یا مشککوں یا عقل پرستوں کو بھی اس قانون کے تحت لایا جائے جو دراصل صرف انھیں کے فرقے کے لیے مخصوص ھونا چاھیے - ان کی تحریک کو دوسروں کے خیالات کے ساتھ گڈمڈ نہ کرنا چاھئے*-

چماروں کی ذات ھندوؤں کے نزدیک نہایت ذلت کی نظر سے دیکھی جاتی ھے - صوبۂ شمالی مغربی کے چماروں کو جب اس ذلت کی زیادہ برداشت نہ رھی تو انھوں نے ترک وطن کا فیصلہ کیا - چنانچہ تقریباً چار لاکھ آدمیوں نے اپنے دیس کو چھوڑ کر ' چھھلگڑہ ' میں توطن اختیار کیا جو دریاے مہا ندی کے قریب ایک سطح مرتفع ھے † - ان میں سے صرف چارسو چمار ایسے ھیں جنھوں نے اپنے آبائی پیشے کو جاری رکھا ھے - باقیوں نے کاشتکاری شروع کر دی ھے - ان میں سے بیشتر " ست نامی " تحریک کے ساتھ وابستہ ھوگئے ھیں- چنانچہ اکثر نے ذات پات کی تفریق اور بت پرستی کو ترک کر دیا

* انڈین میل مورخہ ۲۷ اگست سنہ ۱۸۶۸ ع -

† ٹائمز مورخہ ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۸۶۸ ع -

ہے اور اب وہ ایک خدا پر اعتقاد رکھتے ہیں - اس اصلاحی تحریک کا مقصد یہ ہے کہ ہندوؤں میں عبادت کا شوق پیدا کیا جائے ' حقہ چلم ترک کرائی جائے اور شراب اور دوسری نشہ آور اشیا سے احتراز کی تعلیم دی جائے * —

پچھلے موسم بہار میں بنگالیوں نے " چیت میلے " کے نام سے ایک بہت بڑا اجتماع منعقد کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ مختلف مذہب والوں اور مختلف ذات والوں کے درمیان بھائی چارا پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ اس سے عام ملکی فلاح و بہبود کی سبیل نکلے - چنانچہ اس میلے کے موقع پر ایک کمیٹی کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے کہ وہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے ذرائع تلاش کرے- نیٹو اوپنین (Native Opinion) مورخۂ ۱۲ اپریل سنہ ۱۸۶۸ ع میں لکھا ہے کہ اس کمیٹی کی پہلی کوشش یہ ہوگی کہ ذات پات کی تفریق کو مٹائے جس کی وجہ سے اہل ہند میں اتحاد پیدا ہونا ناممکن ہے- یہ کوشش نہایت مبارک ہے اور یورپین لوگوں کو اس کی جس قدر ہوسکے ہمت افزائی کرنی چاہیے —

آج کل پنجاب میں ایک ہندو شخص نے جس کا نام رام سنگھ ہے اصلاحی تحریک شروع کی ہے- یہ تحریک زیادہ تر

---

* ایچ ایچ ' ولسن ' نے اپنی کتاب " یادداشت متعلق فرقہ ہائے ہنود " میں سنہ نامیوں کی نسبت دلچسپ حالات لکھے ہیں صفحہ ۳۳۶ (جدید ایڈیشن)-

سکھ طبقے تک محدود ہے اور کہا جاتا ہے کہ کچھ مسلمانوں نے بھی اس کا اتباع شروع کر دیا ہے - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے پیرووں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ کے پہنچ چکی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصلاحی تحریک مذہبی نہیں سیاسی نوعیت رکھتی ہے † —

تہذیب و تمدن کا جو ہمارا معیار ہے اس کے مطابق اہل ہند ترقی کر رہے ہیں - سعدی کا قول بالکل درست ہے کہ "انسان کو اپنی صلاحیتوں کی نشو و نما کرنی چاہیے - صندل کی لکڑی میں اگر خوشبو نہ ہو تو وہ سوائے جلانے کے اور کس کام کی ہو سکتی ہے" —

اہل ہند کی ترقی کا حال ایک ہندوستانی اخبار کی زبانی سنیے * - "آج سے دس سال قبل اہل ہند کا عام دستور تھا کہ وہ اپنی زندگی بیکاری میں گزارتے تھے - لیکن اب حالت بالکل بدل گئی ہے - بچے پڑھنے لکھنے میں مشغول نظر آتے ہیں، جوان لوگ اپنے کام دھندے میں منہمک رہتے ہیں اور یہاں تک کہ بوڑھے بھی اس طرح بے فکری سے نہیں رہتے جیسے کہ پہلے رہا کرتے تھے - پہلے مزدور اپنی کاہلی کی وجہ سے قوت لایموت کو محتاج تھے لیکن

---

† انڈین میل مورخہ ۱۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ء نیز ۹ جولائی سنہ ۱۸۶۸ء -
* سوم پرکاش - ۳۰ جولائی -

اب اپنی مشقت کے بل پر انہیں سب کچھہ حاصل ہے - تعلیم کی ترقی اور ترویج ' تجارت کا فروغ اور ریلوں کی وجہ سے نقل و حرکت اور رسل و رسائل کے باعث اهل هند کی زندگی میں غیر معمولی تغیر پیدا هوگیا ہے "- لیکن اس کے بعد هی یہ هندوستانی اخبار افسوس کے ساتھہ لکھتا ہے کہ " شراب نوشی کا رواج روز بروز بڑھتا جاتا ہے - هندو معتقدات کے ماننے والے کم هوتے جاتے هیں - چنانچہ اب ان مذهبی رسوم کی پابندی ترک کی جا رهی ہے جن پر شاستروں کے مطابق عمل پیرا هونا ہر هندو کا فرض ہے - دن میں تین دفعہ جو هندوؤں کو عبادت کرنی چاهیے اس کی کسی کو پروا نہیں رهی - اب گھی کے چراغ کوئی نہیں جلاتا - دیوتاؤں کی مورتیوں کو اب لوگ صندوقوں میں بند کرکے رکھنے لگے هیں"-

هندوستانی اخبارات میں * والیان ملک اور اُمرا کے متعلق اس قسم کے مضامین دیکھنے میں آتے هیں کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کی طرف سے بے توجہی برت رهے هیں - اگر یہ لوگ تاریخ اور دوسرے علوم سے واقفیت حاصل کریں تو خود انہیں اس سے بہت فائدہ هوگا - اس طبقے کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اهل یورپ کے امرا کی مثال پیش کی جا رهی ہے کہ انہیں باوجود اپنے اعلیٰ نسب و شرف کے متفرق

* دیکھو اودھ اخبار ۱۸ اگست سنہ ۱۸٦۸ ع —

علوم سے واقفیت حاصل کرنے کا کس قدر شوق ہوتا ہے - لیکن ہندوستانی اخبارات میں بعض روشن خیال نوابوں کا بھی ذکر ملتا ہے مثلاً نواب رامپور جن کا نام کلب علی خاں ہے - وہ نہایت تعلیم یافتہ شخص ہیں۔ ان کی علم پروری کے دیسی اخبارات معترف ہیں - میرٹھ کے اخبار میں ان کی مدح میں ۸۰ اشعار کا قصیدہ نقل کیا ہے - اسی طرح مہاراجا کپور تھلہ کا شمار روشن خیال مہاراجوں میں کیا جاتا ہے - موصوف نے ابھی حال میں دس ہزار روپیہ بطور عطیہ دیا ہے تاکہ روز مرہ کی زبان کے توسط سے مغربی علوم کو رواج دیا جاے * —

دیسی امرا کے علاوہ برطانوی حکومت بھی دیسی زبانوں کی ہمت افزائی کر رہی ہے جس پر اس کو مبارک باد دینی چاہیے - دراصل ہندوستانی لوگ اس کے متعلق بہت عرصے سے مطالبہ کر رہے تھے - حکومت کے اس فعل سے اہل ہند کے دل میں برطانیہ کے ساتھ محبت پیدا ہوگئی ہے - وہی برطانیہ جس کی نسبت یونانی مورخ پروکوپ (Procope) کا خیال تھا کہ وہ " سانپوں سے پٹا پڑا ہے اور جہاں ممالک فرنگ (یعنی فرانس) کے مرے ہوؤں کی ارواح رات کے وقت پہونچی جاتی ہیں - ان ارواح کو ملاح لوگ اِس کنارے سے اُس پار

* انڈین میل مورخہ ۹ اپریل سنہ ۱۸۶۸ ع —

لے جاتے ھیں - ان ملاحوں کا کام ھی بس یہ ھے ' —

سر اسٹرا فورڈ نارتھہ کوٹ کے جدید مجوزہ قانون کی رو سے هندوستانیوں کو سول سروس میں داخل ہونے کا موقع ملے گا اور انہیں ان سب امتحانوں کی منزلوں سے نہیں گزرنا پڑے گا جن سے ھر انگریز کو گزرنا پڑتا ھے —

یہ واضح رھے کہ بے شمار ھندوستانی ایسے ھیں جو انگریزی زبان کی تحریر و تقریر پر کامل قدرت رکھتے ھیں - ان میں سے ایک کولھاپور کے مہادیو گوبند راناڈے ھیں جو بمبئی کے الفنسٹن کالج میں انگریزی ادب کے پروفیسر مقرر کیے گئے ھیں - وہ اس خدمت کے لیے نہایت موزوں شخص ثابت ھوے ھیں * —

جونا گڑہ کی ریاست کے ولی عہد شہزادۂ بلند اختر کی بسم اللہ کی تقریب میں ۲۲ جولائی سنہ ۱۸۶۸ ع میں ایک جلسہ منعقد ھوا جس میں نواب جونا گڑہ کے اعزہ و اقارب کے علاوہ اعلی عہدہ داروں ' امرا ' شیوخ اور علماے شہر نے شرکت کی - شہزادے کے استاد محمد خیرات علی نے اردو میں اس موقع پر ایک تقریر کی جو اودہ اخبار مورخہ ۱۸ اگست سنہ ۱۸۶۸ ع میں چھاپی گئی ھے - اس تقریر کے بعض اجزا کا ذیل میں ترجمہ درج کیا جاتا ھے † -

---

* ھوم ورڈ میل مورخہ ۱۰ فروری سنہ ۱۸۶۸ ع - † یہ فرانسیسی عبارت کا ترجمہ ھے -

" شہزادۂ ولی عہد کی بسم اللہ کے موقع پر میں علم کی تعریف میں چند کلمات بیان کرنا چاہتا ہوں - کسی دانشمند کا قول ہے کہ ہر علم مفید ہے - جاننا نہ جاننے سے ہر حالت میں بہتر ہے - آپ سب تعلیم و تعلم کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھتے ہیں - آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدائے عز و جل نے کائنات میں جس قدر اشیا پیدا کی ہیں ان میں علم کا مرتبہ سب سے بلند ہے - علم کے ذریعے سے انسان کو ذی حیات اشیا کی تکوین و تشکیل' ان کا طریق زندگی اور ان کے خصائص کا پتا چلتا ہے - علم ایک طرح کی روشنی ہے اور جہالت بمنزلۂ تاریکی ہے - علم کائنات ہستی کی جان ہے - بغیر اس کے وہ ایک بے جان جسم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھ سکتی - علم سے انسان ہدایت پاتا ہے بغیر اس کے وہ بھٹکا بھٹکا پھرتا ہے- علم دولت ہے اور جہالت افلاس' علم عزت ہے اور جہالت ذلت' علم سے انسان سر بلندی حاصل کرتا ہے اور جہالت اسے گڑھے میں گراتی ہے - انسان کو' عقل و تمیز کے باعث جن سے وہ اچھائی برائی میں فرق کرتا ہے' اشرف المخلوقات کہا گیا ہے - بغیر علم کے عقل و تمیز کی روشنی حاصل نہیں ہو سکتی- اچھائی اور برائی کے درمیان آدمی علم ہی سے فرق کرسکتا ہے علم ہی سے انسان انسان بنتا ہے- علم ہی کی بدولت اسے اس کا حال معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور اسے کہاں جانا ہے - اگر انسان اپنے تئیں سمجھ لے تو گویا اس

کو ذات باری تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگئی - علم اور اپنی ذاتی صلاحیت کے ذریعے انسان کائنات فطرت کے رموز و اسرار سے واقفیت حاصل کرسکتا ہے - اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنی قوت سے کیونکر تمام کائنات کے کار خانے کو چلاتا ہے - غرض کہ انسانی نطق کی یہ طاقت نہیں کہ علم کی کما حقہ تعریف کر سکے جس کی بدولت دین و دنیا کے مسائل کا حل کیا جاتا ہے —

'علم کی قسموں میں سے ایک فلکیات ہے جس کے ذریعے ستاروں کی رفتار اور ان کی گردش ' ان کا طلوع و غروب اور ان کے عروج و زوال کا حال معلوم ہوتا ہے - سورج سے دنیا کو حرارت اور زندگی حاصل ہوتی ہے - اسی پر موسموں کے تغیر و تبدل کا دار و مدار ہے - قطب ستارہ اور قطب نما کے ذریعے اور اس کی مدد سے آپ جہاز رانی کر سکتے ہیں اور سمندروں کی راہ سے ممالک غیر کی سیر کر سکتے ہیں - ان کے رسوم و علوم کا حال معلوم کر سکتے ہیں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں تجارتی مال لے جا سکتے ہیں - ایک زراعت کا علم ہے جس کی بدولت غلے اور پھل پھلواری حاصل کی جا سکتی ہے جو انسان کی غذا کے کام آتی ہے - علوم کی تعداد حد شمار سے باہر ہے - اگر ان سب کا یہاں ذکر کیا جائے تو طول کلام ہوگا ... حیوانات نباتات اور جمادات سب انسان کی

خاطر تخلیق کیے گئے ھیں - ان کے ذریعے ہم اپنی ضروریات پوری کر سکتے ھیں اور حظ بھی حاصل کر سکتے ھیں - ھم جس طرح چاھیں انھیں استعمال کر سکتے ھیں - تندرستی میں بھی اور حالت بیماری میں بھی —

" علوم کو ھم دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ھیں - علوم دینی اور علوم دنیاوی - ان دو شقوں کے علاوہ اور تیسری کوئی ہو ھی نہیں سکتی - ایک کے ذریعے ھم خدا کی معرفت حاصل کرتے ھیں اور دوسرے کے ذریعے فطرت کے راز ھم پر منکشف ھوتے ھیں - انسان کو چاھیے کہ وہ ان علوم کے حاصل کرنے کی سعی کرے اور اس کے ساتھہ اس کا اعتراف کرتا رھے کہ بغیر خدا کی مشیت کے انسان کچھہ نہیں کر سکتا - اس کا کرم ھو تو انسان علم حاصل کر سکتا ھے - خدا کی سب سے بڑی نعمت عقل ھے جس کا تعلق انسان کے دماغ سے ھے - علم سے عقل کو جلا ھوتی ھے - اگر انسان تحصیل علم کے لیے ساعی نہ ھو تو اس کی روح کو زنگ لگ جاتا ھے - علم سے انسان کی عقل میں روشنی پیدا ھوتی ھے ' جہالت کی تاریکیاں دور ھوتی ھیں اور اشیا کی حقیقت معلوم ھوتی ھے " —

" ویسے تو علم حاصل کرنا ھر کس و ناکس کے لیے ضروری ھے لیکن خاص کر انھیں اس کی اور بھی زیادہ ضرورت ھوتی ھے جنھیں خدا نے انسانوں کی حکومت عطا کی ھے - انھیں

چاهیے که خوش انتظامی اور اپنی رعایا کی فلاح و بهبود کو سمجهنے کے لیے تحصیل علم کریں تاکه ان کے لشکر اور عام مخلوق ان سے خوش رهے - ان کا فرض هے که تعلیم کو رائج کرنے کی حتی المقدور کوشش کریں - اس سے ان کی رعایا کو بهی فائده هوگا اور خود ان کا نفع بهی اس میں هے - اسی طرح عندالضرورت وه اپنی رعایا کی امداد پر بهروسا کرسکیں گے" -

مذهب و معاشرت کی ان اصلاحی تحریکوں کا ذکر کرنے کے بعد جن کی ابتدا خود هندوستانی لوگوں نے کی هے' هم مسیحی مذهب کی تبلیغ و اشاعت کے متعلق کچهه کهنا چاهتے هیں که یه بهی اهل هند کے لیے نهایت اهم اور اصلاحی کام هے - مسیحی مذهب کی صداقت کا اعتراف اور اس کی ترقی اس قدر تیزی کے ساتهه نهیں هو رهی هے جیسی که توقع کی جاتی هے - لیکن یه ضرور هے که اس ضمن میں جو کچهه کام کیا جا رها هے وه نهایت ٹهوس هے —

"سالنامۂ تبلیغ و اشاعت" میں هندوستان کے کل کیتهولک لوگوں کی تعداد ٨ لاکهه بتائی گئی هے - اس میں سے ایک لاکهه ٦٠ هزار سیلون میں هیں جیسا که وهاں کے اسقف نے واضح کر دیا هے جن کا نام ڈاکٹر بون جان هے جو در اصل میڈیا (Medea) کے بزرگ کلیسا هیں - آپ کو اس کی خاص فکر رهتی هے که دیسی عیسائیوں کو تعلیم و تلقین کریں اور ان کے

دیلی حقوق کی نگہہ داشت کریں * —

مسیحیت کی تعلیم و تلقین سب سے پہلے ہندوستان میں سینٹ طامس نے کی تھی - پھر ان کے بعد ایک اور دوسرے طامس اور فرانسوا زیویر نے مسیحی مذہب کا پیغام اہل ہند کو پہنچایا - آج اس وقت ہمارے زمانے میں بھی پر جوش مبلغین مسیحیت ہندوستان میں جوش و خلوص کے ساتھ کام کر رہے ہیں - قدیم شرک و کفر کے ماننے والوں اور جدید فطرت پرستی کے علم برداروں کے مقابلے میں ان مبلغین مسیحیت کو ہر جگہ کامیابی ہو رہی ہے - جیسا کہ انجیل مقدس میں ہے : "صداقت پسند دلوں کے لیے تاریکی میں روشنی ظاہر ہو جاتی ہے" † اور "اب وقت آگیا ہے کہ وہ جو روحانی اعتبار سے مر چکے ہیں خداوند کے فرزند کی آواز کو کان دھر کے سنیں" ‡ - ایک سہ پہر کی عبادت کے وقت کی دعا کے الفاظ یہ ہیں : "اگرچہ حضرت مسیح دنیا سے کوچ کر گئے لیکن ان کی روح مقدس ہر لمحہ کلیسا میں نئی زندگی پیدا کرتی رہتی ہے - کلیسا ان کا جسم باطنی ہے - وہ باطنی طور

---

* "Answers to the Questions proposed by the Sub-Committee of education of Ceylon", by Rev. Ch. Bonjean, Colombo, 1867.

† Ps. CXI, 4.

‡ سینٹ جان کی انجیل -

پر کلیسا میں موجود ہیں۔ کلیسا کے اعضا و جوارح کو ان کے دم سے زندگی حاصل ہوتی ہے اور اس کے ہر فعل پر ان کا اثر موجود ہوتا ہے" —

مسٹر کلارک نے اپنے ایک خط مورخہ ۱۳ فروری سانہ ۱۸۶۸ع میں شہر امرتسر کے چرچ مشن کے متعلق بعض اطلاعات بہم پہنچائی ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: "مسیحیت کی ترقی آہستہ آہستہ ہو رہی ہے لیکن اس سے ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ ہم عدم توجہی اور کفر و شرک کے سرد سمندر سے چاروں طرف گھرے ہوے ہیں۔ مسیحیت کی لہر پر جو شخص آجاتا ہے وہ نجات کے کنارے لگ جاتا ہے۔ اس کی تعلیم میں ایک ایسی قوت موجود ہے کہ اہل فکر اس کی بدولت ابدیت کی صراط مستقیم پر پہنچ سکتے ہیں" ... —

اسکاتستان کے آزاد کلیسا کی شاخ جو ناگپور میں قایم کی گئی ہے مسیحی تہذیب و تبلیغ کا کام کمال خوبی کے ساتھ انجام دے رہی ہے۔ اس شاخ کے قایم کرنے والے ایک نہایت ذی علم اور انسانیت پرست شخص ہیں جن کا نام ای بشپ ہے۔ لاہور کا امریکی مشن بھی خوب پھل پھول رہا ہے۔ لاہور میں اس مشن نے جو کالج قایم کیا ہے اس کے طلبہ کے تقسیم کے جلسے میں سر ڈانالڈ مک لیوڈ نے صدارت کی۔ موصوف نے دوران تقریر میں اس امر پر زور دیا کہ دیسی زبانیں جو

دیہات میں بولی جاتی ہیں ان کو ترقی دینےکی کوشش کرنی چاہیے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ان زبانوں سے پوری واقفیت مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے بھی ناگزیر ہے۔ مسیحیت کا پیغام دیہاتوں تک پہنچانے کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کی زبان میں رسالے لکھوا کر تقسیم کراے جائیں * —

شہر سیہور میں جو بیگم صاحبہ بھوپال کی حدود حکومت میں واقع ہے ' چالیس ہزار روپے کے خرچ سے ایک کلیسا تعمیر کیا گیا ہے۔ اس رقم کا بیشتر حصہ خود بیگم صاحبہ بھوپال اور ہلکر والی اندور نے اپنے پاس سے دیا ہے - دیسی امرا نے بھی چندے سے اس کام میں مدد دی ‡ —

انگلیکن (Anglican) کلیسا جن میں ہر اتوار کے روز خطبہ و عبادت کا انتظام کیا جاتا ہے' تعداد میں برابر بڑھ رہے ہیں۔ ان میں روزانہ عبادت بھی ہوتی ہے - (انڈین میل ' ۷ مارچ سنہ ۱۸۶۸ ع) —

دہلی میں ایک طبی مشن ابھی حال میں قائم ہوا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اہل ہند کی مستورات کے علاج کا علحدہ انتظام کیا جاے اور اس کے ساتھ ان میں مسیحی تعلیم کی

---

* Colonial Church Chronicle مورخہ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ ع میں اس کا اعلان کیا گیا ہے کہ صوبجات شمالی و مغربی میں تبلیغ و اشاعت کی غرض سے "انجمن ترقی علوم مسیحی' اردو زبان میں رسائل تیار کروا رہی ہے -

‡ انڈین میل' مورخہ ۵ مارچ سنہ ۱۸۶۸ ع -

نشر و اشاعت کی جاے - ایک خاتون اس کام میں شریک ہیں جن میں وہ سب اوصاف بدرجۂ اتم موجود ہیں جو اس قسم کے کام کرنے والوں میں ہونے چاہئیں - وہ زنانے میں آتی جاتی ہیں اور انھوں نے دیسی عورتوں کو تعلیم دے کر بیماروں کی تیمارداری وغیرہ کے کام سکھا دیے ہیں- چنانچہ اس مشن کو توقع سے زیادہ کامیابی ہو رہی ہے - مشن کے اس کام کی بدولت دہلی کی بہت سی غریب عورتوں کے لیے آمدنی کا ایک سہارا ہوگیا —

میرے پچھلے خطبے کے بعد ۱۲ دسمبر سنہ ۱۸۹۷ع کلکتہ کے بزرگ کلیسا نے جو سارے ہندوستان اور سیلون کے لاٹ پادری ہیں ' اپنی پہلی تقریر میں اپنے ہم مذہبوں کی حالت کا جائزہ لیا اور ان کے لیے راہ عمل پیش کی - موصوف نے اس تقریر کی نقل مجھے بھی بھیج دی ہے - اس کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے سال موصوف نے چالیس مختلف مقامات میں بپتسما کی رسم ادا کی ' پچیس جلسے منعقد کراے ' مدرسوں اور کالجوں کا معائنہ کیا ' چوبیس اسپتالوں اور چار قید خانوں میں گئے ' تین نئے کلیساؤں کی افتتاحی رسم ادا کی اور نو قبرستانوں میں دعا کے لیے گئے - موصوف کے ان مشاغل کو دیکھتے ہوے آپ کے جوش مذہبی کا پتا چلتا ہے - آپ بلا تکلف دیسی لوگوں کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں اور خاص کر اردو

پر آپ پورے طور پر حاوی ہیں۔ آپ نے اپنی تقریر کے دوران میں مسیحی مذہب کے مبلغوں کو اس ضرورت کا احساس کرایا کہ وہ ملکی زبانیں محنت سے سیکھیں تاکہ دیسی لوگوں کے ساتھ اپنا تعلق قایم کرسکیں - آپ نے کہا کہ اہل ہند کے توہمات میں تو کمی پیدا ہو رہی ہے لیکن وہ ابھی مسیحی مذہب قبول کرتے ہوے ہچکچاتے ہیں - موصوف کے الفاظ یہ ہیں: "یہ سچ ہے کہ اہل ہند مسیحی مذہب کے اُصول و عقاید کی پاکیزگی کو تسلیم کرتے ہیں اور حضرت مسیح کی پاک زندگی اور ان کی سیرت کو بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں لیکن جب وہ خود مسیحی مذہب کے نام لیواؤں کو دیکھتے ہیں تو ان کی زندگی کو ان کے مذہبی اُصول کے منافی پاتے ہیں۔ ان حالات کو دیکھ کر وہ ایک طرح کی روحانی کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان کے دل کی بے چینی اور بڑھ جاتی ہے۔ یورپ میں آج کل عقل پرستی کا دور دورہ ہے، چنانچہ اس کا اثر ہمیں اہل ہند پر بھی نظر آتا ہے - جب وہ دیکھتے ہیں کہ خود مسیحی لوگ اپنے مذہب کی پیروی نہیں کرسکتے تو ایسا مذہب قبول کرنے سے کیا فائدہ، جہاں تک کہ مادیت کے نظریوں کا تعلق ہے میں ذاتی طور پر ملمین کا ہم خیال ہوں کہ "ان نظریوں پر عمل کرنے سے انسانی فطرت نہایت پست ہوجاتی ہے - مادیت کے

نظریوں اور قدیم زمانے کے نظریۂ تناسخ میں کوئی فرق نہیں ہے جس کی وجہ سے انسان تقدیر کا قائل ہوکر زندگی سے مایوس ہو جاتا ہے - ہمہ اوستی فلسفے میں بھی یہ خیال ملتا ہے- میرا خیال ہے کہ موجودہ نظریے بہت دن تک نہیں چل سکیں گے جس طرح وہ قدیم زمانے میں بہت دن تک نہ چل سکے"- میں اور دوسرے مسیحیوں کی طرح دعا کرتا ہوں کہ ایسا ہی ہو -

"خطروں سے انسانی اعتقاد میں نئی جان پڑتی ہے- آدھی رات کا اندھیرا ایمان کے لیے روز روشن کی طرح ہے'

ریورنڈ پروفیسر بنرجی اور بابو کمندر موھن ٹگور کے اهتمام سے کلکتہ میں ایک دیسی عیسائیوں کی انجمن قایم ہوئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جن هندوستانیوں نے مسیحی مذهب قبول کر لیا ہے ان کو پاک بار زندگی کی تلقین کی جائے اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے - یہ دونوں حضرات پہلے هندو تھے * —

اس سال کے دوران میں بعض ممتاز مسلمان مسیحیت کے حلقے میں داخل ہوے ہیں - چنانچہ دهلی کے شاهی خاندان کی بعض شہزادیوں کے بپتسمے کی رسم ابھی حال میں منائی گئی ہے —

اودہ اخبار ۲ جولائی میں یہ خبر درج ہے کہ ایک نہایت

---

* Colonial Church Chronicle, Oct. 1868

سر برآوردہ اور عالم فاضل ہندو نے جس کا نام بابو رام ناتھ ہے ' اسلام قبول کر لیا ہے - ہندوستان میں ہندوؤں کا حلقۂ اسلام میں داخل ہونا باعث تعجب نہ ہونا چاہیے اس واسطے کہ قرآن میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انجیل کی بعض صداقتوں کو شامل کر لیا ہے۔ چنانچہ یہی صداقتیں ہیں جنھیں دیکھ کر ہندو گمراہی کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں - اس باب میں میں ان ارباب قلم سے اختلاف رکھتا ہوں جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے معتقدات کو گڈ مڈ کر دیتے ہیں یا مسلمانوں کو ہندوؤں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں- انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام دراصل مسیحیت ہی کی ایک شاخ اور اس کی تعلیمات کی غلط توجیہ کا نام ہے حالانکہ ہندوؤں کا دھرم اہل یونان و روما کے مذہب کی طرح اصنام پرستی پر مبنی ہے جس کو مسیحیت نے تباہ کیا - ہندوؤں کے بت ان بتوں کی طرح ہیں جنھیں سینٹ پال نے پامال کیا اور ان کے توہمات تو اہل یونان و روما کے توہمات سے بھی گئے گزرے ہوئے ہیں - یہ سچ ہے کہ ہندوستان میں آکر اسلام نے ہندوانہ گرد و پیش کا اثر قبول کر لیا ہے جس سے اس کی اصلی سادگی پر بٹا لگ گیا ہے —

اخبار عالم مورخہ ۲۱ مئی سنہ ۱۸۶۸ ع میں ایک عجیب و غریب واقعہ درج ہے- مسیحی مبلغین اور مسلمان مولویوں

نے ایک موقع پر باہم یہ طے کیا ہے کہ وہ آپس میں مل کر مباحثہ کریں گے اور اگر مبلغین مسیحیت کے دلائل تشفی بخش ہوے تو مولوی ان کا مذہب قبول کر لیں گے ورنہ وہ اسلام کے حلقے میں اپنے تئیں شامل کر لیں گے۔ مجھے اس کا علم نہیں کہ اس مباحثے کا کیا نتیجہ نکلا۔ لیکن بہر نوع مجھے اس کا کامل یقین ہے کہ مسلمان کبھی یہ تسلیم نہیں کریں گے کہ وہ مباحثے میں ہار گئے —

مسلمانوں اور ہندوؤں کو کامل طور پر اس کی آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنے اپنے عقائد کی تبلیغ کریں جس طرح مسیحی مشنری کرتے ہیں۔ مسلمان لوگ خاص کر اس آزادی سے پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ چنانچہ دہلی کے گلی کوچوں میں ان کے واعظ جلسے منعقد کرتے ہیں اور اپنے دین کی حمایت میں مسیحی مشنریوں کے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں اور اپنے مذہب کی فضیلت ثابت کرتے ہیں۔ دہلی کے مسلمان پنجاب کے شیعہ لوگوں کی طرح مہدی موعود کا ذکر نہیں کرتے۔ پنجاب کے شیعوں کا خیال ہے کہ سنہ ۱۲۸۶ ھ مطابق سنہ ۱۸۶۹ع میں امام مہدی کا ظہور ہوگا جو سنہ ۲۳۶ھ مطابق سنہ ۸۷۹ ع میں اس دنیا سے روپوش ہو گئے تھے۔ امام مہدی قیامت سے پہلے ظاہر ہو کر مسلمانوں کو غیروں کے جوے سے نجات دلائیں گے —

'پدیا بلاس' کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں مسیحی مبلغین کے ہندوؤں اور مسلمانوں سے خوب مباحثے رہے - لیکن چونکہ مباحثے کے سلسلے میں دل خراش باتیں کی گئیں اور گالی گلوچ تک نوبت آگئی تو مجسٹریٹ نے اس قسم کے جلسوں کو ممنوع قرار دے دیا ہے - لیکن ہر فرقے کو اس کی اجازت باقی ہے کہ وہ اپنے مذہبی عقائد کی نشر و اشاعت کرے لیکن اس طریقے سے کہ کسی دوسرے کے مذہب کی تذلیل اور کسی کی دل آزاری نہ ہو - ہندوؤں کے پنڈت اور مسلمانوں کے علما مشنری لوگوں کی طرح برابر اپنے مذاہب کی حمایت میں جلسے منعقد کر رہے ہیں - اودھ اخبار کے مدیر نے بھی اپنے اخبار میں اس کے متعلق اظہار خیال کیا ہے کہ جس وقت سے انگریزی حکومت اودھ میں قایم ہوئی ہے اس وقت سے برابر مسلمانوں کو چاہے وہ سنی ہوں یا شیعہ یہ حق حاصل رہا ہے کہ وہ بھی مشنریوں کی طرح لکھنو میں اپنے جلسے منعقد کریں اور ان کے اعتراضات کا جواب دیں- حکومت اس معاملے میں مطلق دخل اندازی نہیں کر رہی ہے- یہ مضمون ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے- " ہمیں پوری توقع ہے کہ ہندو پنڈت اور مسلمان علما اپنے اپنے شہروں میں دہلی' اور لکھنو کی طرح' اپنے مذہب کی حمایت میں جلسے منعقد کریں گے اور اس امر کا خاص لحاظ رکھیں گے

کہ مسیحی مذہب کے متعلق بیجا بد گوئی اور طعن سے احتراز کیا جائے گا " ۔

پچھلے سال میں عماد الدین کے مسیحیت قبول کرنے اور ان کی اس تصنیف کے متعلق ذکر کر چکا ہوں جس میں انہوں نے اسلام کی تکذیب کی ہے۔ اس کتاب کا نام " تحقیق الایمان" ہے - مجھے اس کا ایک نسخہ پہنچ چکا ہے اور ان کے مشرف بہ مسیحیت ہونے کا حال بھی ان کی ایک تصنیف سے معلوم ہوا ہے۔ اس تصنیف کے شروع میں ایک دیباچہ ہے جس میں مصنف نے اپنی زندگی کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ بعض بعض جگہ تعلّی سے کام لیا ہے۔ لیکن اس قسم کی تحریرات صرف مشرقی ممالک ہی کی خصوصیت میں سے نہیں ہیں۔ یہ پوری تحریر لطف سے خالی ہے۔ موصوف نے اپنا مذہب بدلنے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے - موصوف کہتے ہیں کہ پندرہ سال کی عمر سے مجھے مذہبی تحقیق و جستجو کا شوق پیدا ہوا اور اس غرض سے میں نے علما اور فقرا کی صحبت اختیار کی تاکہ ان کی تعلیم سے فیض حاصل کروں - میں نے مسجدوں اور خانقاہوں کی خاک چھانی ، فقہ اور حدیث کی تحصیل کی - لیکن جب سے مسیحی مذہب کے متبعین سے ملنے جلنے کا

---

* انھوں نے اپنے مسیحی مذہب قبول کرنے کا حال " واقعات عمادیہ " میں لکھا ہے - وہ ایک ماہوار اخبار کے مدیر بھی ہیں جس کا حال آگے آئے گا ۔

موقع ملا اس وقت سے مجھ پر یہ کھلا کہ مذہب اسلام کے حقائق پر شبہہ کیا جا سکتا ہے۔ جب میں نے اپنے یہ شبہات علما کے سامنے پیش کیے تو انہوں نے تیوریوں پر بہت کچھ بل ڈالے اور بعض نے اپنے استدلال سے میری تشفی کی کوشش کی۔ اس کے بعد میں نے مذہبی تحقیق کو ترک کیا اور علم و ادب کی تحصیل میں مشغول ہوگیا۔ لیکن شبہات میں کوئی کمی پیدا نہ ہونا تھی نہ ہوئی۔ اس پر میں نے صوفیا کا مسلک اختیار کرنا چاہا اور مراقبے میں رہنے لگا۔ میں نے کھانا پینا بہت کم کر دیا، رات رات بھر قرآن کی تلاوت کیا کرتا تھا اور صرف ان مسلمانوں کی صحبت میں جاتا تھا جو اپنے اتقا کی وجہ سے مشہور تھے۔ پنج وقتہ نماز کے علاوہ میں نے تہجد اور چاشت کی نماز بھی شروع کر دی۔ اولیا کے مزاروں پر زیارت کے لیے جاتا تھا اور راہبوں کی طرح جنگلوں میں زندگی بسر کرنے لگا۔ تصوف کی ایک کتاب میں نظر سے گزرا کہ کاغذ کے پرزوں پر اللہ تعالیٰ کے نام لکھ کر ان میں جو کا آٹا بھر کے پڑیاں بنا کر دریا میں پھینکو تاکہ مچھلیاں کھائیں۔ مدتوں اس پر عمل کیا لیکن نہ مراقبے سے، نہ عبادت سے اور نہ کسی اور ذریعے سے دل کو اطمینان نصیب ہوا۔ قرآن کی وہ آیات جن میں دوزخ کی نسبت حالات بیان کیے گئے ہیں میرے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگیں۔ میں نے ان کا مقابلہ حضرت مسیح کی تعلیم اور ان کے مذہب

کے معتقدات سے کیا —

اس وقت تک عماد الدین اسلامی عقائد کو تسلیم کرتے تھے بلکہ آگرہ کی شاہی مسجد میں مشنری (Pfander) کے خلاف تقریریں کرتے تھے اور اس کے اعتراضات کا جواب دیتے تھے - مشنری Pfander کی کتابوں سے جو ہندوستانی زبان میں لکھی گئی ہیں سارے ہندوستان میں ہل چل مچ گئی ہے اور ہر طرف سے ان کے جوابات دیے جا رہے ہیں —

آخر آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اسلامی علما عماد الدین کی تسکین کرنے سے عاجز ہوگئے - وہ اب اپنے کمرے میں سب سے الگ بیٹھ کر رویا کرتے تھے- اس دوران میں ان کو ایک مسلمان فاضل مولوی صفدر علی کے مسیحیت قبول کرنے کا علم ہوا - اس کا اثر یہ ہوا کہ عماد الدین نے بھی انجیل مقدس اور متعلقہ کتب کا مطالعہ شروع کردیا - اسے مسٹر مکلنتوھ سے جو ایک نہایت ہمدرد اور فاضل انگریز تھے بڑی مدد ملی- موصوف لاہور کے نارمل اسکول کے ناظم تھے - بالآخر پورے غور و خوض کے بعد عماد الدین نے یہ فیصلہ کیا کہ مسیحی مذہب قبول کرلینا چاہیے - ریورنڈ ٹی آر کلارک سے بھی اس معاملے میں مدد ملی - میں ریورنڈ کلارک کی بیوی کے خط کے متعلق اوپر ذکر کرچکا ہوں - ریورنڈ کلارک کے ہاتھ پر عماد الدین نے ۲۹ اپریل سنہ ۱۸۶۶ ع کو بپتسما قبول کیا اور انہیں وہ روحانی

عافیت حاصل ہوئی جس سے وہ عرصے سے محروم تھے —

پچھلے سالوں میں ہندوستان میں جو علمی اور ادبی انجمنیں قائم ہوئی ہیں وہ برابر اپنا کام کیے جا رہی ہیں۔ ان میں سب سے اہم علیگڑھ والی انجمن ہے جس کے بانی سید احمد خاں ' صدر الصدور بنارس ہیں جنھوں نے اپنی اس تصنیف کے باعث خاص شہرت حاصل کرلی ہے جو انہوں نے انجیل مقدس کی تعلیمات کے متعلق لکھی تھی۔ یہ انجمن ' انجمن اسلام سے مختلف ہے جس کی نسبت میں ابھی ذکر کروں گا * - اس کو مذہبی معاملات سے کوئی واسطہ نہیں - اس کی رکنیت ہندوؤں اور انگریزوں کے لیے بھی ممکن ہے - اس انجمن کا مقصد وحید یہ ہے کہ مغربی علوم و فنون کو اردو میں ترجمے کے ذریعے رواج دیا جائے تاکہ ان تک ہر ہندوستانی کی رسائی ہوسکے -

اس انجمن کی مطبوعات کی ساتویں جلد میرے پیش نظر ہے - یہ آر - ایس - برن کی کتاب "Outlines of modern farming" کا اردو میں ترجمہ ہے- اس کا نام " رسالۂ علم الفلاحت " ہے - اس کتاب میں تصاویر بھی ہیں اور ترجمے میں حواشی کا

* ۳ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ ع اور ۱۸۶۷ والے خطبوں میں میں نے غلطی سے ان دونوں انجمنوں کو آپس میں گڈمڈ کردیا ہے —

اضافہ کیا گیا ہے * - اس انجمن کے اخراجات کی کفالت ارکان کے عطیات سے ہوتی ہے - اس انجمن نے ایک علحدہ فنڈ اس غرض سے قائم کرنا شروع کیا ہے کہ ہندوستانی نوجوانوں کو بغرض تعلیم یورپ بھیجنے کا انتظام کیا جائے تاکہ مغرب میں جو کچھ بھی جاننے کے لایق ہے اس کو ہندوستانی نوجوان سیکھیں اور اپنے ملک کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کریں † - یہ خبر بھی مشہور ہے کہ خود سید احمد خاں کا انگلستان جانے کا قصد ہے - آپ اس انجمن کے بانی ہیں اور آپ اس سال پھر اس کے معتمد اعزازی مقرر کیے گئے ہیں - سید احمد خاں ایک نہایت جید عالم ہیں - آج کل آپ ایک فہرست تیار کرنے میں مشغول ہیں جس میں اردو زبان کی سب کتابوں کا حال درج ہوگا - گویا یہ فہرست کیا ہوگی زبان اردو کی تاریخ ہوگی اس کے ساتھ آپ نے ایک "اردو لغت" کا کام بھی شروع کر دیا ہے - اس لغت میں اردو زبان کے سب محاورے درج ہونگے ‡ - یہ

---

* یہ کتاب ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے - یہ لیتھو میں نہیں بلکہ ٹائپ میں چھاپی گئی ہے - سید احمد خاں کے مطبع میں اسی انجمن کی کتابیں طبع کی جاتی ہیں - کچھ دنوں سے ایک اخبار بھی اس مطبع سے شائع ہونا شروع ہوا ہے جس کی نسبت آگے ذکر آئے گا —

† اخبار عالم ' مورخہ ۲ اپریل سنہ ۱۸۶۸ع —

‡ میں نے یہ معلومات ۲۲ مئی کے اس انجمن کے رسالے سے حاصل کی ہیں جس میں راجا جے کشن داس کی پوری رپورٹ درج ہے جو انھوں نے ۹ مئی کے عام جلسے میں پڑھی تھی - موصوف انجمن کے معتمد ہیں —

فہرست اور لغت دونوں انجمن کے سلسلۂ مطبوعات میں شامل ہوں گی - ان کے علاوہ قدیم اردو شعرا کے انتخابات اردو اور فارسی شاعری اور خطابت پر کتب تصنیف کرائی جائیں گی - انجمن کے پروگرام میں یہ بھی داخل ہے کہ عربی اور فارسی کی تاریخیں اور دیگر مشہور کتب کا اردو میں ترجمہ کرایا جائے * - اس انجمن کی طرف سے متعدد انگریزی کتابوں کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں - یہ بھی اس کے مقاصد میں شامل ہے کہ مغربی علوم صحیحہ اور منطق پر اردو میں کتابیں تصنیف کرائی جائیں میں سمجھتا ہوں یہ صرف تجربتاً کیا جا رہا ہے اس لیے کہ مغربی اور ایشیائی نقطۂ نظر میں اس قدر فرق ہے کہ یہ کام بہت دشوار معلوم ہوتا ہے - لیکن ممکن ہے کہ یہ تصانیف موجودہ حالت میں ان مصنفوں کے لیے مفید ثابت ہوں جو آئندہ ہندوستان میں جنم لیں گے —

بہت عرصے سے مجھے "رسالۂ انجمن لاہور" نہیں ملا - اس انجمن کا مقصد بھی یہ ہے کہ مفید علمی معلومات کی نشر و

---

* ان کتابوں میں حسب ذیل شامل ہیں - تاریخ یمینی ، تاریخ ابوالفضل ، تاریخ المآثر ، (غالباً تاریخ تاج المآثر مراد ہے ، مترجم) ، طبقات ناصری ، تاریخ فیروز شاہی ، تاریخ تیمور ، انتخاب تاریخ ابن خلکان -

اشاعت کی جاے * - میں خود اس انجمن کا رکن ہوں ۔ اس انجمن کی جانب سے ۳۲ رسالے شائع ہو چکے ہیں - ایک رسالے کو " اخبار عالم " نے پورا نقل کر دیا ہے † - اس کا عنوان " جانداروں کے ارتقا کی کڑیاں " ہے اس رسالے میں مختلف جانوروں کی اقسام کے متعلق بحث کی گئی ہے ۔ مکھی سے لے کر ہاتھی ، اونٹ اور مگر مچھ ، سب ہی کے متعلق کچھ نہ کچھ اس میں موجود ہے ‡ - اس رسالے کے شروع میں لکھا ہے کہ " بعض جانور انسان سے بڑے ہوتے ہیں اور ان کی عمریں بھی اس سے زیادہ ہوتی ہیں لیکن وہ عقل سے محروم ہوتے ہیں - اس عقل کی بدولت انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے " - مولف رسالہ نے خاص کر اس فرق کی صراحت کی ہے جو انسان اور جانور میں پایا جاتا ہے - اسی ضمن میں مولف نے لکھا ہے کہ چھوٹے چھوٹے جانوروں کی جبلی قوت مدرکہ بڑے جانوروں سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہے - غرض کہ اس

---

* ۱۰ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ع کے " اخبار عالم " سے معلوم ہوا کہ نواب سکندر علی خاں رئیس مالیر کوٹلہ نے ایک ہزار روپے کے علاوہ جو انھوں نے انجمن کو پہلے دیے تھے ، ایک لاکھ روپے کا عطیہ مرحمت فرمایا ہے - اس اخبار سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نواب صاحب موصوف عنقریب انگلستان کے سفر کے لیے روانہ ہونے والے ہیں اور اپنے بڑے صاحبزادے کو تعلیم کے لیے ہمراہ لے جائیں گے جن کی عمر ۱۲ سال ہے -

† " اخبار عالم " مورخہ ۱۳ نومبر سنہ ۱۸۶۷ع - (میرٹھ)

‡ یہ رسالہ " اخوان الصفا " کی طرح ہے جس کا میں نے " les Animaux " کے نام سے ترجمہ کیا ہے -

رسالے میں اسی قسم کے مباحث ہیں جن کے متعلق میں زیادہ تفصیل نہیں دینا چاہتا ―

ایک اور دوسرے رسالے کے مرتب کا خیال ہے کہ ہندوستان میں تہذیب و تمدن کی ترقی محض خیالی ہے - اصلیت میں اس کا کوئی وجود نہیں * - اس کے الفاظ یہ ہیں ۔ "یہ بہت دشوار ہے کہ دیسی لوگوں کی ذہنیت سے ان کے قدیم تعصبات علحدہ کیے جائیں اور ان خلاف فطرت رسوم کو معدوم کیا جائے جو ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہیں - سوائے اس کے کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ خدا اپنی قدرت سے یکایک ہندوستان کے حالات بدل دے - یہ درست ہے کہ بعض مقامات پر اسکول اور کالج قایم کیے جا رہے ہیں لیکن ان سے کوئی فائدہ نہیں - تھوڑی بہت تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب کسی ہندوستانی کو لکھنا پڑھنا شد بد آ جاتا ہے تو اس کی تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ نوکری حاصل کر لے چاہے وہ ادنیٰ درجے ہی کی کیوں نہ ہو - نوکری مل جانے کے بعد لکھنا پڑھنا سب ختم ہو جاتا ہے - اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ در حقیقت ان لوگوں کو علم حاصل کرنے کی سچی خواہش نہیں ہوتی - اگر کسی کو پڑھنے سے دلچسپی ہوئی تو وہ قصے کہانیوں کی کتابیں پڑھتا ہے - مثلاً بدر منیر ، بکاولی ، اور

---

* رسالہ نمبر ۲۵ ―

باغ و بہار وغیرہ - فی الوقت اس کی کوئی توقع نظر نہیں آتی کہ ہندوستانی لوگ تاریخ، اخلاق اور فلسفہ کی کتابوں کو رغبت کے ساتھ پڑھیں - دراصل ضرورت اس کی ہے کہ مذکورۂ بالا موضوعوں پر وہ کتابوں کا مطالعہ کریں - بڑے افسوس کی بات ہے کہ حکومت کی جانب سے دھلی میں سنہ ۱۸۴۰ ع میں جو ترجموں کا سلسلہ شروع ہوا تھا وہ جاری نہ رہ سکا اور اُن کی اشاعت کا کام بند ہو گیا * —

پچھلے سالوں کی طرح اس سال بھی ۸ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۴ ھجری مطابق ۴ مارچ سنہ ۱۸۶۸ ع کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں انجمن اسلام کا جلسۂ عام منعقد ہوا - اس میں مختلف مضامین پڑھے گئے اور بعض نادرالوجود اشیا کی نمائش کی گئی- جلسے میں وائسرائے بہادر، لفٹننٹ گورنر بنگال، دیسی امرا اور انگریزوں کے بعض سربرآوردہ لوگوں نے شرکت کی- مدیر " اخبار عالم " نے اس امر پر اظہار تاسف کیا ہے کہ وہ خود اس سالانہ جلسے میں شریک نہ ہو سکے - موصوف کو

(*) سنہ ۱۸۴۰ ع میں میرے دوست ایف بوترو (F. Boutros) پرنسپل دھلی کالج اور ان کے جانشین ڈاکٹر اے اسپرنگر کے زیر اہتمام انگریزی کتب کا اردو میں ترجمہ شروع کیا گیا تھا اور حکومت نے اس کام کی سرپرستی اپنے ذمے لی تھی- چنانچہ متعدد کتب کے تراجم شائع ہوئے جن کی ہندوستان میں اس وقت تک بہت قدر ہوتی ہے- افسوس ہے کہ یہ سلسلہ عرصے تک جاری نہ رہ سکا - ہماری خواہش ہے کاش کہ پھر کوئی اس کام کو شروع کرے —

انجمن کے مقاصد سے ہمدردی ہے اور آپ نے اس کی اکثر موقعوں پر بہت تعریف کی ہے اور یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ کیا اچھا ہوتا اگر ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں اس قسم کی انجمنیں قایم ہو جاتیں تاکہ علوم و فنون اور ادب کو ترقی دی جائے اور ہندوستان کے تمول و فلاح میں اضافہ کیا جائے —

۱۳ مارچ کو بنگال کی "انجمن علم عمرانی" (Social Science Association) کا ایک جلسہ کلکتہ میں منعقد ہوا - اس جلسے میں دیسی امرا و روسا کے علاوہ بہت سے انگریزوں نے بھی شرکت کی جو سول اور فوج دونوں صیغوں سے تعلق رکھتے تھے * - گزشتہ جون کے مہینے میں اس انجمن کے "مجلۂ علمیہ" کا دوسرا نمبر شائع ہوا ہے - اس میں صدر جلسے کا خطبہ درج ہے اور اس کے علاوہ ملکی تجارت و صنعت، صفائی تہوار اور اسی قسم کے دوسرے مسائل پر مضامین ہیں - ایک مضمون تعلیم مسلمانان ہند پر اور ایک تعلیم نسواں پر ہے - یہ مضامین اس لیے دلچسپی کا باعث ہیں کہ ان کے لکھنے والے خود ہندوستانی ہیں - ایک مضمون میں ریورنڈ جے لانگ نے بنگال کی کہاوتوں کو جمع کر دیا ہے † —

اس انجمن نے متعدد اہم سوالات کا اعلان کیا ہے اور

(*) اخبار عالم، مورخہ ۱۶ اپریل سنہ ۱۸۶۸ م -
(†) ہوم ورڈ میل، مورخہ ۶ مئی سنہ ۱۸۶۸ م -

قابل اور اهل لوگوں سے ان کے جواب مانگے هیں - ان سوالات کے ذریعے سے تعلیم و تعلم ' لڑکوں اور لڑکیوں کے مدارس اور ایسے مدارس قایم کرنے کےلیے معلومات حاصل کرنےکی کوشش کی گئی ہے جہاں لڑکے اور لڑکیاں ساتھ مل کر تعلیم حاصل کریں * —

سنہ ١٨٦١ع میں مہاراجہ مدارس اور مہاراجہ وزیانگرم کے زیر سرپرستی ایک " مجلس مباحثہ " قایم هوئی ہے جو ایک خالص علمی جماعت ہے - یہاں مذهبی اور سیاسی مسائل پر بحث کی اجازت نہیں ہے - اس میں اعلیٰ خاندانوں کے هندو اور مسلمان دونوں شریک هیں جنہیں هندو یا اسلامی ادب سے دلچسپی ہے' ان کے علاوہ بعض یورپین بھی اس مجلس میں شریک هو گئے هیں - اس مجلس کے جلسے هفتہ وار منعقد هوا کرتے هیں اور مختلف مسایل پر تقریروں کا انتظام کیا جاتا ہے - تقریر کے بعد ارکان مجلس کو متعلقہ مسائل پر بحث و گفتگو کی اجازت هوتی ہے - جس طرح هماری یورپین انجمنوں میں هوتا ہے اس مجلس میں بھی ارکان کو اس کا پورا موقع حاصل هوتا ہے کہ وہ اپنے خیالات کی نشو و نما کرسکیں -

یہ مجلس بھی " انسٹیٹیوٹ آف فرانس " کی طرح پانچ حصوں میں منقسم ہے : تعلیم ' عمرانی ترقی ' فلسفہ و ادب ' علوم و فنون اور قانون - اس مجلس کے هر شعبے کا صدر یورپین

(*) انڈین میل ' ٢٧ فروری سنہ ١٨٦٨ ع -

ہے لیکن معتمدین ہندوستانی ہیں۔ بد قسمتی سے میں اب تک اس انجمن کی مطبوعات سے ناواقف ہوں۔ میرے پیش نظر "مجلۂ علمیہ" کا بس ایک نمبر ہے جس کے متعلق میں ذکر کر چکا ہوں۔ اس میں سنہ ۶۵ - ۱۸۶۴ ع کی رپورٹ شامل ہے اور اس کے علاوہ ۳۷ مضامین ہیں جو سب کے سب سوائے ایک کے، ہندوستانیوں کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بیشتر مضامین اردو یا ہندی میں ہیں۔ سب مضمونوں کا کم و بیش اس موضوع سے تعلق ہے کہ ہندوستانی لوگوں کی ذہنی اور اخلاقی ترقی کے واسطے نئی راہیں نکالی جائیں۔

ان مضامین کے بعض عنوان یہ ہیں: تعلیم نسواں کے فوائد، پردے کی خرابیاں، یورپین لوگوں سے ملنے سے کیا علمی فائدے حاصل ہوتے ہیں، ہندوستان میں علوم طبیعی کی ترقی، سنسکرت خطابت، عربی فلسفہ اور ہندوؤں کی موسیقی وغیرہ۔ ہندوستانی زبان سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے حسب ذیل عنوان ہیں: ہندی کی اہمیت، اردو کی ابتدائی کتب اور فارسی رسم الخط کا بہ مقابلہ رومن خط کے قابل ترجیح ہونا۔ ماہ جون میں انجمن کا جو جلسہ منعقد ہوا تھا اس میں یہ مسئلہ بھی زیر بحث رہا کہ نوجوانوں کو جسمانی ورزش کی اہمیت جتانی چاہیے جیسے قدیم اہل یونان کا دستور تھا *۔

(*) اودھ اخبار مورخہ ۲۳ جون سنہ ۱۸۶۸ ع۔

ابھی حال میں اعلان ہوا ہے کہ لکھنو میں "انجمن تہذیب" کے نام سے ایک علمی اور ادبی حلقہ قایم ہوا ہے جس کے مقاصد کم و بیش وہی ہیں جو بنارس کی انجمن کے ہیں - اس انجمن میں عام سیاسی مسائل، قوانین، رسوم، علوم و فنون اور موجودہ ہندوستانی ادب کے متعلق بحث و گفتگو ہوا کرے گی- اس انجمن کے اصلی کارکن پنڈت اور منشی لوگ ہیں - اس انجمن کے معتمد شیونرائن ہیں جنھوں نے اردو اور ہندی کے اخبارات سے درخواست کی ہے کہ وہ انجمن کی مطبوعات کے معاوضے میں انجمن کو اپنا اخبار بھیجا کریں-

اسی قسم کی متعدد انجمنیں ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں قایم کی جا رہی ہیں یہ سب در اصل نتیجہ ہے اس تعلیم کا جو ہندوستانی لوگوں کو سرکاری یا مشن کے مدارس میں دی جا رہی ہے - ان انجمنوں کے قیام سے یہ فائدہ ہوا ہے کہ اہل ہند میں تحقیق و جستجو کا مادہ پیدا ہو رہا ہے اور ان میں علم حاصل کرنے کا شوق بڑھ رہا ہے * - دہلی کی انجمن کے قواعد و ضوابط رسالہ ' دہلی سوسائٹی " کے نام سے شائع ہوے ہیں - یہ قواعد و ضوابط اردو میں ہیں اور پیارے لال نے انہیں ترتیب دیا ہے —

---

* Trubner's Literary Record مورخۂ فروری سنہ ۱۸۶۸ ع میں بھی اس قسم کی راے کا اظہار کیا گیا ہے - میں اس راے سے بالکل متفق ہوں-

میرتھہ میں ایک " انجمن فلکیات " قایم ہوئی ہے جس
ں ۵۰ ارکان شریک ہیں - اس کے قواعد و ضوابط میرے
س نظر ہیں جو اردو میں ہیں اور نہایت سلیس زبان میں
ے گئے ہیں - فی الحال اس انجمن کی طرف سے ایک ماہوار
الہ شائع ہوگا جس میں انجمن کی تمام کارروائیوں پر
مرہ ہوا کرے گا - ارکانِ انجمن کا خیال ہے کہ کچھہ عرصے
، ایک مستقل علمی مجلہ شائع کیا جاے گا —

لاہور ہندوستان کے اور دوسرے شہروں سے اپنی علمی و
بی خدمت کے باعث سبقت لے گیا ہے - یہاں پہلے سے ایک
می انجمن موجود ہے اور اس کے علاوہ اور دوسری متعدد
اعتیں ہیں جو علم و ادب کی خدمت انجام دے رہی
ں - " جامعۂ مشرقیہ " کے قیام کے بعد اور زیادہ مدد ملے گی
سٹر لیپل گرفن (Lepel Griffin) کا خیال ہے کہ وہ ایک
انجمن ہمالیہ' قایم کریں جس کے پیش نظر یہ مقصد ہوگا کہ
الیہ پہاڑ کے متعلق جہاں تک ممکن ہے معلومات فراہم کی
ائیں - اس باب میں علم نسل' لسانیات' آثار قدیمہ اور
ہب کے متعلق خاص تحقیقات کی جاے گی —

لاہور میں ایک " انجمن حیوانات " بھی قایم ہوئی ہے
س کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک کے حیوانات
نمونے جمع کیے جائیں اور ان کے خصائل و عادات کا مقابلہ

اور تحقیق کی جاے —

میں سال گزشتہ اس عرض داشت کے متعلق ذکر چکا ہوں جو صوبۂ شمال و مغربی کے ہندوستانی باشندوں نے کلکتہ یونیورسٹی کے نام بھیجی تھی جس کو سر اے گرانٹ۔ ہندوستان کی کیمبرج سے تعبیر کرتے ہیں اس لیے کہ بمبئی یونیورسٹی ان کے نزدیک ہندوستان میں بمنزلۂ آکسفورڈ ہے * - اس عرض داشت کا مضمون یہ تھا کہ جس طرح مغربی علوم میں یونیورسٹی سند عطا کرتی ہے اسی طرح مشرقی علوم کے لیے سند ہونی چاہیے - لیکن اس عرض داشت کو یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ نے مسترد کردیا - اب ان عرض داشت بھیجنے والوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنی علحدہ یونیورسٹی قایم کریں گے جس میں مشرقی علوم کی ہندوستانی میں تعلیم دی جاے گی † - اس یونیورسٹی کو "جامعہ مشرقیہ" کے نام سے موسوم کیا جاے گا اس لیے کہ یہاں خاص کر قدیم ہند کی السنہ و ادب کی تعلیم کا انتظام کیا جاے گا اگرچہ اس کے ساتھ دوسرے علوم کی بھی تعلیم دی جاے گی - چونکہ تینوں صوبوں کی یونیورسٹیاں مغربی طرز کی ہیں

* موصوف صوبۂ بمبئی کے ناظم تعلیمات تھے اور آج کل اڈنبرا یونیورسٹی میں پرنسپل ہیں —

† دیکھیے " بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی کارروائیاں " سنہ ۱۸۶۶ م صفحہ ۱۲۰ -

اور ان میں انگریزی میں تعلیم دی جاتی ہے' اس لیے اپنی خصوصیت کے لحاظ سے اس کو مشرقی کہا جائے گا * - اگر اس یونیورسٹی کو قایم کرنے میں کامیابی ہوئی تو پوری توقع ہے کہ ہندوستانی زبان کی نشاۃ ثانیہ کے لیے راستہ صاف ہوجائے گا اور اردو زبان میں مشرقی مذاق کے مطابق محاوروں اور استعاروں کو باقی رکھتے ہوے مغربی خیالات کی ترویج ہوسکے گی - گویا اردو مغربی خیالات کے ساتھ تطابق کی کوشش کرے گی اور جدید تصورات و افکار کی بدولت ایک نئی زندگی وجود میں آے گی --

ہم سرڈی مک لیوڈ لفٹننٹ گورنر پنجاب کے دلی طور پر ممنون ہیں کہ صاحب موصوف نے اپنی ایک تقریر کے دوران میں فرمایا کہ ہندوستانیوں کی یہ کوشش بجا اور درست ہے کہ وہ اپنی اور اپنے آبا و اجداد کی زبان کو سرکاری نظام تعلیم میں کما حقہ اہمیت دلانا چاہتے ہیں - آپ نے فرمایا

---

* انگریز پرستی کے خلاف اس وقت ہندوستان میں ایک ردّ عمل نظر آتا ہے - واقعی یہ بات قابل افسوس ہے کہ ہندوستانیوں کو انگریزوں سے بڑی زیادہ صاحب بننے پر نظر ہوتا ہے اور ان کی جامعات میں ہاتھوں کی زبان اختیار کی جا رہی ہے - چنانچہ مولوی وحیدالدین جو انگریزی تعلیم کے حامیوں میں سے ہیں اور جنھوں نے اپنے خرچ سے چھوٹے بچوں کے لیے ایک مدرسہ بھی قایم کیا ہے جہاں انگریزی کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے' اس انگریز پرستی کے خلاف بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں -

کہ سرکاری عہدہ داروں کو اپنی دیسی زبان پر پوری قدرت حاصل کرنی چاہیے بالخصوص وہ جن کے تفویض تعلیم دینے کا کام ہے ان کے لیے دیسی زبان سیکھنا ناگزیر ہے - اس کی یقیناً ضرورت ہے کہ بعض استادوں کو انگریزی کی مہارت حاصل ہو لیکن بہر حال عوام کی تعلیم ان کی زبان ہی میں ممکن ہے - وہ لوگ جو عوام کو تعلیم دینے کی غرض سے مقرر کیے جائیں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ عوام کی زبان میں اظہار خیال کر سکیں تاکہ اس طرح سے مغربی اور مشرقی علوم کے امتزاج کی شکل پیدا ہو سکے - اگر یہ اساتذہ مشرقی کلاسک پر حاوی ہوں اور مشرقی نقطۂ نظر رکھتے ہوں تو وہ در اصل اُردو کے جدید ادب کو پیدا کر سکتے ہیں جو اہل مغرب اور اہل مشرق کے باہمی میل جول کے باعث جنم لے گا —

میرے ایک پرانے شاگرد سٹین کار (Seton Karr) نے جو کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں، جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر تقریر کرتے ہوے یونیورسٹی سنڈیکیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوے کہا تھا کہ اس میں کوئی ہرج نہیں کہ ایک چوتھی یونیورسٹی ہندوستان کے کسی بڑے شہر میں قایم کی جاے اور لاہور کی مشرقی جامعہ کے مجوزہ لائحۂ عمل کو اختیار کیا جاے - آپ نے ہندوستان کے ہمدرد کی حیثیت سے

یہ الفاظ فرمائے * " اس کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ سانسکرت میں لوگ ڈاکٹر کی ڈگری حاصل نہ کریں ' عربی میں تکمیل کی سند نہ پائیں † اور ہندی میں بی - اے ' نہ کر سکیں - ان السنہ کی بھی وہی قدر و قیمت ہے جو انگریزی کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانیوں کے نزدیک ان زبانوں کی انگریزی سے زیادہ اہمیت ہے - یہ ایک خیال خام ہے کہ انگریزی کبھی بھی سارے ہندوستان کی مشترک زبان ہو سکے گی جس طرح مغلوں کی عمل داری کے ساتھ فارسی مٹ گئی ‡ کسے معلوم کہ انگریزی کا بھی یہی حشر نہیں ہونے والا ہے"-

لاہور میں مشرقی جامعہ قایم کرنے کی تجویز عام طور پر مقبول ہوئی § - پنجاب ایک بڑا صوبہ ہے جس کی آبادی

---

* انڈین میل مورخہ ۹ اپریل سنہ ۱۸۶۸ ع -

† عربی کے ذکر پر مجھے یاد آیا کہ مسٹر ہارل نے جو میرٹھ کے حلقے کے ناظر تعلیمات ہیں ' حکومت کے ایما پر ایک " عربی اردو " لغت تیار کرانا شروع کی ہے - یونیورسٹی کے طلبہ جو امتحانات کی تیاری کرتے ہیں انہیں اس لغت سے بہت مدد ملے گی اور ان کے علاوہ ہر ہندوستانی اور ہر مسلمان اس سے استفادہ کر سکے گا -

‡ میرے خیال میں یہ دعوی پورے طور پر صحیح نہیں ہے اس لئے کہ فارسی زبان ہندوستان سے بالکل مٹ نہیں گئی - ہاں فارسی میں لوگ گفتگو نہیں کرتے لیکن اب بھی فارسی میں لوگ اسی طرح ہندوستان میں لکھتے ہیں جیسے یورپ میں لاطینی میں -

§ اس طرح ڈاکٹر لیٹنر کی خواہشیں پوری ہوں گی - موصوف آج کل دردستان کشمیر اور تبت ادنی کے متعلق تصانیف لکھنے میں مصروف ہیں - آپ ان علاقوں کی السنہ کے متعلق تحقیق کر رہے ہیں جن کے متعلق کسی نے پہلے کوئی کام نہیں کیا - آپ کا خیال ہے کہ یہ السنہ سنسکرت سے نکلی ہیں -

ایک کروڑ ۷۰ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے - مہاراجہ کشمیر نے اس جامعہ کے قیام کے لیے ایک لاکھ روپے کی رقم عطا کی ہے - کشمیر وہی خطہ ہے جس کے متعلق طامس مور نے لکھا ہے " کون ہے جس نے وادی کشمیر کے گلابوں کا ذکر نہیں سنا جو دنیا میں اپنی نظیر آپ ہیں اور کون ہے جس نے وہاں کے مندروں ' غاروں ' اور چشموں کا ذکر نہیں سنا ہے جو ایسے صاف و شفاف ہوتے ہیں جیسے عاشق کی آنکھیں جس کے دل میں معشوق کی صورت بسی ہوتی ہے (لالہ رخ) - ہمیں پوری توقع ہے کہ پنجاب کے دوسرے والیان ملک مہاراجہ کشمیر کی تقلید کریں گے - مہاراجہ پٹیالہ نے بھی اس جامعہ کے قیام و استحکام کے لیے ۲۰ ہزار روپیہ کا عطیہ دیا ہے - راجہ جیلد اور راجہ نابھا دونوں نے گیارہ گیارہ ہزار روپیہ دیا ہے - سردار صاحب کالسیا نے تین ہزار روپیہ دیا ہے - راجہ بلسپور اور رئیس ناھن دونوں نے پانچ پانچ سو روپے دیے ہیں - مہاراجہ کپور تھلہ نے دو ہزار روپے سالانہ دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن اب انہوں نے اس رقم کے علاوہ بھی دس ہزار روپے دیے ہیں اور دوسرے والیان ملک نے بھی اپنا سالانہ چندہ بہ نسبت پہلے کے دو چند کر دیا ہے اور بعضوں نے بڑی بڑی رقموں کا وعدہ کیا ہے - سب والیان ملک محسوس کر رہے ہیں کہ اس جامعہ کے قیام سے اہل ہند کی روشن خیالی میں اضافہ ہوگا - لاہور کے باشندوں نے بھی

اس جامعہ کے ساتھہ اپنی ہمدردی صرف زبانی جمع خرچ سے نہیں کی ہے بلکہ وہ عملی طور پر چندے میں شریک ہو رہے ہیں اور اپنی دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں * —

اس جامعہ کا قیام عملی طور پر ممکن ہو گیا ہے - چنانچہ "اودھ اخبار" کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس یونیورسٹی کی ایک کمیٹی بنادی گئی ہے جس میں ہندوستانی اور یورپین دونوں شریک ہیں - اس کمیٹی میں ڈاکٹر لیٹنر بہ حیثیت رکن ہیں - اس یونیورسٹی کی تحریک کے حامیوں کا ایک جلسہ بتاریخ ۹ ستمبر لاہور میں منعقد ہوا تھا تاکہ اس پر غور کیا جائے کہ لاہور کے گورنمنٹ کالج کی مجوزہ یونیورسٹی کے نصاب کے متعلق ہمدردی کیونکر حاصل کی جائے اور اس کالج میں مشرقی علوم کی ہمت افزائی کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں - چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ اس کالج کو سولہ سو روپے سالانہ کی رقم دی جائے تاکہ وہاں اردو اور فارسی کی تعلیم کا انتظام کیا جائے اور ان دونوں زبانوں کا شوق پیدا کرنے کی غرض سے طلبہ کو وظایف دیے جائیں بشرطیکہ حکومت اس رقم کی دگنی رقم اسی مقصد کے لیے کالج کو دینا منظور کرے -

صوبے کے مرکزی مقامات میں عجائب خانوں کے قایم کرنے

* صرف پچھلے جون کے مہینے میں لاہور کی پبلک نے نو سو گیارہ روپے چندے کے لیے جمع کیے - ہوم ورڈ میل مورخہ ۱۴ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ ع -

کی جو تجویز تھی اس کے موافق لاہور میں ایک بڑا عجائب خانہ قایم کیا گیا ہے * گورنر جنرل بہادر نے آثار قدیمہ کے متعلق ایک رپورٹ مرتب کرنے کی تجویز منظور کی ہے جس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کی ایسی عمارتوں کا حال جو تاریخی اہمیت رکھتی ہیں، تفصیل سے درج ہوگا - آثار قدیمہ میں بعض تین ہزار سال کے پرانے ہیں - حکومت اس امر کی کوشش کرے گی کہ ان کی حفاظت کا انتظام کیا جاے - ان آثار کی تصاویر بنائی جائیں گی اور ان کے بلاک تیار کراے جائیں گے —

کپتان هالرائڈ (Holroyd) جو ابھی حال میں پنجاب کے ناظم تعلیمات مقرر ہوے ہیں دس سال تک بہ حیثیت ناظر مدارس کام انجام دے چکے ہیں - میجر فلر (Fuller) کی غیر موجودگی میں وہ نظامت کا کام کر چکے تھے - در اصل موصوف سے زیادہ اہل اس خدمت کے لیے اور کوئی نہیں مل سکتا - اپنے پیشرو کی رسم کے مطابق آپ نے ۲۵ مارچ کو دہلی کے دیسی مدارس کے طلبہ کو انعامات تقسیم کرنے کے لیے ایک دربار منعقد کیا - اس موقع پر آپ نے ہندوستانی میں نہایت روانی کے ساتھ ایک تقریر کی اور دوران تقریر میں میجر فلر اور مسٹر ہنٹن کے انتقال پر ملال کا خاص طور پر ذکر کیا

* اخبار عالم مورخہ ۲۱ نومبر ۱۸۶۷ ع -

دھلی کالج کے ڈائرکٹر تھے *۔

پنجاب کی طرح صوبۂ شمالی و مغربی کے باشندوں کی یہ تمنا ھے کہ دھلی میں ایک مشرقی یونیورسٹی کی بنا ی جائے جہاں کے شاھی محلات آج ویران پڑے ھوے ھیں۔ خیال یہ ھے کہ اس جامعہ میں اردو میں تعلیم دی جائے اور اس زبان کی تحقیق کا خاص انتظام کیا جائے گا اور کو اس لایق بنانے کی کوشش کی جائے گی کہ وہ قدیم نوں کی جگہہ لے سکے۔ جدید تصانیف اور ترجموں کے ذریعے اس زبان کے خزانے کو مالا مال کیا جائے گا اور ایک نئے ی یورپی ادب کی بنا پڑے گی۔ آج کل صوبۂ دھلی کے لنٹ گورنر سر ولیم میور ھیں جو خود ایک مشہور مستشرق ں جن کی تصانیف ھندوستان اور یورپ میں قدر و منزلت نظر سے دیکھی جاتی ھیں۔ ھمیں پوری امید ھے کہ موصوف ے تجویز کے ساتھہ اتفاق کریں گے اور دھلی میں اس ھندی معہ کے قیام کو ممکن بنانے میں ھر قسم کی کوشش کریں گے۔ کلکتہ، مدراس اور بمبئی کی تینوں صوبجاتی سرکاری یونیورسٹیاں مستعدی کے ساتھہ اپنے کام میں منہمک ھیں۔ تر سنہ ۱۸۶۷ع کے آخری ھفتوں میں بمبئی یونیورسٹی امتحانات میں تقریباً پانچ سو طلبہ نے شرکت کی۔ آبادی

* ھوم ورڈ میل مورخہ ۴ مئی سنہ ۱۸۶۸ ع ۔

کو دیکھتے ہوے یہ تعداد بہت کافی ہے * - کلکتہ یونیورسٹی کے امتحانات میں شرکت کرنے والے طلبہ کی تعداد پندرہ سو نو ہے - † یہ یونیورسٹی گیارہ سال سے قایم ہے - اس عرصے میں بارہ ہزار ایک سو اکسٹھہ طلبہ نے امتحانات میں شرکت کی - اس تعداد میں بنگالی ' شمالی ہند اور سیلون کے طلبہ شامل سمجھنے چاہئیں ‡ - ان میں سے ایک ہزار دو سو اتھائیس طلبہ ہندو تھے ' ایک سو تین عیسائی تھے ' اتھاون مسلمان اور ایک سو بیس چھوٹے چھوٹے مذہبی فرقوں سے تعلق رکھنے والے تھے ¶ - یہ سب طلبہ ہندوستانی زبان سے واقف تھے لیکن ان میں سے بعض نے اردو ' بعض نے ہندی $ ' بعض نے بنگالی ' چند نے فارسی ' عربی یا سنسکرت ' بعض نے انگریزی اور بعض نے لاطینی کو اختیاری مضمون کی حیثیت سے لیا تھا - اس سال بی اے کی ڈگری کے لیے دو سو گیارہ طلبہ

---

* پچھلے سال امتحان میں شرکت کرنے والے طلبہ کی تعداد ۱۴۴۰ تھی —

† گزشتہ سال امتحان میں شرکت کرنے والے طلبہ کی تعداد ڈیرہ سو پچاس تھی۔

‡ " اخبار عالم " مورخہ ۱۶ جنوری سنہ ۱۸۶۸ ع میں درج ہے کہ جن طلبہ نے امتیاز حاصل کیا ان میں یونیورسٹی کالج کا ایک طالب علم لال بہوری سنگھہ خاص طور پر قابل ذکر ہے - اس طالب علم نے میرٹھہ کے مشن اسکول میں تعلیم پائی ہے اور وہ " اخبار عالم " کے لیے انگریزی مضامین کا اردو میں ترجمہ کیا کرتا تھا - اس نوجوان ہندو کی ذہانت اور ادبی ذوق اعلیٰ درجے کا ہے –

(¶) فرینڈ آف انڈیا (ہوم ورڈ میل مورخہ ۱۳ جنوری سنہ ۱۸۶۸ ع) -

($) اس سال کلکتہ یونیورسٹی کے اردو کے ممتحن ڈاکٹر ایچ بلوکمان اور ہندی کے بابو کرشن کمال بھٹا چارجی مقرر ہوے ہیں –

امتحان میں شریک ہوے حالانکہ سال گزشتہ صرف ایک سو اکتالیس شریک ہوے تھے —

۹ - دسمبر سنہ ۱۸۶۷ ـ کو بنارس میں جو یونیورسٹی کا امتحان ہوا اس میں طلبہ کو انگریزی میں مضمون لکھنے کے لیے حسب ذیل موضوع دیے گئے جو یقیناً نوجوان ہندوستانیوں کے لیے اس لیے اور بھی زیادہ دشوار ہوں گے کہ انگریزی ان کی مادری زبان نہیں ہے" * - "خدا نے دیہات پیدا کیا اور انسان نے شہر بنایا" †- "کیا یہ درست ہے کہ اگر کسی گناہ کے برے نتائج نہ ظاہر ہوں تو وہ گناہ نہیں ہے" —

سر استفورڈ نارتھ کوٹ نے اپنی جیب خاص سے کلکتہ یونیورسٹی کو دو ہزار روپے کا عطیہ دیا ہے تا کہ اس سے ان طلبہ کو وظیفہ دیا جائے جو بنگال، صوبۂ شمالی و مغربی، پنجاب اور اودھ کے علاقوں میں داخلۂ یونیورسٹی سنہ ۱۸۶۹ع کے امتحان میں اعلیٰ درجے پر کامیاب ہوں —

سر جان لارنس بہ حیثیت وائسرائے ہندوستان میں بہت ہر دلعزیز تھے- ان کے جانے کے بعد لارڈ میو وائسرائے مقرر ہوے ہیں- ہمیں پوری توقع ہے کہ موصوف بھی دیسی لوگوں میں ہر دلعزیزی حاصل کرلیں گے- آپ نے پہلا کام یہ کیا ہے کہ اپنی مجلس عاملہ سے اس کی منظوری حاصل کی ہے کہ ہر

---

* انڈین میل مورخہ ۲۰ جنوری سنہ ۱۸۶۸ء -- (†) ایضاً -

سال نو ہندوستانی طلبہ بغرض تعلیم انگلستان بھیجے جایا کریں اور ان کی تعلیم کے جملہ اخراجات حکومت برداشت کرے - یہ طلبہ انگلستان کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کریں گے اور اپنے دوران قیام میں سول سروس یا کسی اور حکومتی شعبے کے لیے تیاری کریں گے - ہر صوبے سے دو طلبہ منتخب کیے جایا کریں گے - صوبۂ شمال مغربی سے ایک اور ایک سال چھوڑ کر پنجاب سے ایک طالب علم لیا جائے گا - اسی طرح ایک صوبۂ اودھ سے اور ایک صوبۂ متوسط سے - چھہ طالب علموں کو حکومت خود چنا کرے گی - باقی تین مقابلے سے لیے جائیں گے - یہ تینوں پریزیڈنسیوں کے طلبہ ہوں گے * -

'اخبار عالم' مورخہ ۶ فروری سنہ ۱۸۶۸ ع میں مختلف صوبوں کی تعلیمی حالت کے متعلق تعداد و شمار دیے ہیں † -

ہندوستان کی سنہ ۱۸۶۵ ع کی تعلیمی حالت حسب ذیل ہے -

بنگال * ۲۷۰۳ مدارس ' ۱۱۷۰۴۴ طلبہ ' ۲۲۰ مدارس

---

* ہوم ورڈ میل : مورخہ ۱۰ اگست سنہ ۱۸۶۸ ع —

† اسی نمبر میں یہ بھی ہے کہ مہاراجہ جے پور نے صنعت و حرفت کا ایک مدرسہ قایم کیا ہے - اس کے لیے ضروری کتابیں اور سائنٹفک آلات یورپ سے منگائے جائیں گے - انڈین پبلک اوپینین میں ہے کہ اسی قسم کے چار اور مدرسے ہندوستان کے مختلف حصوں میں قایم ہونے والے ہیں - ان میں سے ایک لاہور میں ہوگا —

‡ انگریزی اخبار " اکسپرس " میں جو اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں وہ ان سے مختلف ہیں - غالباً وہ سنہ ۱۸۶۶ ع کے ہوں گے - اس کے مطابق مدارس کی تعداد دو ہزار نو سو آٹھ ہے اور طلبہ کی تعداد ایک لاکھ اکیس ہزار چار سو اسی ہے —

نسواں ' ۵۷۱۲ طالبات ۔صوبہ شمال مغربی : ۹۱۸۳ مدراس ' ۱۹۹۲۴۹ طلبہ ' ۵۷۴ مدارس نسواں ۱۰۱۶۳ طالبات ۔ پنجاب : ۲۹۶۵ مدارس ' ۱۰۱۹۹۳ طلبہ ' ۱۰۲۹ مدارس نسواں ' ۱۹۵۲۱ طالبات ۔ مدراس* : ۱۲۴۵ مدارس ' ۳۸۲۵۵ طلبہ ' ۱۳۹ مدارس نسواں ' ۳۳۱۵ طالبات ۔ بمبئی : ۱۳۱۹ مدارس ' ۹۹۸۵۱ طلبہ ' ۶۵ مدارس نسواں ' ۲۴۳۶ طالبات ۔ اودھ : ۱۹۸ مدارس ' ۱۰۰۷۵ طلبہ ' ۱۸ مدارس نسواں ' ۴۰۶ طالبات ۔ صوبہ متوسط ۱۳۳۶ مدارس ' ۴۶۵۸۵ طلبہ ' ۹۲ مدارس نسواں ' ۲۳۶۱ طالبات ۔ میسور : ۸۰ مدارس ' ۵۵۸۳ طلبہ ' ۷ مدارس نسواں† کل تعداد : ۱۹۲۰۱ مدارس ' ۶۱۹۳۶۰ طلبہ ' ۲۱۴۴ مدارس نسواں ' ۴۳۵۵۴ طالبات ۔

گزشتہ جولائی میں سر ولیم میور (Muir) کمایوں کے پہاڑی علاقے میں تشریف لے گئے تھے ۔ آپ نے اس علاقے کے ان مدارس کا معائنہ کیا جو لندن کے مختلف مشنوں کے خرچ پر چلائے جاتے ہیں ۔ آپ نے مدارس میں انعامات تقسیم کیے ۔ ان درسگاہوں میں ایک ہندوستانی مدرسہ ہے '

* سنہ ۱۸۶۷ ع کی سرکاری رپورٹ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صوبۂ مدراس میں تعلیم کو خوب ترقی ہو رہی ہے ۔ مارچ کے آخر میں وہاں مدارس کی تعداد ایک ہزار تین سو چھیاسی تھی اور طلبہ کی تعداد ۵۱ ہزار ایک سو آٹھ تھی ۔ ان میں سے ۳۸ ہزار چھ سو اٹھاسی ہندو تھے ' ایک ہزار آٹھ سو بائیس مسلمان تھے اور باقی میں یورپین ' یوریشین اور دیسی عیسائی شامل تھے ۔

† میسور کی طالبات کی تعداد معلوم نہیں ۔

ایک انگریزی اسکول ہے جس میں صرف لڑکوں کو تعلیم دی جاتی ہے ' ایک میں صرف لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام ہے اور ایک مدرسہ ہے جس میں ہر اتوار کے دن مسیحی عقائد کی تعلیم دی جاتی ہے - ہندوستانی مدرسے میں ۱۲۵ طلبہ ہیں اور انگریزی اسکول میں سو ہیں - سر ولیم میور جب ہندوستانی مدرسے میں تشریف لے گئے تو اس موقع پر آپ نے ہندوستانی (اردو) میں تقریر کی اور ہندوستانی طلبہ کو بعض نصیحتیں کیں اور بتلایا کہ انگریزی زبان اور مغربی لبرل علوم کے سیکھنے سے ان کو کیا کیا فوائد حاصل ہوں گے —

اہل یورپ کی آمد سے پہلے ہندوستان میں ایشیا کے دوسرے ' ممالک کی طرح تعلیم نسواں کی طرف مطلق کوئی توجہ نہیں کی جاتی تھی - در اصل تعلیم نسواں کی طرف سے بے توجہی کا ایک نتیجہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اہل یورپ کے مقابلے میں اہل مشرق ہر اعتبار سے پست ہوتے ہیں - جیسا کہ ٹینسن نے کہا ہے '' جو چیز طبقۂ نسواں کے لیے فائدہ بخش ہے وہ یقیناً مرد کے فلاح و بہبود کا باعث ہوگی ' عورت اور مرد دونوں قعر مذلت میں ساتھ گرتے ہیں اور ساتھ ہی دیوتاؤں کی سی عزت حاصل کرتے ہیں - آزاد بھی ساتھ ہوتے ہیں اور غلام بھی ساتھ ہوتے ہیں " —

دراصل حکومت نے تعلیم نسواں کی جو ہمت افزائی شروع کی ہے اس میں ہندوستانیوں کا فائدہ ہے - حکومت کی طرف سے اس کا انتظام کیا گیا ہے کہ تقاریر کے ذریعے تعلیم نسواں کی تحریک کو فروغ دیا جائے - چنانچہ ۱۸۲۱ ع سے جب سے کہ حکومت نے اس جانب توجہ کی ہے، عورتوں میں تعلیم کا رواج برابر بڑھتا جاتا ہے - حکومت اپنے خرچ سے معلمات کے لیے نارمل اسکول قایم کرا رہی ہے اور اس وقت کلکتہ، بمبئی اور مدراس کے صوبوں میں متعدد نارمل اسکول موجود ہیں * -

باشندگان بمبئی تعلیم نسواں کے باب میں بہ نسبت دوسرے ہندوستانیوں کے زیادہ پیش پیش رہے ہیں اور ان کی ذہنی اور اخلاقی اصلاح کے لیے برابر کوشاں رہے ہیں - چنانچہ ان کی ہمدردی کا عملی ثبوت یہ ہے کہ گزشتہ سترہ سال میں انھوں نے اپنے بل بوتے پر ۶۶ اسکول لڑکیوں کی تعلیم کے لیے قائم کیے ہیں جن میں اس وقت تقریباً چار ہزار لڑکیاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں † - یہ بات بھی اس ضمن میں قابل لحاظ ہے کہ

---

* ناگپور میں بھی ایک نارمل اسکول ہے جہاں دیسی معلمات کو تیار کیا جاتا ہے - اس وقت ۲۵ ہندوستانی لڑکیاں یہاں تعلیم پا رہی ہیں - ایک مسلمان خاتون نے جو حاجی بھی ہیں، اسی شہر میں مسلمان لڑکیوں کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا ہے - موصوفہ نہایت روشن خیال اور تعلیم یافتہ ہیں اور اردو اور مرہٹی لکھ پڑھ سکتی ہیں -

† اخبار عالم - ۱۹ مارچ سنہ ۱۸۶۸ ع -

تعلیم اور خیرات کے کاموں میں بمبئی کے باشندوں میں پارسی لوگ سب سے زیادہ حصہ لیتے ہیں اور بہت سے مدرسوں کے اخراجات کا انحصار تمام تر انہیں پر ہے —

لیکن " اخبار عالم " کے مدیر کا خیال ہے کہ بنگال میں بہ نسبت ہندوستان کے اور دوسرے علاقوں کے تعلیم نسواں کو زیادہ فروغ ہو رہا ہے * - اپنے اس دعوے کی تائید میں موصوف نے آٹھ ایسی عورتوں کے نام گنائے ہیں جن کی تصانیف کو خاص شہرت حاصل ہوئی ہے - یہ سب کی سب ہندو عورتیں ہیں - ان میں سے ایک پٹنہ کی ہیں ' ایک بسنت پور کی ہیں اور باقی چھ کلکتہ کی ہیں † —

جسٹس فیر (Phear) نے بیتھون سوسائٹی کے جلسے میں گزشتہ سال تعلیم نسواں کے موضوع پر خطبہ پڑھا تھا - آپ نے اس بات پر خاص طور پر زور دیا کہ عورتوں کو خود عورتیں تعلیم دیں اس لیے کہ ایسے بہت سے مدارس ہیں جہاں لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں اور ان کے منتظم برہمن لوگ ہوتے ہیں - اس قباحت کو دور کرنے کی بس یہی ایک صورت ہے کہ معلمات کے لیے نارمل اسکول قایم کیے جائیں - یہاں کی فارغ التحصیل معلمات کے ہاتھ میں لڑکیوں کی تعلیم دی جاسکتی ہے —

---

* اخبار عالم مورخہ ۲۳ - جولائی سنہ ۱۸۶۸ ع —

† ہوم ورڈ میل مورخہ ۱۳ - جنوری سنہ ۱۸۶۸ ع -

صوبۂ شمال مغربی کے ناظم تعلیمات مسٹر کمپسن [Kempson] کی پر جوش مساعی کی بدولت وہاں بھی تعلیم نسواں کو برابر ترقی ہو رہی ہے - اس وقت صرف بریلی میں لڑکیوں کے پندرہ مدرسے ہیں - ان میں دو سو چھیاسی لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں- اس امر کا بھی فیصلہ ہوگیا ہے کہ مسلمان لڑکیوں کو اردو میں تعلیم دی جائے گی اور ہندو لڑکیوں کو ہندی میں - اردو اور ہندی دونوں ہندوستانی کی شاخیں ہیں- دونوں کے درمیان بس طرز تحریر کا فرق ہے- یہ فرق ہندوستانیوں کے مذہبی اختلاف پر مبنی ہے - جس کی نسبت میں بارہا تذکرہ کرچکا ہوں - ان مدرسوں میں استانیاں کام کرتی ہیں اور ان کے کام کی نگرانی بھی عورتیں کرتی ہیں - ہندوستانی استانیوں کو، چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان، یہ بات پسند نہیں کہ مرد لوگ اور وہ بھی یورپین معائنے کے لیے ان کے مدرسوں میں آئیں- چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی ناظر ان مدرسوں کے معائنے کے لیے آتا ہے تو انہیں بہت ناگوار ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ اپنی بے بسی پر آبدیدہ ہوجاتی ہیں - چنانچہ بنگلور کی مثال موجود ہے- یہاں کے نارمل اسکول کے معائنے کے لیے جو ابھی حال ہی میں قایم ہوا ہے مسٹر رائس ناظر تعلیمات میسور گئے تھے - موصوف نے اپنے معائنے کے وقت استانیوں اور طالبات کو ہر طرح سے اطمینان دلایا اور لڑکیوں

کے لیے مٹھائی تقسیم کرائی جو انھیں بہت مرغوب ہوتی ہے * --

مس کارپنٹر نے اپنی کتاب " ہندوستان میں چھ ماہ " †
میں تعلیم نسواں کے متعلق بعض دل چسپ تفصیلات دی ہیں
جنھیں پڑھ کر ہر اس شخص کو خوشی ہوگی جو ہندوستان کے
معاملات کے ساتھ دل چسپی رکھتا ہے- موصوفہ نے بھی معلمات
کی نہایت زوردار حمایت کی ہے اور لکھا ہے کہ نوجوان
لڑکیوں کی تعلیم بغیر اس کے نہیں ہو سکتی جب تک نئے
نارمل اسکول معلمات کی تعلیم کے لیے نہ قائم کیے جائیں -
چنانچہ موصوفہ کی اس حمایت نیز بعض سر برآوردہ
ہندوستانیوں کی کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ حکومت نے خاص
اس غرض کے لیے بارہ ہزار روپے سالانہ کی رقم منظور کی ہے
تاکہ صوبوں کے صدر مقامات یعنی کلکتہ ' مدراس اور بمبئی
میں نارمل اسکول قایم کیے جائیں -

مس کارپنٹر ستمبر میں پھر ہندوستان تشریف لے گئی تھیں
تاکہ اس کام کی تکمیل کی کوشش کریں جس کی جانب حکومت
نے بھی توجہ مبذول کی ہے - پر جوش نوجوانوں کا ایک وفد
ترتیب دیا گیا ہے تاکہ بمبئی پہنچنے پر ان کا استقبال کرے -

---

* بنگلور ہیرلیڈ ' مورخہ ۸ - اپریل سنہ ۱۸۶۸ ع (دی ٹائمز آف انڈیا) -

† اس کتاب پر میں نے مجلۂ مشرقی میں ایک مضمون بھی لکھا ہے جو ابھی شایع ہوا ہے -

موصوفہ کا ارادہ ہے کہ اپنا دورہ احمد آباد سے شروع کریں، جو گجرات کا قدیم دارالسلطنت ہے اور جہاں موصوفہ کا خیال ہے کہ ان کی تجاویز کو سب سے زیادہ کامیابی کی اُمید ہے۔ ہندوستانی عورتوں کی زندگی کو سدھارنے اور اسے بہتر بنانے کے لیے مس کارپنٹر جس خلوص کا اظہار کر رہی ہیں وہ واقعی قابل داد ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ موصوفہ مذہبی معاملات میں مطلق کسی قسم کا دخل دینا نہیں پسند کرتیں۔ یہ کام انہوں نے مشنری لوگوں پر چھوڑ دیا ہے جن کا فرض ہے کہ اپنی تعلیم کے ذریعے ہندوستانیوں کے دلوں کو رام کریں اور مغربی تہذیب و تمدن کے دروازوں کو ان کے لیے کھول دیں ــــ

مسز آر کلارک کے خط سے معلوم ہوا کہ امرتسر میں تعلیم نسواں کی بتدریج ترقی ہو رہی ہے۔ موصوفہ نے سنہ ۱۸۶۵ع میں اس شہر میں زنانہ اسکول قایم کیا تھا۔ ابھی حال میں آپ نے عورتوں کے لیے ایک نارمل کی بنا ڈالی ہے تاکہ ابتدائی مدارس میں تعلیم ختم کر چکنے کے بعد ان کے لیے تعلیم کا انتظام ہو جائے جو آیندہ پڑھانے کا کام کرنا چاہتی ہیں۔ ابتدائی مدارس میں جغرافیہ، تاریخ ہند، ریاضی اور صرف و نحو کی تعلیم دی جاتی ہے۔ املا کی مشق کرائی جاتی ہے، گانے اور کشیدہ کا کام سکھایا جاتا ہے۔ امرتسر کے ابتدائی

مدارس کے طلبہ کی تعداد اس وقت پچیس ہے - مسز کلارک لکھتی ہیں کہ " یہ تعداد بہت حقیر معلوم ہوتی ہے لیکن یہ لحاظ رہے کہ ابھی کام کی ابتدا ہوئی ہے " —

تعلیم یافتہ ہندوستانیوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو موجودہ سرکاری نصاب تعلیم کو اچھا نہیں سمجھتے - چنانچہ ۱۸ اگست سنہ ۱۸۶۸ ع کے " اودہ اخبار " میں اس کے خلاف ایک طویل مضمون درج ہے - اس مضمون میں صراحت کے ساتھ اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ ہندوستانی اور یورپین نقطہ ہاے نظر میں زمین آسمان کا فرق ہے ہندوستانیوں کو تعلیم دینے کا ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ جس کی وجہ سے خود ان کا نقطۂ نظر بالکل پس پشت نہ ڈال دیا جاے- اس مضمون کے الفاظ یہ ہیں! "دراصل ہرملک کی ذہنی صلاحیت برابر ہوتی ہے لیکن مختلف ملکوں کے باشندوں کے خیالات میں اختلاف ہوتا ہے اور ان خیالات کو ظاہر کرنے کے طریقے جداگانہ ہوا کرتے ہیں - مثلاً اہل مشرق اہل مغرب کی طرح' اپنے خیالات کو سیدھے سادے الفاظ میں ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے بلکہ وہ تشبیہ و استعارہ کثرت سے استعمال کرنے کے عادی ہوتے ہیں - اگر اہل یورپ کے خیالات آب و رنگ اور مبالغے کے ساتھ ان کے سامنے پیش نہ کیے جائیں تو وہ انہیں قبول کرنے میں پس و پیش کریں گے -

چنانچہ ہندوستانیوں کو تعلیم دینے میں اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر تاریخ ہندوستان میں صرف عہد وار اور بڑے بڑے لوگوں کے ناموں کا ذکر ہوگا جیسا کہ اکثر ابتدائی کتابوں میں ہوتا ہے تو اس سے کچھہ حاصل نہ ہوگا بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ کتاب کا طرز تحریر ایسا ہو جو جاذب توجہ اور دل کش ہو تاکہ ہندوستانی ذہنیت کو اپیل کر سکے —

ہندوستانی زبان، جس کے ذریعے سے مسیحی خیالات اور مغربی تہذیب اہل ہند میں پھیل رہی ہے، برابر ترقی پر ہے۔ اس کی ادبیات میں روز بروز تنوع بڑھتا جا رہا ہے۔ میں اس دعوے کی تائید میں ایم ایس ہاول کا خط یہاں نقل کرتا ہوں جو صوبۂ مغربی و شمالی کے ناظم تعلیمات ہیں۔

"آپ نے اپنے خطبات میں جو خیال پیش کیا ہے کہ اردو کو ہندی پر فوقیت حاصل ہے، بحیثیت دفتری زبان ہونے کے اور بحیثیت معاشری ضروریات کے پورا کرنے کی صلاحیت رکھنے کے۔ میں اِس سے بالکل متفق ہوں۔ بہ حیثیت ناظم تعلیمات اپنے فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں میں نے ہر ممکن موقع پر اردو کی توسیع و ترقی کے لیے حمایت کی ہے اس لیے کہ میں سمجھتا ہوں کہ اردو ہندوستان کی دوسری زبانوں کے مقابلے

میں قومی زبان کہلانے کی مستحق ہے - اس سے میری مراد وہ زبان ہے جو ہر خاص و عام کی سمجھ میں آتی ہے اس بات میں مسٹر کمپسن، جو صوبۂ مغربی و شمالی کے سررشتہ تعلیم کے اعلیٰ عہدہ دار ہیں بڑی حد تک میرے ہم خیال ہیں- لیکن بد قسمتی سے ابتدائی مدارس میں یہ طریقہ رائج ہو گیا ہے کہ اردو یا ہندی میں سے کسی ایک کے ذریعے سے تعلیم دی جاتی ہے - چونکہ اکثریت ہندو طلبہ کی ہے اس لیے ہندی کا استعمال بڑھ رہا ہے - مسلمان اور بعض ہندو جن کی مادری زبان اردو ہے ' اردو کو ترجیح دیتے ہیں * - میرے خیال میں اردو اور ہندی کی تفریق قومی نقطۂ نظر سے سخت نقصان رساں ہے - یہ زیادہ بہتر ہوتا اگر ہندو بچوں کو اردو سکھائی جاتی- بجائے اس کے کہ انہیں ایسی " بولی " میں اظہار خیال کی مشق کرائی جائے جو بالآخر ایک دن اردو کے

* ہندی اور اردو کے فرق کو واضح کرنے کے لیے میں " باغ و بہار " کے اس حصے کو پیش کرتا ہوں جس میں ایک مسلمان ایک ہندو کے ساتھ گفتگو کرتا دکھایا گیا ہے - مصنف نے اس گفتگو میں اس کا خیال رکھا ہے کہ مسلمان اردو بولے اور ہندو ہندی - اگرچہ ہندی اور اردو ایک زبان سے عبارت ہیں لیکن ان دونوں کا فرق نہایت بین طور پر نظر آتا ہے - اردو اور ہندی کا فرق ہمیں ان مکالموں میں بھی صاف نظر آتا ہے جو آزاد بخت کی سرگزشت میں بیان کیے گئے ہیں —

آگے سر تسلیم خم کرے گی † " —

اردو اور ہندی کی اہمیت کے متعلق میں نے گزشتہ سال کے خطبے میں جو ذکر کیا تھا اسی پر مسٹر ہلری کارٹر نے جو کئی سال تک میرے شاگرد رہ چکے ہیں، اور مسٹر برڈ وڈ کے یورپ واپس آجانے کے بعد بمبئی کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی شاخ کے سکرٹری ہوگئے ہیں، مجھے ایک خط لکھا ہے اور اس مسئلہ کو چھیڑا ہے - خط کے الفاظ یہ ہیں —

" اردو بہ نسبت ہندی کے زیادہ بولی جاتی ہے- اس میں ترقی اور نشو ونما کی صلاحیت بھی زیادہ ہے - اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ ایک دن آنے والا ہے جب کہ اردو سارے ہندوستان کی مشترک زبان بن جائے گی " —

یہ سچ ہے کہ ہندوستانی کا ماضی ایسا زیادہ درخشاں نہیں لیکن اس کا مستقبل یقیناً شاندار ہے- نہر سوئز کی تعمیر سے وہ بحر روم کے کناروں تک پہنچ جائے گی - ہندوستانی ایشیا کے بعض ایسے حصوں میں بولی جاتی ہے جہاں کی وہ اصل زبان نہیں ہے- مثلاً برھما میں مونگ شالو (Mong Shaw Leo) جو مولمین کے رہنے والے ہیں اور نیویارک میں بہت عرصے

---

† اگرچہ میں خود اردو کا بہت بڑا حامی ہوں لیکن میرے خیال میں ہندی کو " بولی " کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا -

تک رہ چکے ہیں اور وہاں سے طب کی اعلیٰ سند حاصل کی ہے ' ان سے پیرس میں میری ملاقات ہوئی تھی ' انہوں نے بھی یہ کہا کہ برھما میں ہندوستانی بولی جاتی ہے —

اس سال شہر روما میں پرو پگنڈا کالج کے ایک طالب علم نے ہندوستانی نظم پڑھی - یہ طالب علم آگرہ کا رہنے والا ہے- ہر سال اکاڈمی السنہ کی طرف سے اسی قسم کا جلسہ بعثت مسیح کی تقریب میں ہوا کرتا ہے اور مختلف ممالک سے طلبہ موقع کی مناسبت سے اپنی اپنی زبانوں میں نظمیں پڑھا کرتے ہیں - حاضرین کو موسیقی سے بھی لطف اندوز کیا جاتا ہے * —

فاضل بیمز کلکتہ کے ایشیاٹک جرنل میں اسی موضوع پر برابر لکھہ رہےہیں کہ ہندوستانی زبان میں عربی اور فارسی عناصر کو برقرار رکھا جاے- جو خیال موصوف نے " کوارٹرلی ریویو ' میں پیش کیا تھا (نمبر ۲۳۴) اسی کو ان مضامین میں پھیلا کر پیش کیا جا رہا ہے - " کوارٹرلی ریویو " میں موصوف نے لکھا تھا کہ " اگر سرکاری طور پر ہندوستانی کو سارے ہندوستان کی زبان تسلیم کیا جاے تو یہ صرف اس وقت ممکن ہوگا کہ ہندوستانی کو فارسی سے بالکل جدا نہ

---

* Accademia poliglotta che gli alumni del collegio de Prop. Fide offrone a' Santi Re magi, Roma, 1868, p. 10

کیا جائے - مسلمانوں میں جو لوگ تھوڑے بہت بھی تعلیم یافتہ ہیں وہ فارسی ضرور جانتے ہیں - اسی زبان کے توسط سے مجرد تصورات کی ان تک رسائی ہوتی ہے - نیز سیاست وحکمت و شاعری میں فارسی سے استفادہ کیا جاتا ہے - دراصل اردو زبان سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ فارسی اور ہندی کا امتزاج ہے - مسٹر بیمز کا خیال ہے کہ اگر اردو لکھتے وقت سنسکرت یا ہندی یا عربی و فارسی کے ہم معنی لفظوں میں سے ایک چننا ہو تو آخر الذکر کو سب پر ترجیح دینی چاہیے - میرے خیال میں اس قسم کا انتخاب اہل ہند بہت عرصہ ہوا کرچکے اور وہ عربی فارسی الفاظ کو سنسکرت اور ہندی کے الفاظ پر ترجیح دے چکے ہیں - ہم اس مسئلہ پر یہاں بحث کرنا غیر ضروری سمجھتے ہیں - , ہندوستانی) اردو کو راے اور بائیے سب ہی استعمال کرتے ہیں - یہ خاص کر شہروں میں بولی جاتی ہے- ہمیں اس سے انکار نہیں کہ دیہات میں اور خاص کر وہاں کے ہندوؤں میں ہندی بولی جاتی ہے- پنڈتوں نے ہندی کی ادبی خدمت بھی کی ہے جس طرح پرانے زمانے میں بہاٹ لوگوں نے اس کی خدمت کی تھی- بابو ہری چندر اور دوسرے پرجوش ہندوؤں کی ہندی تصانیف نہایت اہمیت رکھتی ہیں- ہندوستان کے اہل علم و فضل اور یورپ کے مستشرقین کو ان تصانیف کی اہمیت تسلیم کرنے میں

مطلق پس و پیش نہ کرنا چاہیے - میں ذاتی طور پر ان تصانیف کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں لیکن میرے نزدیک ان تصانیف کے مقابلے میں ان مطبوعات کو زیادہ اہمیت حاصل ہے جن کے ذریعے اردو کی نشر و اشاعت کا کام ہورہا ہے۔

میں اس موقع پر پھر اس کا اعادہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہندوستانی زبان میں کمال پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ فارسی اور عربی میں استعداد بہم پہنچائی جائے ۔ اسی طرح فارسی جاننے کے لیے ہندوستانی جاننا بھی ضروری ہے * - یہ واقعہ ہے کہ فارسی زبان کے ادیبوں کی اچھی خاصی تعداد نے ہندوستان کی سرزمین میں اپنی تصانیف لکھیں - ان کی تحریروں پر ہندوستانی اثر ہونا لازمی تھا - ہندوستان کے مسلمانوں نے فارسی زبان کی تحصیل میں جو سرگرمی ظاہر کی ہے اس کا اظہار کہیں اور نہیں ہوتا - در اصل فارسی زبان مسلمانان ہند کی کلاسکی زبان ہے - انھوں نے اس زبان کی بہترین لغتیں تیار کیں جیسا کہ خود اہل ایران تسلیم کرتے ہیں - ڈاکٹر بلوخ مان نے بھی اپنی کتاب

---

* اس ضمن میں ڈاکٹر بلوخ مان جیسے فاضل کی رائے ظاہر کرنا ضروری ہے - مجھے مسرت ہے کہ موصوف بھی میرے ہم خیال ہیں - آپ نے (Contributions to Persian Lexicography) میں لکھا ہے کہ " موسیو گارساں دتاسی کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ فارسی زبان کے علما کو ہندوستانی جاننا ضروری ہے " -

(Contributions to Persian Lexicography) میں اسی بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے- موصوف نے بتلایا ہے کہ ہندوستان کی مروجہ فارسی اور ایران کی خالص فارسی کے درمیان کیا فرق ہے- اس ضمن میں تلفظ، لب و لہجہ اور محاورات کے فرق کو نہایت خوبی کے ساتھہ ظاہر کیا گیا ہے - فارسی کے " استعمال ہند" کے متعلق مفید معلومات جمع کردی گئی ہیں - موصوف کی رائے ہے کہ "ہندوستان میں فارسی زبان جس طرح استعمال کی جاتی ہے اس سے واقفیت رکھنا نہ صرف ان لوگوں کے لیے ضروری ہے جو فارسی کی ان کتب کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں جو ہندوستان میں تصنیف ہوئیں یا طبع ہوئیں بلکہ ہندوستانی زبان سے دلچسپی رکھنے والوں کو بھی اس میں درک رکھنا چاہیے- ...... فارسی نے ہندوستان میں جو خصوصیات حاصل کی ہیں وہ قابل قبول ہیں اور ان خصوصیات نے ہندوستان میں جہاں تک راہ پائی ہے وہ بالکل صحیح تصور ہوں گی - عربی مثل کے مطابق "غلط العام، صحیح اور فصیح" ہوجاتا ہے - اہل ہند نے فارسی میں جس قدر کتابیں تصنیف کی ہیں ان سبھوں میں " استعمال ہند" صاف طور پرنظر آتا ہے - خود ابوالفضل کے ہاں آپ کو اس کی مثالیں ملیں گی - " استعمال ہند " میں ہمیں بعض ایسی لسانی خصوصیات بھی ملتی ہیں جو ایران میں اگلے وقتوں میں موجود ہوں

کی اور جنھیں آج کل کے ایرانیوں نے متروک قرار دیدیا ہے - ان کی زبان نے جوں جوں ترقی کی ویسے ویسے انہوں نے بعض الفاظ و محاورات کو متروک قرار دیا * —

گزشتہ ماہ جولائی کی ۲۸ تاریخ کو " انجمن بلاوس " کے جلسے میں کوئنز کالج (Queen's College) کے ایک پروفیسر نے اس موضوع پر تقریر کی کہ شمالی ہند میں جو ہندوستانی رائج ہے اس کو کس طرح ترقی دی جائے - انڈین میل کے نامہ نگار نے لکھا ہے کہ یہ موضوع بحث ہندوستان میں بہت مقبول ہے (۲ ستمبر ۱۸۶۸ ع) - مقرر موصوف نے دوران تقریر میں یہ خیال ظاہر کیا کہ ہندی اور اردو کے ادب کو فروغ دینے کی صرف یہ صورت ہے کہ انگریزی سے ان میں تراجم کیے جائیں اور اسی طرح انگریزی زبان کے اعلیٰ خیالات و جذبات کو ہندی اور اردو میں منتقل کیا جائے - موصوف نے یہ بھی خیال ظاہر کیا کہ ہندی اور اردو دونوں اخلاقی جذبات سے محروم ہیں - ہمارے خیال میں یقیناً ان یورپین کتب کا ضرور

---

* یہ خصوصیات مختلف الفاظ کے استعمال میں نظر آتی ہیں - مثلاً واؤ اور " یائے مجہول " کو خفیف اور معروف طریقے سے ادا کرنا - بجائے " او " اور " اے " کے " اُ " اور " اِی " - جلی حروف علت (long vowels) کے بعد اسم کو ناک کے (Nasal) لہجہ سے ادا کیا جاتا ہے حالانکہ اہل ایران کے ہاں یہ بات نہیں ملتی - تشدید اور فتح ثانی کا حذف حالانکہ اہل ایران کے ہاں ایسا نہیں ہوتا —

ترجمہ ہونا چاہیے جو ترجمہ کے قابل ہیں - لیکن یہ کوشش بے سود ہے کہ مشرقی ادبیات کی روح کو تبدیل کر دیا جائے اور اسے یورپین رنگ میں رنگ دیا جاے - یہ خیال میرے نزدیک نہ قابل عمل ہے اور نہ قابل قبول - میں پہلے بھی اس کی مخالفت میں اپنی راے پیش کر چکا ہوں —

بمبئی کی انجمن جغرافیہ کے سال کے آخری جلسہ میں مسٹر برجس نے اس امر کی تحریک کی کہ ہندو اور اسلامی ناموں کو لاطینی رسم خط میں ایک معین قاعدے کے تحت لکھنا چاہیے - بابو شیو پرشاد نے بھی، جن کی مسئلہ ہندی اردو کی راے سے میں اختلاف کرتا ہوں، اسی قسم کا خیال ظاہر کیا - ہم بھی اس خیال کی پرزور تائید کرتے ہیں - یہ بہت اچھا ہو اگر اشخاص و مقامات کو بجاے مختلف طریقوں سے لکھنے کے ایک ہی طور پر لکھا جاے - بعض اوقات ہجے کا اس قدر فرق ہوتا ہے کہ ایک ہی شہر اور ایک ہی مقام کو دوسرا شہر اور دوسرا مقام سمجھا جاتا ہے —

ہندوستانی زبان کے امتحانات کی بدستور پابندی کی جا رہی ہے - یہاں تک کہ مبلغین مسیحیت کو بھی امتحان دینا پڑتا ہے - سرکاری گزٹ میں ان کے نام برابر شائع ہوتے رہتے ہیں جنھوں نے ان امتحانات میں کامیابی حاصل کی - سر ایس نارتھ کوٹ نے یہ تحریک کی ہے کہ ان امتحانات

میں اور زیادہ سختی برتی جاے - آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان میں جو انگریز حکومت سے تعلق رکھتے ہیں وہ ہندوستانی میں بلا تکلف گفتگو کر سکتے ہیں اور بعض اوقات تقاریب کے موقعوں پر تقریر بھی کرتے ہیں - چونکہ اہل ہند سے انہیں کی زبان میں گفتگو کرنا مفید ہے اس لیے اس کا التزام رکھا جاتا ہے - میں نے اپنے پچھلے خطبے میں ذکر کیا تھا کہ وائسراے بہادر نے آگرے میں تقریر کی تھی - اس سال بھی موصوف نے لکھنو کے دربار میں نہایت فصیح اردو میں حاضرین کو خطاب کیا - یہ دربار ماہ نومبر میں منعقد ہوا تھا - ہندوستانی اخبارات اس تقریر کے طرز اور اس کی سادگی کی تعریف میں متفق ہیں - وائسراے بہادر سر جان لارنس نے یہ تقریر تعلقہ داروں کے ایڈریس کے جواب میں کی تھی - یہ تقریر پوری کی پوری ہندوستانی اخبارات میں شائع ہوچکی ہے - موصوف نے اپنی تقریر کے دوران میں ان تعلقہ داروں کو خطاب کرتے ہوے جنھوں نے جدید سیاسی انتظامات کے تحت اپنی سندیں حاصل کی ہیں، کہا کہ وہ اپنے ان بھائیوں کے ساتھ مہر و محبت کا برتاو کریں جن کی سندیں ضبط کرلی گئی ہیں —

اجمیر میں دیسیوں کے ایک کالج کی افتتاحی رسم کے موقع پر کرنل کیٹنگ نے جو گورنر جنرل کے ایجنٹ ہیں،

ہندوستانی زبان میں تقریر کی جس کو حاضرین نے بہت پسند کیا - موصوف نے جے پور کے صنعتی اسکول کے افتتاح کے وقت بھی ہندوستانی میں تقریر کی اور ایک ادبی و علمی انجمن قایم کی - اس انجمن کی طرف سے جے پور میں ایک مطبع قایم کیا جاے گا جس میں ہندی اور انگریزی کی چھپائی ہوا کرے گی اور وہاں سے ایک اخبار بھی جاری کیا جاے گا -

سر ولیم میور نے اردو اور ہندی کی ادبیات کو فروغ دینے کے متعلق چند اصول و قواعد مرتب کیے ہیں - چنانچہ موصوف کی جانب سے اعلان ہوا ہے کہ ہرسال بہترین مصنف، مولف یا مترجم کو ایک ایک ہزار روپے کے پانچ انعام دیے جایا کریں - طرز تحریر اور مضمون کی اخلاقی حیثیت کا بھی لحاظ رکھا جاے گا - موضوع کی کوئی قید نہیں، چاہے ادبی ہو یا سائنٹفک - مصنف یا مولف کے جملہ حقوق محفوظ رہیں گے اور حکومت اشاعت کی خاطر ان کتب کی اچھی خاصی تعداد خریدے گی * —

نواب رامپور نے ہندوستانی کی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوے متعدد اسکول اپنی ریاست میں قایم کیے ہیں جہاں ہندوستانی کی تحصیل پر خاص زور دیا جاتا ہے - اگرچہ اس حصۂ ملک میں تعلیم نسواں کے خلاف تعصبات موجود ہیں

* ہوم ورڈ میل - ۵ اکتوبر سنہ ۱۸۶۸ ع -

لیکن باوجود اس کے نواب صاحب نیز امرائے ریاست نے لڑکیوں کی تعلیم کے لیے متعدد مدارس قایم کیے ہیں * -

میں سید عبداللہ کے اس خط کے مضمون کے ساتھہ بالکل متفق ہوں جو موصوف نے سر اسٹفورد نارتھہ کوٹ (Sir Stafford Northcote) کے نام لکھا تھا اور جس میں اس امر پر زور دیا تھا کہ آئندہ سے حکومت ہند سول سروس کے مقابلے کے امتحان میں ہندوستان کی بعض مروجہ اور زندہ زبانوں کو لازمی قرار دے - دراصل ان السنہ کو سنسکرت اور عربی کے مقابلے میں کہیں زیادہ اہمیت حاصل ہے اس واسطے کہ سنسکرت اور عربی کے ساتھہ اہل ہند کو ادبی اور علمی تعلق ہے لیکن اکثر امیدواران سول سروس کے لیے آخرالذکر السنہ بیکار ہوتی ہیں - سید عبداللہ نے اپنے اس خط میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سول سروس کے ہر امیدوار کے لیے یہ لازمی قرار دینا چاہیے کہ وہ ملکی زبان میں پوری دسترس حاصل کرے ، شکستہ تحریر بآسانی پڑھ سکے اور اس زبان سے انگریزی میں اور انگریزی سے اس زبان میں بخوبی ترجمہ کرسکے - دراصل یہ تمام باتیں نہایت ضروری ہیں - چنانچہ نظمائے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہیلی بری کالج (Haileybury) کے طلبہ کے لیے انہیں لازمی قرار دیا تھا - سید عبداللہ کے شاگرد ایچ پامر نے بھی اپنے استاد

* اودھ اخبار - ۲۶ جولائی سنہ ۱۸۶۸ ع -

کے خیالات سے اتفاق کیا ہے * - ثانی الذکر نے دیسی زبانوں میں جو مہارت بہم پہنچائی ہے وہ اس بات کی ایک مثال ہے کہ ایک یورپین اگر چاہے تو السنۂ مشرقیہ میں کس درجہ تک کمال حاصل کر سکتا ہے —

حکومت کو اس جانب توجہ دلاتے رہنا مفید ہے - لیکن ہمارے خیال میں حکومت کو خود بخود پہلے سے اس بات کا خیال ہے کہ نوجوان سول سروس والوں کو ہندوستانی زبان کی تحصیل کے لیے آمادہ کرے اس واسطے کہ ہندوستانی ہی ملک کی مشترک زبان ہے اور جیسا کہ میں بارہا پہلے بتا چکا ہوں اہل ہند کا ایک بڑا اور اہم طبقہ اس کے ذریعے اظہار خیال کرتا ہے اور ملک کے طول و عرض میں اس کے بولنے اور سمجھنے والے ملتے ہیں - ان تمام امور کو مد نظر رکھتے ہوئے ان لوگوں کو جو حکومت کی خدمت انجام دے رہے ہیں اس زبان کا سیکھنا از بس ضروری ہے - مثلاً اگر کسی نوجوان عہدہ دار کا ایسے ضلع میں تقرر ہو جائے جہاں کی مقامی بولی سے وہ نا واقف ہے تو وہ ہندوستانی کے ذریعے کام نکال سکتا ہے - اسی طرح سیاسی امور کے لیے ہندوستانی اور فارسی کا جاننا لازمی ہے (ہوم ورڈ میل ' مورخہ ۲۳ مئی سنہ ۱۸۶۸ ع) —

---

* انڈین میل مورخہ ۲۳ جنوری سنہ ۱۸۶۸ ع میں پامر صاحب کا مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان " السنۂ شرقیہ کا مطالعہ " ہے - سید عبداللہ کے خط کے بعد -

فوجی عہدہ داروں کے امتحانات کے لیے خاص نصابی کتب ہندوستانی میں تیار کی گئی ہیں - یہ امتحان دو قسم کے ہیں - ایک اعلیٰ اور دوسرا تحتانی - ان امتحانات میں ہندی اور اردو کو ایک دوسرے سے علاحدہ تصور کیا جاتا ہے- میرا ذاتی خیال ہے کہ ہندوستانی کا لفظ ان دونوں پر حاوی ہے - اگرچہ مدراس کی طرف ہندوستانی سے مراد اردو ہی جاتی ہے —

میرے گزشتہ سال کے خطبے کے بعد سے اب تک ہندوستانی میں جو کتابیں شایع ہوئی ہیں ان سبھوں کے نام اس جگہہ میں نہیں بیان کروں گا بلکہ صرف چند کے متعلق ذکر کروں گا-

ان میں ایک اہم کتاب "حیات افغانی' ہے - یہ افغان لوگوں کی تاریخ ہے - مصنف کا نام محمد حیات خاں ہے - چنانچہ مصنف اور کتاب کے نام میں مناسبت موجود ہے - یہ کتاب بڑی تقطیع پر شائع ہوئی ہے اور ۷۵۰ صفحات پر مشتمل ہے - اس میں نقشے بھی دیے گئے ہیں - یہ لاہور میں سنہ ۱۸۶۷ ع میں شائع ہوئی ہے - مسٹر ٹی ایچ تھارنٹن (Thornton) نے از راہ کرم مجھے اس کا ایک نسخہ بھیجا ہے - موصوف پنجاب گورنمنٹ کے سکریٹری ہیں - یہ تاریخ تین حصص پر مشتمل ہے - پہلے حصے میں افغانستان کی جغرافی خصوصیات بیان کی گئی ہیں - یہ ملک افغانوں کا وطن ہے

جنھیں پٹھان اور پشتو بھی کہتے ھیں * - اس ملک کی قدیم اور جدید حدود اور آبادی کا حال بیان کیا گیا ھے - اس کے علاوہ کانوں ' نہروں ' درختوں اور جانوروں کا حال ھے - پھر مشہور شہروں کا بیان ھے جو اٹک سے لے کر ایران کی سرحد تک پھیلے ہوے ھیں - صنعت و حرفت ' تجارت' تاجروں کے مختلف طبقوں پیداوار ملکی ' درآمد برآمد اور آمد و رفت اور خبر رسانی کے راستوں کے متعلق بھی ذکر کیا گیا ھے- اس ضمن میں مصنف نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ افغانستان کی تجارت کو فروغ دینے کے لیے کیا تدابیر اختیار کرنی چاھیئں - دوسرے حصے میں افغانستان کی عام تاریخ ۲۰۰۰ سال قبل سے بیان کی گئی ھے - مختلف زمانوں میں اس ملک کے جو جو نام رھے ان کا ذکر ھے- ھندو ' یونانی اور اسلامی خاندانوں کی حکومت اور ان کے عروج و زوال کی تفصیل بیان کی گئی ھے - اسلامی خاندانوں میں مصنف نے بنی اُمیہ ' بنو عباس ' سامانی ' غزنوی ' غوری ' مغل ' نادرشاہ اور امیران افغانستان کا حال بیان کیا ھے - پھر سکھوں اور انگریزوں کی مشرقی علاقوں کی فتوحات کا ذکر ھے - اس کے بعد مصنف نے ان سرحدی سرکش قبائل کا ذکر کیا ھے جو پنجاب کے مغربی علاقے میں آباد ھیں اور یہ بتایا ھے کہ ان کو قابو میں رکھنے

* پشتو زبان کو کہتے ھیں نہ کہ افغانستان کے لوگوں کو - (مترجم)

کی بہترین تدابیر کیا ہیں - دوسرے حصے میں افغانستان کے مختلف قبائل کی تاریخ بیان کی گئی ہے - ان قبائل کی زبان اور ان کے گروہوں کا ہندوستان، ترکستان، مازندران اور دوسرے ممالک میں جا کر آباد ہونے کے متعلق بھی مسالا فراہم کیا گیا ہے - کتاب کے تیسرے حصے میں مصنف نے ضلع بنو کے متعلق تاریخی معلومات جمع کی ہیں —

حال کے زمانے کی مشہور ہندی تصانیف میں "بال رام کتھا امرت" کا شمار ہوتا ہے - یہ گروھر داس کی نظم ہے - گوپال چندر نے (جو بابو ہری چندر کے والد ہیں) اس نظم کو مکمل کرنے کے لیے خود بھی تصرفات کیے ہیں- گوپال چندر کو اس زمانے کے ہندی مصنفین کی صف اول میں جگہ دینی چاہیے- موصوف نے ستائیس سال کی عمر میں انتقال کیا اور اس کم عمری میں ۴۰ کتابیں تصنیف کیں- یہ سچ ہے کہ موصوف نے تصنیف و تالیف کی ابتدا بارہ سال کی عمر سے کر دی تھی - ان تصانیف و تالیفات میں چوبیس ہندی میں ہیں اور آٹھ سنسکرت میں - موصوف نے والمکی کی پوری رامائن کا ہندی کبت میں ترجمہ بھی کیا ہے - آپ کے فرزند ارجمند بابو ہری چندر ان تمام تصانیف کو شائع کرنے کا قصد رکھتے ہیں - چنانچہ "بال رام کتھا امرت" سے اس سلسلہ کی ابتدا کی گئی ہے —

گزشتہ سال دہلی میں ہندی موسیقی پر ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام "رکمنی منگل" ہے * - اس موضوع پر لاهور سے بھی ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام "سرگوئت" ہے † - بنارس سے شیو پرشاد نے "منتخبات ہندی" شائع کی ہے ‡ -

کلکتہ کی ایشیا ٹک سوسائٹی کے ایک رکن مسٹر ایف ایس گروز (Growse) نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے یہ درخواست کی تھی کہ ہندی کی جلیل القدر نظم "پرتھوی راج راسو" کو جو چند بردیٔ کی لکھی ہوئی ہے ' سوسائٹی کی طرف سے شائع کرنے کا انتظام کیا جائے - اس شاعر کو راجپوتوں کا ہومر تصور کرنا چاہیے - اس تجویز کی پادری جیمز لانگ (James Long) نے تائید کی تھی - چنانچہ اب ایشیا ٹک سوسائٹی نے اس کی اشاعت کے متعلق فیصلہ کر لیا ہے - اس نظم میں دہلی کے آخری ہندو راجہ پرتھوی راج کے حالات

---

* ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے - بڑی تقطیع -

† سرگوئت سے مراد ہے "بھگوت گیتا کا عطر" - مسٹر بیمز کی بدولت بھگوت گیتا کا ایک با تصویر نسخہ مجھے دستیاب ہو گیا ہے - در اصل یہ نسخہ دسویں باب کے اردو ترجمہ پر مشتمل ہے - منشی جگنا تھہ نے اردو میں ترجمہ کیا ہے - (مطبوعہ لاهور ' ۱۲۴ صفحات - ہر صفحہ پر ۲۶ سطریں ہیں - سنہ طباعت سنہ ۶۴ - ۱۸۶۳ ع) -

(‡) اس کتاب کی (Trubner) کے اخبار " Literary Record " نے بہت تعریف کی ہے - نمبر ۳۹ - مسٹر آر پو کنز نے بھی اس قسم کی کتاب "منتخبات اردو" کے نام سے شائع کی ہے جو ۳۱۴ صفحات پر مشتمل ہے —

زندگی بیان کیے گئے ہیں - یہ نظم نہ صرف تاریخی بلکہ لسانیاتی حیثیت سے بہت اہمیت رکھتی ہے - اس کی زبان هندی کی ایک خاص بولی ہے - مسٹر بیمز نے اس کی اشاعت کا کام اپنے ذمہ لیا ہے - موصوف آج کل انگلستان میں اس نظم کے دو قدیم نسخوں کا مقابلہ کر رہے ہیں جو لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں ہیں - میں نے بھی اپنے لندن کے دوران قیام میں ان نسخوں کو دیکھا تھا - بابو راجندر پرشاد متر نے بھی "پرتھوی راج راسو" کے دو قلمی نسخے حاصل کئے ہیں جن کا مقابلہ کر کے موصوف بھی اس کی اشاعت کا سامان کر رہے ہیں * - بہر حال اب امید بندھتی ہے کہ عنقریب اس کتاب کی اشاعت ہوگی اور اس کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی شایع کیا جائے گا جس میں مشکل حصوں کی تشریح قابل اطمینان طریقے پر کی جائے گی -

اردو کتابیں جو مجھے وصول ہوئی ہیں یا جن کے متعلق میں نے اردو اخبارات میں پڑھا ہے، ان میں "مجموعہ

---

* بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی کارروائی (Proceedings) ، نمبر ۷ ، (جولائی ۱۸۶۸) میں تین نسخوں کا ذکر ہے - (۱) آگرہ کے کتب خانے کا نسخہ جو مہاراجہ جے پور کا عطیہ ہے - مسٹر بیمز نے بھی اسے استعمال کیا ہے - (۲) مہاراجہ بنارس کا نسخہ جو موصوف نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کو مستعار دیا ہے - (۳) راؤ بیدلہ کا نسخہ - ان کے علاوہ دو قلمی نسخے بابو راجندر لال متر کی ملک ہیں - ان دونوں نسخوں میں مذکورۂ بالا تینوں نسخوں سے اختلافات موجود ہیں -

دلپسند ،، قابل ذکر ہے - یہ عشقیہ غزلیات کا مجموعہ ہے اور دہلی سے شائع ہوا ہے - اس کے علاوہ ایک اور غزلیات کا مجموعہ میری نظر سے گزرا جو ان ماہانہ مشاعروں میں پڑھی گئی تھیں جو بابو ہری چندر کے ہاں منعقد ہوا کرتے ہیں - یہ مشاعرے ان کی نقل ہیں جو دہلی آگرہ اور لکھنؤ کی اسلامی سلطنتوں کے زیر اہتمام ایک زمانے میں ہوا کرتے تھے - "مثنوی زہر عشق" اور "چراغ ہدایت" بھی قابل ذکر ہیں - اول الذکر با تصویر شائع ہوئی ہے - ثانی الذکر اخلاقی مضامین کا مجموعہ ہے جنھیں منشی محمد علی نے ترتیب دیا ہے - " جذب القلوب " فارسی کی ایک مشہور کتاب کا اردو ترجمہ ہے * " حسن و دل " بھی فارسی کا ترجمہ ہے جس میں تشبیہ و استعارہ کثرت سے استعمال کیا گیا ہے- "تواریخ جہاں" میں آفرینش عالم کا حال ہے † - ایک مسلمان ڈاکٹر نے " مخزن ادویہ " (Materia medica) لاہور سے شائع کی ہے - ‡

---

* مسٹر بیمز کی بدولت اس کا ایک نسخہ مجھے مل گیا - جو لکھنؤ میں طبع ہوا ہے - بڑی تقطیع پر ۲۸۸ صفحات پر مشتمل ہے - ہر صفحہ پر ۳۲ سطریں ہیں - کتاب کا پورا نام " جذب القلوب الی دیارالمحبوب " (یعنی مدینہ) ہے - اصل کتاب کے مصنف کا نام عبدالحق ہے - یہ کتاب سنہ ۱۵۹۲ ع میں لکھی گئی تھی - اس میں رسول خدا (صلی اللہ علیہ و سلم) کے مرقد مبارک اور مدینہ کے دوسرے مزارات اور عمارتوں کا تذکرہ ہے -

† مطبوعۂ دہلی - ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے -

‡ ۵۱۸ صفحات پر مشتمل ہے -

" تاریخ اضلاع " میں صوبۂ مغربی و شمالی کے اعداد و شمار ہیں- یہ کتاب لفٹنٹ گورنر بہادر کے حکم سے شائع ہوئی ہے—

مسٹر پیرسن (Pearson) نے جو حلقۂ راولپنڈی کے انسپکٹر تعلیمات ہیں اردو میں ایک تاریخ ہند لکھنا شروع کی ہے - موصوف ایک مسلمان فاضل سے بھی اس ضمن میں مدد لے رہے ہیں جو اپنے طرز تحریر اور انشا پردازی میں شہرت رکھتا ہے - اسی ضمن میں میں یہ بھی یہاں بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بابو شیو پرشاد کی تاریخ ہند جو ہندی میں لکھی گئی تھی اور جس کا نام " اتہاس تمر ناسک " ہے اس کا اردو ایڈیشن بھی شائع ہو گیا ہے - اس کے علاوہ پیارے لال نے جو دھلی کے نارمل اسکول کے پرنسپل ہیں سرکاری طور پر اردو میں انگلستان کی تاریخ لکھنا شروع کی ہے - یہ تاریخ Students'theme کی وضع اور طرز پر ہوگی جسے کلکتہ یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کر لیا گیا ہے —

یہ بات خلاف توقع ہے کہ مرہٹی زبان میں ملکۂ انگلستان کی کتاب "Leaves from a journal of our life in the Highlands" کا ترجمہ بمبئی سے شائع ہوگیا پیشتر اس کے کہ ہندستانی میں اس کا ترجمہ ہو * - اس کتاب کی یورپ میں بھی خوب قدر افزائی ہوئی - اس کتاب کے مرہٹہ مترجم کو نہ صرف

* انڈین میل ۴ نومبر سنہ ۱۸۶۸ ء -

ترجمہ کرنے کی اجازت مل گئی ہے بلکہ اصلی کتاب کی تصاویر کے بلاک بھی مل گئے ہیں - جن کی مدد سے ترجمہ میں بھی یہ تصاویر شائع ہو سکیں گی —

کپتان ڈبلو، آر، ایم، ھالرائڈ (Holroyd) نے "رسوم ھند" کا پہلا جزو از راہ کرم مجھے بھیجا ہے - موصوف پنجاب کے نئے ناظم تعلیمات ہیں اور اپنے پیشرو کی نسبت اردو کی نشر و اشاعت میں زیادہ جوش و سرگرمی کا اظہار کر رہے ہیں - اس کتاب میں اہل ھند کے مذاھب اور ان کے مختلف فرقوں کا اختصار سے حال بیان کیا گیا ہے - ھندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے عقاید پر تبصرہ ہے اور بالخصوص شمالی ھند کے باشندوں کی خانگی زندگی اوران کے عادات و اخلاق پر روشنی ڈالی گئی ہے- "رسوم ھند" کی تالیف و ترتیب کا کام لاھور میں سنہ ۱۸۶۴ ع میں شروع ہوا جب کہ سرکاری طور پر ایک کمیشن اس غرض کے لیے مقرر کیا گیا تھا کہ ھندوستانی زبان میں اعلی درجہ کی تصانیف تیار کرائی جائیں - اس کمیشن کے صدر سر ڈی مکلیوڈ (Mac Leod) تھے جو آج کل صوبۂ پنجاب کے لفٹننٹ گورنر ہیں † - "رسوم ھند" کی زبان اور اس کا طرز تحریر سادہ ہے، اتنا سادہ جو کسی مشرقی زبان

---

† حکومت پنجاب نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ کمیشن جن کتب کی تالیف کی سفارش کرے گا ان میں سے بیشتر لاھور میں طبع کی جائیں گی —

میں ممکن ہے- اس کتاب کے مکالموں کی زبان اسی قسم کی ہے جو آج کل دیناگروں میں استعمال کی جاتی ہے اس کتاب کی تالیف میں کپتان ھالرائڈ کے ساتھ ایک ھندو شریک تھے جو نارمل اسکول کے اول درجے کے مہتمم ھیں اور دوسرے دھلی کالج کے عربی کے ایک مسلمان پروفیسر نے بھی اس کام میں مدد دی- ان کے علاوہ اور دوسرے اھل علم دیسی لوگ بھی شریک تھے --

کپتان ھالرائڈ نے اعلان کیا ھے کہ ۳۱ مارچ سنہ ۱۸۶۹ع میں اُردو تصانیف کا مقابلہ عمل میں آے گا - یہ کتب مقابلہ چار موضوعوں پر ھونی چاھئیں - (۱) عام اصول صرف و نحو- (۲) فارسی صرف و نحو- (۳) تاریخ ھند سے ماخوذ کہانیاں جن میں اھم واقعات اور اشخاص کے تفصیلی حالات بیان کیے جائیں جنھوں نے بڑے بڑے کام کیے ھیں - (۴) اُقلیدس کے ایک حصے کا ترجمہ - ان کتب میں سے بہترین کو اول اور دوم انعام دیے جائیں گے اعلان میں اس کی وضاحت کر دی گئی ھےکہ نہایت سادہ زبان استعمال کی جاے اور حتی المقدور فارسی محاورات سے احتراز کیا جاے - ناظم تعلیمات کو یہ حق حاصل ھوگا کہ ان میں سے جو کتب پسند کی جائیں انھیں تغیر و تبدل کے ساتھ طبع کرا سکے * --

* اس کی تفصیل "اخبار عالم" مورخہ ۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۸ع میں شائع ھوئی ھے - میں اپنی ضرورت کے موافق اختصار سے اس کا یہاں ذکر کرتا ھوں -

ابتدائی مدارس کے لیے مسٹر فیلن (Fallon) کی نصابی کتب قابل ذکر ہیں جن کا نام (Urdu School Readers) ہے - یہ کتب صوبۂ بہار کے لیے ہیں جہاں موصوف انسپکٹر تعلیمات ہیں - ان ریڈروں کی تیاری میں منشی سورج مل نے بہت محنت کی ہے - موصوف نے پٹنہ اور الہ آباد کے تعلیمات کے انسپکٹروں کی تحریک پر ایک کتاب "اردو آموز" بھی تیار کی ہے - ان ریڈروں کی طبع اول کے نمونے میرے پیش نظر ہیں - ان کی تیاری میں مشرقی طریقے کو مد نظر رکھا گیا ہے - چونکہ مشرقی طلبہ کو نری نثر پڑھنا ناگوار ہوتا ہے اس لیے ساتھ ساتھ نظمیں بھی ہیں جو طلبہ زبانی یاد کرتے ہیں - اگر کوئی نظریہ نثر میں بیان کیا گیا ہے تو اس کو ساتھ ہی نظم کردیا گیا ہے تاکہ یاد کرنے میں آسانی ہو —

مہاراجہ بنارس کا ارادہ ہے کہ انگریزی انسائیکلو پیڈیا کا اردو میں ترجمہ کرائیں - اس انسائیکلو پیڈیا کو انگلستان میں بڑی شہرت حاصل ہے - مہاراجہ بہادر اس کام کے لیے دس ہزار روپیہ تک صرف کرنے کو آمادہ ہیں بشرطیکہ انگریزی حکومت بھی اس قدر رقم دینے کے لیے تیار ہو - موصوف کا خیال ہے کہ اس کام کی تکمیل میں بیس ہزار روپے کی ضرورت ہوگی - مجھے اس کا علم نہیں کہ اس تجویز کا کیا حشر ہوا اور آیا اس کا کوئی عملی صورت میں اظہار ہوا یا نہیں —

حکومت ہند کے سکریٹری کی جانب سے ایک باتصویر کتاب شایع کی جا رہی ہے جس میں ہندوستان کی مختلف نسلوں کے افراد کی تصاویر ہوں گی۔ اس کتاب کے متعلق اصل تجویز لارڈ کیننگ کے زمانے میں منظور ہوئی تھی - یہ کتاب آٹھ جلدوں میں تقسم اور ہر جلد بڑی تقطیع پر طبع ہوگی - ہر جلد ۴۵۰ تصاویر پر مشتمل ہوگی اور ہر تصویر کے ساتھ اس کی تشریح ہوگی - اس کی پہلی اور دوسری جلد شایع ہوچکی ہے —

وائسرائے گورنر جنرل نے بنگال کے لیے یہ قانون نافذ کیا ہے کہ اس صوبے میں جتنے اخبارات اور کتابیں شایع ہوں ان کی رجسٹری ہونی چاہیے - چنانچہ پچھلے جولائی کے مہینے سے اس پر عمل شروع ہوگیا ہے - ہماری خواہش ہے کہ یہ قانون ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بھی نافذ کیا جائے - اس کی رو سے حکومت ہر مطبوعہ اخبار یا کتاب کے تین نسخے خریدے گی - (اودھ اخبار مورخہ ۲۸ مارچ سنہ ۱۸۶۸ ع) - ان میں سے ایک نسخہ لندن کی رائل ایشیا ٹک سوسائٹی کو بھیجا جائے گا - اس سوسائٹی کے کتب خانہ میں یہ جملہ مطبوعات دیکھنے کو مل جائیں گی اور امید ہے کہ سوسائٹی کے رسالے میں ان مطبوعات کے نام کم از کم شایع ہوتے رہیں گے —

اس سال امرتسر، لاہور، مرزا پور، بریلی اور لکھنؤ سے مسیحی مذہب کے متعلق اردو میں متعدد کتب شایع ہوئی ہیں - ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو ویزلین (Weslian)[1] اور میتھوڈسٹ (Methodist) کلیساؤں کے نمائندوں کی جانب سے لکھوائی گئی ہیں بلا امتیاز اس کے کہ وہ پریزبائٹیرین (Presbyterian) ہیں یا (Episcopal) ان کتابوں میں سے میں اس جگہ صرف تین کی نسبت ذکر کروں گا (۱) تفسیر انجیل مقدس - (۲) انجیل اور قرآن کے درمیان مقابلہ- (۳) جنگ مقدس- آخرالذکر تصلیف‌جے بنیئن (Bunyan) کی "Holy War" کا اردو ترجمہ ہے جو مسز ولش نے کیا ہے - موصوفہ الہ آباد کے ریورنڈ جے جے ولش کی بیوی ہیں - یہ بنین (Bunyan) وہی ہے جس کی مشہور آفاق کتاب (Pilgrim's Progress) کا رابنسن کروسو کی سرگزشت کی طرح دنیا کی سب زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے —

اردو کی اور بعض دوسری تصانیف ہیں جنھیں ہم خالص مسیحی نہیں کہہ سکتے لیکن نیم مسیحی ضرور کہہ سکتے ہیں - ان میں وہ سب کتب شامل ہیں جو مسلمان علما نے انجیل کی تفسیر پر لکھی ہیں - یہ کتابیں اپنے رنگ میں اجتہادی رنگ رکھتی ہیں - چنانچہ سید احمد خاں کی تفسیر انجیل اسی قسم کی کتاب ہے - اس کتاب کا دوسرا

حصہ بھی مجھے مسٹر ایم ایس هاول (Howell) کی عنایت سے پہنچ گیا ہے - میں موصوف کا نہایت شکر گزار ہوں ۔ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ پہلے حصے کی طرح یہ حصہ بھی نہایت دلچسپ معلومات پر محتوی ہے - اس حصے کے سر ورق پر قرآن کی یہ آیت مندرج ہے : اِنا انزلنا التوراة فیها هدی و نور یحکم بها النبیون الذین اسلموا للذین هادوا والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب الله و کانوا علیه شهدآء فلا تخشوا الناس و اخشون ولا تشتروا بآیتی ثمناً قلیلا (ط) ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئک هم الکافرون - (سورۂ مائدہ آیت ۴۸) - اس حصے میں مصنف نے عہد نامۂ عتیق پر عام تمہیدی تبصرہ کیا ہے - اور ان کتب کا تجزیہ پیش کیا ہے جن پر وہ مشتمل ہے - اس تمہید میں تورات پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان کے جواب بھی دیے گئے ہیں - پھر باب " پیدائش " کے اِبتدائی گیارہ ابواب کا اصل متن اور اُردو ترجمہ ہے - اصل متن عبرانی زبان میں ہے - عبرانی کے نیچے بین السطور اردو ترجمہ ہے - عبرانی کے ہر لفظ کے نیچے اس کا ہم معنی اردو لفظ ہے - صفحے کے ایک کالم میں یہ متن اور ترجمہ ہے اور دوسرے میں ایسی قرآنی آیات و احادیث ہیں جن سے مطالب کی توضیح ہوتی ہے - مصنف نے اپنی تفسیر میں اپنے امتزاجی خیالات کو راہ دی ہے - سید احمد خاں

نے عبرانی الفاظ اور محاوروں کی نہایت خوب تفسیر لکھی ہے اور اپنے دعووں کی تائید میں بہت سے اقوال جمع کیے ہیں۔ موصوف نے انجیل کے لاطینی ترجمے' انگریزی ترجمے اور دوسرے ماخذوں سے استفادہ کیا ہے - پھر یہود و نصاریٰ کی مختلف تاویلوں پر بحث کی ہے- نصاریٰ میں بھی پروتسٹنٹ اور کیتھولک توجیہات کے فرق کو واضح کیا ہے - اس کے ساتھ قرآنی نقطۂ نظر کو' مفسرین اور فقہا کے خیالات کے ساتھ جو عامۃ المسلمین میں مقبول ہیں' پیش کیا ہے - ان مباحث کے ضمن میں مصنف نے معقولیوں (Rationalists) کے اعتراضات کے جواب دیے ہیں اور ساتھ ہی اس کا بھی اهتمام کیا ہے کہ جہاں کہیں قرآنی آیات کے مطابق عقلی توجیہ ہو سکے اس کو مرجح قرار دیا جائے —

یہ تصنیف اس اعتبار سے حد درجہ دلچسپ ہے کہ اس میں مشرقی اور مغربی علم و فضل کا امتزاج ہے - جگہ جگہ اشعار بھی درج کیے گئے ہیں جو نہایت موزوں اور باموقع معلوم ہوتے ہیں - مجھے افسوس ہے کہ چونکہ میرا موضوع اس وقت محدود ہے اس واسطے میں اس کتاب کے چند صفحات نمونتاً نہیں پیش کر سکتا - خصوصاً وہ عبارت جہاں طوفانِ نوح کے عالمگیر ہونے کے متعلق بحث کی ہے نہایت بصیرت افروز ہے - اس ضمن میں موصوف کے خیالات' ڈاکٹر کولنسو

(Colenso) کی تحقیق سے بالکل مختلف ہیں جن کا خیال ہے کہ طوفان نوح عالمگیر تھا - سید احمد خاں کا خیال ہے کہ یہ طوفان صرف ایک خطۂ زمین تک محدود تھا - اس بحث میں موافقت اور مخالفت کے دلائل پیش کرنے کے بعد موصوف نے اپنے نتائج تحقیق کو سینٹ پیٹر کے قول پر مبنی ٹھہرایا ہے جو اس کے پہلے خط سے نقل کیا گیا ہے - اس خط کے الفاظ یہ ہیں ''ان لوگوں نے شبہہ کیا نوح کی نبوت پر پھر آخری مرتبہ انھیں مہلت دی گئی جب کہ کشتی بنائی گئی - اس کشتی میں صرف آٹھ آدمی * طوفان سے بچے '' † —

لائق مصنف نے ان جملوں سے ثابت کیا ہے کہ طوفان سے صرف وہ لوگ تباہ ہوے جنھوں نے سرکشی کی تھی نہ کہ ساری دنیا - پھر مصنف نے قرانی آیات سے مزید استدلال پیش کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ حضرت نوح اپنی قوم کی تلقین کے لیے نبی مقرر کیے گئے تھے - چونکہ قوم نے سرکشی اختیار کی اور ان کی نبوت کو جھٹلایا اس لیے اللہ جل شانہ نے ان پر طوفان کے ذریعے عذاب نازل کیا - پھر اس کے علاوہ لائق مصنف نے بتایا ہے کہ حضرت نوح پورے عالم میں تلقین نہیں کر سکتے

---

* ان میں نوکر چاکر اور غلام شامل نہیں ہیں جو پالتو جانوروں کی دیکھ بھال کے لیے مقرر ہوے تھے —

† باب ۳ - آیت ۱۹ ، ۲۰ —

تھے ۔ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ ایک مخصوص قوم کی تعلیم و تلقین کے لیے مبعوث کیے گئے ہوں —

طوفان نوح کے متعلق اس کتاب میں ۴۹ صفحات وقف کیے گئے ہیں ۔ ان کو پڑھنے سے آدمی نہیں اُکتاتا اور میری رائے میں یہ صفحات اس کے مستحق ہیں کہ علم دوست اور مذہب سے دلچسپی رکھنے والے طبقے کی توجہ ان کی جانب مبذول کی جائے —

اس سال بعض نئے ہندوستانی اخبارات نے جنم لیا ہے ۔

" رتن پرکاش ' مہینے میں دو مرتبہ شائع ہوتا ہے اور رتلام (بندھیلکھنڈ) سے گزشتہ مئی سے نکلنا شروع ہوا ہے ۔ یہ اخبار اردو میں شائع ہوتا ہے اور ساتھ ہی ہندی میں ترجمہ بھی ہوتا ہے ۔ اس اخبار سے بعض اوقات "اودھ اخبار" اور "اخبار عالم" میں مضامین نقل کئے جاتے ہیں ۔ "اخبار عالم ' نے خاص کر اس کی ترتیب و ادارت کی بہت تعریف لکھی ہے —

" گیان پر دائنی پترکا " یہ ماہوار ہندی رسالہ ہے ۔ گزشتہ مارچ سے نکلنا شروع ہوا ہے ۔ مضامین دلچسپ ہوتے ہیں ۔ ویدوں اور دوسری سنسکرت کتب کے تراجم اس میں درج ہوتے ہیں ۔ فلسفیانہ ' علمی اور ادبی مضامین اور اہم خبریں شائع ہوتی ہیں ۔ یہ رسالہ لاہور سے نکلتا ہے ۔ بابو

نبن چند ر رائے اس کے مدیر ہیں - موصوف نے ہندی میں سنسکرت کی ایک صرف و نحو کی کتاب بھی لکھی ہے —

"اخبار سائنٹفک سوسائٹی ' علیگڈھ " - اس سال کے شروع سے مہینے میں دو مرتبہ شائع ہوتا ہے - ہر صفحہ میں دو کالم ہوتے ہیں - سرورق پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں - "جائز رکھنا چھاپے کی آزادی کا ہے کام ایک دانا سیاست کا اور بر قرار رکھنا اس آزادی کا ہے کام ایک آزاد رعیت کا " —

بعض اوقات مضامین کے اردو متن کے ساتھ انگریزی ترجمہ بھی ہوتا ہے - ۱۲ مئی کی اشاعت میں اس سائنٹفک سوسائٹی کی سالانہ کار گزاری کی رپورٹ بھی درج ہے جو ۹ مئی کو منعقد ہوئی تھی - جن جن لوگوں نے اس موقع پر تقریریں کیں ان کی روداد بھی موجود ہے - مسٹر هاول نے از راہ کرم یہ نمبر مجھے بھیج دیا ہے —

سنہ ۱۸۶۷ ع سے دو رسالے برابر شائع ہو رہے ہیں جن میں حکومت کے جملہ قوانین و احکام کا اردو ترجمہ شائع ہوتا ہے اور عدالت ہائے عالیہ کے فیصلوں کی نقل درج کی جاتی ہے - یہ دونوں لاہور سے شائع ہوتے ہیں اور دونوں کی ادارت ایک ہی شخص کے ہاتھ میں ہے - ایک کا نام " گنج شائگان " اور دوسرے کا نام " انوار الشمس " ہے —

" اودہ اخبار " اور " اخبار عالم " کے پڑھنے سے اردو کے

بعض جدید اخبارات کے متعلق مجھے علم ہوا جن کی نسبت پہلے میں بالکل ناواقف تھا۔ اُن کے نام یہ ہیں —

(۶) "طلسم حیرت" مدراس سے شائع ہوتا ہے —
(۷) امیر الاخبار۔ یہ بھی مدراس سے شائع ہوتا ہے —
(۸) اخبار سررشتۂ تعلیم اودھ —
(۹) اکمل الاخبار —
(۱۰) ضیاء الاخبار —
(۱۱) اخبار محتشم —
(۱۲) دہلی سے "دہلی نیوز" (Delhi News) انگریزی میں شائع ہوتا ہے - اس اخبار کا علم مجھے بہادر شاہ بادشاہ کے مقدمے کے سلسلے میں ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ کسی اردو اخبار کا انگریزی ترجمہ ہو جس کی اشاعت کا خاص کر چند انگریزی دانوں کے لیے مدیر نے اہتمام کیا ہو —

اب میں بعض مذہبی رسائل کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراؤں گا جو خود دیسی لوگوں کے زیر اہتمام شائع ہوتے ہیں —

(۱۳) حقایق عرفاں۔ یہ مسیحی تبلیغ کا ماہوار رسالہ ہے جس کی ادرات کے فرائض عماد الدین انجام دیتے ہیں۔ یہ امرتسر سے شائع ہوتا ہے جہاں کا خود مدیر

رهنے والا هے - اس میں امرتسر کے مسلمانوں سے خطاب
کیا جاتا هے - پچھلی جنوری سے اس رسالے کی اشاعت
شروع هوئی هے - هر اشاعت میں مسیحی مذهب اور
حضرت مسیح کے متعلق مقالے هوتے هیں- لاهور کے مطبع
" آفتاب پنجاب " میں طبع هوتا هے —

(۱۴) مواعظ عقبیٰ - یه سنه ۱۸۹۷ ع سے دهلی سے شائع هونا
شروع هوا هے - اس کی ادارت دو نو عیسائی هندوؤں
کے هاتھه میں هے —

(۱۵) مخزن مسیحی - یه رسالہ ماهوار هے اور لاطینی رسم
خط میں پچھلی جولائی سے شائع هوتا هے - اس کے مدیر
اله آباد کے ریورنڈ جے جے والش هیں - اس رسالے کا
خطاب هندوستانی عیسائیوں کی طرف هوتا هے جنھیں
یه بہت سستے داموں دیا جاتا هے - ویسے هر اشاعت
کی قیمت تین آنے هے - اس کے مضامین نصیحت آموز
اور ان کا معیار بلند هوتا هے - اب تک اس کے جتنے
نمبر شایع هوے هیں وہ میرے پیش نظر هیں - میرے
خیال میں اس رسالے کے مضامین اهل یورپ کے لیے
بھی دلچسپی سے خالی نهیں کهے جا سکتے - اس کی
زبان فصیح اور صاف اردو هوتی هے - هر اشاعت میں
مضامین کا تنوع هوتا هے- انگریزی طرز کی نظمیں هوتی

میں اور اہم مذہبی کتب کے تراجم بھی ہوتے ہیں -

ہندوستانی اخبارات کے مضامین کے معیار کے متعلق میں اس موقع پر زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا - دوسرے ممالک کے اخبارات کے خلاف ہندوستان کے اخبارات میں بارش اور موسم کے متعلق بہت زیادہ ذکر ہوتا ہے - اہل ہند کے نزدیک بارش کا موسم بہار کہلاتا ہے اور اس کی آمد کا انہیں بے چینی سے انتظار رہتا ہے چنانچہ "اخبار عالم" میں مہاراجہ بلرام پور کی ایک نظم میری نظر سے گزری جس میں خدائے عزوجل سے خشک سالی کو دور کرنے کی ' جو ملک کو تباہ کیے دیتی ہے ' اور اپنے رحم و کرم کی بارش کرنے کی التجا اور دعا کی گئی ہے- اس اخبار کے مدیر کا بیان ہے کہ جناب باری میں یہ دعا قبول ہوئی اور بارش فوراً شروع ہو گئی --

" اخبار عالم " مورخہ ۴ جون ۱۸۶۸ ع کی اشاعت میں میری نظر سے ایک بارہ کالم کا مضمون گزرا جس میں مہاراجہ بلرام پور کے شیر اور جنگلی ہاتھی کے شکار کی مفصل کیفیت بیان کی گئی ہے - اس مضمون کی زبان شاعرانہ استعاروں سے پُر ہے جو مشرقی مذاق کے بالکل موافق ہے - بعد میں ' عاصی ' کی ایک غزل ہے جو ہم عصر شعرا میں خاص رتبہ رکھتے ہیں -

میں نے ابھی جس اخبار کا ذکر کیا اس میں بس اسی قسم کے مضامین نہیں ہوتے بلکہ دوسرے مفید مضامین بھی ہوتے ہیں - مثلاً سفر کے فوائد ایک مضمون میں بیان کیے گئے ہیں اور نہایت مفید مشورے دیے گئے ہیں - اس مضمون کے بعض حصے مثال کے طور پر میں پیش کرتا ہوں * !

"ہندوستان کے ملک میں ایسے بہت کم امراء ملیں گے جو مفید مشاغل کی طرف رغبت رکھتے ہوں- بہت کم ان میں ایسے ہیں جو بلند نقطۂ نظر رکھتے ہیں اور علم و فضل میں جنھوں نے امتیاز حاصل کیا ہے یا جنھوں نے مدارس' اسپتال' سرائے اور مساجد یا مناد رکی بنا ڈالی ہو اور غریب غرباء کو خیرات دیتے ہوں - ایسی مثالیں اس طبقے میں نایاب ہیں جنھیں سفر سے دلچسپی ہو اور دوسرے ممالک کی سیر کا شوق ہو - اگر وہ خود اتنی صلاحیت نہیں رکھتے کہ یورپ جائیں تو کم از کم اتنا تو ضرور کر سکتے ہیں کہ اپنے اہل وطن کو بھجوائیں تاکہ وہ ممالک غیر کے عجائب دیکھیں اور علمی اور تجارتی فوائد حاصل کریں - بیشتر مہاراجوں اور نوابوں کا دستور ہے کہ محلوں اپنے محلات کی چار دیواری سے

---

* یہ فرانسی عبارت کا اردو ترجمہ ہے —

باھر قدم نہیں رکھتے اور اپنی جاگیروں کے نظم و نسق کی انھیں مطلق پروا نہیں ہوتی - اگر وہ کچھہ عرصے کے لیے ہندوستان سے باھر چلے بھی جائیں تو بھلا کسی کا کیا نقصان ہوگا؟ اگر انھیں یہ خوف ھے کہ سفر میں محلات کا سا آرام نہیں ملے گا تو انھیں فارسی کے اس شعر کو یاد رکھنا چاھیے جو آج سات صدی سے زبان زد ھے" —

منعم بہ کوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
ھر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

اس زمانے میں اھل یورپ کے انتظام کی بدولت سفر میں بڑی سہولتیں ہوگئی ھیں - گھر کی سی آسائش پردیس میں حاصل ہو سکتی ھے- سڑکیں ھر طرف موجود ھیں- ہوٹلوں کی کمی نہیں - گوشے گوشے میں ڈاک خانے قائم کردیے گئے ھیں - ریلوں اور جہازوں کے ذریعے ہزارھا میل کا سفر جلد اور سستے داموں طے ہو جاتا ھے ۔ راستے ھر طرف محفوظ ھیں کسی قسم کا خطرہ نہیں .. " —

"یورپ کے بادشاھوں میں یگانگت اس وجہ سے بھی قائم ہو رھی ھے کہ انھیں ایک دوسرے سے ملاقات کرلے کا موقع ملتا ھے - چنانچہ یونان، روس، فرانس، اٹلی، ڈنمارک وغیرہ کے بادشاہ ایک دوسرے کی

سلطنتوں میں جاتے ہیں اور حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ہندوستان میں اس کی مثالیں ناپید ہیں۔ ابھی حال میں صرف بیگم بھوپال حج کی غرض سے مکہ تشریف لے گئی تھیں اور چند ماہ تک وہ اپنی ریاست سے دور رہیں - خشکی اور سمندر پر ہزارہا میل کا سفر کر کے بیگم بھوپال نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستان کے والیان ملک میں اتنا حوصلہ موجود نہیں جتنا کہ اس والیۂ ریاست میں ہے اس لیے کہ یہ لوگ تو اپنی جاگیروں کے باہر قدم رکھنا حرام سمجھتے ہیں۔ ایسے مردوں سے تو عورتیں ہی اچھی ہیں - ...... ۔" *

' اخبار عالم " کے مدیر وجاہت علی نے جو اس اخبار اور میرٹھ والے مطبع کے مالک بھی ہیں جس کا نام " دارالعلوم " ہے ' ایک اور دوسرا مطبع قایم کیا ہے جس کا نام " لٹریری پریس " (Literary Press) ہے - اس جدید مطبع میں ٹائپ استعمال کیا جاتا ہے - یہاں سے پندرہ روزہ رسالہ " جنرل اڈورٹائزر " (General Advertiser) شائع ہوتا ہے - اس رسالے میں انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں

---

* ہمیں خبر ملی ہے کہ بیگم بھوپال کا جن کا اسم گرامی سکندر جہاں بیگم تھا ۳۰ ستمبر کو پچاس سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ ہندوستانی اخبارات نے موصوفہ کے متعلق نہایت اعلیٰ خیالات کا اظہار کیا ہے —

اشتہارات درج ہوتے ہیں - اس مطبع کا تعلق مکتبہ سے ہے جہاں مشرقی علوم کی کتب فروخت ہوتی ہیں - ان کتابوں کی فہرستیں "اخبار عالم" میں بھی کبھی کبھی شائع ہوتی رہتی ہیں —

"اودھ اخبار" میں، جو اب دس سال سے نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے، بعض اوقات تصاویر اور اردو کی اعلیٰ پایے کی غزلیں شایع ہوتی ہیں۔ غزلوں کے علاوہ مخمس اور قصیدے بھی ہوتے ہیں حال میں 'فرحت' کی ایک نظم شائع ہوئی تھی جس میں ہندوستان کے مناظر کا بیان تھا - موصوف آج کل کے اچھے انشاپردازوں میں شمار کیے جاتے ہیں- آپ نے "پریم ساگر" کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے جو لکھنؤ میں طبع ہوا ہے- "اودھ اخبار" کی ایک تازہ اشاعت میں علی گڑھ کی سائنٹفک سوسائٹی کے رسالے سے ایک مضمون نقل کیا گیا ہے جس کا موضوع ہندوستانی مصنفین اور ان کی تصانیف ہے * —

---

* میں اس مضمون نگار کا شکرگزار ہوں کہ اس نے میری تصانیف کو اس قدر بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے - میرا اب تک کبھی موصوف سے تعارف نہیں کرایا گیا - مجھے افسوس کے ساتھ ایک غلطی کی جانب توجہ دلائی ہے - (۲۴ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ ع کے پرچے میں صفحہ ۹۰۹، سطر ۲۳، پہلے کالم میں بجائے فارسی لفظ انگریزی چھپ گیا ہے جس کے باعث مضمون خبط ہو گیا ہے) —

گوالیار کے ہندوستانی اخبار نے جو ہندی اور اردو دونوں میں نکلتا ہے (ایک کالم میں ہندی اور دوسرے میں اردو) اپنی ۱۴ جون کی اشاعت میں ان جشنوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جو نہایت دھوم دھام کے ساتھ مہاراجہ سندھیا کے ولی عہد کی شادی کے سلسلے میں منائے گئے - یہ جشن اپنی آب و تاب کے اعتبار سے خاص مشرقی رنگ کے تھے - ہم ذیل میں چند سطور پیش کرتے ہیں * —

"شادی خانہ آبادی کے ضمن میں دربار منعقد ہوا - زہرہ جبیں طوائفوں کا ناچ اور ان کے جسم کے حرکات و سکنات کو دیکھ‌کر فلک پیر کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں - آفتاب عالمتاب کے غروب ہونے سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل دولہا محل شاہی سے رخصت ہوکر پوجا کی غرض سے روانہ ہوگئے ' ہاتھی پر سوار جس پر زرین جھولیں پڑی تھیں اور ہودہ بھی سونے کا تھا - پیچھے پیچھے ریاست کے اعلیٰ عہدہ داروں کی سواریاں تھیں - یہ عہدہ دار بھی ہاتھیوں پر سوار تھے- پھر سوار تھے جو نہایت زرق برق لباس زیب تن کیے ہوے تھے - اس کے

---

* یہ فرانسیسی ترجمے کا ترجمہ ہے - (مترجم)

بعد توپخانہ تھا اور اس کے پیچھے نیزہ برداروں اور علم برداروں کی قطاریں تھیں۔ جب کمپنی کے محل پر سواری پہنچی تو توپیں داغی گئیں، جن کی آواز سے فضاے آسمانی گونج اٹھی۔ محل کے فرش فروش اور ساز و سامان کی بو قلمونی سے زمین رشک نہم آسماں بنی ہوئی تھی۔ چراغوں اور مشعلوں کی روشنی سے محل بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ رقص و سرود نے اس محل کو راجہ اندر کی سبھا بنا دیا تھا۔ مغربی رخ ایک چبوترے پر وشنو کا بت نصب تھا جس کے چاروں طرف شعلے نظر آتے تھے۔ اس چبوترے پر ایک طرف مہاراجہ سندھیا اور ان کے فرزند ارجمند کی نشست کے لیے الگ الگ دو ریشمی گاؤ تکیے رکھے تھے۔ ولی عہد کے پہنچ جانے کے بعد مہاراجہ چنا راجہ کی سواری آئی۔ ان کی آمد پر بھی توپیں سر کی گئیں۔ اس کے بعد پوجا شروع ہوئی جو جو وہاں موجود تھے انھیں عطر اور پان تقسیم کیے گئے۔ پھر آتشبازی کی باری آئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نہ صرف مخلوق شادماں ہے بلکہ کائیاں تک فرط انبساط میں

کہای جارہی ہیں - انار اور مہتابی کی رونق
کے آگے چاند تک شرما گیا -

بنارس کے بابو ہری چند اُن ہندو ارباب علم و فضل میں سے ہیں جو ہندی ادب کی نشر و اشاعت کا کام نہایت تندہی کے ساتھہ انجام دے رہے ہیں - موصوف ہندی کلام کو کتابی شکل میں شایع کر رہے ہیں اور کبھی کبھی منتخبات کی شکل میں جو تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد رسائل کی شکل میں شایع کیے جاتے ہیں - ان رسائل کا نام 'کوِی بچن سدھا" رکھا گیا ہے - موصوف از راہ عنایت جو جو نمبر چھپتے جاتے ہیں میرے پاس بھیج دیتے ہیں - اس مجموعے میں ایک نظم بعنوان " پریم رتن " میری نظر سے گزری - یہ نظم ایک ہندو دیوی رتن کنور کی لکھی ہوئی ہے - اور دوسری دلچسپ نظموں میں " دلی برنن " اور ایک " ہولی " شامل ہے - اول الذکر گلستاں کی ایک حکایت سے ماخوذ ہے اور اسے ہندی جامہ پہنا دیا گیا ہے - اس کے علاوہ کبیر داس کی سکھیاں ہیں - شودروں کی زندگی اور موسم برشکال وغیرہ جیسے موضوعوں پر بھی نظم و نثر کے نمونے دیے گئے ہیں —

بابو صاحب کا ارادہ ہے کہ سنسکرت کے مشہور ناٹکوں کو ہندی زبان میں منتقل کریں - اس کام میں پنڈت سیتل پرشاد بھی ان کی مدد کرنے کو آمادہ ہیں - موصوف

" سدھانت سنگرھا " کے مترجم ہیں - یہ کتاب " خلاصۂ سائنس " (Synopsis of Science) کا ہندی ترجمہ ہے جو فتز ایڈورڈ ہال کی مدد سے پایۂ تکمیل کو پہنچا - اس ترجمے کی غایت یہ بتلائی گئی ہے کہ اس کے ذریعے سے مشرقی اور مغربی سائنس میں امتزاج پیدا کیا جائے —

بابو صاحب نے " کوی بچن سدھا " کی ایک اشاعت میں اظہار تاسف کیا ہے کہ " جانکی منگل " کا ناٹک ختم ہو گیا* اگرچہ اس کے تماشے کا اعلان ہو چکا تھا یہ تماشا تمام تر دیسی لوگوں کے اہتمام سے منعقد ہوا - پہلا تماشا ۴ اپریل کو بنارس میں ہوا تھا اور مہاراجہ بنارس، جو ایک نہایت روشن خیال اور تہذیب و ادب کے قدردان ہیں، اس کے مربی تھے - موصوف ہندی ادب کی ترقی کے لیے بھی کوشاں ہیں - پہلے تماشے میں مہاراجہ اور ان کے فرزند ارجمند کے علاوہ ان کی ریاست کے اعلیٰ عہدہ دار و امراء، بنارس کے ہندوستانی اور یورپین باشندے جنھیں خاص طور پر مہاراجہ

---

* جانکی سیتا جی کا نام ہے اس لیے کہ راجہ جانک نے ان کی پرورش کی تھی اور اپنی بیٹی بنایا تھا - مذکورہ ناٹک تلسی داس کی تصنیف ہے - سنہ ۱۸۶۳ ع میں میرٹھ میں طبع ہوا پھر سنہ ۱۸۶۵ ع میں آگرہ میں اس کا دوسرا ایڈیشن اور سنہ ۱۸۶۷ ع میں لاہور میں تیسرا ایڈیشن نکلا - ہمارے خیال میں یہ ناٹک " ہنومان ناٹک " یا " مہی ناٹک " کے پہلے سین پر مبنی ہے جس کے متعلق ایچ ایچ ولسن نے اپنی کتاب " ہندوؤں کے ناٹکوں کے منتخبات " میں ذکر کیا ہے - دیکھو جلد ۳ - صفحہ ۴۹ - راگ ساگر میں ہندی ترجمہ کے نسبت بھی ذکر ہے —

کی طرف سے مدعو کیا گیا تھا، موجود تھے۔ چند مستورات نے بھی تماشا دیکھنے کی غرض سے شرکت کی۔ تماشا شروع ہونے سے قبل اور بیچ کے وقفوں میں قومی گیت آرکسٹرا (Orchestra) پر بجائے گئے۔ 'سترادھار' (Director) پہلے اسٹیج پر آے اور اپنی تمہیدی تقریر پڑھی (انڈین میل' مورخہ ۷ مئی سنہ ۱۸۹۸ع)۔ پھر اس کے بعد ایک عورت اسٹیج پر آئی اور ڈایرکٹر سے گفتگو کرنے لگی۔ یہ گفتگو سامعین کی توجہ مرکوز کرنے کے لیے کی گئی تھی۔ یہی طریقہ سنسکرت کے ناٹکوں میں بھی رائج تھا۔ اسی اثنا میں پردے کے پیچھے کچھہ شور سا سنائی دیا اور ڈایرکٹر یہ کہہ کر رخصت ہوا کہ رام چندر جی آے۔ پردہ اٹھا تو رام چندر جی ایک جنگل میں دکھائی دیے۔ اب گویا اصل ناٹک شروع ہوگیا۔

پہلے ایکٹ میں ایک باغ دکھایا گیا جس میں پاربتی جی بیٹھی ہوئی ہیں۔ پاربتی جی شیوجی کی بیوی ہیں جس طرح شیوجی تخریب عالم کے دیوتا ہیں اسی طرح ان کی بیوی بھی تخریب عالم کی دیوی ہیں جنھیں ڈرگا بھی کہتے ہیں۔ پھر رام اور ان کے بھائی لکشمن نے منظر پر آکر سیتا جی کے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور قریب جو باغبان کھڑا ہوا تھا اس سے پھول توڑنے کی اجازت مانگی۔ اسی اثناء میں سیتا جی آگئیں۔ ان کے ساتھہ ان کی سہیلیاں تھیں۔

سیتا جی نے دیوی جی کو سلام کیا اور باغ میں ٹہلنے لگیں۔ ایک سہیلی سیتا جی کے پاس دوڑی ہوئی آئی اور کہا کہ میں نے ابھی اس باغ میں ایک نوجوان کو دیکھا ہے جس کے حسن جہاں افروز نے مجھے محو کر دیا تھا۔ نوجوان بھی اتنے میں آ موجود ہوا اور سیتا جی کے حسن کا جادو اس پر چل گیا۔ دوسرے اور آخری ایکٹ میں ایک کمرے کے اندر جو شاہی طریقے پر آراستہ تھا راجہ جنک سیتا جی کے پتا بیٹھے ہوئے تھے۔ مختلف ممالک کے شہزادے اپنے رنگ برنگ کے لباس میں ملبوس سیتا کی آرزو میں سامنے سے گزر رہے تھے۔ رام سب سے آخر میں منظر پر آئے۔ جب سب شہزادے بیٹھ گئے تو راجہ جنک نے خواہش ظاہر کی کہ ہر ایک اس کمان کو جھکانے کی کوشش کرے جو کمرے کے اندر رکھی ہوئی تھی۔ اس نے کہا کہ میں نے عہد کیا ہے کہ جو کوئی اس کام کو انجام دے گا سیتا اسی کی ہو جائے گی۔ سب شہزادوں نے کوشش کی لیکن سوائے رام کے کوئی بھی اس کمان کو جھکا نہیں سکا۔ رام نے نہ صرف اس کو جھکا دیا بلکہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ چنانچہ سیتا جی رام کو مل گئیں ــــ

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس سال ان احباب کی تعداد بہت زیادہ ہے جنھوں نے ہمیں ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موت نے چن چن کو

انھیں ہم میں سے اٹھا لیا جن کی ہمیں سخت ضرورت تھی -
گزشتہ سال ۲۵ نومبر کو گوکل داس تیج پال نے جو ایک نہایت
معزز بھاٹیا خاندان کے چشم و چراغ تھے' جہان فانی کو
خیرباد کہا - آپ نے اپنے ہم وطن لوگوں کی تعلیمی ترقی میں
خاص سرگرمی کا ثبوت دیا تھا - آپ کے نام پر آج تک لڑکوں
کا ایک مدرسہ بطور یادگار موجود ہے- آپ نے تعلیم اور دوسرے
کاموں میں کئی لاکھ سے زائد رقم اپنے پاس سے صرف کی -
غریب غربا کے لیے آپ نے ایک اسپتال بھی قایم کیا تھا -
بمبئی کے اردو اخبار ''راست گفتار'' میں یہ اعلان شائع ہوا
تھا کہ موصوف نے مرتے وقت وصیت میں اپنی کل مِلک کا
تیسرا حصہ ترقی تعلیم کے لیے وقف کردیا ہے- چنانچہ یہ ثلث
دس لاکھ روپے کے مساوی ہے * -

پچھلے سال ۳۰ نومبر کو میر سید محمد خاں بہادر نے لکھنؤ
میں داعیء اجل کو لبیک کہا- موصوف سید عبداللہ کے والد
تھے جن کی نسبت میں اپنے خطبات میں متعدد مرتبہ ذکر
کرچکا ہوں - موصوف نے سنہ ۱۸۱۵ ع سے ایسٹ انڈیا کمپنی
کی ملازمت میں تھے - سنہ ۱۸۲۰ ع میں آپ دکن میں نائب
مجسٹریٹ و کلکٹر مقرر کیے گئے اور سنہ ۱۸۳۶ ع میں آپ کا
تبادلہ جبلپور بہ حیثیت مجسٹریٹ و کلکٹر ہوگیا - موصوف

* ٹائمز آف انڈیا (انڈین میل ۲ جنوری سنہ ۱۸۶۸ ع) —

نے اس خدمت کے فرائض نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیے - آپ اپنے ہر کام کو نہایت قابلیت اور جوش کے ساتھ کیا کرتے تھے- اور عام مسلمانوں کے بر خلاف ' جو مذہبی تعصب اور غلو کے باعث مغربی تعلیم کو حرام تصور کرتے ہیں ' آپ نے تمام تعصبات کو بالکل ترک کر دیا تھا - اگرچہ آپ سید اور پابند شرع مسلمان تھے لیکن باوجود اس کے آپ نے اپنے فرزند کو سنہ ۱۸۲۹ ع میں جبلپور کالج میں شریک کیا - یہ کالج کلیتاً انگریزی حکومت کے زیر انتظام تھا - آپ کے صاحبزادہ سید عبداللہ پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے اس کالج میں انگریزی تعلیم حاصل کی —

سنہ ۱۸۵۷ ع کی شورش عظیم کے موقع پر سید محمد نے برطانوی حکومت کے ساتھ اپنی وفاداری قائم رکھی - جس وقت جبلپور کے یورپین باشندے ہر طرف سے گھر گئے تھے اور خود ہندوستانی اس پس و پیش میں تھے کہ کیا کیا جائے' سید محمد نہایت استقلال کے ساتھ اپنی وفاداری پر قایم رہے - چنانچہ شورش کے بعد حکومت نے موصوف کی خدمت کا اعتراف کیا - بہادر کا خطاب عطا کیا اور خاطر خواہ پنشن دی لیکن افسوس ہے کہ موصوف بہت زیادہ دنوں تک اس پنشن سے فائدہ نہ اٹھا سکے * —

‡ ٹائمز - ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۶۸ ع ؛ انڈین میل - ۲۳ جنوری سنہ ۱۸۶۸ ء -

میرے نوجوان دوست ایچ پامر جو ایک نہایت ہوشیار ماہر زبان ہندوستانی ہیں، آج کل قاہرہ کے قدیم قلمی نسخوں کی چھان بین میں مصروف ہیں۔ موصوف بھی اس تحقیقاتی کمیشن کے ساتھ ہو گئے ہیں جو کوہ سینا کی باقیات کے متعلق تحقیق کر رہا ہے اور اس علاقے کی پیمائش میں مصروف ہے۔ پامر صاحب نے میر سید محمد خاں بہادر کی موت پر جن کے وہ نہایت محبوب شاگرد ہیں، عربی زبان میں ایک مرثیہ لکھا ہے —

اس سال ۲۶ جنوری کو مستشرقین کے سردار ڈاکٹر جے ڈی میکبرائڈ نے نوے سال کی عمر میں جہان فانی کو الوداع کہا۔ موصوف آکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر تھے۔ اگرچہ موصوف نے عربی زبان میں خاص طور پر اپنی تحقیق کو محدود رکھا تھا لیکن آپ ہندوستانی سے بالکل نابلد نہیں تھے۔ موصوف کی آخری تصنیف مذہب اسلام پر ایک محققانہ کتاب ہے۔ اس میں اسلام کی ترقی پر نہایت بصیرت افروز بحثیں ہیں اور اسلامی عقائد کو بدلائل باطل قرار دیا ہے *۔ موصوف ہماری پیرس کی ''ایشیاٹک سوسائٹی'' کے سب سے قدیم اعزازی رکن تھے اور

* The Mohamedan Religion explained with an introductory sketch of its Progress and suggestions for its refutations "

اس کے سب سے پہلے صدر سلو ستردے ساسی سے موصوف کے خاص تعلقات تھے - آخرالذکر وہی صاحب ہیں جن کی بدولت اس کالج میں ہندوستانی کی چیر (Chair) قائم ہوئی اب ڈاکٹر جے ڈی میکبرائڈ بھی سلوستر دے ساسی آنجہانی سے عالم بالا پر جا کر مل گئے ' "یہ وہ عالم ہے جہاں فراق کا گزر نہیں- نیک بادے وہاں ابدی محبت میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوتے ہیں - عقیدے کی بدولت دنیاے فانی سے جانے والے اس عالم بالا پر پہنچتے ہیں " *

بابو رام گوپال گھوش کے مرنے سے ہندو جماعت کا ایک نہایت روشن خیال فرد اُٹھ گیا - آپ کا کلکتہ میں گزشتہ ۲۵ جون کو ۵۳ سال کی عمر میں انتقال ہوا - آپ "مجلس تعلیمی" کے سنہ ۱۸۵۵ع تک برابر رکن رہے جب کہ خود یہ کونسل ختم ہوگئی † - موصوف متعدد اخبارات کے مدیر تھے اور آپ نے

---

* عالم بالا میں جدائی کا وجود نہیں - وہاں محبت کی ابدی زندگی حاصل ہوتی ہے - جو خیر محض پر مبنی ہوتی ہے - عقیدے میں یہ قوت ہے کہ وہ دنیا میں مرنے والوں کو عالم پاک تک لے جاے " - مونٹگری -

† مجھے اس وقت مس کارنیتو کے ہم سفر بابو من موہن گھوش یاد آرہے ہیں - موصوف بیرسٹری کی تعلیم کے لیے انگلستان آے تھے- موصوف کو بت پرستی سے قطعاً احتراز تھا اگرچہ انھوں نے مسیحی مذہب نہیں قبول کیا تھا - ان کی منگنی ایک نابالغ ہندو لڑکی کے ساتھ ہوی تھی جسے انھوں نے کلکتہ کی رومن کیتھولک خانقاہ میں تعلیم کے لیے بھیجا تھا - اس لیے نہیں کہ وہ مسیحی مذہب قبول لے بلکہ اس واسطے کہ خانقاہ کی زندگی موصوف کو زنانے کی زندگی سے بہت کچھ مشابہ معلوم ہوتی تھی جس میں اس لڑکی کو آیندہ زندگی بسر کرنا ہے -

بہت سی ادبی انجمنوں کی اپنی زندگی میں بنا ڈالی- ایک مدرسہ اور ایک کتب خانہ ٹونٹونیا میں قایم کیا - آپ کو عمر بھر تعلیمی مشاغل سے خاص لگاو رہا - آپ کا دستور تھا کہ ہر سال کلکتہ کے مختلف مدارس کے ان طلباء کو جنھوں نے امتحان میں امتیاز حاصل کیا، مارشمن کی "تاریخ ہند" کے سو نسخے تقسیم کیا کرتے تھے - یہ اس وقت کا ذکر ہے جب کہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا تھا * —

گزشتہ سال میسور کے آخری راجہ کے فرزند کا انتقال ہوگیا - یہ آخری راجہ مہاراجہ کرشن راج دیو بہادر برائے نام راجہ تھے - اس لیے کہ حیدر علی نے، جو ایک مشہور مسلمان فاتح گزرا ہے، ملک پر قبضہ کر لیا تھا اور اس کی حکومت چلتی تھی - سنہ ۱۷۹۹ ع میں جب انگریزوں نے ٹیپو سلطان کو شکست دے کر اپنی عملداری قایم کی تو مہاراجہ کے بھتیجے کو برسر اقتدار کردیا - اس وقت اس شہزادے کی صرف ۶ سال کی عمر تھی - مہاراجہ میسور کے اس فرزند کا گزشتہ ۲۷ مارچ کو بنگلور میں انتقال ہوگیا انتقال کے دوسرے روز اس کی لاش ہندو رسم کے مطابق جلائی گئی- دیسی لوگوں میں مرحوم کی ذات بہت مقبول تھی اس لیے کہ وہ نہایت سخی اور فیض رساں تھے- سنہ ۱۸۵۷ ع کی شورش عظیم کے موقع پر راجہ نے انگریزی

---

* کلکتہ ریویو - فروری سنہ ۱۸۶۸ ع - صفحہ ۱۱۵ -

حکومت کے ساتھہ اپنی وفاداری قایم رکھی - اگر وہ ایسا نہ کرتے تو برطانوی حکومت کی راہ میں مزید دشواریاں پیش آجاتیں- انھوں نے شام راجندر دیار بہادر کو اپنا متبنیٰ بنایا. اس لڑکے کی بھی ۶ سال کی عمر تھی جب میسور کا تخت و تاج اسے ملا - لڑکے کی نابالغی کے زمانے میں انگریزی حکومت کا ریاست پر انتظام قایم رھے گا جس طرح اس سے قبل اس کے والد ماجد کی زندگی میں رہ چکا تھا - نوعمر راجہ کا قیام بنگلور کے قلعے میں رھے گا - دس سال قبل بنگلور کی آبادی ۷۰ هزار تھی لیکن آج ایک لاکھہ سے زیادہ ھے - یہاں اس کی تعلیم کا انتظام کیا جاے گا - بنگلور کی آب و ہوا نہایت خوشگوار ھے - ریل کی بدولت یہ شہر مدراس سے مل گیا ھے - گویا یہ دونوں شہر دراصل ایک ھی شہر ھوگئے ھیں- (اودہ اخبار ۱۴ جولائی سنہ ۱۸۶۸ ع) -

پچھلے اپریل کی ۵ تاریخ کو رچرڈ ھاٹن (Richard Haughton) کا ۸۶ سال کی عمر میں انتقال ھوگیا - موصوف سر گریو ھاٹن کے بھائی تھے - انسٹیٹیوٹ دے فرانس کی " ایکاڈمی فنون لطیفہ " کے بیرونی رکن تھے اور میرے ھم سبق تھے . ھم دونوں نے سلوستر دے ساسی کے سامنے زانوے ادب تہ کیا تھا - موصوف کچھہ عرصے سے رمسگیٹ (Ramsgate) میں اپنی زندگی کے آخری ایام دنیا سے الگ تھلگ گزار رھے تھے - موصوف کو

ہندوستانی سے خاص لگاؤ تھا اور آپ مدت تک (Addiscombe) کے فوجی کالج میں السنۂ مشرقیہ کے پروفیسر رہ چکے تھے - آخری عمر میں بینائی کے بالکل زائل ہو جانے کے باعث انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی - اس وجہ سے علمی دنیا میں جتنی شہرت ان کی ہونی چاہیے تھی نہ ہو سکی —

میرے قدیم اور عزیز دوست ڈنکن فوربس (Duncan Forbes) نے بھی جہانِ فانی کو الوداع کہا - آپ سے میرے نہایت دیرینہ تعلقات تھے آپ ایک نہایت فاضل مستشرق تھے- آپ نے متعدد تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں - خصوصاً ہندوستانی لغت نہایت کار آمد ثابت ہوئی - آپ کی لغت نے شیکسپیئر کی ہندوستانی لغت کی جگہ اسی طرح لے لی ہے جس طرح فرانس میں الکزنڈر کی یونانی لغت نے پلانش کی لغت کو ناکارہ بنا دیا ہے - فوربس صاحب کو میری طرح ہندوستانی سے طبعاً مناسبت تھی اور آپ نے اس زبان کی ترقی اور نشر و اشاعت کے لیے اپنی تعلیم سے بہت مدد پہنچائی- فوربس اس اتستان کے ایک چھوٹے سے قریے میں پیدا ہوے تھے - جوں توں اپنی تعلیم ختم کرکے آپ کلکتہ چلے گئے جہاں دو سال قیام کرنے کے بعد صحت کی خرابی کے باعث سنہ ۱۸۲۶ ع میں یورپ واپس ہوے - اس بار میری ان کی پہلی ملاقات ہوئی - موصوف اپنے دوست سنٹ فورڈ آرناٹ (Santford Arnot) کی طرح جن

کا جوانی میں سنہ ۱۸۳۴ ع میں انتقال ہو چکا ہے گلکرسٹ کے شاگرد تھے - فوربس اور آرنات دونوں نے مل کر لندن کے " ادارۂ مشرقیہ " (Oriental Institution) کی بنا ڈالی تھی - میں نے بھی اپنے اساتذہ سلوستر دے ساسی اور شیکسپیئر کی ہمت افزائی پر پیرس میں لندن والے ادارے کی نقل کی کوشش کی ہے - سنہ ۱۸۰۷ ع میں فوربس کو لندن یونیورسٹی کے کنگز کالج (King's College) میں السنۂ مشرقیہ کی پروفیسری دی گئی اور سنہ ۱۸۴۲ ع میں ڈاکٹر آف لا کی اعزازی سند عطا ہوئی - فوربس کے خطبات کی طرح ان کی جملہ تصانیف کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ نہایت صاف اور ستھری زبان میں لکھی گئی ہیں - فوربس کے شاگرد بے شمار ہیں - بعض وہ ہیں جنھوں نے بلا واسطہ تحصیل علم کی اور بعض وہ ہیں جنھوں نے بالواسطہ فیض حاصل کیا - ان سب کے دلوں میں اپنے استاد کی بیحد قدر تھی - موصوف نے ایک نہایت قابل قدر قلمی کتب خانہ جمع کیا تھا - تین سال ہوے بعض وجوہ کی بنا پر انھوں نے یہ کتابیں فروخت کر ڈالیں - چنانچہ میں نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بعض نادر نسخے حاصل کر لیے جو میرے کتب خانہ کی زینت ہیں - فوربس نہایت سلیم الطبع اور منکسر مزاج شخص تھے - ان کی زندگی ایک علم دوست آدمی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہمارے سامنے پیش کرتی تھی - اپنے

اور دوسرے بعض احباب کی طرح جن میں شیکسپیئر؛ کاترمیر، گرانگرے دے لاکرانج شامل ھیں، فوربس بھی عمر بھر مجرد رھے - ان کے علمی مشاغل میں اھل و عیال کی چپقلش حارج نہیں ھوی - فوربس نے عمر بھر اپنے کاموں کو انہماک اور انتھائی جوش کے ساتھہ انجام دیا اور آخری وقت تک محنت اور کام کرتے رھے - موصوف کا گزشتہ اگست کی ۱۷ تاریخ کو لندن میں انتقال ھوا - میری دعا ھے کہ خدا موصوف کی روح کو امن نصیب کرے - ھمیں چاھیے کہ ان کے کام کو جو ان کی بہترین یادگار ھے عزت و توقیر کی نظر سے دیکھیں —

اب میں دو معروف ھندوؤں کی موت کا اور ذکر کردوں جن کا پچھلے اگست میں انتقال ھوا ھے - میری مراد ان سے گجل لچھمن ارسو چٹی اور پروسونو کمار ٹگور سے ھے - اول الذکر مدراس کی " مجلس وضع قانون " کے رکن تھے اور موصوف نے ھندو مقاصد کو اخبار نویسی اور ادب کے ذریعے سے ترقی دی - موصوف کو تعلیمی معاملات سے خاص دلچسپی تھی اور مقامی زبانوں اور ھندوستانی کے ذریعے تعلیمی اشاعت میں عمر بھر کوشاں رھے - ثانی الذکر ایک غیر معمولی خداداد قابلیت کے شخص گزرے ھیں - آپ نے ھندو قانون پر نہایت فاضلانہ شرح لکھی ھے - یہ کتاب نہایت شستہ انگریزی زبان

میں لکھی گئی ہے - یہ اصول قانون اب متھلا (آج کل کا ترھوت) میں تسلیم کیے گئے ہیں - یہ تصنیف اصل سنسکرت پر مبنی ہے * - پرسو نو کمار ٹیگور کا کلکتہ میں ۶۷ سال کی عمر میں انتقال ہوا - موصوف نہایت دولتمند شخص تھے لیکن ابتدا ہی سے طبیعت کو ادب اور قانون سے لگاؤ تھا - انگریزی زبان پر قدرت کا یہ عالم تھا کہ موصوف نے بیس سال کی عمر سے قبل ایک رسالہ بنام " انڈین ریفارمر " نکالا تھا - شروع میں کچھ روپیہ تجارت میں لگایا لیکن چونکہ اس سے قدرتی مناسبت نہ تھی سب روپیہ ڈوب گیا - پھر وکالت شروع کی اور خوب شہرت حاصل کی - اصول قانون پر موصوف کی نظر نہایت وسیع تھی - اس کے بعد مجسٹریٹی کے متعدد عہدوں پر فائز رہے اور مجلس وضع قانون کے رکن مقرر ہوے - لیکن صحت کی خرابی کے باعث عرصے تک یہ خدمات انجام نہ دے سکے - آج تک ٹیگور کی دریا دلی اور حسن سلوک کا ان کے ہم مذہب ذکر کرتے ہیں - موصوف کلکتہ یونیورسٹی کے گریجویٹ تھے اور علم و تعلیم کی ترقی سے خاص دلچسپی رکھتے تھے - " آپ برٹش انڈین ایسوسیشن " کے بانیوں میں

---

* سنسکرت نام "وود چنتا منی" ہے - اصل کلکتہ میں سنہ ۱۸۶۳ء میں شائع ہو چکی ہے - ۳۴۰ صفحات پر مشتمل ہے -

سے ایک ھیں * - لیکن موصوف نے اپنے فرزند بابو گیندر موھن ٹگور کے مسیحی مذھب قبول کرنے کے باعث اس انجمن سے علحدگی اختیار کرلی - موصوف کے فرزند بعد میں کلکتہ ھائی کورٹ کے جج ھوے - موصوف کو ابتدا میں اصلاحی تحریکات سے لگاؤ تھا لیکن بعد میں ان امور سے کچھہ شوق نہیں رھا تھا - وہ مرتے دم تک پکے ھندو رھے ' انتقال پر آپ کی لاش گنگا کے نذر کی گئی - مرتے وقت آپ ۲۰ ھزار روپے سالانہ کی آمدنی اپنے خاندانی بت کے نام وقف کر گئے اور اپنے بھتیجے کو محروم الارث قرار دیا † - ھمارے خیال میں اگر بابو گیندر موھن ٹگور کے (بھتیجے) کو مسیحی دین سے مخلصانہ تعلق ھے تو وہ اپنے محروم الارث ھونے کی پروا نہیں کریں گے اور بلا غم و غصہ اپنے مالک کی خدمت کرتے رھیں گے - اھل ھند عربی کی اس مثل سے ناواقف نہیں کہ " حب الوطن من الایمان " —

---

* ابھی حال میں تجویز پیش کی گئی ھے کہ تعلیمی ترقی کے لیے حکومت خاص ٹکس مقرر کرے بجاے اس کے کہ عطیات سے کام چلایا جاے - اس انجمن نے اس تجویز کی مخالفت کی ھے اور ھمارے خیال میں بالکل ٹھیک کیا ھے - (ھوم ورڈ میل - مورخہ ۵ اکتوبر سنہ ۱۸۶۸ ع) —

† موصوف نے تقریباً دس لاکھہ کی ملک چھوڑی ھے - اس میں سے خوشی کی بات ھے کہ تین لاکھہ خیراتی کاموں کے لیے وقف کیا گیا ھے . —

انیسواں خطبہ

۶ دسمبر ۱۹ ۱ ع

ہر سال میرا یہ دستور رہا ہے کہ ہندوستان میں ادبیات کی ترقی کے متعلق آپ صاحبوں کے سامنے کچھہ نئی باتیں پیش کروں جنھیں سن کر آپ کو اطمینان ہو کہ وہاں ترقی ہو رہی ہے - میں لانگ فیلو کے ان اشعار کو اپنے حسب حال پاتا ہوں :

نہ مسرت اور نہ غم ،
ہمارا مقصد حیات ہو سکتے ہیں ،
ہمارا مقصد حیات عمل ہے ، تاکہ ہر آنے والا کل ،
ہمیں آج کے مقابلے میں آگے بڑھا ہوا پائے —

اردو اور ہندی کا جھگڑا بدستور چلا جا رہا ہے - چنانچہ گزشتہ سال ہندوؤں اور مسلمانوں نے اس جھگڑے میں نہایت گرم جوشی کے ساتھہ حصہ لیا - بالخصوص ہندو اس معاملے میں تعصب سے کام لے رہے ہیں - وہ اپنے حب وطن کے جوش میں ان تمام چیزوں کو پس پشت ڈالنا چاہتے ہیں جن سے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کی یاد تازہ

وتی ھے - چنانچہ ھندو لوگ کھلم کھلا برطانوی حکومت کو
سلمانوں کی حکومت پر ترجیح دیتے ھیں- لیکن اھل اسلام
ی حالت اس سے مختلف ھے - ان کی ۳ کروڑ آبادی کے لیے
طانوی حکومت دو وجوہ کی بنا پر بری ھے - اول اس لیے
، انگریزوں نے انھیں ھندوستان کی حکومت سے محروم کیا
ور دوسرے اس لیے کہ انھیں ایسی حکومت کے سامنے سر
ھکانا پڑا جس کے افراد کے مذھب سے انھیں سخت نفرت ھے -
سلمانوں کو اس وقت بعض شورش پسند پھر انگریزوں کے خلاف
انگیختہ کرنا چاھتے ھیں - چنانچہ کئی دفعہ حضرت امام
ہدی کی آمد کا غلغلہ بلند ھو چکا ھے - امام موصوف انھیں
یروں کے تسلط سے نجات دلائیں گے - اس باب میں مختلف
بشین گوئیوں کی نشر و اشاعت کی جا رھی ھے - گزشتہ سال
ھابیوں کی شورش کی یہی بنا تھی - وھابیوں کے عقائد
سلمانان ھند کی جماعت میں مقبولیت حاصل کر رھے ھیں *-

یہ عجیب بات ھے کہ جس طرح آج کل یورپ میں ایک
حریک اٹھی ھے جس کا نصب العین یہ ھے کہ پھر سے ازمنۂ
سطیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور ان زبانوں کو زندہ کیا
اے جو اب بولیاں ھو کر رہ گئی ھیں اسی طرح ھندوستان
یں بھی ازمنۂ وسطیٰ کو زندہ کرنے کی کوشش ھو رھی ھے -

* انڈین میل - ۲۳ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ ء -

کچھہ عرصے سے یورپ میں ازمنۂ وسطیٰ کے خلاف جو نفرت پھیلائی جا رہی تھی اس کی مخالفت میں یہ تحریک ہے۔ ہندوستان میں بھی ازمنۂ وسطیٰ کی ادبیات کو قدر اور احترام کے ساتھہ دیکھا جا رہا ہے۔ اس وقت ہندی کی حیثیت بھی ایک بولی کی سی رہ گئی ہے جو ہر گانو میں الگ الگ طریقے سے بولی جاتی ہے۔ چنانچہ ہندوؤں کی کوشش ہے کہ اردو کی بجاے ہندی کو فروغ دیا جاے حالانکہ اردو بہ نسبت ہندی کے زیادہ شستہ ہے۔ لیکن ہندی ان کے نزدیک خالص ہندوستان کی زباں ہے اس واسطے کہ وہ سنسکرت سے نکلی ہے۔ ان کو یہ نہیں سوجھتا کہ اردو زبان میں فارسی اور عربی کی ساری خوبیاں جمع ہو گئی ہیں۔ یہ دونوں زبانیں (فارسی اور عربی) اسلامی مشرق کی قابل احترام السنہ ہیں اور جمیع علماے عالم ان دونوں کو ہمیشہ سے اسی نظر سے دیکھتے آے ہیں —

اب میں ان دور از کار اسباب کی تشریح کرتا ہوں جو ہندی کے حامی اردو کے مقابلے میں پیش کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھہ میں ان دلائل کو بھی بیان کروں گا جو مسلمان علما نے جواب میں پیش کی ہیں۔ لیکن جیسا کہ اس قسم کے مباحثوں میں ہوا کرتا ہے طرفین اپنی راے پر اڑے رہتے ہیں اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ گزشتہ صدی میں یہ قول مشہور

تھا جو اس وقت شاید حسب حال ہو۔ لیکن آج کل لوگوں نے اس کو فراموش کر دیا ہے: "بحث مباحثے سے نہ اپنے تئیں بصیرت حاصل ہوتی ہے اور نہ دوسرے کو کوئی فائدہ ہوتا ہے۔ بحث کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ لوگوں کو غصہ اور ضد پیدا ہو۔ غرور اور ضد جہاں ہوتے ہیں وہاں نیک نیتی نہیں باقی رہ سکتی"۔

گزشتہ سال ہندی اردو کے جھگڑے کے سلسلے میں جس کی نسبت میں نے ابھی ذکر کیا، الہ آباد انسٹیٹیوٹ کا وہ جلسہ خاص اہمیت رکھتا ہے جو سال کے آخر میں منعقد ہوا تھا۔ اردو ہندی کے مسئلہ پر خوب گرم جوشی سے مباحثے ہوئے جن کا لکھنؤ کے ہندوستانی رسائل میں تفصیل کے ساتھ حال چھپا ہے *۔ اس جلسے کی یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان سبھوں نے جو اردو کے مخالف تھے خود اردو میں نہ کہ ہندی میں اردو کے خلاف دھواں دھار تقریریں کیں ــــ

بحث اس مسئلہ سے شروع ہوئی کہ گزشتہ جلسوں کی کارروائی کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ وہ دیسی زبان میں لکھنی چاہیے۔ اب سوال یہ اٹھا کہ دیسی زبان سے آیا اردو مراد لی جائے یا ہندی۔ ایک ہندو صاحب نے اٹھ کر تقریر کی کہ ہندی ملک کی اصلی زبان ہے۔ ہندی کی طرف سے جو بے اعتنائی برتی جا رہی ہے وہ قابل افسوس

---

* اودھ اخبار ۲۴ - نومبر سنہ ۱۸۶۸ ع -

ہے - مقرر نے یہ بھی کہا کہ حکومت سے تحریک کرنی چاہیے کہ دفاتر اور عدالتوں میں اردو کی بجائے ہندی کو رائج کرے۔ اس کے ساتھ مقرر نے یہ بھی کہا کہ اگر ایسا کیا گیا تو صرف رسم خط میں تبدیلی کرنی ہوگی - ایک اور دوسرے ہندو صاحب نے اس تجویز کی تائید کی اور کہا کہ اگرچہ ہندی کو دفاتر اور عدالتوں کی زبان بنانے سے بہت سے ہندوستانیوں کو زحمت گوارا کرنی ہوگی کیونکہ وہ اردو رسم خط کے عادی ہو چکے ہیں، لیکن بہر نوع یہ تبدیلی گانو میں رہنے والے ہندوؤں کے لیے ہوگی جو صرف ہندی لکھنا پڑھنا جانتے ہیں - چونکہ گانو والے اردو رسم خط سے ناواقف ہیں اس لیے انہیں اردو کی تحریروں سے دھوکا دیا جا سکتا ہے - اس کے علاوہ اردو کا رسم خط چینی رسم خط کی طرح بہت پیچیدہ ہے - مقرر نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ سنسکرت زبان کو دیوناگری رسم خط کے ذریعے پھر سے زندہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے - ہندوؤں نے اٹھارہ صدیوں سے سنسکرت کی طرف سے بے پروائی برتی ہے، اب انہیں چاہیے کہ اس قدیم زبان میں زندگی کی نئی روح پھونکیں —

ایک تیسرے ہندو صاحب نے تجویز کی تائید مزید کرتے ہوئے کہا کہ اردو کی بجائے ہندی کو رواج دینے سے صرف رسم خط کی تبدیلی لاحق نہیں ہوگی بلکہ الفاظ اور

محاورے بھی بدل جائیں گے اس واسطے کہ اردو میں عربی اور فارسی کے بے شمار الفاظ استعمال ہوتے ہیں اور ہندی خالص ہندوستانی زبان ہے —

یہ سچ ہے کہ بعض اردو مصنفین کی طرح ، اپنا علم و فضل ظاہر کرنے کی غرض سے عربی فارسی کے الفاظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں اور ملکی زبان کے صرف افعال و حروف ان کی عبارت میں نظر آتے ہیں ، لیکن فی الحقیقت اردو ہندی میں کوئی فرق نہیں ہے - ہمارے لیے یہ امر ناممکن ہے کہ اردو اور ہندی کو ایک دوسرے سے جدا کرنے والی کوئی حد فاصل قائم کرسکیں - دراصل دونوں ہندوستانی کے تحت آجاتی ہیں اور صرف ان کا رسم خط ہی ان میں امتیاز پیدا کرتا ہے-

الہ آباد انسٹیٹیوٹ کے دوسرے اجلاس میں جو ۲۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ ع کو منعقد ہوا تھا ، اردو ہندی کا مسئلہ پھر اٹھایا گیا - اس میں یہ طے پایا کہ دیوناگری رسم خط کو رواج دینا چاہیے - ویسے اردو اور ہندی میں لسانی فرق نہیں کیا جائے گا - چاہے ہندی کو "ہندوئی" کہیے یا اردو کو "دکھنی" کہیے ، زبان ایک ہی رہے گی اور ایک ہی محاورے ان میں مستعمل رہنے چاہئیں —

برطانوی حکومت اس تحریک کے موافق معلوم ہوتی ہے- حکومت کا خیال ہے کہ ہندی کی موافقت سے ہندو لوگ

خوش ہوجائیں گے اور چونکہ ہندوستان کی آبادی کی کثرت انہیں پر مشتمل ہے اس لیے ہندی کی تائید ملکی مصالح پر مبنی ہے - اضلاع شمال مغربی، اودھ اور پنجاب میں دفاتر اور عدالتوں میں ہندی رائج کرنے سے جو سیاسی فوائد مترتب ہوں گے ان کے متعلق " انڈین ڈیلی نیوز" کے ایک مقالے میں تفصیلی ذکر کیا گیا ہے - اس مقالے کی نقل ۲۷ جنوری سنہ ۱۸۶۸ع کے " انڈین میل " میں بھی شایع ہوئی ہے - میرے خیال میں اس مقالے میں ہندی کی تائید میں جو استدلال پیش کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں اور جو دعوے پیش کیے گئے ہیں ان پر بحث کی جاسکتی ہے لیکن اس جگہ میں اسے چھیڑنا نہیں چاہتا - اس مقالے میں اردو کے متعلق کم از کم یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اس نے ہندوستان میں وہی حیثیت حاصل کرلی ہے جو فرانسیسی زبان کو یورپ میں حاصل ہے - عدالتوں اور شہروں میں اردو بولی جاتی ہے - مصنفین اپنی کتابیں اسی زبان میں تصنیف کرتے ہیں اور اس کی غزلیں گائی جاتی ہیں - اردو کے ذریعہ اہل ہند یورپین لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں - غرض کہ ان تمام امور کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو اردو کو ہندی پر فضیلت حاصل رہتی ہے جسے تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں —

علی گڑھ کے اخبار میں اس مسئلہ پر ایک مضمون میں

مفصل بحث کی گئی ہے - یہ مقالہ ۲ فروری سنہ ۱۸۹۸ع کے "اودھ اخبار" میں دوبارہ شایع کیا گیا ہے - مضمون نگار صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتا کہ رسم خط بدل دیا جائے بلکہ اس نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ اردو میں جو عربی حروف مستعمل ہیں ان کا دیوناگری میں بدل ہو ہی نہیں سکتا، اس لیے سہولت اس کی مقتضی ہے کہ تمام عربی الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا جائے اور ان کی جگہہ ہندی الفاظ استعمال کیے جائیں - اردو میں عربی فارسی کے الفاظ لینے کی بجائے سنسکرت کے الفاظ لیے جائیں اور اس طرح زبان کو وسعت دی جائے مضمون نگار کے نزدیک ہندی دراصل سنسکرت ہی کی ایک شکل ہے —

غرض کہ ہندوؤں کی عام طور پر یہ خواہش ہے کہ عربی اور فارسی کے عنصر سے قطعی احتراز کیا جائے بلکہ بعض ہندو ایسے بھی ہیں جو لاطینی رسم خط کو اردو رسم خط پر ترجیح دیتے ہیں - یہ بات ان کے دلوں میں اسلامی حکومت کی مخالفت کے باعث پیدا ہوئی ہے —

مدیر "اودھ اخبار" نے مقالہ نگار کی خواہش کے موافق مضمون چھاپ تو دیا ہے لیکن بعد میں اس کے استدلال کی دھجیاں بکھیر دی ہیں اور تمام دلائل کو بے معنی لفاظی سے تعبیر کیا ہے - مدیر نے اسی ضمن میں بتایا ہے کہ ہندی

دو کے جھگڑے اسی طرح لایعنی ہیں جس طرح یہ خیال
ایک دن آے گا جب کہ اردو ہندی کے قضیے کا خاتمہ
جاے گا اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ انگریزی زبان ان
زنوں پر حاوی ہو جاے گی اس لیے کہ وہ حکام وقت کی
بان ہے اور قدرتی طور پر رعایا اسی زبان کو اختیار کرےگی۔
دیر موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ اردو زبان جس کی ہندو
گ اس وقت مخالفت کر رہے ہیں، فاتح مسلمانوں اور
ندوؤں کے خلط ملط سے بالکل اسی طرح وجود میں آئی جیسے
نگلستان میں سیکسن اور فرانسیسی کا امتزاج عمل میں آیا۔
ردو میں دوسری زبانوں کے وہی الفاظ استعمال ہوتے ہیں
و کھپ جائیں۔ ان الفاظ کے انتخاب میں خاص سلیقہ برتا
جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کو عدالتوں میں مقبولیت حاصل
ئی اور سرکاری تحریرات میں یہ زبان استعمال کی گئی۔ اِن
ام باتوں کی تائید میں خود ہزارہا ہندوؤں کی آرا پیش
ی جا سکتی ہیں۔ بھلا یہ کونسی عقل کی بات ہے کہ اُردو کے
وض، جو ایک نہایت شیریں اور شستہ زبان ہے اور جو عام طور
سمجھی جاتی ہے، ہندی کو فروغ دینے کی کوشش کی جاے
و ایک نہایت بھدی اور درشت زبان ہے اور جس کے حروف
پڑھنے میں بولے نہیں معلوم ہوتے ―

۱۹ فروری سنہ ۱۸۶۸ع کے "اخبار" میں (مطبوعۂ علی گڑھ)

ایک اور مضمون چھپا ہے جس میں ہندی اور سنسکرت کی یکسانیت کا مغالطہ پیش کیا گیا ہے - ہندؤں کی یہ خواہش ہے کہ سنسکرت کا رواج بڑھے لیکن انہیں اس بات پر تو غور کرنا چاہیے کہ دریا کو ماخذ کی طرف بہنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا - بابو سرود پرشاد جلیور نے یہ مضمون لکھا ہے ' سنسکرت ادبیات کی تعریف میں رطب اللسان ہیں- میرے خیال میں ان کا یہ تعریف کرنا بجا ہے - لیکن اس سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ عربی اور فارسی بھی قابل قدر زبانیں ہیں - برطانوی حکومت نے بنگالیوں کے ساتھہ یہ خاص رعایت کی کہ انہیں مقامی عدالتوں میں بجاے فارسی کے اپنی زبان استعمال کرنے کی اجازت دے دی - چنانچہ اضلاع شمالی مغربی کے ہندوؤں نے بنگالیوں کی دیکھا دیکھی یہ مطالبہ شروع کیا کہ ہمارے ہاں بھی اردو کی بجاے عدالتی زبان ہندی قرار دی جاے - اس مطالبہ سے ان کی مراد یہ ہے کہ بجاے مسلمانوں کی زبان کے ہندوؤں کی زبان کو فروغ حاصل ہو - بابو سرود پرشاد نے دیوناگری رسم خط کی بہت تعریف کی ہے اور یہ دعوی کیا ہے کہ دنیا بھر کی زبانوں میں صرف دیوناگری رسم خط ایسا ہے جس میں یہ صلاحیت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے کہ صوت انسانی کے ہر نازک فرق کو واضح کر سکے - لیکن واقعہ یہ ہے کہ خود اردو میں ایسے بیشمار

الفاظ ہیں جنہیں دیو ناگری حروف سے نہیں ادا کیا جا سکتا۔ چنانچہ ح خ ص ض ط ع غ اور ق کا اظہار نہیں کیا جا سکتا۔ مضمون نگار نے دیوناگری اور ناگری رسم خط کی تعریف کے بعد خط شکستہ کی برائیاں گنوائی ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس خط پر پوری قدرت حاصل کرنے کے لیے سالہا سال محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ درست ہے کہ اردو کے خط شکستہ کا پڑھنا دشوار ہے اس لیے کہ سب حروف صاف نہیں ظاہر کیے جاتے۔ لیکن ناگری خط جو ساہوکارے اور تجارتی ضروریات کے لیے استعمال ہوتا ہے اور جسے "کیتھی ناگری" کہتے ہیں، اس کا پڑھنا بھی بہت دشوار ہے۔ اس کے پڑھنے میں اس وقت سہولت ہوتی ہے جب کہ پڑھنے والا پہلے سے مضمون سے واقف ہو —

علی گڑھ کے "اخبار" مورخہ ۵ مارچ سنہ ۱۸۹۸ع میں ایک مضمون اردو کی تائید میں شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون متعدد کالموں میں شائع کیا گیا ہے۔ بعض باتیں نہایت صحیح مشاہدہ پر مبنی معلوم ہوتی ہیں۔ عربی کی مثل ہے کل حزب بما لدیھم فرحون *۔ لیکن اہل ہند کا طریقہ ہے کہ وہ ہر بات میں کوئی نہ کوئی تبدیلی کرنی چاہتے ہیں۔ مضمون نگار اس باب میں میرا ہم خیال ہے کہ اردو کے خلاف جو تحریک

---

* یہ قرآن کی آیت ہے۔ سورۂ روم رکوع ۳۔ (مترجم)

اس وقت اٹھہ رہی ہے اس کا اصلی محرک نسلی اور مذہبی اختلاف ہے * - مضمون نگار نے اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ تحریک دراصل سیاسی ہے۔ مذہبی اعتبار سے مسلمانوں کی زبان عربی ہے اور ہندوؤں کی زبان سنسکرت ہے - اردو اور ہندی کو مذہب سے کوئی واسطہ نہیں - مضمون نگار نے اس کے بعد ان سب اعتراضات کا ایک ایک کرکے جواب دیا ہے جو اردو کے خلاف پیش کیے گئے ہیں - مثلاً کہا گیا ہے کہ ہندو عوام اردو نہیں سمجھتے - لیکن دنیا کے ہر ملک میں کم و بیش یہی حالت نظر آے گی - چنانچہ برٹانی، پروانس اور السّاس کے عام باشندے فرانسیسی زبان نہیں سمجھتے - کیا یہ معقول وجہ ہے کہ فرانس کے صوبوں کے دفاتر اور عدالتوں میں فرانسیسی زبان کا استعمال ترک کردیا جاے - مضمون نگار نے اس طرف توجہ مبذول کرائی ہے کہ خالص سے خالص ہندی میں بھی عربی اور فارسی کے الفاظ ضرور ملتے ہیں - ان الفاظ کی جگہہ دوسرے الفاظ کو رواج دینا بالکل ناممکن ہے - بہت سے ہندو راج کماروں نے جو اپنے دربار میں ہندی رائج کرسکتے تھے، اردو کو ترجیح دی ہے - چنانچہ الور، گوالیار، جے پور، اندور اور بھانہ کے راجاؤں کی درباری زبان اردو ہے - اس کے سوا یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ

* ملاحظہ ہو میرا سالانہ خطبہ سنہ ۱۸۶۶ ع -

جس وقت سنہ ۱۸۳۷ ع میں برطانوی حکومت نے اعلان کیا کہ فارسی کی جگہہ اردو سرکاری طور پر تسلیم کی جائے گی تو اس وقت ایک آواز بھی نہیں اٹھی کہ نہیں، اردو کے بجائے هندی کی سرپرستی حکومت کو کرنی چاهیے - کچھہ دنوں پہلے تک اس مسئلہ کی کسی کو کانوں کان خبر تک نہ تھی- جس زمانے میں فارسی دفتری زبان تھی اس وقت اس کی کسی نے مخالفت نہیں کی حالانکہ وہ اردو کے بہ نسبت هندی سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں رکھتی تھی ۔ پھر یہ کیا بات هے کہ آج هندو لوگ ایک دم سے اردو کے خلاف چیخ پکار کر رهے هیں - اس وقت اردو اور هندی کی حیثیت ایسی هے کہ هم دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر غالب نہیں تصور کر سکتے - لیکن ان دونوں میں جو ربط اور تعلق موجود هے اسے قایم رکھنے میں کوئی قباحت نہیں - اگر هندوستان کے بعض حصوں میں هندوؤں کو اکثریت حاصل هے تو بعض دوسرے حصوں میں مسلمانوں کی اکثریت هے ۔ جہاں مسلمانوں کی اکثریت هے وهاں هندی کو زبردستی رواج دینا انہیں اُن کے حقوق سے محروم کرنے کے هم معنی هوگا - رعایا کی حیثیت سے برطانوی حکومت کے نزدیک هندو اور مسلمان برابر هونے چاهئیں - اردو کے خلاف جو یہ دعویٰ کیا جاتا هے کہ وہ ایک مخلوط زبان هے درست هے - لیکن کیا عربی میں سریانی،

عبرانی اور یونانی الفاظ کی آمیزش نہیں ہے؟ کیا فارسی میں عربی الفاظ مستعمل نہیں؟ اور کیا یہ صحیح نہیں کہ دنیا کی بیشتر زبانوں میں دوسری زبانوں کے الفاظ کا میل پایا جاتا ہے؟ اگر اردو میں عربی اور فارسی الفاظ استعمال ہوتے ہیں تو اس کے ساتھ یہ بھی ماننا ہوگا کہ سنسکرت اور ہندی کے بھی لاتعداد الفاظ مروج ہیں - بالکل اسی طرح جیسے انگریزی اور فرانسیسی میں لاطینی اور یونانی الفاظ گھل مل گئے ہیں اور ہر اہل زبان انہیں سمجھتا ہے - اردو دو طریقے سے لکھی جاتی ہے - ایک نستعلیق اور دوسرے شکستہ - لیکن ہندی لکھنے کے طریقے بیشمار ہیں - ان بولیوں کے لکھنے کے طریقوں کا ہم یہاں ذکر نہیں کرتے جو ہندی سے مشابہ ہیں اور اس کی اور ان کی اصل ایک ہی ہے - انہیں وہی شخص پڑھ سکتا ہے جس نے خاص کر ان کا مطالعہ کیا ہے - سنسکرت کے فاضل تک ان تحریروں کو نہیں سمجھ سکتے - ان بولیوں کا پڑھنا خود ہندوؤں کے لیے سخت دشوار ہوتا ہے اور ان کے لیے بھی یہ بولیاں وہی حیثیت رکھتی ہیں جو کسی اجنبی زبان کی ہوتی ہے - خود دیوناگری رسم خط جسے ناگری بھی کہتے ہیں'' اور جسے اردو رسم خط کی جگہ رائج کرنے کی کوشش ہورہی ہے' عیوب سے خالی نہیں -

اردو ہندوستان کے شہروں نیز دیہات میں جہاں بعض

دوسری بولیاں بولی جاتی ہیں سمجھی جاتی ہے۔ اضلاع شمال مغربی اور اودھ میں تو اردو ہی بولی جاتی ہے۔ ان تمام امور کے پیش نظر بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ اردو کو ترک کر کے ہندی کو اختیار کیا جائے جسے عرصے سے اہل ہند چھوڑ چکے ہیں اور جس کو رائج کرنے میں بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا ۔۔

علیگڑھ کے " اخبار " مورخہ ۱۲ مارچ سنہ ۱۸۶۸ع میں (سر) سید احمد خاں نے سرود پرشاد کے اس مضمون کا جواب دیا ہے جس کی نسبت ابھی میں حوالہ دے چکا ہوں ۔۔

سید صاحب موصوف نے اردو زبان کی تاریخ بیان کرنے کے ساتھ بابو صاحب کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ انہوں نے زبان اور رسم خط کے دو جداگانہ مسائل کو آپس میں گڈ مڈ کر دیا ہے۔ اردو در اصل قدیم بھاشا اور فارسی کے میل سے بنی ہے۔ اردو کو شہروں کی شستہ اور شائستہ ہندی کہہ سکتے ہیں۔ ہندی اور اردو دونوں لسانی حیثیت سے ایک ہیں۔ دونوں کے رسم خط جدا جدا ہیں۔ سید صاحب موصوف خود اس بات کے خلاف ہیں کہ اردو میں عربی فارسی کے مغلق الفاظ کثرت سے استعمال کیے جائیں۔ موصوف عربی فارسی الفاظ کو صرف اس وقت استعمال کرنے کی اجازت دیتے ہیں جب کہ ان کے بغیر چارہ نہ ہو۔ لیکن عربی فارسی الفاظ کو خارج

کرکے ان کی جگہ سنسکرت الفاظ ٹھونسنے کے بھی موصوف مخالف ہیں۔ اس لیے کہ خود ہندوؤں کے لیے یہ سنسکرت الفاظ عربی فارسی الفاظ کے مقابلے میں اجنبی ہوں گے۔ عربی فارسی الفاظ کو بہت عرصے سے سنتے سنتے خود ہندو بھی ان سے آشنا ہو گئے ہیں۔ ہندوؤں کو چاہیے کہ سنسکرت کی بجائے بھاشا کو پھر سے زندہ کرنے کی کوشش کریں اگرچہ ثانی الذکر بھی اول الذکر کی طرح مردہ ہو چکی ہے۔ لیکن مردہ زبانوں کو زندہ کرنا ناممکن ہے۔ ان تمام باتوں کے مد نظر یہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اردو اور ہندی اس وقت جیسی ہیں انہیں بلا تصرف ویسا ہی ہی رہنے دیا جائے —

یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ اردو میں حساب کتاب، رسائد اور پروانے نہیں لکھے جا سکتے۔ بلکہ اس کے برخلاف اردو میں ان تمام ضروریات کو پورا کرنے کے جو اصول مقرر ہو چکے ہیں ان میں تبدیلی کرنا سخت باعث زحمت ہوگا۔ دفاتر اور عدالتوں میں جہاں اردو لکھنے میں ایک دستہ کاغذ صرف ہوتا ہے وہاں ہندی میں دو دستے ہوں گے۔ اس کے سوا ہندی لکھنے میں بیحد زیادہ وقت صرف ہوتا ہے —

مظفر پور کے سید وارث علی نے بھی علیگڑھ کے "اخبار" مورخہ ۲۹ اپریل میں ایک نہایت پر جوش مضمون سپرد قلم کیا ہے۔ موصوف نے یہ ثابت کیا ہے کہ اردو ہی در اصل اہل

ہند کی عام زبان ہے - اردو کے سمجھنے والے عربستان تک میں ملتے ہیں - اس جگہ اردو کی ہندوستان کے باہر اشاعت کے متعلق ایک واقعہ قابل ذکر ہے - (سر) سید احمد خاں جب بمبئی میں انگلستان جانے کے لیے جہاز پر سوار ہوے تو اسی جہاز پر بعض چینی اور حبشی بھی سفر کر رہے تھے - موصوف کو یہ دیکھ کر بےحد تعجب ہوا کہ وہ اردو سمجھتے تھے اور بات چیت بھی کر سکتے تھے - چنانچہ موصوف نے اردو میں ان سے گفتگو کی اور وہ آپس میں بھی اردو ھی کے ذریعے تبادلۂ خیال کرتے تھے - اس واقعہ سے اردو کی ہمہ گیری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے * —

سید وارث علی نے اپنے مضمون میں ہندوؤں کے اس دعوے کی تردید کی ہے کہ ان کی زبان اردو کے مقابلے میں جو آج کل مروج ہے، ترقی کی زیادہ مستحق ہے - اسی ضمن میں موصوف نے یہ استدلال پیش کیا ہے کہ جس بنا پر ہندی کو

---

* (سر) سید احمد خاں نے جس جہاز پر سفر کیا اس پر مس کارپنٹر بھی سفر کر رہی تھیں - موصوفہ اپنی صحت درست کرنے کی غرض سے یورپ تشریف لائیں - موصوفہ کو تعلیم نسواں سے اس قدر دلچسپی تھی کہ وہ یورپ میں زیادہ دنوں تک نہیں ٹھیریں اور بمبئی روانہ ہو چکی ہیں - (سر) سید احمد خاں نے مس موصوفہ کی اپنے سفر نامے میں بہت تعریف کی ہے اور ان کی سعی و کاوش کو جو وہ ہندوستانی عورتوں کی خاطر کر رہی ہیں بہت سراہا ہے - لیکن اس کے ساتھ سید صاحب کی خواہش ہے کہ مس موصوفہ انجیل مقدس اور معجزات کے متعلق اپنے خیالات میں، منقلہ علمی تحقیق کی روشنی میں تبدیلی کرلیں تو اچھا ہے —

سرکاری زبان بنانے کی تجویز پیش کی گئی ہے بالکل اسی طرح انصاف کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں جو بولیاں بولی جاتی ہیں انہیں بھی سرکاری زبان کیوں نہ بنایا جائے ایک ہندو صاحب نے جو یہ ادعا کیا تھا کہ ہندی الفاظ کا اردو کے رسم خط میں اظہار نہیں ہو سکتا ' اس کا موصوف نے یہ جواب دیا ہے کہ عربی فارسی کے بہت سے ایسے الفاظ ہندی میں مستعمل ہیں جن کا ناگری رسم خط سے اظہار نا ممکن ہے۔ مثال کے طور پر "ضلع فیض آباد اور زمان" کی قبیل کے بہت سے الفاظ پیش کیے جا سکتے ہیں۔ ناگری رسم خط میں مذکورہ الفاظ کا املا "جلا ' پھیج آباد اور جمان' ہو گا۔ ناگری میں گ اور غ ' پ اور ف ' ک اور ق ' ج اور ز ذ ض ظ کا امتیاز نہیں کیا جا سکتا —

علی گڑھ کے "اخبار" مورخہ ۷ مئی سنہ ۱۸۶۸ ع میں " جلوۂ طور " سے جو میرٹھ سے شائع ہوتا ہے ' ایک مضمون نقل کیا گیا ہے - اس مضمون کا عنوان ہندوستانی کی ایک کہاوت " جس کی لاٹھی اس کی بھینس " ہے - اس مضمون میں یہ بتایا گیا ہے کہ چونکہ ہندو لوگ ہندوستان میں اکثریت میں ہیں اس لیے وہ اپنے حسب خواہش تبدیلیاں کرنے کے مجاز ہیں - لیکن " اخبار" کی اشاعت میں مولوی فدا حسین کا لکھا ہوا سپاس نامہ شائع ہوا جو اضلاع شمال

مغربی کے لفٹننٹ گورنر کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ اس سپاس نامے میں یہ درخواست کی گئی ہے کہ اردو ہندی کی جو موجودہ حالت ہے اس کو برقرار رکھا جائے اور کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے —

الہ آباد انسٹیٹیوٹ نے یہ قرارداد منظور کی ہے کہ "کچہری ایکٹ" کا ہندی میں ترجمہ شائع کیا جائے۔ اس کے سوا یہ تجویز منظور ہوئی ہے کہ ہندی زبان اور دیوناگری رسم خط کو فروغ دینے کی تدابیر پر ایک کتاب لکھی جائے اور مصنف کو معقول معاوضہ دیا جائے۔ ایک یہ تجویز منظور ہوئی ہے کہ ہندی میں ایک "انشا" لکھی جائے * جو عدالتی قواعد، کاروبار، خطوط اور پروانوں کے نمونوں پر مشتمل ہو۔ نیز عورتوں کے لیے بھی ہندی میں کتابیں تحریر کرائی جائیں † —

"اودھ اخبار" میں اس مسئلہ پر موافقت اور مخالفت میں جو مضمون شائع ہوئے ہیں ان میں ہندی کی حمایت میں ایک مضمون میری نظر سے گزرا۔ اس میں لکھا تھا کہ ہندوؤں کو اس میں بڑی دشواری ہوتی ہے کہ اپنے گھروں میں

---

* جس طرح اسٹورٹ نے فارسی انشاء لکھی تھی جس وقت فارسی ہندوستان کے دفاتر اور عدالتوں کی زبان تھی —

† اودھ اخبار - ۱۸ مئی، سنہ ۱۸۶۹ ع -

ہندی اور گھر سے باہر اردو بولیں - اگر ایسی کوئی دشواری فی الواقع ہے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ ہر اس قدیم زبان بولنے والے کو پیش آتی ہے جس کی زبان بولی ہوکر رہ گئی ہو - چنانچہ جنیوا اور وینس کے اکثر باشندے اپنے گھروں میں اپنی مقامی بولیوں میں گفتگو کرتے ہیں اور گھروں سے باہر اطالوی زبان میں بات چیت کرتے ہیں جو اٹلی کی مشترک اور عام زبان ہے --

" اودھ اخبار " مورخہ ۱۲ جولائی سنہ ۱۸۶۹ع میں ایک مضمون اردو کی حمایت میں شائع ہوا ہے جس میں مخالفوں کے اعتراضات کے جواب دیے گئے ہیں- اس مضمون میں مضمون نگار نے ثابت کیا ہے کہ اردو ہی وہ زبان ہے جو ہندوستان بھر میں بولی اور سمجھی جاتی ہے - اس ضمن میں اردو کو ایک ایسے دریا سے تشبیہ دی ہے جس میں ندیاں آ آ کر شامل ہوتی ہیں * - موصوف نے ثابت کیا ہے کہ اردو کے رسم خط کی بجائے دیوناگری رسم خط اختیار کرنے کا صرف یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہیے کہ صرف تحریر کا طریقہ بدل گیا بلکہ اس کا

---

* ان ندیوں سے ہماری مراد سنسکرت ' عربی ' فارسی اور ترکی ہیں - یہ عجب اتفاق ہے کہ میں نے بھی چالیس سال قبل اردو کے لیے یہی تشبیہ استعمال کی تھی جس پر میرے ہم عصر علما میں سے ایک نے جو تنقید میں تنگ نظری سے کام لیتے تھے ' مجھ پر اعتراضوں کی بوچھاڑ شروع کر دی تھی -

لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ ایک مکمل اور وسیع زبان کو ترک کرکے ایک کم مایہ اور ناقص زبان کو اختیار کر رہے ہیں - ہندی کو اردو پر فوقیت دینے سے جو اور دوسری خرابیاں پیدا ہوں گی ' جن کے متعلق بارہا ذکر ہو چکا ہے ' اس کی بھی وضاحت کی ہے - اب رہا رسم خط کا سوال تو اس باب میں بھی اردو رسم خط کو ترجیح حاصل ہے اس لیے کہ اس کے ذریعے سے سنسکرت کے ان تمام الفاظ کا پوری طرح اظہار کیا جا سکتا ہے جو ہندی میں مستعمل ہیں سنسکرت میں تالو سے ادا ہونے والے حروف کو عربی کے حروف موکدہ سے ادا کیا جا سکتا ہے- اگر ثانی الذکر کو سنی حروف (Dental) میں ضم کر دیا جائے —

سنسکرت میں جو علحدہ علحدہ چار " ن " آتے ہیں ان کے تلفظ میں کوئی فرق نہیں ہوتا اور ان سبھوں کے اظہار کے لیے عربی " ن " کافی ہے - چونکہ اردو مختلف زبانوں کے میل سے بنی ہے اس لیے اس کے بولنے والوں کو غیر زبانیں بولنے میں بہت سہولت ہوتی ہے- اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا- ہندوستانی زبان کا خزانہ مالا مال ہے حالانکہ ہندوستان کی دوسری زبانیں بالکل بے مایہ ہیں - مضمون ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے کہ ہمیں اپنی زبان کی حفاظت کے لیے کوشش کرنی چاہیے اس لیے کہ اس کے ساتھ

ہماری ملی زندگی وابستہ ہے * —

ہندوستانی زبان کی اہمیت روز بروز تسلیم کی جارہی ہے - ابھی حال میں نیپلز میں چینی کالج کی بجائے ایک مشرقی کالج قایم کرنے کا سوال اٹھا تھا - چنانچہ سب سے پہلے لوگوں کا ہندوستانی کی طرف خیال گیا - پروفیسر این - لاسیسیلیا (N. La Cecilia) نے جو اس کالج کے معتمد ہیں ' ہندوستانی کی تعلیم کا نصاب † تیار کیا ہے - اس میں ایک جگہہ یہ فقرہ ہے " ہندوستانی جسے اردو بھی کہتے ہیں ' برطانوی ہند کی عالم گیر زبان ہے - اس میں عربی ' فارسی ' مغلی (ترکی) اور تاتاری کے عناصر شامل ہیں - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برطانوی اثر کے تحت ہندوستان میں جو نیا تمدن قایم ہو رہا ہے ' اس کی زبان ہندوستانی ہے —

جدید تصانیف اور اخبارات کی اشاعت سے معلوم ہوتا

(*) مضمون نگار نے اس سلسلے میں برطانوی حکومت پر سخت حملے کیے ہیں جس نے اہل ہند کو مطابع کی آزادی دے رکھی ہے - موصوف کا خیال ہے کہ اردو کے خلاف جو تحریک اٹھی ہے اس کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے - حکومت چاہتی ہے کہ ہندوستان کی مشترک زبان کو فنا کردے تاکہ اہل ہند پھر کبھی سنہ ۱۸۵۷ ع کی شورش کی طرح یک جہتی کے ساتھہ کوئی کام نہ کر سکیں - یہ مضمون سعدی کے اس شعر پر ختم ہوتا ہے —

ہرکہ با فولاد بازو پنجہ کرد ساعد سیمین خود را رنجہ کرد

† نصاب اطالوی زبان میں ہے - صفحہ ۱۱ -

ہے کہ اردو کے خلاف جو تحریک اٹھی ہے اس کا کوئی اثر نہیں ہوا - اگرچہ ہندو بہت چیخ پکار کر رہے ہیں لیکن اردو کی ترقی بدستور جاری ہے - گزشتہ سال سے جو نئے اخبارات شائع ہونا شروع ہوئے ہیں ان میں سے بیشتر اردو میں ہیں نہ کہ ہندی میں - "اودہ اخبار" میں خصوصیت کے ساتھ اس قسم کے مضامین نکلتے رہتے ہیں جن میں یہ بتایا جاتا ہے کہ نوجوان انشا پرداز اور شاعر اس تحریک سے مطلق متاثر نہیں ہوئے اور نہ ان کے حوصلے پست ہوئے - ہندو ان کی زبان پر، جو دراصل ایک مخلوط زبان ہے، حملے کیے جاتے ہیں لیکن وہ اپنا کام برابر کر رہے ہیں - ان واقعات کو دیکھنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سوائے چند شورش پسند ہندوؤں کے جو رجعت پسندی کے حامی ہیں، باقی سب اہل ہند اردو زبان کو ترجیح دیتے ہیں - اس لیے کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل سے بنی ہے - ان کے نزدیک نہ قدیم بھاشا اور نہ وہ زبان جو سنسکرت کی بگڑی ہوئی شکل رکھتی ہے،[۲] اردو کا مقابلہ کر سکتی ہے - اردو کی مقبولیت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ گزشتہ سال کلکتہ یونیورسٹی کے میٹریکیولیشن کے امتحان میں ۲۵۲ طلبہ نے اردو لی اور صرف ۲۸ نے ہندی لی —

مسٹر کمپسن (Kempson) ناظم تعلیمات صوبۂ شمال مغربی

کی رپورٹ میں جو ۱۹ فروری سنہ ۱۸۶۹ ع کو شائع ہوئی یہ مندرج ہے کہ ان کے صوبے میں صرف ۲۲ ہندوستانی اخبارات ہیں - ان میں سے سولہ اردو میں، پانچ ہندی میں اور تین اردو ہندی دونوں میں ہوتے ہیں یعنی ایک کالم میں اردو اور دوسرے میں ہندی- ان اخبارات میں ۱۳ ہفتہ وار ہیں، پانچ مہینے میں دو دفعہ شائع ہوتے ہیں، اور چھہ ماہوار رسالے ہیں - آگرہ سے ۲، الہ آباد سے ۴، کانپور سے ۲، بنارس سے ۱، مراد آباد سے ایک ہفتہ وار اور ایک ماہوار، بریلی سے ۲، جونپور، علی گڈھ شاہ جہاں پور اور فرخ آباد سے ایک ایک شائع ہوتے ہیں —

اب میں اردو اور ہندی کے جدید اخبارات و رسائل کی حروف تہجی کے اعتبار سے فہرست پیش کرتا ہوں- مجھے جہاں تک علم ہے یہ سب میرے گزشتہ خطبے کے بعد وجود میں آئے ہیں —

(۱) آئینۂ علم - یہ ایک ماہوار ادبی رسالہ ہے اور الہ آباد سے شائع ہوتا ہے - ۸ جزو پر مشتمل ہوتا ہے - ہندی میں بر تامت درپن کے نام سے اسی کے مضامین شائع ہوتے ہیں-

(۲) آئینۂ طبابت - یہ ماہوار طبی رسالہ اردو میں شائع ہوتا ہے —

(۳) اخبار سررشتۂ تعلیم- گزشتہ سال ماہ فروری سے یہ ماہوار

رسالہ لکھنؤ سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ صوبۂ اودھ کے ناظم تعلیمات مسٹر ڈبلو ہڈ فورڈ کے زیر سرپرستی شائع ہو رہا ہے۔ حجم ۱۲ جزو ہے اور کبھی کبھی ضمیمہ بھی ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے نظم و نثر کے مضامین کا معیار اچھا خاصا بلند ہے۔ اس کی چند اشاعتیں ' جو از راہ کرم مجھے بھیجی گئی تھیں ' میرے پیش نظر ہیں۔ اس کے بعض مضامین نہ صرف اہل ہند بلکہ یورپین لوگوں کے لیے سبق آموز ہیں۔ اس کے مدیر خصوصی اور دیگر کارپرداز ہندوستان بھر میں اپنی ادبی قابلیت کے لیے مشہور ہیں —

(۴) اخبار الاخبار۔ مرزا پور (بہار) سے اردو میں شائع ہوتا ہے۔

(۵) اتالیق پنجاب۔ یہ اخبار " سرکاری اخبار " کے بند ہونے کے بعد اس کی جگہہ شائع ہوتا ہے۔ لیکن اول الذکر کے مقابلے میں اس میں ادبی رنگ زیادہ غالب ہے۔ میں نے یہ رائے اس کی چند اشاعتوں کو دیکھہ کر قایم کی ہے جو مسٹر فولرائڈ ناظم تعلیمات صوبۂ پنجاب نے از راہ لطف مجھے بھجوائی ہیں —

(۶) بدیا درش۔ یہ ہندی میں مہینے میں دو مرتبہ میرٹھہ سے شائع ہوتا ہے۔ یہ در اصل اردو کے نجم الاخبار کا ہندی ایڈیشن ہے —

(۷) برہم گیان پرکاش - اس ماہوار رسالے کے بانی بابو کیشب چندر ہیں جو برہمو سماج کے بانی ہیں —

(۸) برتنت درپن - یہ اردو کے " آئینۂ علم" کا ہندی ایڈیشن ہے اور الہ آباد سے ماہانہ شایع ہوتا ہے -

(۹) چشمۂ علم - یہ پٹنہ سے اردو میں مہینے میں دو دفعہ نکلتا ہے - اس سے پہلے اس شہر میں کوئی اخبار نہ تھا- اس کی پہلی اشاعت یکم جنوری سنہ ۱۸۶۹ ع کو شایع ہوئی - یہ چھوٹی تقطیع پر ہے اور ہر صفحے پر دو کالم ہوتے ہیں - میرے ایک مہربان نے اس کی ایک اشاعت مجھے بھیجی ہے- اس کا ایک مضمون مجھے پسند آیا جس کا موضوع بنی نوع انسان کے اتحاد سے متعلق تھا —

(۱۰) دبدبۂ سکندری یہ سکندرہ سے شایع ہوتا ہے- " ہای گزٹ " مورخہ ۷ مئی سنہ ۱۸۶۱ ع میں اس اخبار کے چند اقتباس میری نظر سے گزرے -

(۱۱) ڈھاکہ پرکاش - اس کی ایک اشاعت میں " برٹش انڈین ایسوسیشن " کو مشورہ دیا ہے کہ نئی منتخب شدہ پارلیمنٹ سے تین باتوں کی درخواست کرے (۱) سول سروس کا امتحان اہل ہند کے لیے ہندوستان میں منعقد کیا جاے - (۲) اہل ہند کو ارکان باضابطہ منتخب کرنے کا حق حاصل ہو - (۳) پولس والوں کی

تنخواہوں میں اضافہ کیا جاے تاکہ وہ پبلک سے رشوت لینا چھوڑ دیں —

(۱۲) دھرم پرکاش - یہ آگرہ سے شایع ہوتا ہے - دراصل یہ هندی کے "پاپ موچن" کا اردو ایڈیشن ہے جس کے مدیر جوالا پرشاد ہیں جو بابو کیشب چندر کی طرح وسیع المشرب شخص ہیں —

(۱۳) غالب الاخبار - یہ ہفتہ وار اخبار اردو میں سیتا پور سے نکلتا ہے -

یکم مارچ سنہ ۱۸۶۹ ع سے اس کی اشاعت شروع ہوئی- ہر دوشنبہ کے روز شایع ہوتا ہے * —

(۱۴) گنجینۂ علوم - یہ ماہوار رسالہ مراد آباد سے شایع ہوتا ہے - گنگا پرشاد اس کے مدیر ہیں † —

(۱۵) گنجینۂ احکام - یہ ماہوار قانونی رسالہ ہے - یہ بھی مراد آباد سے شایع ہوتا ہے —

(۱۶) جگت سماچار - یہ ہفتہ وار اخبار هندی میں ہر سہ شنبہ کو شایع ہوتا ہے - مطبع "دارالعلوم" میں طبع ہوتا ہے —

---

* "اخبار" علیگڑھ - مورخہ ۲۶ مارچ سنہ ۱۸۶۹ ع —

† موصوف ہندوستانی کے نامور انشاپردازوں میں سے ہیں - میں نے اپنی کتاب "تاریخ ادب هندی و هندوستانی" میں ان کے متعلق ذکر کیا ہے - دوسرا ایڈیشن - پہلی جلد، صفحہ ۳۸۷ —

(۱۷) جلوۂ طور - یہ ہفتہ وار اردو اخبار میرٹھ سے شایع
اور مطبع "سلطان المطابع" میں طبع ہوتا ہے - باوجود
اس نام کے اس کے مدیر ایک ہندو رائے گنیشی لال
ہیں - یہ بڑی تقطیع پر شایع ہوتا ہے اور ۸ صفحات
پر مشتمل ہے - ہر صفحے پر ۲ کالم ہیں - سرورق پر
بطور عنوان چار اشعار لکھے ہوئے ہیں - دو فارسی کے
اور دو اردو کے - ان اشعار کا مضمون یہ ہے کہ اس
اخبار کے ذریعے کوہ سینا کی سی تجلی پیدا ہوگی
جس نے حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر کی
آنکھیں خیرہ کردی تھیں —

(۱۸) کوکب عیسوی - میرٹھ کے "اخبار عالم" مورخہ
۲۶ اگست سنہ ۸۶۸ ع میں اس کے متعلق اعلان
میری نظر سے گزرا —

(۱۹) خیرالمواعظ - یہ ہفتہ وار اخبار اردو میں دہلی سے
۸ صفحے پر شایع ہوتا ہے - اس کے پیش نظر یہ مقصد
ہے کہ اصول اسلام کی نشر و اشاعت اور مسیحی
تعلیمات کا رد کرے -

(۲۰) مخزن العلوم - یہ ماہوار رسالہ بریلی سے شایع ہوتا
ہے - اس کے مدیر کا نام کالی چرن ہے - اس کی پہلی
اشاعت دسمبر سنہ ۱۸۶۷ ع میں ہوئی اسی کو "بریلی

مخزن" بھی کہتے ہیں - یہ روہیلکھنڈ کی مجلس ادبی کی طرف سے شایع ہوتا ہے جس کا مرکز مراد آباد میں ہے-

(۲۱) مفید عام - یہ جدید اردو اخبار مہینے میں دو دفعہ نکلتا ہے - ۲۰ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے اور ہر صفحے پر دو کالم ہوتے ہیں - اس کی تقطیع چھوٹی ہے مسٹر کمپسن ناظم تعلیمات صوبۂ شمال مغربی نے جو نمبر نمونتاً میرے پاس بھیجا ہے اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر ادبی رنگ غالب ہے - اس اشاعت میں صوبۂ شمال مغربی کی تعلیمی رپورٹ ' تعلیم نسواں' کلکتہ یونیورسٹی' سیہور اور چھپور کی تعلیمی حالت' ہندوستان کے مختلف حصوں کی زرعی پیداوار ' قدیم فلسفہ اور مورخین ' سبکتگین اور محمود ' مہر ' ذوق' گویا اور وزیر کے دیوانوں کے انتخاب ' اور اسی قسم کے دوسرے موضوعوں پر مضامین درج ہیں - میرے خیال میں اُردو میں پہلی مرتبہ سکوّں پر مضمون اس اخبار میں شایع ہوا ہے - مضمون کا عنوان " عہد جہانگیر کے سکے " ہے - ان کے ۲۰ نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں جو نہایت واضح ہیں -

(۲۲) مفید انام - یہ ہفتہ وار اخبار فتح گڑھ سے اردو میں نکلتا ہے - اس کے مدیر ایک ہندو شنکر سروپ ہیں -

اس اخبار میں عورتوں کو مسیحی مذہب قبول کرنے سے باز رکھنے کی تجاویز پیش کی گئی ہیں اور اس غرض سے ایک انجمن قایم کرنے کا اعلان کیا گیا ہے - چنانچہ ۴۰ ہزار روپیہ انجمن کے لیے جمع بھی ہوگیا ہے -

(۲۳) میور گزٹ - میرٹھ کا ماہوار اردو رسالہ ہے - اسے "جلوۂ طور" کا ضمیمہ تصور کرنا چاہیے جس کی نسبت میں ذکر کر چکا ہوں - سر ولیم میور کے زیر سرپرستی یہ رسالہ گزشتہ سال سے شائع ہو رہا ہے - رسالے کا نام موصوف کے نام پر رکھا گیا ہے - یہ چھوٹی تقطیع کا ۸ صفحات پر ہوتا ہے اور ہر صفحے پر دو کالم ہیں - رسالہ کے سر ورق پر عربی کا یہ مقولہ بطور عنوان مندرج ہے "کل جدید لذیذ" —

(۲۴) نیر اکبر - یہ اردو اخبار بجنور سے نکلتا اور "زین المطابع" میں طبع ہوتا ہے ہر ہفتے جمعرات کے روز شائع ہوتا ہے - جمعرات کا روز مسلمانوں میں حدیث نبوی کے مطابق متبرک مانا جاتا ہے - حدیث یہ ہے : خدا نے ساتویں دن (یعنی ہفتہ) اور پانچویں دن (یعنی جمعرات) کو متبرک قرار دیا ہے —

(۲۵) پاپ موچن - یہ "دھرم پرکاش" کا ہندی ایڈیشن ہے جس کے متعلق میں ابھی ذکر کر چکا ہوں —

(۲۶) راجپوتانہ گزٹ ۔ اس اردو اخبار کے بانی کرنل کیٹنگ (Keating) ھیں ۔ اس کا مقصد یہ ھے کہ اس کے ذریعے سے انگریزی حکومت کے احکام و قواعد کی صوبے میں نشر و اشاعت کی جائے * —

(۲۷) روھیلکھنڈ اخبار ۔ یہ ھفتہ وار اردو اخبار مراد آباد سے شائع ھوتا ھے —

(۲۸) سمے بنود ۔ نینی تال کا ھندی اخبار ھے جو مہینے میں دو دفعہ شائع ھوتا ھے —

(۲۹) تذکرۂ بال گوبند ۔ یہ ماھوار اردو رسالہ آگرہ سے شائع ھوتا ھے —

(۳۰) ادیپور گزٹ ۔ ۲۴ نومبر سنہ ۱۸۶۸ ع کے اودہ اخبار میں اس ھندی اخبار کی اطلاع مندرج تھی ۔ اخبار مذکور نے افسوس ظاھر کیا ھے کہ " اودیپور گزٹ " کو دیوناگری رسم خط میں چھپنے کے باعث کامیابی نہیں حاصل ھوئی ۔ بر خلاف اس کے اگر وہ اردو رسم خط میں چھپتا تو زیادہ مقبولیت حاصل ھوتی —

(۳۱) عمدۃ الاخبار ۔ اسی نام کا ایک اخبار بریلی سے نکلتا ھے لیکن یہ گزشتہ سال سے مدراس سے شائع ھونا شروع ھوا ھے ۔ اس کا پورا نام " عمدۃ الاخبار ، اعظم الانوار "

---

* علی گڑہ کا " اخبار " مورخہ ۴ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ ع —

ہے - یہ مہینے میں تین بار چھوٹی تقطیع پر نکلتا ہے - ہر صفحے میں دو کالم ہوتے ہیں - میرے پرانے شاگرد مسٹر ای سیسے (E. Sice) نے ' جو آج کل پانڈی چری میں ہیں ' اس کی ایک اشاعت کا نمونہ مجھے بھیجا ہے - اس میں نواب کرناٹک کی تصویر بھی ہے جن کا خطاب عمدۃ الدولہ تھا - نواب صاحب موصوف کے نام پر اخبار کا نام رکھا گیا ہے —

میں اس وقت ادب اردو سے تعلق رکھنے والی تصانیف کا نہایت اختصار سے ذکر کروں گا - میری کتاب " تاریخ ادب ہندی و ہندوستانی " کا دوسرا ایڈیشن تیار ہو رہا ہے اور عنقریب شائع ہوجائے گا - اس کے متعلق میں اس موقع پر کچھ زیادہ نہیں کہنا چاہتا —

ڈبلو آرھولر انڈ ' ناظم تعلیمات پنجاب کی رپورٹ بابتہ سنہ ۱۸۶۷ - ۱۸۶۸ ع کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صوبۂ پنجاب میں زیر تبصرہ سالوں میں ہندوستانی میں ۱۵۲ کتابیں شائع ہوئیں - ان میں سے ۱۱۹ اردو کی ہیں اور ۳۳ ہندی کی - اسی تعداد میں ۱۴ وہ بھی شامل ہیں جو اردو اور ہندی دونوں میں ہیں ایک اردو کی کتاب رومن رسم خط میں ہے اور دو اردو اور انگریزی میں ہیں - ان میں سے بیشتر لاھور دھلی اور لدھیانہ سے شائع ہوئی ہیں —

مسٹر کیمپسن، ناظم تعلیمات صوبۂ شمال مغربی کی گزشتہ رپورٹ میں، جو ۲۰ فروری سنہ ۱۸۶۹ ع کو شائع ہوئی، ان مطبوعات کا تذکرہ ہے جو سنہ ۱۸۶۸ ع میں رجسٹر کرائی گئی ہیں - ان کی تعداد ۴۶۸ ہے - ان میں سے ۲۵۳ ہندوستانی کی ہیں یعنی ۱۴۶ اردو کی اور ۱۰۷ ہندی کی - جن میں سے گیارہ ایسی ہیں جو اردو اور ہندی دونوں میں ہیں اور صرف چھ اردو کی کتابیں رومن رسم خط میں ہیں - ۱۸ کتابیں ہندی اور سنسکرت کی ہیں - ۱۰۵ اردو اور انگریزی کی جن میں سے دو رومن رسم خط میں ہیں - ۲ اردو اور فارسی کی ہیں - ایک اردو، عربی اور انگریزی کی ہے اور ایک اردو، ہندی اور انگریزی کی ہے - اسے ہم سہ زبانی لغت تصور کرسکتے ہیں جس کے مصنف کا نام مسٹر ایچ ایس ریڈ (Read) ہے -

مذہبی کتب کی مقبولیت بدستور قایم ہے - گزشتہ سال بیس کتابیں ہندوؤں میں تبلیغ کرنے کی غرض سے ہندی میں شائع ہوئی ہیں - مسلمانوں کے لیے اردو میں سترہ کتابیں شائع ہوئیں - یہ تعداد اس اعتبار سے بہت زیادہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد ہندوستان میں بہ نسبت ہندوؤں کے بہت کم ہے - مدارس کی نصابی کتب میں ۱۳ اردو میں اور ۱۰ ہندی میں شائع ہوئیں - تعلیم کے متعلق حکومت کی طرف سے جس قدر کتابیں شائع ہوی ہیں ان کی تعداد وہی ہے جو

پبلک کی شائع کردہ کتب کی ہے - لیکن آخرالذکر کم تعداد میں طبع ہوتی ہیں ہندی میں بہ مقابلہ اردو کے قصے کہانیوں کی کتابیں زیادہ مقبول ہیں - اس بات پر مسٹر کیمپسن ناظم تعلیمات صوبہ شمال مغربی نے تعجب ظاہر کیا ہے - خوشی کی بات ہے کہ موصوف بھی میری طرح اس رجعت پسندانہ تحریک کے خلاف ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ اردو کی جگہہ ہندی کو ترقی دینے کی کوشش کرنی چاہیے —

صوبۂ شمال مغربی کے لفٹیننٹ گورنر نے بہترین ادبی مضامین پر انعام دینے کا جو اعلان کیا تھا اس کا نتیجہ حسب دلخواہ نکلا - چنانچہ ۸۰ مضامین (قلمی اور مطبوعہ) اس کمیٹی کے روبرو پیش ہوے ہیں جو ان کی جانچ کے لیے مقرر کی گئی ہے۔

(سر) سید احمد خاں کی اردو لغت کے چار صفحات نمونتاً مجھے بھیجے گئے ہیں- موصوف نے ایس هاول (Howell . اور میری راے کے مطابق اس لغت کا نام 'پرانا یورپین نا، ترک کر کے ' "لغت زبان اردو" رکھا ہے - مسٹر هاول نے میری راے بھی سید صاحب موصوف کو پہنچادی ہے - اس لغت میں وہی عربی ٹائپ استعمال کیا گیا ہے جو سید صاحب ؛ مطبع میں ہے اور جس میں موصوف نے "انجیل مقدس کی المسیر" شائع کی ہے - اس ٹائپ کا بڑا عیب یہ ہے کہ اس ؛ حروف بہت چھوٹے ہیں - مسٹر ولیم هنڈ فورڈ (Hand ford

نے افسوس ظاہر کیا ہے' اور میں بھی ان کے ساتھ متفق ہوں' کہ اس لغت میں الفاظ کی اصل نہیں بتائی گئی - اگرچہ اس سے انکار نہیں کہ الفاظ کے معنی اور مطلب صاف زبان میں بیان کیے گئے ہیں اور ہر لفظ کے بعد اس کے مشتقات لکھے گئے ہیں- لیکن علیگڑھ کے " اخبار " مورخہ ۵ فروری سنہ ۱۸۶۹ع میں اس لغت پر جو تنقید شائع ہوئی ہے میں اس سے متفق نہیں - مثلاً یہ اعتراض معقولیت پر مبنی نہیں کہ چونکہ اردو زبان سنسکرت ' عربی اور فارسی سے بنی ہے اس لیے دیسی لوگوں کے لیے ان زبانوں کی علحدہ علحدہ لغتیں تیار کرنی چاہئیں - رہے خالص ہندوستانی الفاظ ' تو ان کے لیے لغت کی کیا ضرورت ہے ' اس لیے کہ ہر کس و ناکس انہیں سمجھتا ہے اور روزمرہ میں استعمال کرتا ہے - یہ بات ایسی ہوئی کہ کوئی یہ کہے کہ بھلا فرانسیسی زبان کی لغت کی کیا ضرورت ہے ' لاطینی کی لغت کافی ہے ' اس لیے کہ فرانسیسی زبان اسی سے نکلی ہے - ان الفاظ کے لیے جو عام طور پر استعمال کیے جاتے ہیں اور جن کے معنی ہر شخص جانتا ہے علحدہ لغت کی کیا ضرورت ہے - اسی طرح انگریزی کی لغت کی بھی ضرورت نہیں- اس کے لیے سیکسن زبان اور فرانسیسی کی لغت سے کام نکل سکتا ہے - بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایسے مفید کام پر اس طرح غیر ذمہ داری کے ساتھ تنقید کی

جائے - لوگوں کی عادت ھے کہ وہ "دوسروں کی آنکھہ کے تنکے کو دیکھہ لیتے ھیں لیکن اپنی آنکھہ کا شہتیر انہیں نظر نہیں آتا"- بوالو (Boileau) نے ٹھیک کہا ھے : " تنقید آسان ھے لیکن صناعی (Art) مشکل ھے " - سید صاحب جیسے جلیل القدر مسلمان کے حوصلے کو پست کرنے کی کوشش کرنا ' جو تعلیم و تمدن کے سچے دل سے حامی اور قدردان ھیں ' کہاں کی انسانیت ھے - موصوف کے نکتہ چیں جو خود علم و فضل میں زیادہ ممتاز درجہ نہیں رکھتے ' انہیں سبق دینے چلے ھیں ۔ سچے محققوں کا یہ شیوہ ھے کہ وہ ایسی تصنیف کے عیوب سے چشم پوشی کرتے ھیں جو مجموعی طور پر اطمینان بخش ھو اور جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچنے کی توقع ھو —

کچھہ عرصے سے یورپ اور ھندوستان دونوں جگہہ ' سنسکرت کی تعلیم کا رواج بڑھ رھا ھے ۔ بہت سی سنسکرت کی قدیم کتابیں ایسی ھیں جن پر گمنامی کا پردہ پڑا ھوا تھا اور سوائے چند پنڈتوں کے ان تک کسی کی رسائی نہیں تھی ' اب شائع ھورھی ھیں - عام طور پر تو ھندو لوگ سنسکرت مطلق نہیں سمجھہ سکتے - ان محققوں کو بھی جو سنسکرت زبان کے متعلق تحقیق کر رھے ھیں بعض اوقات سمجھنے میں سخت دشواریاں پیش آتی ھیں- انہیں بھی خارجی مدد کی ضرورت رھتی ھے- چنانچہ آج کل بنارس میں سنسکرت کی جس قدر

کتب شائع ہو رہی ہیں، ان کے ساتھ شرح ضرور شامل ہوتی ہے - یہ شرح ہندی میں ہوتی ہے - مثال کے طور پر ہم ان ناموں کو پیش کرتے ہیں - "رام چندر نام سہسرا" جو "پدم پران" میں شامل ہے اور "رام گیتا" جو اتار کانڈ ادھیا تما راماین" میں شامل ہے، "سھوپنچ ارتنا" جو سھوا کی منظوم تعریف ہے، ویدیا امرت، ویدانت تریا (یعنی تتوا بودھا، آتما بودھا اور مکشا سدھی) —

ہندوستان میں آج کل جو جدید اخبارات اور کتب شایع ہو رہی ہیں ان میں عمرانی زندگی کی اصلاح پر زور دیا جا رہا ہے - اس اصلاحی تحریک کا کام بعض انجمنیں کر رہی ہیں جن کے متعلق میں ذکر کر چکا ہوں - ان انجمنوں کی بدولت اصلاحی کام نہایت گرمجوشی کے ساتھ ہو رہا ہے - ان سب انجمنوں کا نصب العین یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح اہل ہند کو جہالت اور تعصب کے جوے سے نجات دلائی جائے اور ان کی فلاح کی راہیں تلاش کی جائیں - انہیں تعصبات کی وجہ سے آج ان میں ایسی رسوم رائج ہو گئی ہیں جنہیں ساری مہذب دنیا برا کہتی ہے - اس کے سوا ان انجمنوں کے مقاصد میں یہ بھی ہے کہ اہل ہند میں حب وطن کا جذبہ پیدا کیا جائے، ان میں مفاد عامہ کا احساس پیدا ہو، اور اس غفلت کو دور کیا جائے جو آج عام طور پر سارے ملک پر چھائی

ہوئی ہے —

انہیں مقاصد کے مد نظر بمبئی میں ایک نئی انجمن قایم ہوئی ہے جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک ہیں۔ اس انجمن کا نام "معراج پنتھہ" ہے۔ دیدہ و دانستہ اس کے نام میں ایک عربی اور دوسرا ہندی لفظ شامل کیا گیا ہے * —

اس تبصرے کو ہم "برھموسماج" کے ذکر سے شروع کرتے ہیں اس لیے کہ یہ انجمن اس وقت ہندوستان میں سب سے زیادہ عملی کام کر رہی ہے - یہ وحدانیت باری کے عقیدے کو ماننے والوں کی انجمن ہے اس انجمن کی بدولت ترقی یافتہ لوگوں کی ایک جماعت قائم ہو گئی ہے جو اپنی اصلاحی تحریک کی اشاعت میں سرگرم عمل ہے - اس جماعت کی وجہ سے جو اصلاحات ہو رہی ہیں انہیں دیکھہ کر خوشی ہوتی ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ کیا اچھا ہو اگر یہ اصلاحات ہندوستان کے طول و عرض میں جاری و ساری ہو جائیں - یہ انجمن چالیس سال سے کام کر رہی ہے اور آہستہ آہستہ تنظیم میں منہمک ہے۔ اب اس نے یہ بات محسوس کر لی ہے کہ جب تک ایک کلیسا کے مثل وہ اپنی تنظیم نہ کرے گی اپنے ارکان پر قابو رکھنا دشوار ہے۔ چنانچہ اس جماعت کے سر گروہ بابو کیشب چندر کا خیال †

---

* "میرٹھہ گزٹ" مورخہ ۲۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۹ ع -

† برھمو سماج کے ارکان اپنے پیشوا کو "آقا اور گنہگاروں کی تعلوس" کہتے ہیں اور جب کبھی اس کا سامنا ہو جاتا ہے تو سجدے میں گر جاتے ہیں۔

ہے کہ کلکتہ میں مچھوا بازار روڈ پر ایک مندر قائم کیا جائے جہاں پابندی کے ساتھہ عبادت کا انتظام کیا جائے گا * —

بنارس میں بعض وسیع المشرب اشخاص کا ارادہ ہے کہ ایک عبادت خانہ قایم کریں جس کے ایک حصے میں عیسائی، ایک میں مسلمان اور ایک میں هندو کے لیے عبادت کا انتظام کیا جائے † —

کلکتہ میں ایک انجمن قایم ہوئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ هندوؤں کے مذهب میں جو رسومات تبیح داخل ہوگئی ہیں انہیں خارج کیا جائے۔ راجہ کرشن بہادر اس انجمن کے صدر ہیں موصوف وهی هیں جنہوں نے هندوستانی کی متعدد کتب تصنیف کی ہیں اور " گے کی کہانیوں " (Fablès de Gay) کا هندوستانی ترجمہ کیا ہے۔ (اودہ اخبار مورخہ ۳۰ مارچ سنہ ۱۸۶۹ ع) —

لکھنو کی انجمن تہذیب کو روز بروز ترقی هو رهی ہے اور اس کی تنظیم بہتر هوتی جا رهی ہے - اگرچہ یہ انجمن اس قدر بنیادی اصلاحات نہیں چاهتی جیسے کہ برهمو سماج چاهتی ہے لیکن بہرحال عملی اعتبار سے وہ اصلاح کا کام کر رهی ہے۔ اس کے قواعد میں ایک یہ ہے کہ اس انجمن میں هر شخص

---

* انڈین میل، مورخہ ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۸۶۹ ع -

† Saint-Sepulcre کے کلیسا کی طرح جہاں مختلف مسیحی فرقوں کے عبادت کے لیے کمرے مقرر ہیں -

بلا قید مذہب و ملت شریک ہوسکتا ہے ‡ - اس کے زیر اہتمام ہر ماہ لکچر ہوتے ہیں جو بعد میں " رسالہ " کے نام سے شایع ہو جاتے ہیں - میں ارباب انجمن کا تہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے اس کا ایک نمونہ بھیجا ہے- میں نے اسے نہایت شوق اور دلچسپی کے ساتھ پڑھا - اس ماہوار رسالے کے سرورق پر انجمن کے قیام کی تاریخ دو اشعار میں بیان کی گئی ہے * —

گزشتہ مارچ کے مہینے میں جے پور کی " راج پوتانہ سوشل سائنس کانگریس کا " اجلاس منعقد ہوا - یہ انجمن اس ریاست کے مہاراجہ کے زیر سرپرستی قایم ہوئی ہے- اس کا نصب العین یہ ہے کہ مدارس قایم کیے جائیں اور نصابی کتب کی اشاعت بڑھائی جاے- اس کے ساتھ انجمن زراعت اور صفائی کو بھی ترقی دینا چاہتی ہے - لکھنؤ کی " انجمن تہذیب " کی طرح یہ انجمن بھی ایک رسالہ شایع کرتی ہے- اس رسالے کی پہلی اشاعت میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ طبقۂ امرا کے بچوں کی تعلیم کے لیے ایک کالج قایم کیا جاے اور اس کالج میں ایسی تربیت کا انتظام کیا جاے جو امرا کے بچوں کو ملنی چاہیے - جہاں ریاضی، کیمیا، علوم فطری، معاشیات، اردو

---

‡ اودھ اخبار مورخہ یکم جون سنہ ۱۸۶۹ م -

* یہاں اشعار کا فرانسیسی ترجمہ ہے - (مترجم) -

جلدی ' ہندوستان کی قدیم السنہ اور انگریزی کی تعلیم کے ساتھہ ساتھہ جسمانی ورزش اور شہ‌سواری وغیرہ کا پورا انتظام کیا جائے —

آگرہ کی " انجمن رفاہ خلائق " کا اجلاس گزشتہ جون کے مہینے میں منعقد ہوا تھا - اس موقع پر انجمن کے تمام کاموں کا جائزہ لیا گیا - میرٹھہ کی ' انجمن مباحثہ " بھی بنارس کی " انجمن ادبی " کی طرح مضامین شائع کرتی رہتی ہے - معلوم ہوتا ہے یہ مضامین قدر کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اس لیے کہ انگریزی حکومت مضامین کے مجموعے کو مستقل طور پر خریدتی ہے اور ان کے بعض حصوں کو دوبارہ طبع کراتی ہے —

" اودھ اخبار " مورخہ ۸ مئی سنہ ۱۸۶۹ ع میں چنار کی ایک انجمن کے قیام کا ذکر تھا جس کے ماہوار جلسے منعقد ہوا کرتے ہیں —

ایسٹ انڈیا ایسوسیشن (East India Association) جس کا مرکز علی گڈہ ہے ' اس غرض سے قایم کی گئی ہے کہ اہل ہند کے حقوق کی تمام جائز طریقوں سے نگہداشت کی جائے ' ان کی فلاح و تعلیم کے لیے کوشش کی جائے ' اور انہیں ترقی کی راہ پر گامزن ہونے میں مدد دی جائے - اس انجمن میں سنہ ۱۸۶۸ ع کے اواخر میں ۵۴ ارکان شریک تھے - انجمن

ایک ماہوار اردو رسالہ شائع کرتی ہے جس میں انجمن کی رودادوں کے سوا لکچروں اور ان مباحثوں کا حال درج ہوتا ہے جو انجمن کے زیر اہتمام ہوتے ہیں * —

گزشتہ سال سر ولیم میور (W. Muir) کے زیر سرپرستی مراد آباد میں اس انجمن کی ایک شاخ قایم ہوئی - سال کے آخر میں اس انجمن کے جلسے میں منشی گنگا پرشاد نے انجمن کی خدمت گزاری کے مقاصد پر تقریر کی اور کہا کہ ان مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کی ایک صورت یہ اختیار کی گئی ہے کہ مغربی علوم کو رائج کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کی جا رہی ہے - موصوف نے کہا کہ وہ خود علم ہیئت ' کیمیا ' فلسفہ اور تاریخ پر کام کر رہے ہیں - موصوف نے یہ بھی کہا کہ انجمن کے مقاصد میں یہ بھی شامل ہے کہ سیاسی مسائل معرض بحث میں لائے جائیں اور بالخصوص ان قوانین کے متعلق پوری بحث و تمحیص ہو جو اہل ہند کے لیے وضع کیے جاتے ہیں —

اس انجمن کی یہ بھی کوشش ہے کہ اہل ہند اپنی تہذیب و تمدن کی ترقی کی خاطر یورپ کا سفر کریں اور دنیا دیکھیں - اب بعض مشہور پنڈتوں نے بھی یہ بات تسلیم کرلی ہے کہ یورپ کا سفر کرنا شاستروں کی تعلیم کے خلاف

---

* علی گڑھ کا " اخبار " مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۸۶۸ ع -

نہیں ہے۔ چنانچہ انجمن چندے کے ذریعہ ایک رقم جمع کر رہی ہے تاکہ یورپ جانے والوں کو مالی امداد بہم پہنچائے اور اپنا ایک پروگرام تیار کرے جس کے مطابق یورپ جانے والے عمل کریں —

انگریزی حکومت بھی حتی المقدور ان لوگوں کی ہمت افزائی کر رہی ہے جو تعلیم کی تکمیل کی غرض سے انگلستان جانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے خاص وظائف مقرر کیے گیے ہیں جو سالانہ عطا کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ بنگال، مدراس اور بمبئی کے صوبوں کے لیے ایک ایک وظیفہ منظور ہوا ہے اور تین وظائف صوبۂ شمال مغربی، پنجاب، اودھ اور صوبۂ متوسط کے لیے مقرر ہوے ہیں۔ آخر الذکر دونوں صوبوں کو باری باری سے ایک ایک سال کے بعد ایک وظیفہ ملے گا * —

نواب بنگال † نے اپنے ہم وطنوں کے لیے بہت اچھی مثال قایم کر دی ہے کہ موصوف چند ماہ کے لیے یورپ تشریف لاے ہیں۔

---

* (سر) سید احمد خاں کے صاحبزادے سید محمد محمود کو صوبۂ شمال مغربی سے وظیفہ ملا ہے۔ موصوف اپنے والد محترم کے ساتھ انگلستان پہنچ چکے ہیں۔

† انہیں نواب مرشد آباد بھی کہتے ہیں۔ اسلامی حکومت کے زمانے میں مرشد آباد بنگال کا دارالسلطنت تھا۔ نواب صاحب کے خطابات یہ ہیں جنہیں اخبارات نے عجیب عجیب طرح لکھا ہے، منتظم الملک، محسن الدولہ، فریدوں جاہ، نواب سید منصور علی خاں بہادر نصرت جنگ نواب ناظم بنگال، بہار و اڑیسہ۔

آپ کے همراہ آپ کے دونوں صاحبزادے، ایک ڈاکٹر اور مہر وزیر علی کاظمی اور کرنل لہارڈ (Layard) تھے - مہر وزیر علی کاظمی نہایت بذلہ سنج شخص ہیں - کرنل لہارڈ کے بھائی برطانوی ہند کے اعلیٰ عہدہ دار اور فاضل شخص گزرے ہیں - نواب صاحب مع اپنے ساتھیوں کے جب پیرس ٹھہرے تھے تو اس وقت مجھے ان سے ملاقات کا موقع ملا * - نواب صاحب اور ان کے ساتھی سب شیعہ ہیں - مذہبی پابندی میں شیعہ سنیوں سے زیادہ کٹر اور کھانے پینے کے معاملے میں محتاط ہوتے ہیں † - چنانچہ نواب صاحب اور ان کے ساتھیوں کو فرانس اور انگلستان میں بعض اوقات دعوتوں میں جانے سے انکار کرنا پڑا - بہر حال اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یورپ کے سفر کی بدولت نواب صاحب اور ان کے صاحبزادوں کے خیالات میں وسعت پیدا ہوئی

---

* اس سال مجھے دیوان متھرا داس سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا جب کہ وہ لندن جاتے ہوئے پیرس میں ٹھیرے تھے - موصوف مہاراجہ کپور تھلہ رندھیر سنگھ کے وزیر ہیں اور نہایت فاضل اور علم دوست شخص ہیں - نواب سلطان علی خاں سے بھی ملاقات ہوئی - میں موصوف کے ساتھ ہندوستانی زبان میں گفتگو نہیں کر سکا اس لیے کہ وہ نہایت شستہ فرانسیسی بولتے ہیں - موصوف نے اپنی تعلیم کی تکمیل روس میں کی ہے -

† انہیں ہم مسلمانوں کے پروٹسٹنٹ کہہ سکتے ہیں - دیکھو میری کتاب "مسلمانان ہند کا مذہب" (Memoire Sur Ia Religion Musulmane dans l'Inde) —

ہوگی اور ان کے ساتھیوں اور ملازمین کی معلومات میں اضافہ ہوا ہوگا —

اس سال ہندوستان کا ایک اور نہایت معزز شخص یورپ آیا ہے۔ ہماری مراد (سر) سید احمد خاں سے ہے۔ موصوف کو علمی اور ادبی دنیا میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ سید عبداللہ نے مجھ سے بیان کیا کہ مسلمانان ہند میں (سر) سید احمد خاں کا سا عالم اس وقت کوئی اور موجود نہیں۔ نواب مرشد آباد کی طرح سید صاحب موصوف بھی اپنے صاحبزادوں کو اپنے ہمراہ یورپ لائے ہیں۔ آپ کا ارادہ ہے کہ دونوں صاحبزادوں کو بہترین تعلیم دلائیں۔ سید صاحب کی آزاد خیالی اور وسیع مشربی کا ثبوت آپ کی اس تصنیف میں موجود ہے جو انجیل مقدس پر لکھی ہے۔ آپ کا سفر کی غرض سے یورپ آنا بھی اسی وسیع مشربی پر مبنی ہے۔ سید صاحب موصوف نے علی گڑھ کے "اخبار" میں اپنے سفر یورپ کے تجربات شایع کیے ہیں اور اپنے قیام انگلستان کے حالات نہایت دلچسپ طریقے پر بیان کیے ہیں *۔ ہمیں پوری توقع ہے کہ ان حالات کو پڑھ کر

* سید صاحب موصوف کی میرے نو جوان دوست ایچ پامر سے خوب ملاقاتیں رہیں، جو آج کل کیمبرج میں ہیں۔ کوہ سینا کے کتبوں کی تحقیق میں ایچ پامر نے خاص نام پیدا کرلیا ہے اور ان کا علم و فضل آج مسلم ہوچکا ہے۔ موصوف نے

بہت سے ہندوستانیوں کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگی کہ تعلیم کی غرض سے انگلستان آئیں اور سفر سے فائدہ اٹھائیں۔ میری نظر سے یہ خبر گزری ہے کہ آئندہ سال بابو کیشب چندر بھی یورپ تشریف لا رہے ہیں —

(سر) سید احمد خاں کے قیام انگلستان کے دوران میں، ہندوستان کے ایک اور مشہور مسلمان عالم سید اولاد علی اپنے وطن واپس گئے ہیں تاکہ وہاں لوگوں کو تمدن جدید کی برکات سے آگاہ کریں اور اخبار بینی کا شوق پیدا کرائیں جس کے ذریعے یورپ کی ترقیات کا حال اہل ہند کو معلوم ہو اور ہندوستان میں ترقی کی جو مساعی ہو رہی ہیں ان کے متعلق لوگوں کو واقفیت حاصل ہو۔ سید اولاد علی آئرلینڈ کی جامعۂ ڈبلن میں اردو پڑھاتے ہیں اور کئی برس سے ڈبلن میں مقیم تھے —

ہندوستان میں اب تک اصلاحی اور علمی انجمنوں میں زیادہ فرق نہیں کیا جاتا۔ شاہ جہاں پور میں جو انجمن سنہ ۱۸۶۴ع میں قایم ہوئی ہے اس کے پیش نظر علمی اور

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کوہ سینا کے متعلق کئی ہزار کتبے جمع کیے ہیں اور ان کی عبارتوں کو حل کیا ہے جن پر بہت کچھ بحث مباحثے ہوچکے ہیں - موصوف نے ان کتبوں کی مدد سے یہ تحقیق کیا ہے کہ کوہ سینا کے علاقے میں پہلی صدی عیسوی میں ایک مستقل بستی آباد تھی -

ادبی کام ہے ۔ دراصل صوبۂ شمال مغربی میں یہ پہلی علمی انجمن ہے ۔ ارکان انجمن کی مستقل مزاجی کی بدولت یہ انجمن ترقی کر رہی ہے ۔ اب اس وقت جلال آباد اور دوسری تحصیلوں میں اس کی پانچ شاخیں موجود ہیں ۔ اہل ہند کا تعلق جن جن مسائل سے ہے ان سب پر اس کے جلسوں میں بحث ہوتی ہے اور کتابوں کے ذریعے خیالات کی نشر و اشاعت کی جاتی ہے ۔ چنانچہ انجمن بلدیات کے صدر اور اعلیٰ عہدہ داروں کے ساتھ تعلقات رکھتی ہے اور متعلقہ مسائل ان کے گوش گزار کرتی رہتی ہے ۔ چنانچہ بعض اوقات انہیں اپنا ہم خیال بناکر ضروری اصلاحات رائج کراتی ہے ۔ ابھی حال میں اس انجمن کی مساعی کی بدولت برہمنوں اور کھتریوں نے اپنی شادی کی بعض رسوم قبیحہ ترک کردی ہیں ۔ انجمن کی طرف سے ایک محتاج خانہ ، ایک مدرسہ سنسکرت اور عربی کی تعلیم کے لیے اور تین لڑکیوں کے مدارس قایم کیے گئے ہیں ۔ انجمن زندگی کے ہر شعبے کی اصلاح کرنا چاہتی ہے ۔ چنانچہ اردو شاعری میں جس میں عشق و محبت کے اظہار کے سوا کچھ نہیں ، انجمن تبدیلیاں پیدا کرنا چاہتی ہے ۔ انجمن کے نزدیک ہندی زبان کی ترقی ضروری ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس میں سنسکرت الفاظ رائج کیے جائیں ۔ انجمن کی طرف سے ایک ہندوستانی

رسالہ ' رفاہ خلائق '' شایع ہوتا ہے * - اس رسالے کے ساتھہ تبادلہ کر کے انجمن میں نو دوسرے اخبارات آتے ہیں - ان میں پانچ اردو، ایک بنگالی ' اور تین انگریزی کے ہیں - انجمن کے کتب خانہ میں اس وقت ' و ہزار کتابیں موجود ہیں † —

اس انجمن سے بڑا فائدہ یہہ ہوا کہ اس کی وجہ سے علی گڑہ ' لاہور ' اتاوہ ' بنارس ‡ ' بدایوں ' مراد آباد اور الہ آباد میں انجمنیں قایم ہوئیں - مراد آباد اور الہ آباد کی انجمنوں کی روداد اردو میں شایع ہوتی ہے - الہ آباد کی انجمن کی روداد "کارروائی جلسۂ عام ماہوار " کے نام سے شایع ہوتی ہے - اس کے سوا کالی چرن " مخزن العلوم ' کے نام سے الہ آباد سے ایک ماہوار ادبی رسالہ نکال رہے ہیں - مراد آباد کی انجمن کے رسالے کا نام " گنج العلوم " ہے —

(سر) سید احمد خاں نے جو " علی گڑہ انسٹیٹیوٹ " قایم کیا تھا وہ وزیر ہند ڈیوک آف ارگائل (Duke of Argyle) کے زیر پرستی خوب فروغ پا رہا ہے - مسٹر گرانٹ ڈف بھی جو نائب وزیر ہند ہیں ' اس کے حامی ہیں - سید صاحب موصوف

---

* اس کے متعلق آگے ذکر آے گا -

† علی گڑہ کا " اخبار " مورخہ ۱۳ جنوری سنہ ۱۸۶۹ ع -

‡ بنارس کی انجمن کا نام " انجمن ہند " ہے - بنارس چونکہ مرکزی جگہہ ہے اس واسطے وہاں کی انجمن بھی سارے ہندوستان کے لیے ہے -

پاسکو، انسٹیٹیوٹ کے معتمد اعزازی ہیں - اس انجمن نے بعض اہم انگریزی تصانیف کے اردو ترجمہ کا انتظام کیا ہے اس کے علاوہ ہفتہ وار "اخبار" نہایت پابندی سے شایع ہوتا ہے جس میں نہایت مفید معلومات ہوتی ہیں- چنانچہ مجھے اپنے اس خطبے کی تیاری میں "اخبار" سے بہت کچھہ مسالا ملا ہے - انسٹیٹیوٹ کی طرف سے ایک مدرسہ قایم کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے جہاں اعلی تعلیم کا انتظام کیا جاے گا - اس مدرسہ کا نام "مدرسۂ مفید خلائق" ہوگا - یہ بھی تجویز ہے کہ اس مدرسے میں ایک پنڈت سنسکرت اور ہندی کی تعلیم دینے کی غرض سے ملازم رکھا جاے * —

علی گڑہ کی انجمن کی طرح لاہور کی "انجمن پنجاب" بھی انگریزی تصانیف کا اردو ترجمہ کرا رہی ہے - مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اس انجمن کے بانی اور صدر ڈاکٹر لیٹنر کی غیر موجودگی سے یہ کام غیر مکمل نہ رہ جاے - ڈاکٹر لیٹنر (Leitner) عرصے سے ہندوستان میں مقیم تھے لیکن فی الوقت وہ انگلستان میں ہیں - موصوف نے سب سے پہلے یہ خیال پیش کیا تھا کہ لاہور میں ہندوستان کی قدیم السنہ (سنسکرت عربی اور فارسی) کی تعلیم کے لیے ایک علحدہ جامعہ قایم کی جاے - مجھے افسوس کے ساتھہ بیان کرنا پڑتا ہے کہ موصوف

کی اس تجویز کو حکومت نے منظور نہیں کیا حالانکہ پنجاب کے امراء و معززین نے اس تجویز کو کامیاب بنانے کے لیے بڑی بڑی رقمیں دینے کا وعدہ کیا تھا - اگر یہ تجویز منظور ہو جاتی تو یقیناً ہندوستانی ادبیات میں نئی جان پڑ جاتی - حکومت لاہور میں صرف ایک "مشرقی کالج" (Oriental College) قایم رکھنا چاہتی ہے - حکومت کے پیش نظر یہ بات ہے کہ اگر لاہور میں مشرقی یونیورسٹی قایم کی گئی تو وہ کلکتہ ، بمبئی اور مدراس کی یونیورسٹیوں سے بالکل مختلف نوعیت کی ہوگی —

بہار کی "سائنٹفک سوسائٹی" کا صدر مقام مظفر پور ہے - اس انجمن کے معتمد ایک فاضل مسلمان ہیں - اس وقت انجمن میں (۳۱۸) ارکان ہیں - اس تعداد میں ۱۲۸ مسلمان ہیں ، ۱۶۲ ہندو ہیں اور ۲۰ یورپین ہیں - انجمن کی طرف سے "اخبار الاخیار" شائع ہوتا ہے - تجویز ہے کہ انجمن مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لیے ایک کالج قایم کرے اور اس کے ساتھ مغربی علوم کی اشاعت کا کام بھی انجام دے * —

دهلی انسٹیٹیوٹ کی عمارت یورپین وضع کی اب تیار ہو چکی ہے - عمارت میں ایک کتب خانہ اور ایک عجائب

(*) اودھ اخبار - مورخہ ۱۰ نومبر سنہ ۱۸۶۸ ع ، اخبار عالم مورخہ ۶ مئی و ۸ جولائی سنہ ۱۸۶۹ ع —

کمر بھی شامل ہے (*) —

امسال جو نئی انجمنیں قایم ہوئی ہیں ان میں "نیٹی تال انسٹیٹیوٹ" قابل ذکر ہے - دوسری انجمنوں کی طرح اس کے بانی بھی چند متمول امرا ہیں جو قوم میں روشن خیالی پھیلانا چاہتے ہیں —

مشاعروں کا سلسلہ بدستور جاری ہے - ایک بڑا مشاعرہ آگرہ میں ١٦ اکتوبر سنہ ١٨٦٩ع کو ہونے والا تھا - اودہ اخبار مورخہ ٢٨ ستمبر سنہ ١٨٦٩ع میں ان شعرا کے لیے ہدایات کا اعلان شائع ہوا ، جو اس مشاعرہ میں شرکت کرنا چاہتے ہیں - ان ہدایات میں ہے کہ شعرا پہلے سے اپنے نام ، تخلص ، مذہب ، عمر ، استاد کا نام اور یہ کہ آیا استاد زندہ ہے یا فوت ہوگیا ، مطبوعہ دوانین کے نام اور دوسرے حالات کے متعلق اطلاع کردیں —

ان انجمنوں کے قیام سے اہل ہند کا یورپ کے ساتھ ربط قایم ہو رہا ہے - اس ربط ضبط کی بدولت ہندوستان میں ایک نئی تہذیب قایم ہونے والی ہے - اس وقت ہندوستان میں جس قدر جامعات ، مدرسے اور کالج قایم ہیں وہ سب کے سب مغربی اصول پر ہیں - آہستہ آہستہ اہل ہند مغربی

(*) ملاحظہ ہو بیولا ناتھ چاندر کی کتاب "ایک ہندو کا سفر" جلد ٢ - صفحہ ٣٨٠ -

علوم سے آشنا ہوتے جارہے ہیں - جس طرح انہوں نے قدیم علوم کی تحصیل میں کمال پیدا کیا تھا، اب وہ مغربی اثر سے جدید طریق تعلیم میں بھی کمال پیدا کرنے لگیں گے * —

اس وقت تقریباً ۳۰ لاکھ ہندو اور ۹۰ ہزار مسلمان سرکاری مدارس میں تعلیم پارہے ہیں - اس کے سوا ۳۳ ہزار لڑکے اور ۸ ہزار لڑکیاں مشن کے مدرسوں میں پڑھ رہی ہیں- اب تک جو بات سننے میں نہیں آئی تھی اس کی عملی صورتیں ہمارے سامنے ظاہر ہورہی ہیں - ہندو، مسلمان اور پارسی اپنے خرچ سے مدارس قایم کررہے ہیں جہاں نہ صرف لڑکوں بلکہ لڑکیوں کی بھی تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے- یہ مدارس مغربی اصول پر چلائے جاتے ہیں- پورنیا کے ایک باشندے نے آٹھ سو روپے سالانہ کی رقم اپنے گانوں میں مدرسہ قایم کرنے کے لیے وقف کردی ہے † - ہندوؤں نے آپس میں مل کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ مدراس میں دیسی عورتوں کو نارمل کی تعلیم دینے کے لیے ایک مدرسہ قایم کیا جائے - راجہ وزیا نگرم نے وعدہ کیا ہے کہ وہ پانچ طالبات کا خرچ خود برداشت کریں گے - ملکی تعصبات کو تسلیم کرتے ہوئے اربابِ مدرسہ نے یہ قاعدہ بنا دیا ہے کہ شروع شروع میں صرف اونچی

(*) بنارس میں بعض اہل ہند اطالوی زبان سیکھ رہے ہیں -

(†) "اخبار" - مورخہ ۲۶ اپریل سنہ ۱۸۶۹ ع -

ذات کی لڑکیاں مدرسے میں شریک ہوسکیں گی * —

مراد آباد میں مدرسۂ فوقانیہ کے جلسۂ افتتاحی کے موقع پر سر ولیم میور لفٹننٹ گورنر صوبہ شمال مغربی نے تقریر کے دوران میں کہا کہ یہ مدرسہ ایک مسلماں خاتون کے وقف کی بدولت قایم ہورہا ہے - اس وقف کا انتظام حکومت کے ہاتھہ میں ہے - دراصل اس شہر میں پہلے سے امریکن مشن اسکول موجود تھا لیکن چونکہ اہل ہند نے کثیر تعداد میں مسیحی مذہب نہیں قبول کیا ہے اس لیے حکومت نے بظاہر اس معاملے میں غیر جانبداری کا اظہار کیا ہے - اگرچہ حکومت مشنریوں کے جوش عمل کی قدردان ہے لیکن وہ ہندوستانی طلبہ کو ان کی تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب نہیں دے سکتی —

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستانی نوجوان نہ صرف مشن اسکولوں بلکہ سرکاری مدارس میں جو تعلیم حاصل کر رہے ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ عیسائیت کی طرف مائل ہوں - مسلمانوں کو خاص کر اس بات کا احساس ہے اور وہ اپنے بچوں کو ان مدارس میں بھیجنے سے احتراز کرتے ہیں - اس لیے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ

(*) ہوم ورڈ میل - مورخہ ۲۵ جنوری سنہ ۱۸۶۹ - ع -

مذہب اسلام کے علاوہ نجات کا کوئی دوسرا رستہ نہیں *۔ لیکن ہندو لوگ اس باب میں زیادہ سخت نہیں ۔ چنانچہ انہیں کی جماعت کے افراد مسیحی تبلیغ سے متاثر ہو رہے ہیں۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مشنری بھی غافل نہیں ہیں۔ وہ بھی اپنا کام انہماک سے کیے جاتے ہیں اور اپنی مساعی کا پھل پاتے ہیں ۔ مسیحی جماعتوں کی تصانیف، رسائل اور اخبارات کی بدولت دیسی لوگوں میں مسیحی خیالات کا چرچا بڑھ رہا ہے اور وہ مسیحی دین کی طرف مائل ہو رہے ہیں ۔ کپتان ایکمان (Aikman) کی کتاب "ثلاثۃ الکتب" جس سے ان کی مراد عہد نامۂ جدید، عہد نامۂ عتیق اور قرآن سے ہے، بہت مقبول ہوئی † ۔ یہ کتاب اردو میں لکھی گئی ہے ۔ مدراس کے اسقف نے ازراہ عنایت اس کا ایک نسخہ مجھے بھیجا ہے۔ اس کتاب سے مسلمانوں میں ہل چل مچ گئی ہے ۔ ہر جگہ مولویوں نے جلسے کرکے اس کا پڑھنا ممنوع قرار دیا ہے۔ اس کتاب میں مسئلۂ نجات اُخروی کے متعلق جو عیسائیوں اور مسلمانوں میں مختلف فیہ چلا آتا ہے، بحث

---

* حیدرآباد سندھ میں ایک مسلمان کے عیسائی ہو جانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ دو سو مسلمان طالب علم جو مشن اسکولوں میں تعلیم پا رہے تھے اپنے نام خارج کرا کے علحدہ ہو گئے ۔

† یہ کتاب بڑی تقطیع پر ۲۳۲ صفحات پر حاوی ہے ۔ اصل کتاب اردو میں ہے لیکن یوروپین پبلک کے لیے مصنف نے اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کردیا ہے ۔

کی گئی ہے - چنانچہ انجیل اور قرآن کی رو سے مسلمانوں کے بہت سے عقاید کو غلط ثابت کیا گیا ہے —

کلکتہ کے مشہور معروف اسقف نے گزشتہ سال اپنے پورے علاقے کا دورہ کیا - موصوف کشمیر اور پشاور بھی گئے- ہر جگہہ خوب شاندار استقبال کیا گیا - موصوف اردو بلا تکلف بولتے ہیں جس کے باعث انہیں دیسی لوگوں سے میل ملاقات میں بہت سہولت ہوتی ہے * - پنجاب میں ۳۰ مرکزوں کا معائنہ کیا - چار نئے کلیساؤں کی افتتاحی رسم ادا کی- آٹھ قبرستانوں کو قدوم میمنت لزوم سے سرفراز کیا ' ۳۱ جلسوں کے موقعوں پر ۳۶۵ اشخاص کا کنفرمیشن (Confirmation) کیا جن میں سے ۷۳ دیسی لوگ تھے†- موصوف نے " انجمن اشاعت انجیل" کے روبرو کہا کہ چھوٹا ناگپور میں سات ہزار دیسی مسیحی زمرے میں داخل ہوگئے ہیں- چنانچہ اس علاقے کے لیے چار لیوتھری مسلک کے پادری مقرر کردیے گئے ہیں اور انہیں حق تبلیغ عطا کیا گیا ہے ‡ —

مسیحی مبلغوں نے اس خیال سے کہ ہندوستانی رواج کی خلاف ورزی نہ ہو ' یہ فیصلہ کیا ہے کہ جو عورتیں عیسائی

---

* سب اخباروں میں میری نظر سے یوں گزرا کہ موصوف اردو بولتے ہیں نہ کہ ہندی —

† کولونیل چرچ کرانیکل - ۲ مارچ سنہ ۱۸۶۶ ع—

‡ الفینج میل- ۲۲ جولائی سنہ ۱۸۶۶ ء

مذہب قبول کریں اور جو پہلے سے پردے کی زندگی کی عادی ہوں، وہ اپنے مکان میں ہی بپتسمے کی رسوم پوری کرسکتی ہیں - لیکن عشاے ربانی کے لیے انہیں اجازت ہوگی کہ برقع پہن کر کلیسا اور لوح مقدس کے قریب جائیں ان کے لیے علحدہ جگہہ مقرر کردی جاتی ہے جہاں انہیں کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھ سکتا - بالکل اسی طرح جیسے Carmelites اور Clarisses کے کلیساؤں میں انتظام کیا گیا ہے - ریورنڈ آر کلارک نے امرتسر کے انگلی کن مشن کی سنہ ۱۸۶۸ ع کی رپورٹ میں یہ باتیں بیان کی ہیں —

جو لوگ ابھی حال میں مسیحی زمرے میں شامل ہوے ہیں ان میں مولوی سراج الدین پانی پتی قابل ذکر ہیں - ان کی عمر اس وقت سو سال ہے - وہ عماد الدین کے والد ہیں جن کے متعلق میں گزشتہ سال تذکرہ کرچکا ہوں اور تفصیلی حالات بیان کرچکا ہوں - وہ اس وقت انگریزی کلیسا میں پادری ہیں - ان کے بھائی خیرالدین اور ان کی بیوی اور خود عماد الدین کی بیوی کے سوا اس خاندان کے سب افراد نے عیسائی مذہب قبول کرلیا ہے - کریم الدین اب تک اسلام کے نام لیوا ہیں —

ایک دن آنے والا ہے جب پورا ہندوستان مسیحی جھنڈے تلے ہوگا - ہمیں پوری توقع ہے کہ، خداے تعالیٰ نے جو دن

اس کام کے لیے مقرر کیا ہے وہ قریب آ رہا ہے جب کہ زمین پر آسمان کی جانب سے ایک روشنی نازل ہوگی جس سے دنیا چمکا اٹھے گی۔ اسی روز کا دنیا اتنے عرصے سے انتظار کررہی ہے"*۔

"صلیب کے علم" ایک دن دنیا پر چھا جائیں گے، اور خدائے حی و قیوم کا کلام مقدس دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ جائے گا ... ہندوستان کے جنوبی ساحلوں پر جہاں شیطان پوجا جاتا تھا، آج وہاں ہمارے آقا یسوع مسیح کے کلمات پاک کا غلغلہ بلند ہے اور مسیحی تعلیم لوگوں کے دلوں میں گھر کر رہی ہے †۔

اس صدی میں اعداد و شمار کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ علیگڑھ کے "اخبار" میں جو اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں انہیں میں اس جگہ درج کرتا ہوں۔ ان کے دیکھنے سے آپ کو سنہ ۱۸۶۸ء - ۱۸۶۷ ع کی ہندوستان کی مذہبی زندگی کا حال معلوم ہو جائے گا۔ یہ اعداد و شمار "ہندوستانی نظم و نسق کے سالنامے" سے نقل کیے گئے ہیں۔ حکومت برطانیہ کے تحت اس وقت ۱۵ کروڑ نفوس زندگی بسر کر رہے ہیں ان میں سے دس لاکھ ترانوے ہزار عیسائی ہیں، جن میں

---

* یہ "دعاے پیرس" کے ابتدائی اشعار ہیں - یہ دعا "دعاے لیون" میں شامل کرلی گئی ہے جو بہت قدیم ہے - لیکن ۱٦ مارچ سنہ ۱۸٦۹ ع کے احکام کی رو سے نئی دعا یا جسے Romano - lyonnaise کہتے ہیں رائج ہوئی ہے -

† ورڈ زورتھ - "ہولی ایئر" Holy-Year مناجات ۱۲ -

۹۴۰۰۰۰ کتھولک ہیں ۴۵۳۰۰۰ پروٹسٹنٹ وغیرہ ہیں * - گیارہ کروڑ ہندو ہیں - تیس لاکھ بدھ مت کے متبعین ہیں - دو کروڑ پچاس لاکھ مسلمان ہیں - ایک کروڑ بیس لاکھ قدیم باشندے ہیں جو نیم وحشیانہ زندگی بسر کرتے ہیں - ستر لاکھ پارسی یہودی وغیرہ ہیں —

یہ بات آسانی سے سمجھہ میں آتی ہے کہ ہندو لوگ زمرۂ اسلام میں شامل ہو رہے ہیں - لیکن یہ بات سمجھہ میں نہیں آتی کہ بعض عیسائی لوگ نہ معلوم کیوں اسلام قبول کر لیتے ہیں - اگرچہ اس کی مثالیں کم ہیں لیکن ہیں ضرور - امسال بعض تنگ دست یورپین مسلمان ہو گئے - اردو کے ایک اخبار " چشمۂ علم " میں ان غریب یورپینوں کے اسلام قبول کرنے کے متعلق حالات بیان کیے گئے ہیں - یہ محتاج لوگ مدراس کی ایک مسجد میں جمع ہوے اور شریک اسلام ہونے کا اعلان کر دیا اور نماز میں اس کے بعد دوسرے مسلمانوں کے ساتھہ شرکت کی - اس مذکورۂ بالا اخبار کے مدیر نے یہ لکھا ہے کہ اور بعض دوسرے یورپینوں کا

---

* ہندوستان کے قدیم عیسائیوں کو " سینٹ طوماس کے عیسائی " کہتے تھے - ان کی مناجاتیں سریانی میں ہیں یہی حضرت مسیح کی زبان تھی یہ لوگ رومن کیتھولک یا دوسرے کلیساء میں ضم ہونا نہیں چاہتے - بلکہ وہ اپنے تئیں یونانی کلیساء سے وابستہ ٹھہراتے ہیں اس لیے کہ آخر الذکر قدیمی مسیحیت سے قریب ترین ہے جس کی وہ نمائندگی کے دعویدار ہیں-

بھی یہی ارادہ تھا کہ اسلام قبول کر لیں، مکہ حج کے لیے جائیں اور اس طرح اپنا "پیٹ بھریں" —

ایک سوئٹزر لینڈ کے باشندے نے کمال کر دیا۔ نہ صرف یہ کہ اس نے اسلام قبول کر لیا بلکہ اب وہ مشرقی لباس زیب تن کیے ہوئے ہندوستان میں تبلیغ کرتا پھرتا ہے۔ مجمعوں میں تقریریں کرتا ہے اور قرآن کے مطالب اردو میں بیان کرتا ہے حالانکہ اردو پر اسے قدرت حاصل نہیں * —

اب ہم ان ہمدردوں کا حال بیان کرتے ہیں جنہوں نے گزشتہ سال داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ میں سب سے پہلے ایک مشہور و معروف انگریز سر ہربرٹ ایڈورڈز کا ذکر کرتا ہوں جن کا گزشتہ دسمبر میں ۲۳ تاریخ کو انتقال ہوا۔ ان کی عمر صرف ۴۹ سال تھی۔ موصوف ایک حوصلہ مند فوجی آدمی تھے اور علم و فضل میں بھی ممتاز تھے۔ میں خاص کر سب سے پہلے موصوف کا ذکر اس لیے کر رہا ہوں کہ آپ کو ہندوستانی زبان سے خاص لگاؤ تھا۔ شملہ سے جو اردو اخبار نکلتا ہے وہ موصوف ہی کی سرپرستی میں شائع ہونا شروع ہوا تھا۔ اس اخبار کی زبان اردو ہے لیکن چونکہ چندہ دینے والوں میں کثرت ہندو لوگوں کی ہے اس لیے انہیں خوش کرنے کے لیے اس کی طباعت دیوناگری رسم خط میں ہوتی

---

* اردو اخبار، مورخہ ۵ جنوری سنہ ۱۸۶۹ ء —

ہے - موصوف نے ایک نہایت عمدہ کتاب تصنیف کی تھی جس کا نام " پنجاب میں ایک سال " (A Year in the Punjab) ہے- میں نے یہ اعلان دیکھا تھا کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ عنقریب لاہور سے شائع ہونے والا ہے- موصوف نے "دہلی گزٹ" میں متعدد مضامین بھی تحریر کیے جو نہایت دلچسپ تھے- آپ نہایت پابند مذہب عیسائی تھے اور آپ کی دلی خواہش تھی کہ سب ہندوستانیوں کو مشرف بہ مسیحیت کریں - آپ نے حکومت کی مذہبی غیر جانبداری کے خلاف متعدد بار صدائے احتجاج بلند کی اور حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ اسے مسیحی مبلغین کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے- موصوف ہی کی تحریک پر ان مدارس میں جہاں برطانوی نظم و نسق کی تعلیم دی جاتی ہے ' انجیل کی تعلیم لازمی قرار دی گئی اِس لیے کہ اِس کی حیثیت مستند ادب کی ہے - آج موصوف وہاں ہیں "جہاں بادل اور سایے کا وجود نہیں ' اور جہاں آفتاب عدل کی قربت کے باعث ہم سر چشمۂ حقیقت کے دو بدو آجا سکتے ہیں " * -

پچھلے سال دو مشہور ہندوستانی اہل قلم نے دعوت اجل کو لبیک کہا - ایک رجب علی بیگ سرور ہیں جن کے انتقال کی خبر میں نے علی گڑھ کے " اخبار " مورخہ ۱۴ مئی میں

---

* بیپٹا چارلس پیرس -

پڑھی - موصوف نثر نگار کی حیثیت سے اپنے ہم عصروں میں امتیاز رکھتے تھے اور عام روش کے خلاف اپنی خیالی تصانیف کو نثر کے ذریعہ ظاہر کیا - موصوف کا شاہکار " فسانۂ عجائب " ہے جسے اہل ہند فرصت کے اوقات میں پڑھ کر محظوظ ہوتے ہیں - اس کے سوا اور تصانیف بھی موصوف نے یادگار چھوڑی ہیں - آپ راجہ صاحب بنارس کے ہاں اعلیٰ خدمت پر مامور تھے اور راجہ صاحب آپ کا بہت لحاظ کرتے تھے - دوسرے مشہور شخص اسداللہ خاں غالب ہیں - آپ .سد بھی تخلص کرتے تھے - آپ کا سرور سے دو ماہ قبل ۷۳ سال کی عمر میں انتقال ہوا - موصوف اپنے زمانے کے بہترین انشاپرداز اور شاعر تصور کیے جاتے ہیں - اہل ہند کا خیال ہے کہ موصوف کی تصانیف ابدالآباد تک زندہ اور باقی رہیں گی —

علمی اور ادبی دنیا کی ان دو ممتاز شخصیتوں کے علاوہ دو اور ہیں جن کا گزشتہ سال انتقال ہوا اور جنھیں سیاسی حیثیت سے اہمیت حاصل ہے - نواب کریم شاہ برادر ٹیپو سلطان کی بیوہ کا ۱۷ اپریل سنہ ۱۸۶۹ ع کو انتقال ہوگیا - حیدر علی شاہ کے زمانہ میں موصوفہ کی شادی ہوئی تھی - انتقال کے وقت بیگم صاحبہ کی عمر ۱۱۴ سال تھی - اور آخر وقت تک ہوش و حواس برقرار رہے - فروری سنہ ۱۸۶۹ ع

میں افضل الدولہ نظام الملک والیء حیدر آباد (دکن) نے داعی اجل کو لبیک کہا - آپ پابند مذہب مسلمان تھے - آپ کے ہاں چار سو حافظ قران کی تلاوت میں مصروف رہتے اور ۳۴۰ علما اسلامی علوم اور مسئلے مسائل کی تحقیق میں مشغول رہتے تھے - میر محبوب علی خان بہادر جو اس وقت بہت کم عمر ہیں' آپ کے تخت و تاج کے وارث ہیں - انگریزی حکومت کی سر پرستی میں (سر) سالار جنگ وزیر اعظم ریاست حیدر آباد انصرام مملکت کے فرائض بحیثیت ولی انجام دے رہے ہیں - اگرچہ نظام کو اپنی ریاست میں جو رقبے میں انگلستان سے بڑی ہے' پوری آزادی حاصل ہے لیکن وہ انگریزی اقتدار کو تسلیم کرتے ہیں - اس ریاست کی آبادی ایک کروڑ دس لاکھ ہے - اس ریاست کے باشندوں کی زبان دکنی اردو ہے - گولکنڈہ کسی زمانے میں اس ریاست کا پایۂ تخت تھا اور ہیرے کی کانوں کے لیے تمام عالم میں مشہور تھا - اب یہاں ہیرے نہیں نکلتے - سندباد جہازی نے وادیء گولکنڈہ کے دلفریب حالات کہانی کے طور پر بیان کیے ہیں لیکن دوسرے مشہور سیاحوں نے جو یہاں کا ذکر کیا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے - چنانچہ مارکوپولو نے اپنے سفر نامے میں یہاں کے جو حالات بیان کیے ہیں انہیں ہم بطور مثال پیش کر سکتے ہیں —

"بادشاہ ہو یا کوئی عامی' موت ہر ایک کے لیے بر حق ہے - عربوں کا مقولہ ہے "حاصلِ زندگی موت ہے" —